چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈائجسٹ

کراچی

قیمت -/90 روپے

Dec. 2018

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

18 آخری چیخ — شکیل نیازی
دل دہلاتی...... جسم وجاں پر سکتہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی...... چونکا دینے والی کہانی

51 شیطانی کھیل — ایس امتیاز احمد
روح کو لرزہ براندام کرتی اور دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی ڈراونی کہانی

57 منحوس حویلی — شہزاد خان
شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کیلئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

65 تنہائی — نینا خان
جسم وجاں پر خوف کی لہر دوڑاتی ایک ناقابل یقین لرزا بر اندام کرتی خوفناک کہانی

71 موت کی رات — ماسٹر خالد عباس
پر تحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

74 جان لیوا — راشد نذیر طاہر
ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

99 فارم ہاؤس — فرح انیس
صدیوں پرانی ایک کھنڈر اور ویران جگہ کی داستان جو لوگوں پر سکتہ طاری کردے گی

105 رقیب — محمد رضوان قیوم
دل و دماغ میں سنسناتے والی عجیب روداد لیکن اس کہانی کا حرف بہ حرف حقیقت پرمبنی ہے

117 موت کا بدلہ — محمد خالد شاہان
دل و دماغ کو سوتی ہوئی خوف دہراس سے پر دل گرفتہ اور دل فریفتہ ہولناک کہانی

125 خونی فلم — مریم فاطمہ
رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی خوفناک حیرت ناک خونچکاں بھونچکاں کہانی

130 سیٹی — ثناء
خود غرضی مطلب پرستی کی ایک ناقابل فراموش دل دہلاتی...... اچھوتی اور حقیقی روداد

154 عفریت — این اے کاوش
ایک خونی عفریت کی دل دہلاتی اور کرب و اذیت سے دوچار کرتی ...... دلخراش کہانی

177 تلاش — گلاب خان سولنگی
قدم قدم پر...... خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی...... ایک عجیب لرزا دینے والی کہانی

185 کالا عمل — فاطمہ خان
دل و دماغ پر لرزہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی خوفناک، وحشت ناک، دہشت ناک کہانی

188 پریم کہانی — حسنین حیدر شاہین
عقل کو حیران اور تجسس کے سمندر میں غوطہ زن کرتی انوکھی دل فگار حیرت ناک کہانی

205 دھواں — مدثر بخاری
تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں گے

215 خاک ہستی — اقصیٰ رباب
حرص ولالچ کے لبادے میں لپٹی ہوئی ایک عجیب و غریب...... عبرت ناک...... کہانی

آخری برسوں — ذیشان بن صفدر
عجیب و غریب رسم ورواج کی کہانی پڑھنے والوں کو حیرت سے دوچار کردے گی

222 موت کا راج — محمد طاہر اشتیاق
برسہا برس سے قید ایک روح کی عجیب داستان حیرت جو کہ جسم و جاں پر سکتہ طاری کردیگی

226 ہم شکل — عثمان غنی
نادیدہ مخلوق کی عجیب و غریب حقیقت جسے عقل تسلیم نہیں کرتی، لیکن کہانی حقیقی ہے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

حالم اردو ناول سیریز
نمرہ احمد کے قلم سے
ایک لازوال تحریر
قسط نمبر 23

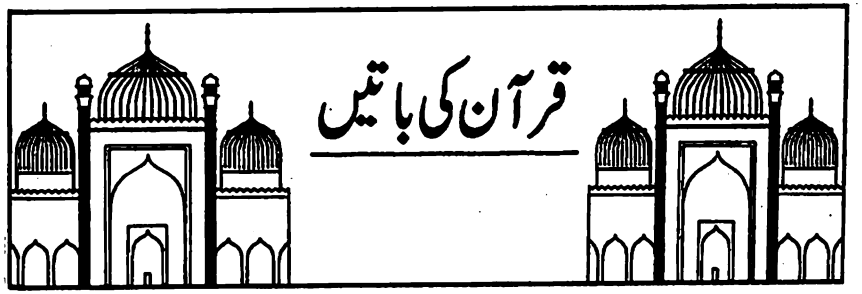

قرآن کی باتیں

☆ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 3)

☆ اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلد توبہ کرلیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے۔ اور وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر برے کام کرتے رہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مریں ایسے لوگوں کے لئے ہم نے عذاب الیم تیار کررکھا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 17 سے 18)

☆ بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے، یا ایک اللہ یکتا و غالب؟ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ سن رکھو کہ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورۃ یوسف 12 آیت 39 سے 40)

☆ اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں۔ (سورۃ نور 24 آیت 4)

☆ باپ (یعقوبؑ) نے کہا تمہارا اسے (یوسفؑ کو) لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل ہو۔ (سورۃ یوسف 12 آیت 13)

☆ یہ لوگ نہیں مانتے تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے۔ (سورۃ غاشیہ 88 آیت 17)

☆ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 85)

☆ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ (سورۃ فاطر 35 آیت 28)

☆ مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔ (سورۃ اعلیٰ 87 آیت 16 سے 17)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی"، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

Digitized by Google

خطوط

کائنات بلوچ بلوچستان سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ ماہ نومبر کا شمارہ مل گیا، دل خوشی سے جیسے پاگل ہوگیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں کافی دل کو سکون عطا کرگئی۔ پھر خطوط کی محفل میں گئی تو نینا خان آپ کی ہر اسٹوری جاندار شاندار ہوتی ہے،، مریم فاطمہ آپ اچھا لکھ رہی ہیں۔ بلقیس خان اور ایس حبیب آپ کا خط پسند آیا۔ عثمان غنی آپ کا خط بہت اچھا لگا۔ مسز سندس آپ نے اپنے خط میں جائز باتیں لکھی ہیں۔ پہلی نینا خان کی کہانی تھی۔ ویلڈن نینا صاحبہ یہ ایک بہترین کہانی رہی، اس ماہ کی نمبر ون کہانی عثمان غنی کی موورتی رہی اور سب پر چھا گئی۔ ایک بہترین کہانی جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔۔۔۔ ایس امتیاز احمد کی کونگا طاعون بہت اچھی رہی۔ جن زادی قاسم رحمان کی مکمل طور پر مجھے بہت پسند آئی۔ گمراہی نے مجھے بہت دکھی کردیا۔ اور طلسم کدہ نے بھی خوب رنگ جمایا۔ جادوئی حصار معذرت کے ساتھ مجھے بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ آج کل لوگ بہت بہتر لکھ رہے ہیں، ان سب میں سرفہرست عثمان غنی ہیں۔ اور اس کے بعد نینا خان، ایس امتیاز احمد، بہت بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ اعجاز احمد کا خط اچھا نہیں لگا۔

☆☆ کائنات صاحبہ: خلوص دل سے کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، ہر آدمی کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے، بہر حال ہر کسی کو سننا اور دیکھنا پڑتا ہے۔ خیر آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا انتظار رہے گا۔

دل نور عبید کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر السلام علیکم! میری طرف سے آپ کو اور آپ کے ادارے کو، اور تمام مصنفین کو اور سارے میرے پیارے اور اچھے خوبصورت قارئین کرام کے لئے دعا گو ہوں۔ نومبر کا ڈر ڈائجسٹ جلدی مل گیا۔ ٹائیٹل بہت خوبصورت تھا، لڑکی بہت پیاری تھی، اور اس کے پیچھے، ادارے نے جو قرآن کی باتیں دی ہیں وہ پڑھیں۔ پھر خطوط کی طرف چلی آئی، بادشاہی زینت خان کو سونپی گئی تھی۔ آپ بہت زیادہ اچھا لکھتی ہیں، بلقیس خان اور ایس حبیب خان کو پیارا سا سلام قبول ہو، آپ کا تبصرہ بہت پیارا ہوتا ہے، آپ دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کرتی ہیں۔ ایس حبیب خان، آپ ماشاء اللہ ڈر کی جان ہیں، ہر ماہ تبصرہ بھیج دیا کریں، خطوط کی محفل آپ کے بنا ادھوری لگتی ہے۔ نینا خان صاحبہ آپ کا خط بھی بہت پیارا تھا، آپ دن بدن اچھی کہانیاں لے کر آرہی ہیں۔ اور عثمان غنی کا خط بھی بہت اچھا تھا۔ تبصرہ کرنے کا انداز بہت میٹھا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی عثمان غنی کی موورتی کا جواب نہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رائٹر کو زور قلم اور دے۔ (آمین)

☆☆ دل نور صاحبہ: ہماری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رائٹر اور قارئین کرام پر اپنا فضل و کرم کرے، رائٹر حضرت آج کل خوب محنت اور لگن سے کہانیاں لکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اور بھی زور قلم دے، اور ہاں آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھول نہ جائیے گا مت۔ Thanks۔

مہرینہ غلام علی بدین سے، السلام علیکم! امید واثق ہے کہ ادارہ بخیر و خیریت ہوگا، ڈر کا نیا شمارہ جلد مل گیا، خیر مسز زینت خان صاحبہ اسی کا نام زندگی کا ہے۔ کیونکہ کبھی دکھ کبھی سکھ، ایس حبیب خان اور، بلقیس خان آپ کو سلام، عثمان غنی، آپ تیزی سے اپنی اچھی کہانیوں کی وجہ سے سب کے فیورٹ بن رہے ہیں،، نینا خان نئی کہانی موت کا بلاوا نے کمال کردیا۔ مسز سندس اقبال آپ کی باتیں ساری ٹھیک ہیں مگر یہاں کون عمل کرتا ہے۔ میں آپ کی باتوں سے اتفاق کرتی ہوں۔ گلاب خان سو لگی آپ کی نئی کہانی آئی؟ مگر کیسی لگی کچھ دیر میں بتاؤں گی۔ ماہ نومبر کے شمارے میں اس بار جو تحریر سب پر بھاری پڑ گئی، وہ عثمان غنی کی موورتی تھی۔ کہانی بالکل فریش الگ اور نیو موضوع پر تھی۔ مجھے آخری سین نے شاکڈ کیا۔ قاسم رحمان کی جن زادی بھی اچھے موضوع پر لکھی گئی پیاری تحریر تھی۔ آسیبی جھونپڑی بہترین لگی، خونی مہم متاثر کرنے میں ناکام ہوگئی، جبکہ ایس امتیاز احمد کی کونگا طاعون بھی پسندیدگی کی سند لینے میں کامیاب رہی۔ گمراہی بس گزارنے کے لائق تھی ہارون پاشا نے کمال کردیا۔ شمارے میں نئی کہانیاں کافی اچھی تھیں۔ اعجاز احمد بھائی پہلے بندہ خود پر نظر ڈالے۔ پھر ایسی بات کرے۔ اگر پہلے آپ کا تجزیہ پسند کیا گیا تھا۔ تو شاید اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ نے کہانیوں پر تعریف و تنقید کی تھی۔ کسی لکھنے والے پر نہیں۔ کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے چار انگلیاں اپنی طرف گھوم جاتی ہیں۔ باقی آپ سمجھدار

ہیں۔ غور کیجئے گا۔

☆☆ مہرینہ صاحبہ: آپ کی بات مثبت ہے، اور امید ہے تمام قارئین کرام غور کریں گے، ویسے ہر آدمی کی اپنی سوچ اور اپنی پسند ہوتی ہے، آئندہ ماہ بھی پرخلوص الفاظ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

فریال مروج ، کوہاٹ سے، السلام علیکم! ڈیئر ایڈیٹر صاحب یقین اور امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہوں گے، جیسے ہی اس ماہ کا ڈر ڈائجسٹ ملا، دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا، خوبصورت سرورق پر ایک حسین و جمیل دوشیزہ دلکش سا پوز مار رہی تھی، قرآن کی باتیں بہت اچھی لگیں، خیر خطوط کی محفل میں پہنچے تو آگے ایک اور بڑا جھٹکا لگا۔ مسز سندس اقبال صاحبہ نے جو بات بتائی، وہ کافی حیران کن تھی۔ مگر اب کیا کریں؟ بلقیس خان کو سلام، ایس حبیب آپ اچھا لکھتی ہیں، مسز زینت خان کا کوئی مقابلہ ہی نہیں، مریم فاطمہ اب آپ کی کہانیاں بھی اچھی لگ رہی ہیں۔ عثمان غنی آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔ دل پسند باتیں لکھ ڈالی تھیں، شہزاد خان صاحب آپ کا تبصرہ بھی بہت پیارا تھا۔ قارئین میری آپ سے گزارش ہیں کہ آپ کہانیوں پر تبصرہ کیا کریں، کسی لکھاری پر نہیں۔ باقی اس ماہ کہانیوں میں، نمبرون کہانی مورتی نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عثمان غنی صاحب بہت بہت مبارک باد قبول ہو، موت کا بلاوا نے بہت دکھی کیا۔ نینا خان کی کہانی نمبر ٹو رہی۔ گمراہی ایک بے مقصد تحریر ثابت ہوئی، آسیبی جھونپڑی نے مریم فاطمہ کا نام اونچا کر دیا۔ سنگین سزا نے جہاں پیار و محبت کا عکس دکھایا، وہیں عامر شہزاد کا نام بھی روشن کیا، جن زادی بلاشبہ ایک بہترین کہانی ثابت ہوئی۔ قسط وار تحریروں میں جان لیوا زبردست جا رہی ہے۔ عثمان غنی اور عمران قریشی میرے من پسند لکھاری ہیں، ان کی کہانیاں ہر ماہ لگنی چاہیے۔ ڈر ڈائجسٹ ایک بہترین ڈائجسٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈر کو مزید ترقی دے۔

☆☆ فریال صاحبہ: دل کی گہرائی سے تجزیہ لکھنے پر بہت بہت شکریہ، امید ہے آپ کی تحریر پڑھ کر رائٹر حضرات غور کریں گے۔ آئندہ ماہ خط لکھنا نہیں بھولنا۔ شکریہ

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم! ماہ نومبر کا ڈر بہت جلد مل گیا، ٹائٹل بہت جاندار اور شاندار تھا۔ پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں ہمیشہ کی طرح سب سے زیادہ خوشی ملی۔ خطوط اس ماہ کافی زیادہ تھے۔ فلک زاہد، ایس حبیب خان کہاں گم ہوگئی ہو؟ مسز زینت خان اللہ آپ کے مشکلات رفع فرمائیں! اس کے علاوہ بہت سے نئے نام نظر آئے۔ اچھی بات ہے، کہانیوں پر بات کرتے ہیں، پہلی کہانی، موت کا بلاوا، نینا خان کی بہترین تحریر ثابت ہوئی۔ اس ماہ نومبر کے ڈر کی سب سے بہترین کہانی عثمان غنی کی مورتی رہی۔ اس کہانی میں تسلسل تھا۔ ایس امتیاز احمد کی کوبرا طاعون نے بھی بے حد متاثر کیا۔ جن زادی کا موضوع پرانا تھا، مگر قاسم صاحب کا لکھنے کا انداز ٹھیک تھا۔ طلسم کدہ بھی پرانے موضوع کی تھی۔ جبکہ خونی مہم گلاب خان نے اچھی کوشش کی، عفریت کی قسط متاثر کر گئی الوشہ کی حرکات پسند آنے لگیں۔ ہارون پاشا ایک بہترین کہانی رہی۔ جان لیوا اپنی نام کی طرح بہترین ہے، آسیبی جھونپڑی مریم فاطمہ کی کہانی واقعی ایک اچھی اور خوبصورت کہانی ہے۔ اس پورے شمارے میں نمبرون کہانی عثمان غنی کی مورتی تھی۔ مجھے تو بہت اچھی لگی۔ یہ بلاشبہ ایک سپر ہٹ تحریر تھی۔ ڈر کے لیے دعا گو۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: آپ کی باتیں پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آپ کی تمام باتیں دل کو لگتی ہیں، عثمان غنی آج کل واقعی بہت زیادہ محنت کر رہے ہیں، اللہ انہیں اور زور قلم عطا کرے۔

امرحہ خان ملتان سے، ماہ نومبر کا ڈر ڈائجسٹ بہت جلدی مل گیا۔ ٹائٹل بہت پیارا تھا۔ مجھے اچھا لگا، مگر مسز زینت خان آپ نے جو بھی لکھا، بہت خوب لکھا، بلقیس خان کا خط بھی پسند آیا۔ آپ کب کہانی لکھ رہی ہیں؟ خطوط میں جتنے بھی لوگوں نے تبصرے کیے تھے سب اچھے تھے، واقعی مجھے بھی یہ بات بے حد پسند آئی، کہ کہانیوں کی تعریف اور تنقید کرنی چاہیے، نینا خان کا خط بہت اچھا لگا، اس کے علاوہ، مجھے عثمان غنی کا خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا۔ ماہ نومبر کی کہانیوں میں جو نمبرون کہانی ہے وہ مورتی عثمان غنی کی خوبصورت کہانی نے ایک بار پھر میلا لوٹ لیا۔ مریم فاطمہ کی کہانی آسیبی جھونپڑی بھی بہترین کہانی ہے۔ موت کا لمحہ بہت اچھی کہانی تھی، اس ماہ ڈر کی بہترین تحریر ایس امتیاز کی کہانی کوبرا طاعون نے ایک بار پھر سے کامیابی حاصل کی، نینا خان صاحبہ ویلڈن، جن زادی بھی اچھی کہانی تھی، میری عثمان غنی سے گزارش ہے کہ وہ ڈر میں کوئی قسط وار تحریر شروع کر دیں۔

☆☆ امرحہ صاحبہ: امید ہے آپ کی خواہش کے زیر اثر عثمان غنی کوئی مثبت جواب دیں گے قسط وار کہانی کے متعلق۔

مسز خائستہ رحمان مدین بحرین سے، نومبر کا ڈر ڈائجسٹ بہت جلد ملا، خوشی بہت ہوئی، ڈر اب مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے، سب سے پہلے قرآن کی باتیں سے شروعات کیں۔ پھر خطوط کی محفل میں آئی، ارے واہ کافی نئے نام نظر آئے، سب کو خوش آمدید! اور سب کو سلام، مسز زینت خان بھی مثبت لکھ رہی ہیں۔ اس ماہ کافی خطوط تھے۔ بلقیس خان کا خط بھی پسند آیا، ایس حبیب کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔ اس بار ڈر میں جن کہانیوں نے دل جیت لیا۔ ان سب میں سرفہرست عثمان غنی کی بہترین اور بے حد مزے کی کہانی مورتی نے سب پر سبقت لے لیا۔ اور کوبرا طاعون کہانی نے بہترین کہانیوں میں اپنے آپ کو منوایا اور کامیاب رہی۔ ایس امتیاز احمد کی کیا بات ہے، ایک اور بہترین کہانی جو اچھی لگی، وہ کہانی خونی مہم گلاب خان کی تھی۔ باقی کہانیوں میں ہارون پاشا قابل ذکر ہے، مریم فاطمہ ریگولر لکھاری ہیں، آپ کی آسیبی جھونپڑی بے حد اچھی لگی۔ باقی اچھی کہانیوں میں، جن زادی، گمراہی، طلسم کدہ پسند آئی۔ عثمان غنی آپ کی نئی کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا، عمران قریشی کو ڈھونڈ کر لائے گا۔ والسلام!

☆☆ خائستہ صاحبہ: جو کچھ بھی لکھا بہت بہت زبردست لکھا، عمران قریشی آپ کی تحریر پڑھ کر امید ہے فوراً کہانی سمیت محفل میں حاضر ہو جائیں گے۔ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ Thanks۔

بینا خان، اسلام آباد سے، السلام علیکم! نومبر کا ڈر ملا دل کو خوشی ہوئی، خطوط میں اس بار سب خطوط بہت اچھے تھے۔ ماہ نومبر کے ڈر میں نئے لوگوں کے خطوط دیکھنے کو ملے، بہت اچھا لگا، مسز خائستہ رحمان، نینا خاں، مسز زینت خان، مسز سندس اقبال، بلقیس خان، ایس حبیب خان اور عثمان غنی کے خطوط دل کی گہرائیوں سے پسند آئے، آپ سب کو سلام! ڈر کا شمارہ اس ماہ کا بہت اچھا تھا، اس ماہ جو کہانی بالکل الگ اور نئے موضوع پر تھی وہ عثمان غنی کی مورتی تھی، یہ اس ماہ کی سب سے بہترین اور نمبرون تحریر تھی۔ کیونکہ اس کہانی میں روانی تھی، بہت اعلیٰ کہانی تھی۔ اتنی اچھی کہانی پر مبارک باد قبول کریں۔ کوبرا طاعون ایس امتیاز کی اچھی کہانی تھی۔ باقی کہانیوں میں جان لیوا ایس ڈر کے عین مطابق ہے، عفریت میں الوسہ کا کردار کافی مزے کا ہے۔

☆☆ بینا صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، ہر رائٹر اپنے تئیں خوب سے خوب تر لکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پسند اپنی اپنی ہوتی ہے، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

بسما خان نوشہرہ واہ کینٹ سے، ڈر کا نومبر کا شمارہ جلد مل گیا، کور پر جو لڑکی تھی، وہ یقیناً خوبصورت حسینہ تھی۔ ایک شکوہ ہے کہ قرآن کی باتیں دو صفحات کر دیں، سب کو سلام، کہانیوں میں اس بار کا سلیکشن بے حد لطف رہی، سمجھ نہیں آرہا کہ کس کو اول رکھوں، مگر جو کہانی سب سے زیادہ پسند آئی، وہ اول کہانی مورتی بہت اچھی کہانی تھی، عثمان غنی کی لکھی تحریر مورتی نے جیسے کامیابی کے تمام جھنڈے گاڑ دیئے۔ دوسری اچھی اور بہترین کہانی موت کا بلاوہ رہی، واؤ نینا خان آپ کے قلم میں روانی آگئی ہے، خونی مہم بس ٹھیک تھی، حالانکہ یہ زیادہ بہتر انداز میں لکھی جا سکتی تھی، آسیبی جھونپڑی، مریم فاطمہ آپ کی کہانی بہت اچھی ہے، گڈ! کوبرا طاعون ایس امتیاز احمد کی کہانی بھی اچھی تحریر تھی، اور میں نے جہاں تک ڈائجسٹ پڑھا، باقی سب کہانیاں بھی بہتر تھیں، چند ایک تو بالکل پرانی پرانی سی لگ رہی تھی۔ قسط وار میں جان لیوا آگے اچھے انداز میں بڑھ رہی ہے۔ اور آخر میں دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ دن دوگنی رات آٹھ گنی ترقی کرے۔

☆☆ بسما صاحبہ: کم لکھا مگر بہت خوب لکھا، آپ کی باتیں پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، امید ہے آئندہ بھی خوش ہونے کا موقع دیں گی خط بھیج کر شکریہ۔

فرح انیس کراچی سے، السلام علیکم امید ہے سب لوگ خیریت سے ہوں گے، دعا ہے رب کائنات سے کہ وہ آپ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔ نومبر کا ڈر کافی جلدی مل گیا تھا، ٹائٹل ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ تھا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں جس کو پڑھ کے دل کو سکون ملا، تبصرے سب کے بہت کمال کے اور دلچسپ لگے۔ تمام پڑھنے والوں کو میری جانب سے سلام، اس کے علاوہ جنہوں نے میری تحریر "ویران مکان" کو پسند کیا ان سب کا بے حد شکریہ، نینا خان کی تحریر موت کا بلاوا بے حد پسند آئی۔ عامر شہزاد کی تحریر سنگین سزا بھی بہت اچھی لگی۔ مریم فاطمہ کی تحریر آسیبی جھونپڑی بھی اچھی تھی۔ محسن عزیز حلیم کی تحریر سزائے عبرت میں دلچسپ اور پراسرار واقعات پڑھ کے ڈر بھی لگا اور بہت مزہ بھی آیا زبردست، ہارون پاشا کی تحریر بھی دلچسپ لگی، باقی تحریریں ابھی پڑھی نہیں اس لئے ان پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ اجازت چاہتی ہوں زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ ڈر میں آپ سب سے ملاقات ہوگی، اللہ اس

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com

Digitized by Google

شمارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ آمین۔

☆☆فرح انیس: خط لکھنے اور کہانی بھیجنے پر بہت بہت شکریہ، خوش ہو جائیں، کہانی شامل اشاعت ہے، اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی خط ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

عثمان غنی، پشاور سے، ایڈیٹر صاحب السلام علیکم، نومبر کا جب ڈرملا، تو بے حد خوشی ہوئی، ایسی خوشی کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن کی باتیں، سب سے بہترین لگیں۔ خلوط کی محفل میں گئے، تو بے حد خوشی ہوئی، آپ سب کا میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ خاص کر ادارے والوں کا، اور اپنے بہت پیارے اور پر خلوص قارئین کا، کہ آپ کو میری کہانیاں پسند آئیں۔ مسز زینت خان صاحبہ اللہ آپ کے تمام مسائل دور کر کے آپ کو خوشیاں عطا فرمائیں۔ امین، ایس حبیب صاحبہ، ماشاء اللہ بہت پیارا تبصرہ تھا۔ مسز سندس اقبال صاحبہ آپ کی بات سر آنکھوں پر۔ نینا خان صاحبہ ماشاء اللہ آپ کی بہت اچھی تحریر ہے۔ مریم فاطمہ آپ نے اپنے بڑے دل کا مظاہرہ جس طرح پیش کیا وہ بھی بہت قابل تعریف ہے۔ سردار اعظم صاحب شکریہ اوصی شیخ بھائی اور ان سے تمام قارئین کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، جن لوگوں نے میری تحریروں کو دل کی گہرائیوں سے سراہا۔ اچھی کہانیاں آٹو میٹکلی اپنا آپ منوالیتی ہیں۔ نیا موضوع، خوبصورت انداز اور محنت سے لکھی ہوئی تحریر کبھی بھی ناکام نہیں ہو سکتیں۔ میرا تو یہی ماننا ہے کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ تاکہ وہ سیکھ سکیں۔ اچھے اور نئے موضوعات کا انتخاب کریں۔ مہر پرویز احمد کی کہانیاں آج کل موضوع کے اعتبار سے کافی اچھی ہیں۔ فلک زاہد نے جب جب لکھا بہت خوب لکھا۔ ایس حبیب جب بھی آئی چھا گئیں۔ ایس امتیاز احمد نے نئے موضوع کا انتخاب کیا وہ اس میں پوری طرح سے کامیاب ٹھہرے۔ عمران قریشی جب آئے، سب پر چھا گئے۔ مریم فاطمہ ابھی نئی لکھاری ہیں۔ میں خود نیا لکھاری ہوں۔ کبھی ہماری کہانیاں بھی پسند کی جائیں گی۔ کبھی نہیں۔۔۔! مگر ایک بہترین لکھنے والا وہ ہوتا ہے، جو دوسروں کی تنقید سے سیکھے اور نئے انداز میں بہتر لکھنے کی کوشش کرے۔ آپ سب کی دعاؤں کا طالب عثمان غنی۔

☆☆عثمان صاحب: بہت خوب آپ کی کہانیوں نے دھوم مچادی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید زور قلم عطا کرے۔ آئندہ ماہ نئی کہانی اور خط بھیجنا بھولیے گا مت۔ Thanks۔

ابرار بشیر یونی ناؤن سے،

السلام علیکم ڈرڈائجسٹ ماہ نومبر جلدی مل گیا، ٹائٹل کافی شاندار تھا۔ ہم اسٹوڈنٹ ہیں رات کے وقت ہاسٹل میں پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے، خلوط میں ٹاپ ون عثمان غنی ہیں، ان کے لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، سردار اعظم، اور وصی شیخ کے خلوط بھی پسند آئے، عثمان غنی کی کہانیاں پسند آرہی ہیں۔ میں بھی ان کا دیوانہ ہوں۔ ایس حبیب خان، بلقیس خان، عثمان غنی، شہزاد خان کے تبصرے دل کو چھو گئے، کہانیاں جو مجھے سب سے زیادہ اچھی لگیں،، ان میں عثمان غنی کی مورتی، نمبرون رہی۔ ایس امتیاز احمد کی گونگا طاعون نمبر ٹو، نینا خان کی موت کا بلاوا نمبر تھری،، گلاب خان کی، خونی مہم نمبر فور، اور مریم فاطمہ کی آسیبی جھونپڑی نمبر فائیو رہی، اس کے علاوہ باقیوں میں جن زادی بے حد پسند آئی۔ اچھی کہانیوں میں، طلسم کدہ، اور جادو کی حصار بہترین تحریریں تھی، جان لیوا، اچھی کہانی ہے، عفریت بھی ٹھیک ڈگر پر جارہی ہے۔

☆☆ابرار صاحب: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم، کہانیاں پسند کرنے اور خط لکھنے کے لئے اور آئندہ بھی ڈرڈائجسٹ کو یاد رکھنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

ذیشان سمیر، گلاب ٹاؤن سے، ہیلو ماہنامہ ڈر کا شمارہ اس بار جلدی ملا، مگر قیمت کچھ زیادہ تھی، قرآن کی باتیں، دو صفحات تک کر دیں۔ خلوط میں اس ماہ عثمان غنی، کائنات بلوچ، امرحہ خان، مسز خائستہ، مسز زینت خان، مسز سندس اقبال، ایس حبیب، نینا خان، سردار اعظم کے خلوط پسند آئے، کہانیوں میں ''نمبرون، عثمان غنی صاحب یہ کہانی آپ کا نام مزید اونچائی پر لے جانے والی ہے۔ دوسری، گونگا طاعون، ایس امتیاز، کی عجیب وغریب دلخراش کہانی بے حد پسند آئی۔ اور تیسری، نینا خان کی موت کا بلاوا زبردست تحریر بازی لے گئی۔ اس کے علاوہ اچھی کہانیوں میں جن زادی، اور آسیبی جھونپڑی بھی بہترین کہانیاں تھیں۔ اگلے ماہ تک کے لئے اجازت۔

Digitized by Google

☆☆ذیشان صاحب: ڈر کی محفل میں خوش آمدید، امید ہے آئندہ بھی محفل دوستاں میں شرکت فرما کر تجزیہ کے ساتھ شکریہ کا موقع دیں گے۔ Thanks۔

سردار اعظم خان چترال سے، نومبر کا ڈر پڑھ کر خوشی ہوئی، قرآن کی باتیں ہمیشہ کی طرح بہترین رہیں، کہانیوں میں اس بار بھی کچھ ریگولر لکھاریوں کی تحریریں موجود تھیں، سب سے پہلے خلوط کی بات کرتے ہیں، جیسا اس ماہ ایک تبصرہ نگار نے ایک لکھاری کی ذات پر بہت تنقید کی جو کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر آپ کا ماننا ہے کہ کہانیوں کی تعریف اور تنقید کرنی چاہیے تو ضرور کریں، مگر کسی رائٹر کو یوں تنقید کا نشانہ بنانا زیب نہیں دیتا، نومبر کے ڈر ڈائجسٹ میں عثمان غنی کی زبردست، فنٹاسٹک، بمبا سٹک کہانی مورتی پڑھی، جس میں مسلسل روانی تھی، بھائی جی اس بار بھی آپ نے یقیناً سب کو ہلا کر رکھ ہوگا، عثمان غنی آپ کا کمال لکھتے ہیں۔ نینا خان کی موت کا بلاوا بہترین کہانی تھی واہ نینا جی کیا بات ہے آپ کے قلم کی، آسیبی جھونپڑی مریم فاطمہ کمال کا لکھتی ہیں۔ جن زادی، محمد قاسم کی یہ تو بہت خوبصورت کہانی رہی۔ مگر کچھ جگہوں پر جھول تھا، گونگا طاعون ایس امتیاز کی کہانی نے واقعی بہت زبردست معلومات سے آگاہی فراہم کردی۔ اور مجھروں سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ عائشہ افضل کی طلسم کدہ بس اچھی رہی، باقی کہانیاں گزارے لائق تھیں۔ قسط وار میں عفریت نے بس اچھی شروعات کی ہے۔ عثمان غنی سے گزارش ہے کہ کوئی قسط وار کہانی لکھیں۔

☆☆اعظم صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی دل کی گہرائی سے تعریف کے لئے شکریہ، میں مانتا ہوں کہ کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالنا ٹھیک نہیں مگر اس سے پہلے اپنے خط میں فلک صاحبہ نے بھی کچھ آگے ہی بڑھ کر دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا، خیر ہر ایک کو ایسا کرنے سے پہلے غور کرنا چاہیے۔

نثار فاطمہ راولپنڈی سے، محترم ایڈیٹر صاحبان، رائٹرز، اسٹاف اور قارئین کو میری طرف سے سلام، امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے، نومبر کا ڈرڈائجسٹ ملا، ابھی دو دن ہی ہوئے ہیں اس لئے کچھ کہانیاں ہی پڑھ سکی ہوں، من میں ہمیشہ کی طرح عامر شہزاد بھائی کی سنگین سزا زبردست کہانی تھی۔ نینا خان کی موت کا بلاوا بھی عبرتناک کہانی تھی۔ ماسی حیو نی بھی بہت اچھی تھی۔ سزائے عبرت بھی بہت بہت اچھی تحریر تھی۔ قسط وار کہانیاں بھی اچھی اقساط پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں جان لیوا اور عفریت شامل ہیں۔ جان لیوا میں نے پڑھی اور باقی ابھی پڑھنے کے لئے باقی ہیں۔ سب رائٹرز ماشاء اللہ ایک سے بڑھ کر ایک اچھا لکھتے ہیں۔ سب کی اپنی محنت شامل ہوتی ہے اور اپنے قارئین کے لئے اچھا سے اچھا لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ سب کو ان کے مقاصد میں کامیاب کریں۔ (آمین) خلوط میں جن، بہن بھائیوں نے میری کہانی کو سراہا میں ان کا دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں، ایڈیٹر صاحب آپ نے میری کہانیاں ایڈوانس میں پاس رکھی ہوئی ہیں اور پھر بھی دو تین ماہ سے پہلے کہانی نہیں لگتیں، ہر ماہ انتظار کرتی ہوں۔ پچھلی مرتبہ آپ نے حوصلہ افزائی کی تو اچھا لگا اور مزید لکھنے کے لئے ہاتھ خود ہی چلنے لگا۔ آخر میں ڈر کے تمام رائٹرز، شعراء، قارئین، اسٹاف، ایڈیٹرز اور ڈر کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆نثار صاحبہ: آپ کی کئی کہانیاں پڑی ہیں، مگر میں نے جواب دیا تھا کہ صفحات بہت کم ہیں، جن کے ڈر کے دو صفحات مشکل سے بنیں گے۔ لہٰذا آپ صفحات بڑھادیں تو عین نوازش ہوگی۔

انوشہ خٹک نامعلوم جگہ سے، السلام علیکم ڈیئر ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کا نومبر کا شمارہ مل گیا۔ قرآن کی باتیں ہمیشہ کی طرح شاندار رہیں۔ خلوط بھی دل سے پڑھے۔ جن میں عثمان غنی، سردار اعظم، وصی شیخ، شہزاد خان، ایس حبیب خان، بلقیس خان، مسز زینت خان، مسز سندس اقبال، مسز خائستہ رحمان، امرحہ خان، مہر پنہ غلام علی کے خلوط بے حد پسند آئے۔ ایسے لگا جیسے آپ سب سے آدھی ملاقات ہی ہوگئی ہو۔ کہانیوں میں شمارے کی بھاری ترین اور مشق آور کہانی مورتی عثمان غنی کی زبردست اسٹوری تھی، دوسری اچھی عمدہ پیشکش ایس امتیاز احمد کی گونگا طاعون تھی، تیسری بہترین کہانی نینا خان صاحبہ کی موت کا بلاوا ہے، باقی اچھی کہانیوں میں آسیبی جھونپڑی، مریم فاطمہ، جن زادی قاسم رحمان، خونی مہم گلاب خان نے اچھا لکھا، اعجاز احمد کا تجزیہ دل کو ہرا کر گیا۔ امید ہے کہ آئندہ سب اس پر غور کریں گے۔

☆☆انوشہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، امید ہے اس مرتبہ

کے خطوط پڑھ کر تجزیہ کرنے والے بغور جائزہ لے کر تنقید کیا کریں گے۔ اس معاملے میں ہر کسی کو احتیاط کی ضرورت ہے۔

مریم فاطمہ، کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے کہ ڈر کا پورا اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ نومبر 2018ء کا ڈر ملا پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ شمارے میں اپنی کہانی ''آسیبی جھونپڑی'' دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ کہانیوں میں عائشہ افضل کی ''طلسم کدہ'' پڑھ کر بے حد خوف محسوس ہوا۔ کسی انگریزی پروگرام کا خیال آ گیا۔ ویلڈن آپ نے خوب لکھا۔ اقراء صاحبہ کی جادوئی حصار بہت منفرد تحریر تھی۔ ماننا پڑے گا کہ کہانی آپ کی لاجواب تھی جو کہ پسند آئی۔ عثمان غنی صاحب آپ واقعی محنت کر رہے ہیں آپ کا انداز سب سے الگ ہوتا ہے۔ ایسے ہی مہر پرویز احمد دولو صاحب کی ''موت کا لمحہ'' بھی اپنی مثال آپ تھی۔ آپ کا بھی اپنا خود کا الگ ہی انداز ہے۔ آپ اچھا لکھتے ہیں۔ راشد نذیر طاہر صاحب کی ''جان لیوا'' خوب چل رہی ہے۔ ملک این اے کاوش صاحب کی ''عفریت'' بھی بہت جاندار ہے۔ شہزاد خان صاحب کی ''خون آشام'' بڑی اچھی تحریر تھی۔ آخر میں کہنا چاہوں گی کہ بالکل یوں لگ رہا ہے جیسے ابھی 2018ء شروع ہوا تھا اور ابھی سے 2019ء آنے کو ہے۔ وقت بھی بڑی تیزی سے گزرتا ہے۔ میں نے ڈر کے لئے ایک خصوصی ناول تحریر کیا ہے۔ وہ میں ڈر کو نئے سال کا تحفہ سمجھ کر دے رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گا۔ ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ مریم صاحبہ: نئی کہانی مل گئی ہے اس کے لئے شکریہ۔ آپ کی محنت بھی رنگ لا رہی ہے۔ اگر اسی طرح محنت جاری رہی تو وقت عروج بخشے گا۔ آئندہ بھی خط کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! ماہ رواں کا شمارہ سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔ تجزیہ بہت جلد ارسال کروں گا۔ کچھ میٹرز ارسال خدمت ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈر ڈائجسٹ کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام۔ اپنا خیال رکھئے گا!

☆☆ امتیاز صاحب: آپ اپنا بھی بہت زیادہ خیال رکھا کریں۔ مکمل تجزیہ کا شدت سے انتظار ہے۔ کیوں ٹھیک ہے ناں۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں ہمسردی کا آغاز ہو گیا ہے، ملکی حالات بھی کچھ بگڑے ہوئے ہیں، فاصلے دوریوں میں بدل گئے ہیں، پرچے کے دیدار کے لئے شہر گیا، بک اسٹال پر پہنچا تو ماہ نومبر 2018ء کے ڈر ڈائجسٹ سے ملاقات ہوگئی۔ سرورق بڑے کمال کا تھا۔ اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی۔ خط شعر غزل شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ، اس بار تمام کہانیاں خوب سے خوب تر تھیں۔ غزلیں بھی اچھی تھیں، مقررہ تاریخ پر پرچے کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے۔ آپ کا خلوص اور محبت ہمارے لئے کافی ہے اس مہنگائی کے دور میں ایسا پرچہ نکالنا آپ ہی کا کام ہے۔ شوق کی کوئی قیمت نہیں۔ غزل ارسال کر رہا ہوں کسی قریبی شمارے میں جگہ دے دیں۔

☆☆ اسلم صاحب: خط لکھنے اور خلوص دل سے کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ اس کے لئے شکریہ۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈو الہ یار سے، السلام علیکم، علم راشتہ ذکر روشنی علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے کہ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں، جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے۔ اس کا سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں، زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ عبادات میں نیت خالص خدا کی رضا جوئی مقصود ہے۔ ریاکاری سے پکڑ کا سبب بن جائے گا۔ شاہد بھائی ڈر کے ساتھیوں سے گزارش ہے کہ اللہ کے نبی کے طریقے اپنانے کی کوشش کریں۔

☆☆ شرف الدین صاحب: آپ کی تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں، اور اللہ تعالی ہر کسی کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے، آپ سے ہماری اور تمام قارئین کی دعاؤں کے لئے درخواست ہے۔ اللہ حافظ۔

خورشید احمد تالپور ڈیرہ غازی خان سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ میں پہلی مرتبہ ڈر ڈائجسٹ میں خط لکھ رہا ہوں۔ سرورق اچھا تھا۔ قرآن کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ تبصروں میں مسز زینت خان، بلقیس خان، مہرینہ غلام علی، کائنات بلوچ، بینا خان، عثمان غنی، ایس حبیب خان، محمد اسلم جاوید اور عامر شہزاد کے خط بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں

مجھے سنگین سزا اچھی لگی، نور کی پراسرار حرکتوں سے اسد بھی بوکھلا گیا۔ دوسری طرف ارم نے نور اور اس کے بچے کو بھی مار دیا اور شاہ جی نے ارم کی روح کو قید کر لیا۔ سزائے عبرت میں سیراں کو شریر جنوں نے ہندوستان کی سیر کروادی، ناگن کے روپ نے بھی ڈرا کے رکھ دیا تھا۔

☆☆ خورشید صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید اور قوی امید ہے کہ آئندہ بھی نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

طارق محمود کامرہ اٹک سے، السلام علیکم! خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خدا سے نیک مطلوب ہوں، کچھ کہانیاں آپ کے پاس پہلے پڑی ہوئی ہیں، لگتا ہے ان پہ میں نے محنت کم کی ہے اسی لئے شائع ہونے کے قابل نہیں اگر ان کی نوک پلک سنوار کر انہیں قابل اشاعت بنایا جا سکتا ہے یا پھر ان میں کچھ چینج کر کے انہیں رسالہ کی زینت بنایا جا سکے تو میں مشکور ہوں گا۔ کچھ کہانیاں زیر طبع ہیں جن کے اینڈ لکھتے ہوئے مشکل پیش آ رہی ہے لیکن اب جو کہانی ارسال خدمت ہے۔ آتشی عفریت'' اپنی طرف سے میں نے بہت احتیاط سے اس کے پلاٹ پہ کام کیا اور سوچ سوچ کر لفظ لکھے پھر بھی اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ آپ پوری کر دیں، بہر حال میں نے کہانی کو عمدہ طریقہ سے صفحہ پر اتارا ہے اس کے شائع ہونے پر بہت خوشی ہوگی۔

☆☆ طارق صاحب: کئی ماہ بعد خط ملا پڑھ کر خوشی ہوئی، آپ کا کہنا بجا ہے، چند ایک کہانیاں تھیں مگر اب موجود نہیں، پہلے کی ایک کہانی کمپوز ہوگئی ہے جو آئندہ شمارے میں جلوہ گر ہوگی اور اب نئی آتشی عفریت آئی ہے اس کے لئے ڈھیروں شکریہ۔ پلیز ہر ماہ خط ارسال کر دیا کریں۔

شان منظور حافظ آباد سے، امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے، جیسا کہ ہر ایک عام انسان کا کوئی نہ کوئی شوق ہوتا ہے ویسے ہی مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ میرے ایک عزیز نے مجھے ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 10 جولائی 2017ء پڑھنے کو دیا۔ اس سے پہلے میں نے نہ ہی کوئی رسالے پڑھے تھے اور نہ ہی کبھی شوق پیدا ہوا۔ لیکن جب میں نے یہ رسالہ پڑھا تو آپ کی اور آپ سے منسلک تمام لوگوں کی محنت اور لگن نے مجھے اس رسالے کا رکن بنا لیا۔ امید ہے اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے گا۔ ڈائجسٹ میں موجود غزلیں لاجواب تھیں۔ آپ کی محنت اور لگن ہی کا یہ سارا اثر ہے کہ آپ کے چاہنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اللہ پاک آپ کو ایسے ہی مخلصی سے کام کرنے کی قوت، طاقت عطا فرمائے۔ آمین۔ ڈر ڈائجسٹ میں ایک نئے رکن کی حیثیت سے میں آپ کو ایک غزل بھیج رہا ہوں۔ قبول کیجئے گا۔ خدا آپ کے ایک اور آپ کے تمام چاہنے والوں پر اپنا فضل و کرم کرے آمین!

☆☆ شان صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ڈائجسٹ اور دیگر تحریروں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ۔ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔

ہاشم یعقوب ملیہ سرگودھا سے، تمام اہل ڈر کو السلام علیکم! میں ڈر ڈائجسٹ کا خاموش قاری ہوں اور بہت عرصے سے ڈر ڈائجسٹ پڑھ رہا ہوں، لیکن اس میں لکھنے کی جسارت پہلی دفعہ کر رہا ہوں، امید ہے کہ میرے لکھے ہوئے خط کو ڈر میں تھوڑی سی جگہ مل جائے گی کیونکہ اس ڈائجسٹ کے مدیران ہر نئے لکھنے والے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اب آتے ہیں ڈائجسٹ کی طرف تاکہ اس میں قرآن کی باتیں سے لے کر آخر تک تبصرہ کر سکیں۔ سب سے پہلے تو خود کو قرآن کی باتوں سے منور کیا۔ پھر ہم کہانیوں کی طرف مڑ گئے۔ کہانیاں تمام کی تمام ہی بے حد دلچسپ اور خوفناک تھیں۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ کئی گنا ترقی کرے۔

☆☆ ہاشم صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ آپ آئندہ بھی نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

نعیم بخاری آکاش اوکاڑہ سے، ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! بھائی میں بالکل خیریت سے ہوں اور دعا گو ہوں کہ ڈر ہمیشہ شائع ہوتا رہے، قیمت میں اضافہ کرنا آپ کی مجبوری ہے۔ لہٰذا ہم بھی آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلیں گے۔ بلیک شیڈ و حاضر خدمت ہے۔ مزید لکھ رہا ہوں۔ جلد ہی بھجوا دوں گا اور ہاں آپ سے فون پر بات کر کے اچھا لگا۔ اس ماہ کہانی کے ساتھ ذاتی خط بھی ارسال خدمت ہے۔ امید کرتا ہوں جواب ضرور دیں گے۔ جناب وقت کی کمی کی بدولت میری زیر نظر کہانی کی لکھائی کچھ خاص نہیں ہے امید کرتا ہوں کہ آپ ناراض نہیں ہوں گے اور قریبی شمارے میں جگہ دیں گے۔ جناب ایس امتیاز احمد صاحب آپ کی بیماری کا پڑھ کر

URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

افسوس ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا کرے (آمین) کہانیوں میں سب سے پہلے جو کہانی پڑھی وہ تھی گمشدہ ممی جو کہ لاجواب تحریر تھی۔ ویلڈن ناصر صاحب اس کے بعد مریم فاطمہ کی موم کی گڑیا سبق آموز تحریر ہے۔ لیکن کچھ زیادہ ہی مختصر تھی۔ امید ہے مریم صاحبہ آپ غور فرمائیں گی۔ اس کے بعد ایس امتیاز صاحب کی کہانی پڑھی اور یقین کریں کہ شروع سے لے کر آخر تک مجھے بنا رہا بہت مزے سے پڑھی۔ باقی نثار فاطمہ کی میلا ویری گڈ، فیصل مشتاق خوفناک منظر، عمران قریشی پراسرار لڑکی، جناب میں آرمی میں ہوں تو پکا ٹھکانہ نہیں ہے جب میری کہانی شائع ہو اور اعزازی کاپی ارسال کرنا چاہیں تو پہلے مجھے فون کر کے پتہ پوچھ لیں۔ اللہ حافظ۔

☆☆ نعیم صاحب: خط لکھنے اور کہانی ارسال کرنے پر ڈھیروں شکریہ قبول کریں، کہانی کمپوز ہو چکی ہے، اور یقیناً آنے والے شمارے میں شائع ہو جائے گی اور امید ہے کہ آئندہ بھی کوئی نہ کوئی کہانی ڈر کے موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ارسال کریں گے۔ Thanks۔

عامر شہزاد ننکانہ صاحب سے، جناب ایڈیٹر صاحب شعراء، رائٹرز اور قارئین السلام علیکم! یقین کامل ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوں گے۔ نومبر کا شمارہ 18 تاریخ کو بروقت ارسال کرنے پر ادارہ کا شکریہ۔ مکمل مطالعہ زیر تبصرہ ہے۔ سرورق جاندار اور خوفناک ہے۔ قرآن کی باتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ ملک کے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ ہر طرف کرپشن کا راج ہے سرکاری اسپتالوں میں ادویات اور ڈاکٹرز کی عدم دستیابی سے مریض تڑپ تڑپ کر لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ سرکاری اسکولوں میں بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ رہا ہے۔ اس صورتحال سے دل قدرے غمگین ہے۔ ملک میں تبدیلی تو آ گئی ہے اللہ کرے یہ مسائل بھی جلد حل ہو جائیں۔ اس بار بھی ایس حبیب خان احوال میں مسند صدارت پر فائز ہیں۔ نینا صاحبہ کا خط دوسرے نمبر پر ہے۔ مسز زمنت خان، بلقیس خان، مہرینہ غلام علی، مسز سندس اقبال، بینا خان، کائنات بلوچ، خدیجہ فاطمہ، بسمہ خان، بشریٰ نور، امرحہ خان، مسز خائستہ رحمان، عثمان غنی، خالد عباس، محسن عزیز، اعجاز احمد اور شہزاد خان نے بہترین تبصرہ نگاری کی۔ محمد طاہر اشتیاق صاحب میں اس قابل تو نہیں کہ کسی کا فیورٹ رائٹر بنوں اگر آپ نے مجھے اس قابل سمجھا تو بڑی نوازش "موت کا بلاوا" نینا خان کی بہترین تخلیق ہے۔ عائشہ افضل نے بہترین ڈراؤنی کہانی لکھی۔ محمد حنیف شاکر صاحب آپ ہمیشہ کی طرح حقیقت پر مبنی کہانیاں لکھتے ہیں۔ "ماسی جیونی" اس کی عمدہ مثال ہے۔ عمرانہ سرور نے "خون کی ہولی" سے خوف میں مبتلا کر دیا۔ مریم فاطمہ کی "آسیبی جھونپڑی" دل دہلا دینے والی اسٹوری ثابت ہوئی۔ محترم مہر پرویز احمد دولو صاحب کی "موت کا لمحہ" اس ماہ کی نمبرون کہانی رہی۔ ان کے علاوہ "مورتی" "ادھورا انسان" "جادوئی حصار" "جن زادی" "گمراہی" اور "گونگا طاعون" بھی اچھی منفرد کہانیاں ثابت ہوئیں۔ عثمان غنی صاحب آپ بھی بہترین رائٹر ہیں۔ یو آر گریٹ، سلسلہ وار اسٹوریز بھی اچھی جا رہی ہیں۔ ویری خوفناک اور آرٹیکلز پسند کرنے پر ایس حبیب صاحبہ، نینا خان صاحبہ، فیصل مشتاق صاحب، محمد خالد عباس صاحب، محمد حنیف شاکر صاحب، رابعہ عباس صاحبہ، محمد طاہر صاحب، اعجاز احمد صاحب اور محسن عزیز صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ۔ آخر میں دعا ہے کہ پاکستان کا نمبرون "ڈر ڈائجسٹ" ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ آمین۔

☆☆ عامر صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر اچھا لگا اور خوشی ہوئی، کہانی لیٹ موصول ہوئی اور شامل اشاعت نہ ہو سکی، آئندہ ماہ ضرور جلوہ گر ہو گی۔

محمد آصف شہزاد الہ آبادی ٹھینگ موڑ ڈسٹرکٹ قصور سے، جناب محترم ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! امید واثق ہے کہ مزاج بخیریت ہوں گے۔ اکتوبر 2018ء کا ڈر سالگرہ نمبر سامنے میز پر دھرا پڑا ہے اور میں بہت ہی خوش ہوں۔ ہر ایک کہانی بہترین اور لاجواب ہے۔ ہر رائٹر نے سخت محنت کی ہے اور ان کی اور آپ کی محنت سے سالگرہ نمبر کا گلدستہ دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہے۔ پھولتے تو اڑ کر آپ کے پاس آتے اور بہترین شمارہ شائع کرنے پر آپ سے مٹھائی ضرور کھاتے۔ شاہد بھائی میں بہت ہی خوش ہوں۔ ایک اسٹوری بھی ایسی نہیں کہ جس پر ناپسند کا اظہار کر سکوں۔ تمام رائٹر کو مبارک کہ وہ اس گلدستے کا حصہ بنے۔ پھر ایک کہانی بہترین ہے جو کہ آپ کی اور رائٹر حضرات کی انتھک محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں سوچتا تھا کہ پاکستان میں اب معیاری ہارر ڈائجسٹ ناپید ہو چکے ہیں۔ پر ڈر نے میری سوچوں کی دہلیز پر دستک دی۔ تو میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ہم کو ڈر کی قیمت 90 روپے ہونے کا کوئی دکھ نہیں بلکہ خوش ہیں کہ کم قیمت میں ایک اچھا بہترین معیاری ڈائجسٹ آپ مہیا کر رہے ہیں۔ شکریہ۔ برماہ کرم قریبی

شمارے میں شائع کریں۔

☆☆ آصف صاحب: خط لکھنے اور دل کی گہرائی سے کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ قبول فرمائیں۔ آج کل آپ کا خط بروقت نہیں پہنچ رہا ہے۔ پلیز وقت کا خیال رکھا کریں۔

گلاب خان سولنگی لاہور سے، السلام علیکم! محترمی و مکرمی ایڈیٹر ڈر ڈائجسٹ سال 2018ء بھی تلخ اور تکلیف دہ ثابت ہوا۔ یکم محرم کو میری بڑی ہمشیرہ کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے ابھی تک صدمے میں ہوں۔ والدہ کی طبیعت بھی مزید خراب ہوتی جا رہی ہے۔ زندگی کیا ہے سمجھ میں نہیں آ رہی۔ خیر اب آتے ہیں ڈر ڈائجسٹ کی طرف تو قارئین سارا سال ہماری تحاریر شائع کرنے پر ڈر انتظامیہ کا شکر گزار ہوں جس نے ادبی خدمت کا موقع فراہم کیا اور قارئین کا بھی شکریہ۔ سارا سال بڑے بڑے رائٹرز کی کہانیاں پڑھنے کو ملیں جن میں احسان الحق، عثمان غنی، ضرغام محمود، نینا خان، ایس امتیاز احمد، راشد نذیر طاہر، محمد رضوان قیوم، احسان سحر، مریم فاطمہ، ملک این اے کاوش، ملک فہیم ارشاد، محمد خالد شاہان، خلیل جبار، عامر شہزاد، فلک زاہد، عمران قریشی، ایس حبیب خان، مہر پرویز احمد دولو وغیرہ وغیرہ سمیت اور بھی بہت نئے اور پرانے لکھاریوں کی کہانیاں شامل تھیں۔ ڈر کی دو مایہ ناز رائٹرز فلک زاہد اور مریم فاطمہ جی کی کتابیں بھی شائع ہوئیں جبکہ ہماری بہن ایس حبیب خان کی تحاریر کو مس کر رہے ہیں۔ ہم آپ کی والدہ کی صحت یابی کے لئے دعا گو ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ دوبارہ ڈر کے لئے قلم اٹھائیں گی۔ دوسری طرف ڈر کی انتظامیہ کی طرف سے ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی سے پیپر مہنگا ہونے کی وجہ سے بھی قارئین سے خصوصی رابطہ کیا گیا اور ڈر کو پہلے بند اور پھر دوبارہ کھولنے کے اعلانات کئے گئے اور اخیر میں رسالے کی معمولی قیمت بڑھا کر اسے اپنی اصلی صورت یعنی پورے صفحات کے ساتھ شائع کرنے کی یقین دہانی کرا کے ڈر کے قارئین پر احسان عظیم کیا۔ میں اس موقع پر ڈر کی انتظامیہ خصوصی طور پر خالد بھائی اور شاہد بھائی کی اصولی طور پر تائید کرتا ہوں۔ انسانوں کی طرح اداروں پر بھی برا وقت آتا رہتا ہے۔ کبھی مالی بدحالی تو کبھی مہنگائی کی صورت میں لیکن جس طرح ڈر نے ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا ایسا جذبہ واقعی قابل داد ہے۔ خیر ڈر ڈائجسٹ کی مزید ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ گلاب سولنگی صاحب: آپ کا خط پڑھ کر دلی سکون ملا، آپ کی تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں، ماشاء اللہ اب آپ ریگولر رائٹر میں شمار ہونے لگے ہیں۔ اس کے لئے مبارکباد، امید ہے آئندہ بھی ہر ماہ نوازش نامہ ارسال کرتے رہیں گے۔ Thanks۔

نصیب خان خٹک پشاور سے، السلام علیکم! ڈیئر ایڈیٹر صاحب ماہ نومبر 2018ء کا ڈر کافی جلدی مل گیا، ٹائٹل پر انگریز لڑکی کروفر سے کھڑی تھی۔ خطوط میں مسز زمنت خان صاحبہ اللہ آپ کی پریشانیاں جلد سے جلد دور کر کے سکون عطا فرمائے۔ بلقیس خان، ایس حبیب خان، مریم فاطمہ کو سلام، نئے لوگوں کو ویلکم، مجھے بھی ویلکم کہا جائے۔ میں زندگی میں پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ خطوط سب کے اچھے تھے۔ پسند آئے۔ عثمان غنی کو میں کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں، میرے بھی پسندیدہ لکھاری ہیں۔ آپ کو مبارک ہو۔ اس ماہ نومبر میں مورتی اعلیٰ پائے کی بہترین تحریر نے ثابت کر دیا کہ محنت پتھروں میں بھی جان ڈال سکتی ہے۔ روانی، سلاست، شستہ، اردو لب لہجے کی ہم آہنگ مورتی، شر و فساد کی لپیٹ میں لپٹی ہوئی تحریر اول نمبر رہی۔ موت کا بلاوا نینا خان کی غم و الم، رنجش و آہ و فریاد دکھی روحوں کا انوکھا انتقام پر مبنی تحریر نے ثابت کر دیا کہ کہانی جاندار ہو تو پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ گونگا طاعون آخری صفحات پر پھیلی وبا پھیلاتی اور نئی بیماری سے روشناس کراتی اچنبھے و حیرت و یاس کی ایسی تصویر دکھائی ایک بہترین تحریر تیسرے نمبر پر رہی۔ باقی کہانیوں میں جن زادی اور خونی مہم کے علاوہ آسیبی جھونپڑی پسندیدگی کی سند لینے میں کامیاب ٹھہری۔

☆☆ نصیب خٹک صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ۔

محمد خالد عباس ننکانہ صاحب سے، السلام علیکم اس بار شمارہ جلد ہی مل گیا۔ قرآنی صفحہ پڑھ کر روح تازہ ہو گئی۔ احوال میں مسز زمنت خان، بلقیس خان، مسز سندس اقبال، بینا خان، کائنات بلوچ، خدیجہ فاطمہ، بسمہ خان، بشریٰ نور، امرحہ خان، مسز خائستہ رحمان، ایس حبیب خان، رشک نور، نیناں خان، رابعہ عباس، مہر پرویز احمد دولو، عامر شہزاد اور محسن عزیز صاحب نے بہترین تبصرہ نگاری کر کے دل خوش کر دیا۔ ایس حبیب خان، سلمیٰ ممتاز، عامر شہزاد، رابعہ عباس، رشک نور، عارفہ عامر نے اچھے اشعار لکھے۔ غزل میں ایس حبیب خان، ایڈووکیٹ نینا خان صاحبہ، محترم رشک نور صاحبہ، عامر شہزاد اور رابعہ عباس نے بہترین غزلیں لکھیں۔ جن لوگوں

نے میری تحاریر پسند کیں ان سب کو میری طرف سے ویری ویری تھینکس۔ ڈر ڈائجسٹ کا مطالعہ کر کے اور اس میں لکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا خوش نہیں ہوا۔ آخر میں دعائے خیر ہے کہ "ڈر ڈائجسٹ" ہمیشہ ترقی کے سفر پر گامزن رہے۔

☆☆ محمد خالد صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، کہانی شامل اشاعت ہے۔ خوش ہو جائیں۔ اور جلدی سے مزید کہانیاں ارسال کر دیں۔ شکریہ۔

محمد اسحاق انجم ککن پور سے، آداب! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے! ڈر ڈائجسٹ شمارہ نومبر 2018ء حسب سابق وقت مقررہ پر مل گیا۔ سرورق پہلے کی طرح ٹھیک ہے۔ بہر حال عظیم صاحب ہیں وہ ہم سے اچھا ہی سوچتے ہیں۔ اور ہر ماہ نئے سرورق سے نوازتے ہیں۔ سالگرہ پر خط نہ لکھ سکا۔ کچھ تبدیلی کے حالات تھے۔ سنا ہے کچھ دنوں بعد تبدیلی آئے گی! ہم اس امید سے انتظار میں ہیں کہ کب ہماری بھلائی کے لئے تبدیلی آتی ہے۔ "قرآن کی باتیں" ہمیں اندھیروں سے روشنی کی جانب لے جاتی ہے۔ جس کے لئے ادارے کا شکریہ جو ہمیں آگاہی سے نوازتے ہیں! اس کے بعد خطوط کی محفل میں سب نے اپنا اپنا اظہار خیال کیا، بہت خوب رہا محترمہ مسز زینت خان کا خط ڈر ڈائجسٹ کے قارئین اور رائٹر حضرات کے لئے بہت کچھ ہے اور انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے جو کہ آئندہ کے لئے ڈر کے لئے مشعل راہ ہوگا۔ ویسے سب نے اچھے تبصرے کئے۔ تمام کہانیاں خوب سے خوب تر ہیں۔

☆☆ اسحاق صاحب: نوازش نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ بھی نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔ اللہ کرے کہ ہم عوام کی بھلائی اور سکون کے لئے تبدیلی جلد از جلد آ جائے۔

محمد طاہر اشتیاق ڈی جی خان سے، میری طرف سے ڈر کے تمام قارئین کو السلام علیکم! 19 اکتوبر کو جب میں یونیورسٹی سے گھر آیا تو پتہ چلا کہ مجھے ڈر کی جانب سے اعزازی رسالہ موصول ہوا ہے۔ میں خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ جلدی سے ڈائجسٹ کھولا اور کہانیوں کی فہرست میں اپنی کہانی تلاش کی، میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ پھر خطوط کھول کر دیکھے، جہاں نینا خان اور عامر شہزاد صاحب کے خطوط میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اچانک نظروں کے سامنے میرا اپنا خط آ گیا۔ ایڈیٹر صاحب نے میرے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ میری کہانی شائع ہو گئی۔ لیکن ڈائجسٹ میں تو کوئی کہانی نہ تھی۔ اس سے میری پریشانی مزید بڑھ گئی۔ چلو یہ تو میری آپ بیتی ہوئی اب ذرا کہانیوں کی طرف آتے ہیں، میرے نزدیک گلاب خان سولنگی کی کہانی پہلے نمبر پر رہی، مورتی دوسرے نمبر پر اور تیسرے نمبر پر خون آشام، باقی کہانیاں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ میری رائے کے مطابق کسی رائٹر کی کہانی کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ ایک رائٹر کی کہانی کے پیچھے اس کی کئی دن کی محنت ہوتی ہے اور آدمی لکھتے لکھتے ہی ایک اچھا لکھاری بنتا ہے۔ اس کے بعد قوس قزح کا رخ کیا تو سب نے اچھا لکھا تھا۔ آخر میں ایڈیٹر صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ آخر کب میری کہانی شائع ہوگی۔

☆☆ طاہر صاحب: خوش ہو جایئے، کہانی "موت کا راج" جلوہ گر ہو گئی۔ جذباتی باتیں کرنے کے بجائے صبر کا دامن تھامے رکھیں، اچھا موضوع اور اچھی کہانیاں اپنا مقام خود بنا لیتی ہیں۔ خیر خط جلدی بھیجئے گا۔ Thanks۔

زرلش خٹک پشاور سے، ڈر ڈائجسٹ ماہ نومبر کا شمارہ جب ہاتھوں میں آیا تو خوشی سے دل باغ باغ ہو گیا۔ قرآن کی باتیں دل سے پڑھیں۔ بے حد اچھا لگا، خطوط کی محفل بھی زوردار رہی۔ مسز زینت خان اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ بلقیس صاحبہ لکھنا کیوں چھوڑ دیا۔ ایس حبیب خان آپ کا تجزیہ بھی بے حد پیارا تھا۔ عثمان غنی کا خط بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں اس ماہ موت کا بلاوا نینا خان نے اچھی اور بہت پیاری لکھی کہانی۔ کوتکا طاعون ایس امتیاز احمد کی لکھی انگلش ادب کی بہترین شاہکار کہانی تھی۔ خونی مہم گلاب خان کی کہانی موضوع کے لحاظ سے پرانی تحریر تھی۔ جن زادی کی محبت بھری کہانی جس میں اس نے تہلکہ مچائے رکھا۔ وہ بے حد انٹرسٹنگ لگا، مورتی عثمان غنی کی روانی اور تسلسل میں پڑھی جانے والی تحریر من کو بھا گئی۔ باقی کہانیوں میں آسیبی جھونپڑی مریم فاطمہ، خونی حصار اور طلسم کدہ گمراہی پسند آئیں۔ نئے رائٹرز کو بے حد محنت کی ضرورت ہے۔ اعجاز احمد صاحب آپ کی باتیں ٹھیک ہیں۔ مگر لوگوں کو دل بڑا کر کے دوسروں کی باتیں سن لینی چاہئے۔

☆☆ زرلش صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم، آپ کی باتیں بالکل ٹھیک ہیں۔ کہانیوں کی تعریف اور آئندہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم! تمام ڈر ڈا اسٹاف ایڈیٹر اینڈ رائٹرز کو ہماری طرف سے چاہت بھرا

Digitized by Google

سلام، نومبر کا شمارہ اس بار وقت پر مل گیا، سرورق بہت پیارا تھا۔ مگر شمارے میں سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، پھر خطوط کی محفل میں انٹری دی تو کچھ نئے نام پڑھنے کو ملے، آپی رابعہ عباس میں پہلے سے بہت اچھا ہوں، بس میرے لئے دعا کیا کریں۔ ویسے بھی کئی رائٹرز ہیں جن کی ترقی میں ڈر ڈائجسٹ کا بہت بڑا ہاتھ ہے کہانیوں کی محفل میں موت کا بلاوا آپی نینا خان ارے واہ کیا بات ہے ونڈرفل آپ کو 13 ماہ ہو گئے، ڈر سے جڑے ہوئے آپ تو اچھی رائٹر بن گئیں گڈ طلسم کدہ عائشہ افضل ویری گڈ ماسی جیونی، محمد حنیف شاکر ویری نائس، سزائے عبرت، مورتی کے لئے عثمان غنی ویری گڈ، ادھورا انسان محمد رضوان قیوم ویری نائس جادوئی حصار، اقراء قریشی سپرہٹ، جن زادی، محمد قاسم رحمان گڈ، گمراہی سعدیہ اشرف ویری نائس، کوتکا طاعون، ایس امتیاز احمد زبردست بھیا جی ضرغام محمود، فلک زاہد، ایس حبیب خان، محمد شعیب آپ سب کی کہانیوں کو مس کیا۔ اب اس دعا کے ساتھ چاہیں گے کہ ڈر ڈائجسٹ ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔

☆☆ محسن صاحب: خط پڑھ کر اچھا لگا اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، اب نئی کہانی ارسال کریں، غلام روحیں غائب ہیں، اب نئی کہانی اور تجزیہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

عبدالجبار رومی بورے والا سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ مجھے تقریباً تین ماہ بعد ملا ہے اسی لئے اس عرصے میں تبصرے سے بھی چھٹی رہی، خیر اس دفعہ ڈر راولپنڈی کے فوارہ چوک سے لیا، سرورق خوب صورت تھا، فہرست پر نظر ڈال کے آگے بڑھا اور قرآن کی پر حکمت باتوں سے دل کو منور کیا اور خطوط کی محفل سے مسز زینت خان کو عمدہ تبصرے کے ساتھ پہلے نمبر پر پایا اس کے علاوہ بلقیس خان، مہرین غلام علی، بینا خان، کائنات بلوچ، میاں یاور حسین، فیصل مشتاق، نینا خان، رابعہ عباس، عامر شہزاد اور شہزاد خان کے خطوط اچھے رہے، پہلی کہانی موت کا بلاوا اچھی تھی۔ سزائے عبرت میں ناگن کے روپ دیکھے اور آتشی مخلوق کے کارنامے بھی اور پھر بابا جی کی روحانی طاقتیں یوں رانو کی جان سے جان چھوٹ ہی گئی۔ 1947ء کے پس منظر میں ماسی جیونی نے بہت ہی دکھی کیا بہت ہی عمدہ کہانی تھی۔ خون کی ہولی نے تو ڈرائے ہی رکھا۔ جن زادی بھی عجیب تھی۔ کوتکا طاعون نے بھی بڑی تباہی مچائی۔ کہانی عمدہ رہی، جان لیوا بھی دل کو بھا گئی۔ عفریت بھی آگے ہی آگے ہے۔ ایک دم اچھی جا رہی ہے قوس قزح سب کے اچھے تھے۔

☆☆ عبدالجبار صاحب: پرخلوص نوازش نامہ پڑھ کر خوشی ہوئی، خط ضرور لکھا کریں۔ خط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔

مہر پرویز احمد دولو میاں چنوں سے، السلام علیکم! نومبر کا ڈر ملا، دیکھ کر خوشی ہوئی، سرورق کی حسینہ دیکھ کر ڈر کے بجائے خوشی ہوئی۔ قرآن کی باتیں مٹی کے انسان کو آئینہ دکھا رہی تھیں۔ عمران قریشی نے آغاز بہت خوب کیا۔ صائمہ شاہد کی سیلا کو بہادری نے موت سے ہمکنار کیا۔ فہیم ارشاد نے مناکشی کی قربانی سے انجلی کو مصیبت سے نجات دلائی۔ ناصر فرہاد کا نک ویلوٹ نامی گرامی چور نکلا، راشد نذیر طاہر نے شامور کو مروا دیا۔ شکیل نے قیمتی دھاتوں والی بستی خالی کروا کر حکومت پر احسان کیا۔ عامر شہزاد کا برس نہ ختم ہونے والا خزانہ تھا۔ عثمان غنی انتقام پر تمکین نظر آئے لیکن فراڈیوں کا انجام بل جیسا ہی ہوتا ہے۔ رشک نور کی صائمہ نے باپ کو سزا دلوا کر حق انسانیت ادا کر دیا۔ فرح انیس حارث ناشکرا غریب ثابت ہوا۔ احسان کا بدلہ ایسے نہیں چکاتے۔ فیصل مشتاق مہک افروز کی بربریت پر روشنی ڈالتے نظر آئے۔ ملک این اے کاوش کی تحریریں عفان کے خلاف آصف میلو بھی کمربستہ ہے۔ رضوان قیوم کی وعدہ خلافی میں سونم کو مسلمان ہونے کے بدلے گلہ کٹوانا پڑا؟ شہزاد خان کی خونی کتاب نے اکرم کے خاندان کو خون کے آنسو رلایا، خالد شاہان کا اسرار کتنے ہی پردے اٹھا گیا۔ مریم فاطمہ کی موم کی گڑیا موت کی گڑیا تھی، گلاب کان نے بلند مینار سے جولیا کو دھکا دلوایا۔ میلہ کے موقع پر شازیہ نے قاتلوں سے انتقام لیا۔ محمد شعیب کا جنم دن انتقام پر مبنی تھی۔ رابعہ عباس دل خراش تحریر لائیں۔ اقراء قریشی کی کہانی سبق آموز تھیں۔ فیصل ندیم روح کی اٹھارہ سال بعد واپسی عمیر علی موت کا انتظار اور چاند زیب عباسی برفانی چڑیل کو پانے کے لئے کتنی جانوں کی قربانی دی۔

☆☆ مہر پرویز صاحب: خط پڑھ کر بہت اچھا لگا اور جو واقعہ آپ نے بیان کیا ہے اسے پڑھ کر کافی دیر تک خیالوں کی دنیا میں رہا۔ واقعی یہ حقیقت ہے کہ کسی کی اصلیت جانے بغیر حتمی رائے نہیں قائم کرنی چاہئے۔ خیر معذرت کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے واقعہ رہ گیا، کوشش ہوگی کہ آئندہ شامل اشاعت ہو جائے۔

☆☆

آخری چیخ

شکیل نیازی۔ میانوالی

بپھری ہوئی حالت میں جب روح سامنے آئی تو نوجوان کی گھگھی بندھ گئی لیکن نوجوان نے خود پر قابو پایا اور روح سے ایک معاہدہ کیا لیکن کب تک معاہدہ کے ٹوٹتے ہی اچانک......

دل دہلاتی......جسم وجاں پر سکتہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی......چونکا دینے والی کہانی

"**مسٹر** بین آپ کو بہت بہت مبارک ہو آپ کی سات سالہ محنت آخرکار رنگ لے ہی آئی" ایک ادھیڑ عمر سر سے گنجے اور موٹے شخص نے اپنے سامنے کھڑے پرکشش پچیس سالہ نوجوان کو مخاطب کرکے کہا تو نوجوان نے اپنی جیب سے چند چھوٹے سائز کی پرچیاں نکالیں اور ایک سفید پرچی پر اپنے قلم سے کچھ لکھا اور پرچی سامنے موجود ادھیڑ عمر شخص کے حوالے کردی، اس شخص نے پرچی لی اور باآواز بلند پڑھنا شروع کیا" آپ کا بہت بہت شکریہ مسٹر مارنو آپ واقعی ایک اچھے پیشہ ور وکیل ہیں آپ کی محنت اور لگن کی بدولت میں نے اج اپنے اباؤ اجداد کے اس بنگلے کے مالکانہ حقوق حاصل کرلیے آپکی بقایا فیس کی قسط کل آپ کو آن لائن کردوں گا۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر بین آپ کو جب آسانی ہو آپ فیس دے دیجیے گا کیوں کہ مجھے آپ کے مالی حالات کا اچھی طرح اندازہ ہے اس لیے کوئی ڈیٹ دے کر آپ پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا یہ لیں بنگلے کی چابی دیکھنے میں ضرور بھوت بنگلہ لگتا ہے مگر اندر سے کافی اچھی حالت میں ہے دو سو سال پرانے بنگلے میں اسی سال بعد کوئی رہنے آئے تو اس کے دل میں طرح طرح کے خدشات ہوتے ہیں لیکن کیونکہ آپ ایک روشن خیال شخص ہیں تو مجھے امید ہے کہ آپ اپنے دل میں کسی وسوسے کی جگہ نہیں دیں گے شام ہونے والی ہے اب آپ جائیں اور کوئی سونے کی جگہ بنالیں بجلی کا کنکشن کل لگ جائے گا کھانے کا سامان تو آپ کے پاس ہوگا ہی اور اگر نہیں ہے تو یہاں سے پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ایک پانچ چھ دکانوں کی مارکیٹ ہے اور ساتھ میں ایک چھوٹا سا پیٹرول پمپ بھی ہے آپ کے ضرورت کا سامان وہاں سے مل سکتا ہے۔"

مارنو نے کہا تو بین نے سر ہلا دیا۔" اوکے مسٹر بین تو اب مجھے اجازت دیں میں صبح دس بجے آؤنگا اور اس بنگلے کے اصل کاغذات بھی لیتا آؤنگا مارنو نے کہا اور اس سے ہاتھ ملا کے کار کا گیٹ کھول کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اتنے میں میں نے ایک پرچی لکھ کے اسے تھما دی مارنو نے دیکھا اور پر "تھینک یو" لکھا تھا یہ دیکھ کر مارنو کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی" میں نے آپ پہ کوئی احسان نہیں کیا یہ میرا پیشہ ورانہ فرض تھا" مارنو نے کہا اور اور کار آگے بڑھا دی بین اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک کار اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی پھر اس نے اردگرد نظر دوڑائی جہاں دور دور تک درخت پھیلے تھے۔

URDU TUBE
A WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

اس بنگلے کے اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی بس پتھروں سے بنی ایک سڑک تھی جو جنگل سے ہوتی ہوئی بنگلے تک آتی تھی بنگلے کی دیواریں کسی قلعے کی فصل کی طرح بلند اور موٹی تھیں اور بنگلے کا صدر گیٹ کسی قلعے کے دروازے کی طرح ٹھوس فولاد کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ جب اب قدرے زنگ آلودہ ہو گیا تھا مگر اس کی مضبوطی میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ گیٹ میں نصب چھوٹے دروازے پر ایک موٹا تار پڑا ہوا تھا بین نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا تھوڑی کوشش کے بعد ایک چابی لگ گئی اور تالہ کھل گیا۔

بین نے جیب سے مار کر نکالا اور اس چابی پر نشان لگا دیا تاکہ دوسری بار تالہ کھولنے پر دوبارہ اسے ڈھونڈنے کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اس نے سامنے دیکھا تو سامنے؟ کینال کا لان تھا جس کی گھاس کسی کھیت جتنی بڑھ چکی تھی اور جگہ جگہ چھوٹے بڑے درخت بھی اگ چکے تھے گھاس کے اگ جانے کے باوجود پتھروں کی مدد سے بنا روش نظر آ رہا تھا جو سیدھا بنگلے کی صدر گیلری کی جانب جاتا تھا۔ تین منزلہ بنگلہ دو سو سال بعد بھی بڑی شان سے سر اٹھائے کھڑا تھا اس نے ایک طویل سانس لیا اور بڑے گیٹ کھولا اور اپنی گاڑی اندر کھڑی کر کے گیٹ بند کر دیا۔

شام ہونے میں ابھی 2 گھنٹے باقی تھے مگر سردیوں کا موسم اور دسمبر کی ٹھنڈ نے ابھی سے شام کا ماحول بنا رکھا تھا اس نے گاڑی سے دو سیڈ بیگ نکالے اور ایک کو اپنی کمر پہ لادا اور دوسرے بیگ کو ہاتھ میں لیا اور صدر گیلری کی جانب چل پڑا اور ایک ایک کمرے کو دیکھنے لگا جب کے دروازے کھلے تھے وہ تقریباً آدھے خالی تھے اندازے کے مطابق یہاں کل 45 کمرے تھے جس کے تین ہال تھے جن میں ایک ڈائننگ ہال ایک کانفرنس ہال اور ایک پارٹی ہال تھا تمام کمرے بری طرح گرد اور مکڑی کے جالوں سے اٹے ہوئے تھے۔

تقریباً تمام کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے در و دیوار کے رنگ اڑ چکے تھے ایک بار اس کے جی میں آیا کہ واپس چلا جائے لیکن پھر اس نے ارادہ ترک کر دیا اور یہیں رات گزارنے کا سوچ لیا کیوں کہ اس چھوٹے سے شہر میں اسے کوئی نہیں جانتا تھا تو ظاہر ہے اسے کسی ہوٹل میں ہی قیام کرنا پڑتا اور ہوٹل یہاں سے تیس یا چالیس کلو میٹر کی مسافات پر تھا اس لیے اس نے حتمی طور پر یہاں رہنے کا ارادہ کر لیا دیگر کمروں کی حالت زار دیکھ کہ اس نے پارٹی ہال میں رہنے کا ارادہ کر لیا۔

شام ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی اور کہر پڑنے لگی تھی اس نے اپنی گاڑی میں سے بستر اور ضروریات کا سامان نکالا اور ہال میں آتش دان کے قریب جگہ صاف کر کے بستر لگا دیا پھر ٹوٹے پھوٹے فرنیچر کو اکٹھا کیا اور انہیں آتش دان میں ڈال کے آگ سلگا دی، تھوڑی دیر میں آگ دھڑا دھڑ جلنے لگی اور لکڑیوں کے جلنے سے اب کمرے کا درجہ حرارت قدرے بڑھ گیا تھا وہ بستر پر بیٹھ گیا اور لحاف اوڑھ لیا اس نے اپنے بیگ سے ڈرنک کا ٹین پیک نکالا اور پینے لگا انجری ڈرنک پی کے اسے غنودگی کا احساس ہونے لگا اور وہ وہیں لیٹ گیا اور پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا ہال کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں سے سورج کی دھندلی کرن اندر داخل ہو رہی ہے اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور اٹھ بیٹھا اس نے دیکھا آتش دان کی لکڑیوں سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا اس نے قریب پڑی پانی کی بوتل سے منہ دھویا اور بنگلے کا سرسری جائزہ لیا لیکن وہاں سب معمول کے مطابق تھا اس نے ٹریک سوٹ پہنا اور کانوں میں ہینڈ فری لگا کے مدھم دھن پر گانے سننے لگا اور حویلی سے باہر آ گیا اور پتھروں سے بنی سڑک پر جاگنگ کرنے لگا۔

وہ دوڑتے دوڑتے بہت دور نکل آیا تو اسے رستے میں ایک چھوٹا سا گھر دکھائی دیا جس کے دوسری منزل کی کھڑکی سے ایک بوڑھی عورت اسے جذبات سے عاری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس کے قدم غیر ارادی طور پر سست ہوتے وہ ابھی اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ

Digitized by Google

اچانک ایک پولیس کار رفتار سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی کار پیچھے کی جانب سے آئی تھی اس لیے وہ اسے دیکھ نہ پایا تھا وہ کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

کار کے دروازے کھلے تو ایک خاتون اور یک مرد پولیس آفیسر نیچے اترے خاتون آفیسر کی عمر تیس سے پینتیس کے درمیان رہی ہوگی مگر ایک کے باوجود وہ ابھی کافی خوبصورت اور فٹ و من آفیسر تھی اس کا دراز قد اس کی شخصیت کو اور باوقار بنا رہا تھا جبکہ اس کے ساتھ پولیس آفیسر درمیانے قد کا سرے سے گنجا آدمی تھا جس کا پیٹ بڑھا ہوا تھا شاید یہ کھانے کی زیادتی کی وجہ سے تھا کیونکہ اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں ایک بڑے سائز کا برگر تھا جسے وہ بڑی بے دردی سے کھائے جا رہا تھا۔

"ہیلو میں آفیسر کیلی ہوں اور یہ آفیسر راجر ہیں۔" خاتون آفیسر نے بین سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا بین کو اس سے ہاتھ ملا کے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی مرد سے ہاتھ ملایا ہو اگر وہ آنکھیں بند کر کے ہاتھ ملاتا تو کبھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ اس نے کسی عورت سے ہاتھ ملایا ہے۔ "آپ غالباً بین ہیں جو پرانے لارڈ ہاؤس میں شفٹ ہوئے ہیں" خاتون آفیسر نے سوالیہ انداز میں کہا تو بین نے جیب سے قلم اور چھوٹی سی پرچی نکالی اور اس پر کچھ لکھ کے آفیسر کیلی کے حوالے کر دیا اس پرچی پر "یس" لکھا تھا۔ "آپ بول کچھ نہیں رہے آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ اس نے دوسرا سوال کیا تو بین کے قلم نے حرکت کی اور دوسری پرچی اسے تھما دی جسے پڑھ کے کیلی کی آنکھوں میں تاسف بھر آیا" کیا لکھا ہے اس پر کوئی لطیفہ لکھا ہے کیا؟" راجر نے برگر چباتے ہوئے کہا "نہیں مسٹر بین بول نہیں سکتے۔" کیلی نے طویل سانس لے کر کہا۔

"لیکن ہم نے اسے جو کہا وہ تو اس نے سن لیا" راجر نے بے وقوفانہ انداز میں کہا تو کیلی نے اسے گھورا اور پھر بین کو مخاطب کیا۔ "سوری مسٹر بین میرا ساتھی آفیسر تھوڑا بے وقوف ہے امید ہے آپ اس کی بات کا برا نہیں منائیں گے" کیلی نے کہا تو وہ "مسکرا دیا" "مسٹر بین ہماری معلومات کے مطابق یہ گھر آپ نے گورنمنٹ سے ایک طویل قانونی جنگ کے بعد حاصل کیا ہے اور آخر کار آپ ہی اس گھر کے قانونی وارث ٹھہرے اس علاقے کی انچارج میں ہوں یہاں آبادی کم اور جنگل زیادہ ہے اور آپ جس ایریا میں رہتے ہیں وہاں اس بنگلے کے بائیں جانب تین کلو میٹر دور فارم ہاؤس ہے اور جس کا وہ فارم ہاؤس ہے وہاں رات کو کبھی کبھار اس کے دوست جن میں لڑکے لڑکیاں دونوں شامل ہیں شہر سے آتے ہیں اور تمام رات پارٹی کرتے ہیں جہاں منشیات کا بھی آزادانہ استعمال ہوتا ہے۔

اگر کبھی ان کے بارے میں اگر آپ کو علم ہو تو ہمیں بتائیے گا ان کے علاوہ یہاں اور کوئی بھی قانون شکن نہیں رہتا جس کی وجہ سے یہ علاقہ پر امن ہے" آفیسر کیلی نے کہا اور پنا کارڈ بین کی جانب بڑھا دیا بین نے ایک اور چیٹ لکھ کے اس کے حوالے کر دی جسے پڑھ کے وہ بولی۔ "آپ سامنے موجود گھر والوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔" کیلی نے اس گھر کی جانب اشارہ کر کے کہا جہاں کچھ دیر پہلے ایک بڑھیا نے بین کو دیکھا تھا اب وہ اس کھڑکی میں نہیں تھی البتہ کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی بین نے سر ہلا دیا۔

ہاں مسٹر اور مسز اسٹیفن رہتے ہیں وہ دونوں باہر کم ہی نکلتے ہیں "بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی عجیب ہیں اور انسانوں کو بنا آگ پر پکائے کچا کھا جاتے ہیں اس لیے سنبھل کے رہنا ورنہ تمہارا حال بھی اس برگر جیسا ہو سکتا ہے۔" راجر نے کیلی کی بات کاٹ کے برگر کا آخری پیس ڈکارتے ہوئے کہا "شٹ اپ راجر....." کیلی نے سخت لہجے میں کہا پھر بین کو مخاطب کیا ڈونٹ وری مسٹر بین یہاں کچھ بھی ایسا نہیں وہ گوشہ نشین ضرور ہیں قانون شکن نہیں۔ راجر کی باتوں کا برا نا مانیے گا او کے پھر ملاقات ہوگی کیلی نے مسکرا کے بین سے مصافحہ کیا اور کار میں سوار ہو کے وہ دونوں وہاں سے چلے گئے بین نے اس کا دیا کارڈ جیب میں ڈالا اور ایک نظر اس گھر پر ڈال کے آگے کی جانب دوڑ پڑا۔

☆.....☆.....☆

تین دن میں بین نے بنگلے کا حلیہ بدل کے رکھ دیا اس نے شہر سے مزدور بلائے اور بنگلے کی حالت درست کرنے کا کام شروع ہوگیا لان میں جہاں پہلے بڑی بڑی گھاس اور درخت اگ چکے تھے وہاں سب کچھ کاٹ کے جگہ صاف کردی گئی تھی اور جہاں تھوڑی بہت مرمت کی ضرورت تھی وہ بھی کردی گئی تھی بنگلے کے اندر جالے اور گرد کو صاف کردیا گیا تھا ٹوٹی ہوئی تمام کھڑکیوں کے نئے شیشے لگادیے گئے تھے۔

بین نے اپنے لیے دوسری منزل پر موجود کمرہ مختص کیا تھا جس کی کھڑکی سے بنگلے کا لان گیٹ اور سامنے کی سڑک صاف دکھائی دیتی تھی رات گہری ہوچکی تھی اور بین اپنے کمرے میں مدھم روشنی میں ایک کتاب کا مطالعہ کررہا تھا کمرے کے آتش دان میں آگ جل رہی تھی اس وجہ سے کمرے میں سردی کا احساس نہ ہونے کے برابر تھا بین چیئر پر بیٹھا کتاب کے مطالعہ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اچانک اسے باہر گاڑیوں کے گزرنے اور شور وغل کی آوازیں سنائی دیں تو اس نے فوراً کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے تین گاڑیوں میں لڑکے اور لڑکیاں سوار اس سڑک پر رواں دواں تھے جو فارم ہاؤس کی جانب جاتی تھیں بین نے گھڑی کی جانب دیکھا تو گیارہ بج چکے تھے "یعنی آج ان لوگوں کا ارادہ فارم ہاؤس میں پارٹی کرنے کا ہے۔" اس نے سوچا اور پھر موبائل نکالا کے مکسن صبح پولیس آفیسر کیلی کے نمبر پر کیا تو فوراً ہی کیلی کی کال اس کے نمبر پر آئی اس نے کال اٹھا کے موبائل کان سے لگایا۔

"مسٹر بین آپ اپنے گھر کے گیٹ پر کھڑے ہوجائیں ہم پانچ منٹ میں آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔" کیلی نے کہا تو بین نے کال کاٹ دی اور کوٹ پہن کے بنگلے کے گیٹ پر کھڑا ہوگیا پانچ منٹ بعد پولیس کی چار گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں کیلی نے بین کو اپنے ساتھ کار میں بٹھایا اور کیلی اسے لیے فارم ہاؤس پہنچی انہوں نے دیکھا وہاں تیز میوزک اور ہنگم ڈانس پر پارٹی زوروں سے شروع تھی۔

پولیس پارٹی کو دیکھ کے نوجوانوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر پولیس آفیسرز نے انہیں دھرلیا پکڑے جانے والوں میں سے ایک لڑکا بہت مچل رہا تھا "تم جانتے نہیں میرا نام مائیکل ہے اور میں شہر کے سب سے بڑے بزنس مین سروانسر کا بیٹا ہوں دیکھ لوں گا تم سب کو" لڑکا پولیس آفیسر کو لگاتار دھمکیاں دیے جارہا تھا مگر وہ اس کی قطعی پروا نہیں کررہے تھے۔

مسٹر بین آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ایک ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیا ہے اگر آپ وقت پر ہمیں اطلاع نا دیتے تو ہمارے لیے انہیں پکڑنا مشکل ہوتا" کیلی نے کہا تو بین نے جیب سے پنسل نکالی اور پرچی پر لکھ کے کیلی کے حوالے کی جس پر ایک نظر ڈال کے وہ بولی۔

میں جانتی ہوں یہ آپ کا فرض تھا مگر پھر بھی میں آپ کی شکر گزار رہوں" کیلی نے اتنا ہی کہا تھا کہ آفیسر مائیکل کو پکڑے ان کے پاس سے گزرے "تم نے ہی پولیس کو اطلاع دی تھی نا، قدرت نے تیری صرف زبان بند کی تھی میں باہر آکے تیری آنکھیں ہی بند کردونگا" مائیکل نے چیخ کے کہا تو کیلی آگے بڑھی اور ایک زوردار گھونسہ اس کے منہ پر رسید کیا تو وہ چکرا کے گر پڑا اور کیلی اپنا ہاتھ مسلنے لگی کیوں کہ اسے بھی ہاتھ پر چوٹ محسوس ہوئی تھی۔

ایک ایک زخم کا تم لوگوں کو حساب دینا پڑے گا مائیکل نے کراہتے ہوئے کہا اور پولیس آفیسر اسے گھسیٹتے ہوئے وین میں ڈالنے لگے مسٹر بین میں آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کردوں کیلی نے کہا تو بین نے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح وہ حسب معمول کانوں میں ہینڈ فری لگائے سنسان سڑک پر دوڑتا آرہا تھا اور ہر روز کی طرح آج بھی نا چاہتے ہوئے اس کی نظر اس چھوٹے سے دو منزلہ گھر کی طرف اٹھ گئی جہاں مسٹر اور مسز اسٹیفن

رہتے تھے اس دن کے بعد وہ کھڑکی نا دوبارہ کھولی تھی اور نہ ہی اسے وہ بڑھیا نظر آئی اس نے ایک نظر اس گھر کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کے قدم تیز کردیئے اسے سامنے ایک بوڑھا آدمی کھڑا نظر آیا وہ بوڑھا ایک دم اسکے سامنے آگیا تھا اس لیے وہ رکا اور گرتے گرتے بچا کیوں کہ اگر وہ یک دم نہ رکتا تو اس بوڑھے سے اس کا ٹکرا جانا یقینی تھا اس نے دیکھا اس بوڑھے کی داڑھی بے تحاشہ بڑھی ہوئی ہے اس کا لباس انتہائی بوسیدہ تھا وہ شخص بوڑھا ضرور تھا مگر اپنے قد کاٹھ اور صحت کے لحاظ سے بین سے کافی بھاری بھرکم تھا۔

تمہارے پاس اب بھی وقت ہے بھاگ جاؤ یہاں سے اور بھول جاؤ کے تم کسی گھر کے مالک بھی ہو اس میں ہی تمہاری بہتری ہے سمجھے بوڑھے نے سخت لہجے میں کہا اور وہاں سے چلتا ہوا اسی گھر میں داخل ہوا جس کی کھڑکی سے اسے بڑھیا دکھائی دی تھی وہ اس گھر میں داخل ہوا اور زوردار انداز میں دروازہ بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

شام کے سائے گہرے ہوچکے تھے، بین اپنے کمرے میں کھڑا گیند سے کھیل رہا تھا وہ گیند کو سامنے دیوار سے مارتا اور کیچ کرلیتا وہ کافی دیر سے ایسا ہی کررہا تھا کمرے کی لائٹ آف تھی اور کھڑکی سے باہر کی روشنی کمرے میں آرہی تھی اس لیے کمرے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی اسے سامنے کی دیوار اندھیرا ہونے کے سبب نظر نہیں آرہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ سامنے کی دیوار پر گیند مارتا اور کیچ کرلیتا تھا وہ اسی طرح کھیل کھیلتا رہا۔

اچانک جب اس نے سامنے کی دیوار پر بال پھینکی تو بال واپس اس کی جانب پلٹ کے نہ آئی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیوار کی جانب دیکھنے لگا جہاں سے بال واپس نہ آئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بال واپس کیوں نہیں آئی کیوں اسے بال کسی اور جانب جاتی ہوئی بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

وہ حیرت سے سامنے دیکھے ہی جارہا تھا اچانک اسے بال تیزی سے اپنی طرف آتی ہوئی دکھائی دی وہ ایک دم غیر ارادی طور پر جھک گیا اور بال زوردار انداز میں پیچھے ڈریسنگ ٹیبل پر شیشہ سے ٹکرائی اور شیشہ چکنا چور ہوگیا اس نے جلدی سے لائٹ ان کی اور ڈریسنگ ٹیبل کو حیرت بھری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

کمرے میں اس کے علاوہ اور کسی ذی روح کا نام ونشان نہیں تھا تو پھر گیند دوبارہ کسی نے پھینکی اس سوال نے اس کے جسم میں تھرتھری پیدا کردی۔

بین چرچ کے ساتھ بنگلے کے گیٹ پر کھڑا تھا رات کے واقعہ نے اسے ذہنی طور پر ڈسٹرب کردیا تھا اگرچہ وہ ایک توہم پرست انسان نہیں تھا مگر رات کے واقعہ کو نظر انداز کرنا بھی اس کے بس میں نہیں تھا اس لیے اس نے شہر جاکے چرچ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔

جس کے نتیجہ میں اب اس کے ساتھ ایک پادری کھڑا تھا بین نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا تو پادری نے ہاتھ اٹھا کے اسے کچھ بھی کہنے سے منع کردیا پادری نے جیب سے ریت سے بھری تھیلی نکالی اور چاقو کی مدد سے اس میں سوراخ کیا تو ریت اس میں سے گرنے لگی پادری ہاتھ میں تھیلی لٹکائے ایک جانب چل پڑا تو بین بھی اس کے ساتھ چلنے لگا ریت تھیلی سے مسلسل زمین پر گر رہی تھی جبکہ پادری آنکھیں بند کیے چلا جارہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بین کو محسوس ہوا دراصل پادری بنگلے کے گرد گھوم رہا تھا پھر وہ گھومتے گھومتے اس جگہ پر دوبارہ آن پہنچے جہاں سے وہ چلے تھے اس طرح بنگلے کے گرد ریت سے بنا دائرہ مکمل ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی پادری نے آنکھیں کھول دیں۔

بس میں نے جو کرنا تھا وہ ہوگیا میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری جگہ میں بھی ہوتا تو اتنا ہی فکر مند ہوتا جتنا کے تم ہو مگر بعض معمولات پر ہم انسان قدرت کے سامنے بے بس ہوتے ہیں اور یہ معاملہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔

آج کی رات خاموش رہو اور دیکھو اگر رات آرام سے کٹ جائے تو سمجھنا کہ رات کا واقعہ تمہارا وہم

URDU TUBE A HOUSE OF ENTERTAINMENT .com
Digitized by Google

تھا اور اسے بھول جانا لیکن..... اگر رات کو کچھ دیکھ لو تو پھر اس کا کیا کرنا ہے یہ بعد میں سوچیں گے۔

پادری نے کہا تو اس نے جیب سے پرچی نکالی اور اس پر لکھے کے پادری کے حوالے کی پادری نے اسے پڑھا اور بولا میں نہیں جانتا کہ رات کو تم کیا دیکھو گے اور کس حد تک دیکھو گے بس اوپر والے سے دعا کرنا کہ تم کچھ نہ دیکھو اور رات آرام سے کٹ جائے۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ پادری نے کہا اور اس کا کندھا تھپتھپا کے چل پڑا جبکہ بین گیٹ پر کھڑا ہو کے غور سے بنگلے کو دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

جیسے ہی شام ہوئی بین نے اپنے کمرے کی لائٹ آف کر دی سردی کی شدت کے پیش نظر بین نے اوپر پہن رکھا تھا جس کی کیپ اس نے سر پہ کر لی اور ایک کونے میں پڑی ہاکی اٹھالی اور کسی انہونی ہونے کا انتظار کرنے لگا حالانکہ ہاکی اٹھانا اسے ایک بچکانہ فعل لگ رہا تھا مگر ہاکی ہاتھ میں اٹھانے سے اسے کسی قدر تحفظ کا احساس ہو رہا تھا چاروں جانب پر ہول سناٹا چھایا ہوا تھا یوں ہی بیٹھے بیٹھے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ وہیں کرسی پر سو گیا۔

اچانک جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا تو گھڑی پر بارہ بج چکے تھے اس نے ہاتھوں کی مدد سے اپنی آنکھوں کو سہلایا اچانک اسے باہر گیلری میں بال کے زمین پر لگنے اور اسے کسی کے کیچ کرنے کی آواز سنائی دی تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاکی پر گرفت مضبوط کر لی اور آہستہ آہستہ دروازے کے قریب پہنچا۔

بال کے زمین پر لگ کے اچھلنے کی آواز بدستور آ رہی تھی اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر خوف کو دور بھگا کے انتہائی فیصلہ کر لیا اور ایک دم دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا گیلری سنسان تھی اور بال کے اچھلنے کی آواز بھی بند ہو گئی تھی اس نے اردگرد دیکھا تو چند قدموں کے فاصلے پر اسے بال پڑی نظر آ گئی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا بال کے قریب پہنچا اور پھر اردگرد دیکھ کے بال اٹھانے کے لیے جیسے ہی جھکا تو بال خود بخود چلتی ہوئی اس سے چند قدموں کے فاصلے پر جا کے رک گئی یہ منظر دیکھ کے بین کے شدید سردی ہونے کے باوجود پسینے چھوٹ گئے گیلری میں اب بھی دور دور تک کسی کا نام و نشان نا تھا مگر اس کی چھٹی حس پکار پکار کے کہہ رہی تھی اس کے علاوہ بھی کوئی یہاں موجود ہے جو اسے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے وہ ہاکی سر کے برابر بلند کر کے اردگرد چوکنی نظروں سے دیکھتے ہوئے بال کی جانب بڑھا۔

مگر دوسرے ہی لمحے اسے دہشت کے مارے رکنا پڑا کیوں کہ اس نے جوں ہی بال کی جانب قدم بڑھائے تھے بال چلتی ہوئی اس سے اتنا ہی دور ہو گئی تھی یہ دیکھ کر بین کی رہی سہی کسر بھی نکل گئی اب اسے اپنے جسم میں باقاعدہ کپکپی محسوس ہونے لگی اس نے تھوک نگل کے ایک بار پھر ہمت کر کے گیند کی جانب قدم بڑھائے تو گیند ایک بار پھر چل کے اس سے اتنا ہی دور ہو گئی یہ دیکھ کے بین ایک بار پھر دل تھام کے رہ گیا اور پھر اس نے دل ہی دل میں ایک انتہائی فیصلہ کر لیا اور بال کو پکڑنے کے لیے دوڑ پڑا وہ جیسے ہی بال کی جانب لپکا بال میں بھی جیسے جان پیدا ہو گئی اتنی ہی تیز رفتاری سے چل پڑی جتنی تیز رفتاری سے بین دوڑا تھا گیلری کے اختتام پر سیڑھیاں تھیں جو نچلی منزل کی جانب جاتی تھیں بال اب سیڑھیوں پر سے اچھلتی ہوئی نیچے کی جانب جا رہی تھی اور بین بھی اس کے پیچھے تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا مگر بال بھی پوری اسپیڈ سے دوڑے جا رہی تھی پھر جیسے ہی سیڑھیاں ختم ہوئیں گیند یک دم رک گئی۔

بین جو اپنی جھونک میں تیزی سے سیڑھیاں اترتا نیچے آ رہا تھا یوں یک دم اپنے آپ کو روک نہ پایا اس کا پاؤں گیند کے اوپر پڑ گیا اور وہ توازن برقرار نا رکھ پایا اور دھڑام سے کمر کے بل گرا اور اس کا سر سیڑھی سے ٹکرایا اور اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا پھیل گیا۔

بین کو جب ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ سورج

کافی چڑھ چکا تھا وہ اسی پوزیشن میں زمین پر پڑا تھا جس پوزیشن میں وہ رات کو گرا تھا وہ اٹھ کے بیٹھا تو اسے اپنے ہاتھ پر کوئی سیال چیز محسوس ہوئی اس نے غور کیا تو اس کا ہاتھ خون میں ڈوبا ہوا تھا اس نے گھبرا کے اردگرد دیکھا تو اسے زمین پر پڑا کافی خون نظر آیا پھر جب اس نے ہاتھ اپنے سر کے پیچھے حصے پر لگایا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا سر پیڑھیوں پر لگا ہو گا تو خون بہا ہو گا سر پر کافی گہرا زخم آیا تھا مگر اب اس سے خون آنا بند ہو گیا تھا اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ خون خود سے آنا بند ہو گیا ورنہ خون اگر اسی طرح بہتا رہتا تو شاید اب تک اس کی موت بھی واقع ہو چکی ہوتی یہ سوچ کر جھرجھری آئی۔

جب اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو درد کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی اس نے جبڑے سختی کے ساتھ دبا کے حلق سے نکلنے والی چیخ کو روکا اس نے جیسے ہی کمر سیدھی کی اس کو یک دم ایک زوردار چکر آیا اور اس نے تیزی سے دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا یہ شاید خون بہنے کی وجہ سے نقاہت کا اثر تھا وہ دیوار سے ٹیک لگائے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

پھر اس نے جیب سے موبائل نکالا اور فادر کو میسج کرنے لگا کیوں کہ کل رات جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ ٹھیک ہے۔

☆.....☆.....☆

کار تیزی سے اس ویران سڑک پر سے گزر رہی تھی جہاں اس کے علاوہ دور دور تک کسی ٹریفک کا نام و نشان نہیں تھا کار فادر ڈرائیو کر رہا تھا جب سے اسے بین کا میسج ملا تھا وہ کافی فکر مند ہو گیا تھا کیونکہ یہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا اس حادثے میں بین کی جان بھی جا سکتی تھی اس لیے اب اسے نظر انداز کرنا مشکل تھا اس لیے وہ فوراً ہی بین کے پاس پہنچ کر اسے وہ سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا جو اس کا علم کہہ رہا تھا۔

دوپہر کا وقت ہونے کے باوجود سڑک پر شام کا سماں تھا کیوں کہ سڑک کے اردگرد گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا اور سڑک کے کنارے لگے درخت اتنے بڑے تھے کہ اوپر جا کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے جس کی وجہ سے سڑک پر دھوپ کے بجائے چھاؤں ہی چھائی رہتی تھی۔

قادر انہیں سوچوں میں ڈوبا تیز رفتاری سے کار چلائے جا رہا تھا کہ یک دم اس کے سامنے ایک عورت آ گئی۔ ''او..... شیٹ.....'' فادر کے منہ سے نکلا اور اس نے پوری طاقت سے اسٹیئرنگ بائیں جانب گھمایا اور گاڑی سڑک سے الٹ کے سیدھا سامنے موجود درخت سے زوردار انداز میں ٹکرائی ایک دھماکے سے کار کا اگلا حصہ اور شیشے چکنا چور ہو گئے اور فادر کا سر زوردار انداز میں اسٹیئرنگ ویل سے ٹکرا گیا اور اس کا ماتھا پھٹ گیا۔

قادر نے اپنے سر کو جھٹک کے اپنے ذہن پر چھانے والے اندھیرے کو دور اس فی بیک مرر پر دیکھا تو اسے وہی عورت اپنے جانب بڑھتی ہوئی دکھائی دی اس نے سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا لباس کا فراک اتنا بڑا تھا کہ اس کے پاؤں نظر نہیں آ رہے تھے اس لمبے بالوں نے اس کے کندھوں کے ساتھ اس کے چہرے کو بھی چھپا رہا تھا بال کی وجہ سے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

لیکن جس بات نے فادر کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ اس عورت کے ہاتھ تھے وہ ہاتھ کسی عورت کے تو کیا کسی طرح سے بھی انسانی ہاتھ نہیں لگتے تھے وہ کسی درندے کے ہاتھ جیسے سیاہ بڑے اور لمبے ناخنوں والا کسی بھیڑیے کے بالوں کی طرح بال تھے فادر نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے سامنے رکھی لوہے کی صلیب اٹھائی اور بڑی مشکل سے کار کا دروازہ کھول کے باہر نکالا اور صلیب اس عورت کے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں خدا مسیح کے مقدس نام پر رکنے کا حکم دیتا ہوں۔'' فادر نے کہا تو وہ عورت رک گئی۔

اب بالوں کے پیچھے فادر کو دو سرخ آنکھیں نظر آ رہی تھیں مگر وہ اب بھی اس عورت کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھا پھر جیسے اس عورت کا چہرہ آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگا فادر نے اس کا چہرہ دیکھا تو دھک سے رہ گیا

''او میرے خدایا.....'' فادر کے منہ سے لرزتے ہوئے

URDU TUBE
A WORLD OF ENTERTAINMENT
.com
Digitized by Google

الفاظ نکلے اس کے ساتھ ہی فادر کو محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں موجود صلیب گرم ہونا شروع ہوگئی فادر نے مارے خوف کے صلیب کو دیکھا جواب باقاعدہ طور پر سرخ ہوگئی تھی اور فادر کو اپنا ہاتھ جلتا ہوا محسوس ہونے لگا اس نے صلیب کو چھوڑنا چاہا مگر جیسے ہاتھ نے چاہنے کے باوجود کسی انجان طاقت کے تحت اس کے دماغ کا کہا ماننے سے انکار کردیا نا صرف ہاتھ نے بلکہ پورے بازو نے جیسے اس کی مرضی کے مطابق کام کرنا چھوڑ دیا اور بازو ویسے کا ویسے ہی رہا۔

لوہے سے بنی صلیب سرخ ہونے کے بعد یوں پگھلنے لگی جیسے موم سے بنی ہو اور وہ پگھلا ہوا لوہا اس کے ہاتھ پہ بہنے لگا تو فادر کے منہ سے تیز چیخیں نکلنے لگیں اس نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا مگر جیسے اب پورے جسم نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ عورت اب فادر کی جانب بڑھنے لگی۔ وہ عورت فادر کے قریب آئی اور اس کے ساتھ ہی جنگل فادر کی کربناک چیخ سے گونج اٹھا۔

☆......☆......☆

بین جب ڈسکلیو کیلی کی بتائی ہوئی موجودہ جگہ پر پہنچا تو اس نے دیکھا پولیس نے سڑک کے ایک حصہ پر یلو رنگ کی پٹیاں لگا کے سیل کررکھا تھا اور فادر کی کار درخت کے تنے سے لگی تباہ حالت میں کھڑی تھی جس سے پولیس آفیسر اور فرنزک ماہرین شواہد اکٹھے کررہے تھے جبکہ ایک جانب لاش کو سفید کپڑے سے ڈھانپ دیا تھا مگر ابھی تک لاش کو اس جگہ سے نہیں اٹھایا گیا تھا۔

ہیلو مسٹر بین کیسے ہیں آپ کیلی نے بین سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو بین نے جیب سے پہلے سے لکھی ایک پرچی نکال کر کیلی کے سامنے کی جس پر لکھا تھا میں ٹھیک ہوں آپ نے مجھے یہاں اس طرح کیوں بلایا؟ دیکھیں مسٹر بین یہ گاڑی اور لاش فادر آرتھر کی ہے جو غالباً آپ کی جانب ہی آرہے تھے مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے تو کیا میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ وہ کس سلسلے میں آپ سے ملنے آرہے تھے؟ کیلی نے پرچی پڑھ کے کہا۔

تو بین نے جیب سے پرچی نکالی اور لکھنے لگا لیکن فادر آرتھر کو ہوا کیا ہے؟ دیکھنے میں تو صرف ایک حادثہ ہی لگتا ہے مگر یہاں کے حالات بہت زیادہ سوالات کو جنم دے رہے ہیں اس لیے آپ خود سوال کرنے کے بجائے پہلے میرے سوال کا جواب دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیلی نے قدر ناگواری سے کہا تو بین نے ایک اور پرچی لکھ کے اس کے حوالے کی جس پر لکھا تھا۔

میں ذرہ تو ہم پرست ہوں اس لیے میں نے گھر اور خود کے لیے دعا کرانے کے لیے فادر کو بلایا تھا وہ میرے دور کے جاننے والے تھے اس لیے میری ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی بین کی پرچی پڑھ کے کیلی نے سر ہلایا۔

او کے آپ میرے سوالات کا برا مت منایئے گا یہ ہماری پیشہ ورانہ مجبوری ہے فادر آرتھر کی موت بظاہر ایک ایسا حادثہ محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی چیز یا جانور ایک دم ان کے سامنے آگیا ہو اور اسے بچاتے ہوئے ان کی کار درخت سے ٹکرا گئی ہو......لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوئی ان کی حالت ایسی ہے جیسے......آفیسر راجر جو پاس ہی کھڑا تھا کیلی کی بات ٹوک کے بولا مگر جب کیلی نے اسے گھورا تو وہ منہ بنا کے خاموش ہوگیا اور کیلی نے خاموشی سے آگے بڑھ کے لاش سے کپڑا ہٹایا تو بین کے ہوش اڑ گئے۔

فادر کا منہ کھلا ہوا تھا آنکھیں نکال لی گئی تھیں اور کھلے منہ میں زبان بھی نہیں تھی۔ کسی انسان کے ساتھ ایسا کوئی درندہ ہی کرسکتا ہے مگر جو بات پریشان کن ہے وہ یہ ہے کیلی نے فادر کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

بین نے دیکھا فادر کے ہاتھ میں پگھلی ہوئی صلیب تھی یہی بات باعث حیرت ہے اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ کسی درندے نے باقی جسم چھوڑ کے صرف آنکھیں اور زبان کھالی تو اس صلیب کا کیا جو فادر کے ہاتھ میں پگھلی ہوئی حالت میں ہے لوہا سے بنی کسی بھی چیز کو پگھلانے کے لیے 200 فارن ہائٹ کا ٹمپریچر

درکار ہوتا ہے اور صلیب فادر کے ہاتھ میں دیکھ کے ایک بات بخوبی کہی جاسکتی ہے کہ صلیب جب پگھلی تو اس وقت فادر کے ہاتھ میں ہی تھی اب یہ تو ہونے سے رہا کہ فادر نے صلیب ہاتھ میں پکڑ کے کسی چلتی بھٹی میں ہاتھ ڈال دیا ہو۔

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر لوہے سے بنی صلیب کیسے پگھلی یعنی یہ کام کسی دوسرے انسان کا ہے اور جس انسان نے ایسا کیا ہے فادر کا قاتل بھی یقیناً وہی ہوگا یہ تو ابتدائی رپورٹ ہے جس کے بارے میں میں نے آپ کو بتایا ہے جب فرانزک رپورٹ لیب سے آئیں گی اس وقت ہی حتمی طور پر کوئی بات کی جاسکتی ہے۔ کیلی نے بین کو تفصیل سے بات بتاتے ہوئے کہا اور ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی غور سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کے ری ایکشن کو چیک کررہی ہو۔

ایک بات تو طے ہے اس جنگل میں ضرور کوئی بڑی چیز رہتی ہے۔ اور سب سے آخری بات ایک تفتیشی آفیسر ہونے کے ناطے میں آپ کو حکم دیتی ہوں کہ آپ کسی صورت اس ٹاؤن سے باہر نہیں جائیں گے اور اگر جائیں گے تو پولیس ہیڈ کوارٹر اطلاع کریں گے یہ اس لیے نہیں کہ آپ کوئی مجرم ہیں فادر آپ سے ہی ملنے آرہے تھے اس لیے آپ کو شامل تفتیش کرنا ہماری مجبوری ہے امید ہے آپ ایک ذمہ دار شہری ہونے کے ناطے ہماری کسی بھی بات کا برا نہیں منائیں گے۔ کیلی نے کہا تو بین نے پرچی لکھ کے اس کے حوالے کی۔ مجھے آپکی مدد کرکے خوشی ہوگی فادر کے کیس میں جب بھی کوئی پیش رفت ہو تو مجھے آگاہ کردیجیے گا۔ کیلی نے بین کی لکھی پرچی پڑھی۔

ضرور کیوں نہیں جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوئی ہم آپ کو ضرور آگاہ کریں گے اب آپ جاسکتے ہیں۔ کیلی نے کہا تو بین اس کے ساتھ ہاتھ ملا کے چلا گیا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ راجر نے بین کے جاتے ہی کہا۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کے ساتھ ایسا کرسکتا ہے اور پھر اس کی شکل دیکھو ایسی معصوم سی شکل رکھنے والا انسان کسی دوسرے انسان کو اتنی بے دردی سے قتل کرسکتا ہے۔ کیلی نے اپنی جیب کی جیکٹ سے سگریٹ نکال کے سلگاتے ہوئے کہا۔

کیوں نہیں یہ دیکھو میرا یہ حال میرے انتہائی معصوم نظر آنے والی بیوی نے کیا چاقو کی مدد سے چھے انچ تک میرا پیٹ چاک کرڈالا تھا۔ راجر نے شرٹ اٹھا کے اپنا پیٹ دیکھاتے ہوئے کہا۔ تمہارے ساتھ تو اس سے بھی برا ہونا چاہیے تھا تمہاری گرل فرینڈ شہر سے چند روز کے لیے باہر کیا گئی تم نے اس کی دولت کے ساتھ تعلق قائم کرلیا اور پھر اس نے تمہیں رنگ رلیاں مناتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو شکر کرو چاقو سے صرف ایک ہی وار کیا اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو تمہارا زندہ بچنا ناممکن تھا۔ کیلی نے ہنستے ہوئے کہا راجر برے برے سے منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا جبکہ کیلی سگریٹ کے گہرے کش لگا کے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆......☆......☆

رات کے دس بج چکے تھے لیکن بین کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام ونشان نہیں تھا کمرے کی لائٹ اب تک جل رہی تھی اور بین بیڈ پر لیٹا گہری سوچ میں ڈوبا تھا فادر کی یوں اچانک حادثاتی موت نے اس کے ذہن میں بہت سارے سوالات کو جنم دیا تھا جہاں تک اس کی معلومات تھی تو فادر کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی اور اس نے فادر کی لاش کو دیکھا تھا تو اس سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ فادر کی موت کوئی حادثہ نہیں تھا۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر فادر کی موت حادثہ نہیں تو اور کیا تھا وہ انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ یوں بجا جیسے کسی نے پاؤں کی مدد سے دروازے پر ٹھوکر ماری ہو بین تیزی سے بیڈ سے اترا اور غور سے دروازے کو دیکھنے لگا اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہورہی تھیں اور سانس پھولنے لگا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا اور دروازے کے ہینڈل پر بے آواز انداز میں ہاتھ رکھ دیا۔

اور پھر یک دم ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا

URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

اس نے دیکھا گیلری میں کوئی بھی نہیں تھا وہ کمرے سے باہر نکلا گیلری نیم اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اچانک اسے محسوس ہوا وہ کسی کپڑے پر کھڑا ہوا ہے اس نے دیکھا وہ ایک سفید کپڑا تھا وہ کپڑے کے اوپر سے ہٹ گیا تو کپڑا ایک جانب چل پڑا اس نے غور کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ اصل میں وہ ایک لمبا کپڑا تھا جو اس کے کمرے کے دروازے سے لے کر گیلری کی بائیں جانب تک جا رہا تھا اور گیلری کے بائیں جانب آخری کونے میں ایک عورت کھڑی تھی جس نے سفید رنگ کا لباس پہن رکھا تھا جیسے عموماً دلہن پہنا کرتی ہیں اور وہ لمبا سفید کپڑا بھی اس ہی کے فراک کا حصہ تھا۔

اس عورت کے لمبے سیاہ بال اس کی کمر تک آ رہے تھے وہ عورت اس کی جانب کمر کر کے کھڑی تھی جس کی وجہ سے وہ اس عورت کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھا وہ چند لمحے سکتے کے عالم میں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور وہ عورت بھی بت بنے کھڑی رہی پھر اچانک اس عورت کے جسم میں حرکت ہوئی اور وہ دوسری جانب چل پڑی۔

اس کے چلتے ہی بین کے جسم میں بھی حرکت پیدا ہوئی اور وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا بین کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کے پیچھے غیر ارادی طور پر چل رہا ہو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عورت چل نہیں رہی بلکہ ہوا میں اڑ رہی ہے کیوں کہ اس کے باوجود اس میں ایسی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی جس سے لگتا کہ وہ قدم اٹھا رہی ہے۔

کیونکہ اس کا فراک بہت بڑا تھا اس لیے وہ اس کے پاؤں دیکھنے سے قاصر تھا۔

وہ عورت اب گیلری کا ایک موڑ مڑ کے گیلری کے اختتام پر موجود سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی جو سیدھی بنگلے کے تہہ خانے کی جانب جاتی تھی۔

بین بھی کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا آخر وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئی بین بھی چھ سات قدم کے فاصلے پر اس کے پیچھے تھا وہ بنا رکے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگی بین نے بھی اس کی تقلید کی حالانکہ اس کا دل پکار پکار کے اسے تہہ خانے میں جانے سے منع کر رہا تھا لیکن وہ نہ چاہنے کے باوجود بھی کسی انجان طاقت کے کہنے پر جیسے چلنے پر مجبور تھا۔

بین بھی سیڑھیاں اترنے لگا تہہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر جیسے اس عورت کے وجود سے روشنی پھوٹ رہی ہو وہ پھر بھی اسے خود سے کچھ فاصلے پر آ رہی تھی اس نے جیسے ہی تہہ خانے میں قدم رکھا تہہ خانے کا دروازہ اوپر سے بے آواز انداز میں بند ہو گیا اور تہہ خانے میں ہلکی زرد رنگ کی روشنی پھیل گئی بین نے ارد گرد دیکھا اسے اب وہ عورت تہہ خانے میں کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی وہ تہہ خانہ 20 مربع فٹ کا تھا جس میں جا بجا تباہ حال فرنیچر اور پرانے کپڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

بین کو لگا جیسے اب وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا ہو اب وہ چونک کے ارد گرد دیکھنے لگا اچانک اسے وہ ہی عورت ایک کونے میں کھڑی نظر آ گئی اس کی کمر اب بھی بین کی جانب تھی اس بین نے آہستہ اس کی جانب قدم بڑھانے شروع کیے۔

وہ عورت بالکل ساکت کھڑی تھی آخر بین چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے اپنی جانب کیسے متوجہ کرے۔

پھر بین نے جب اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس عورت کی گردن یک دم مڑ گئی جبکہ اس کا باقی جسم ویسے کا ویسا ہی رہا اس عورت کے چہرے پر لمبے لمبے زخم تھے اور اس کے ہونٹ دھاگے کی مدد سے سلے ہوئے تھے جبکہ آنکھیں ہلکی سفید تھیں بین کی مارے خوف سے پتلی حالت ہو گئی اور وہ تہہ خانے کی سیڑھیوں کی جانب بھاگ کھڑا ہوا وہ بنا پیچھے دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا وہ جب اوپر دروازے پر پہنچا تو اس نے دیکھا دروازہ بند تھا اس نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا مگر اسے محسوس ہوا جیسے دروازہ جام ہو چکا تھا اس نے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔

مگر اس کے احساسات کہہ رہے تھے کہ اب وہ

عورت سیڑھیاں چڑھ کے اس کی جانب بڑھ رہی ہے یہ احساس اسے خوف کی انتہا پر پہنچانے کے لیے کافی تھا۔

وہ لگاتار ہینڈل گھمانے کی کوشش کیے جا رہا تھا مگر ہینڈل گھومنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا آخر کار اسے محسوس ہوا جیسے وہ عورت اس سے تین سیڑھیاں ہی دور ہے تو اس نے آنکھیں بند کر کے انتہائی زور لگایا تو ہینڈل گھوم گیا اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا وہ اندھا دھند اپنے کمرے کی جانب بھاگ رہا تھا پھر اس کو اپنے پیچھے کسی کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ مڑ کے پیچھے کی جانب دیکھتا آخر وہ اپنے کمرے میں پہنچا اور کمرے میں داخل ہو کے تیزی سے دروازہ بند کر کے اندر سے لاک لگا دیا اور لمبی لمبی سانسیں لے کر دروازے کو دیکھنے لگا اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا جب تین چار منٹ خاموشی رہی تو اس کی دھڑکنیں معمول پر آنے لگیں۔

تو یکدم دروازہ یوں بجا جیسے کسی نے دروازے پر ٹھوکر ماری ہو بین کا جسم ایک بار پھر کانپ گیا اور پھر جیسے باہر سے کسی نے دروازے پر ٹھوکروں کی برسات کر دی ہو بین نے حواس باختہ ہو کے دراز سے کاغذ اور پین نکالا اور اس پہ لکھا مجھے اکیلا چھوڑ دو اور وہ پرچی دروازے کے نیچے موجود خلا میں سے گزار کے باہر پھینک دیا اور خود تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔

پرچی کے باہر جاتے ہی ٹھوکروں کا سلسلہ یوں رک گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو یک دم موت کا سکوت پھیل گیا اور بین تیزی سے بیڈ پر لحاف اوڑھ کے لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا سورج کافی چڑھ چکا تھا کچھ لمحے کو وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورتا رہا پھر جیسے ہی رات کے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوما وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا اور ارد گرد دیکھنے لگا مگر وہ سب کچھ معمول کے مطابق تھا اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ لیٹتے ہی اسے یک دم نیند کیسے آ گئی تھی حالانکہ حالات کے مطابق تو نیند آنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا وہ تیزی سے بیڈ پر سے اترا۔

کہیں میں نے رات کو خواب تو نہیں دیکھا۔

بین نے خود سے سوال کیا اور پھر اپنے کمرے کا دروازہ دھڑکتے دل سے آہستہ سے کھولا تو اس نے دیکھا گیلری سنسان تھی اس کی رات کو لکھی چٹ اس کے سامنے پڑی تھی۔

یعنی میں نے رات کو خواب نہیں دیکھا یہ ایک حقیقت تھی۔ بین نے سوچا اور جلدی سے چٹ زمین پر سے اٹھائی اسے لگا چٹ کے دوسری جانب کچھ لکھا ہے تو نے اسے پلٹ کے دیکھا تو اس پر خون سے کچھ لکھا تھا اس نے پڑھا تھا اس پہ لکھا تھا۔ ”تو یہ میرا گھر ہے۔“

☆.....☆.....☆

بین نے کار اس دو منزلہ چھوٹے سے گھر کے باہر روکی اور لکڑی سے بنے اس بوسیدہ دروازے پر دستک دی تو تھوڑی دیر بعد کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھلا اور مسز اسٹیفن باہر نکلا تو بین نے انہیں ایک پرچی دی جس پر لکھا تھا مسز اسٹیفن مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے بوڑھے اسٹیفن نے چٹ پڑھی تو اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر اسے ایک کمرے میں لے گیا جس میں صوفے رکھے تھے جن کا رنگ پرانا ہونے کی وجہ سے اڑ چکا تھا جبکہ کمرے کے ایک کونے میں مسز اسٹیفن وہیل چیئر پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اسٹیفن بین کیسامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور ایک صفحہ اسٹیفن کی جانب بڑھا دیا جس پر رات کے واقعات تفصیل سے درج تھے اسٹیفن نے وہ پڑھے پھر بین کی جانب دیکھا اس سلسلے میں میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ اسٹیفن نے کہا تو بین نے پرچی لکھ کے اس کی جانب بڑھا دی جسے پڑھ کے اسٹیفن بولا یہ ٹھیک ہے کہ جب تم یہاں آئے تھے میں نے تمہیں خبردار کیا تھا کیونکہ میرا فرض بنتا تھا تمہیں خبردار کرنا، آگے تمہاری مرضی اسٹیفن نے کندھے اچھا کے کہا تو بین نے جلدی

URDU TUBE A HOME OF ENTERTAINMENT .com

Digitized by Google

سے چٹ لکھ کے اس کے حوالے کی جسے پڑھ کے وہ بولا میں خود نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کرتی۔

بین نے ایک اور چٹ لکھ کے اس کی جانب بڑھائی اسٹیفن نے وہ چٹ پڑھی اس پر لکھا تھا آپ کیسے جانتے ہیں وہ کوئی عورت ہے؟

میں اس لیے اسے جانتا ہوں کیونکہ وہ میرے بیٹے کو بھی نظر آتی تھی میرا بیٹا جب پچیس سال کا تھا تو ایک دن وہ اتفاقاً اس بنگلے کے قریب سے گزرا اور شرارت کی غرض سے وہ اس بنگلے میں چلا گیا پھر جب وہ رات گئے تک نہ لوٹا تو ہم نے پولیس کی مدد لی اور جب ہم نے اس خالی بنگلے کو چیک کیا تو جیک کسی سے باتیں کررہا تھا اور اس وجود کو ہماری نظریں دیکھنے سے قاصر تھیں، ہم اسے گھر لے آئے مگر وہ بار بار دوبارہ اسی گھر میں جانے کی ضد کررہا تھا پھر جب بھی اسے موقع ملتا وہ اس بنگلے میں پہنچ جاتا۔

وہ کہتا تھا کہ اس کی ایک ایملی نامی عورت کے ساتھ دوستی ہوگئی ہے اور وہ اسی سے ملنے جاتا ہے۔

یہ بات ہمارے لیے پریشان کن تھی ہم نے اسے بہت سے ڈاکٹرز کو دکھایا مگر وہ اس کی بیماری کو سمجھ نہ پائے آخر تنگ آکے ہم نے اسے ایک کمرے میں قید کرایا وہ بہت چیخا چلایا مگر ہم نے دل پہ پتھر رکھ لیا۔

اور جب اس عورت کو لگا کہ ہم اسے کسی صورت نہیں چھوڑیں گے تو اس نے جیک کی گردن توڑ کے اسے مار ڈالا۔ اسٹیفن یہاں تک کہہ کے خاموش ہوگیا اور بین کا جسم باقاعدہ طور پر یہ سن کر کانپ گیا۔

بیس سال ہوگئے اس حادثے کو مگر میں اور میری بیوی آج بھی اس حادثے کو نہیں بھولے تم بہت باہمت نوجوان ہو قدرت نے تمہیں بے شک زبان کی نعمت سے محروم رکھا ہے لیکن تمہیں دیکھ کے لگتا ہے کہ تم نے اسے اپنی کمزوری نہیں بننے دیا اور ہاں یہ پرچیوں پر لکھ کے تمہارا بات کرنے کا انداز مجھے پسند آیا میرا بیٹا بھی بالکل تمہارے جیسا تھا اس لیے تمہیں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں تم جلد از جلد یہاں سے جتنا دور ہوسکے چلے جاؤ اسی میں تمہاری بھلائی ہے تم بیٹھو میں تمہارے لیے کافی لے آؤں اسٹیفن نے کہا تو بین نے انہیں منع کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود کچن کی جانب بڑھ گیا۔

اسٹیفن کے جانے کے بعد بین نے دیکھا مسز اسٹیفن اب بھی ویسے ہی وہیل چیئر پر ٹکٹکی لگائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، بین اٹھا اور حوصلہ دینے والے انداز میں مسز اسٹیفن کا کندھا تھپتھپایا تو اس کے ہونٹ ہلے۔ کیا تم میرے بیٹے کی دوست کو دیکھنا چاہوگے؟ وہ بدستور باہر دیکھتے ہوئے بولی تو بین نے حیران ہوکے اس سے سوالیہ نظروں سے دیکھا وہ دیکھو وہ سامنے ہی کھڑا ہے مسز اسٹیفن نے باہر کی جانب اشارہ کرکے کہا تو بین نے اس کے ہاتھ کے اشارے کے تعاقب میں وہاں دیکھا تو بین کو سڑک کے پار وہی عورت سیاہ لباس میں ملبوس کھڑی نظر آئی جسے وہ گزشتہ رات اپنے گھر میں دیکھ چکا تھا۔

اس عورت کا چہرہ بالوں میں چھپا ہوا تھا بین کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس نے خوفزدہ ہوکے مسز اسٹیفن کو دیکھا مگر وہ اب بھی ویسے ہی نارمل انداز میں اس عورت کو دیکھے جارہی تھی جیسے یہ اس کے لیے معمولی بات ہو بین نے دوبارہ اس عورت کو دیکھا مگر اب وہ وہاں نہیں تھی پھر اچانک کسی نے پیچھے سے آکے بین کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو بین بری طرح سے کانپ گیا اور مڑا آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔

بین نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں مسٹر اسٹیفن تھا جو کافی کا کپ ہاتھ میں لیے کھڑا تھا بین نے باہر کی طرف اشارہ کیا تو اسٹیفن نے باہر جھانکا اوہو آپ بھی میری بیوی کی باتوں میں آگئے بیٹے کے مرنے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بہت خراب ہوچکی ہے اور جو ادویات انہیں دی جاتی ہیں اس کے زیر اثر انہیں پتہ نہیں کیا کیا دکھائی دیتا ہے حالانکہ ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں ہوتی

اسٹیفن نے کہا۔

تو بین نے پرچی پہ لکھا تو پھر آپ کے نزدیک اس بنگلے میں ایسا کیا نارمل نہیں ہے۔

اسٹیفن نے پرچی پڑھی اور بولا میں نہیں جانتا وہاں کیا ہے بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ بنگلہ منحوس ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں آپ کافی پیتے رہیں، میں ذرہ اپنی وائف کو دوائیاں دے دوں اسٹیفن نے کہا تو بین نے کافی کا مگ اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

بین نے یہاں جن سوالوں کا جواب ڈھونڈنے آیا تھا ان کے جواب تو مل گئے تھے لیکن ان جوابوں نے اور بہت سے سوالات کو جنم دیا تھا۔

☆......☆......☆

کیلی اپنے گھر میں کافی دیر سے فادر آرتھر کی فائل کا مطالعہ کررہی تھی مگر اس کے ہاتھ ایسا کوئی سراغ نہ آیا جس سے وہ قاتل کے بارے میں جان پاتی اس نے اس واردات کو ہر انداز ہر زاویہ سے دیکھا مگر وہ کوئی بھی حتمی رائے دینے میں ناکام رہی۔

آخر تھک ہار کے اس نے اپنی ناک پر سے نظر کا چشمہ اتارا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے آنکھوں کو سہلانے لگی اور پھر ایک طویل جمائی لے کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کیا" ہیلو راجہلارڈ ہاؤس میں رہنے والے بینک پارکر کے بارے میں مجھے تمام معلومات چاہیں وہ پیدا کہاں ہوا کہاں پلا بڑھا اس نے تعلیم کہاں سے حاصل کی کس کالج میں پڑھا اور ڈگری کہاں سے لی اس دوران وہ کیا کیا کرتا رہا ہوسکے تو اس کی گرل فرین، ڈز کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرلو۔

نہیں نہیں ابھی تک کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ اس واردات سے اس کا کوئی تعلق بھی ہے کہ نہیں ہوسکتا ہے اس معلومات کے بعد ہم کوئی رائے قائم کرنے میں کامیاب ہوں اور ہاں اس پہ نظر ضرور رکھنا ہوسکتا ہے کوئی سراغ مل جائے۔ کیلی نے کہا اور پھر بنا جواب سنے ریسیور کریڈل پہ رکھ دیا اور سگریٹ سلگا کے اس واردات کے دیگر پہلو پر غور کرنے لگی۔

وہ جتنا اس کیس پر غور کرتی تھی اتنا ہی الجھن میں مبتلا ہوجاتی تھی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے آج تک اتنا پیچیدہ کیس اپنے پورے کیریئر میں نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

بین جب سے گھر آیا تھا کافی پریشان تھا اس کے ساتھ چند روز سے جو واقعات ایک تسلسل کے ساتھ پیش آرہے تھے ان واقعات نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

مسٹر اسٹیفن کے گھر جاکے تو اس کا ذہن اور بھی الجھ گیا تھا اگر وہ عورت صرف اسے ہی نظر آئی تو وہ اسے اپنا خواب یا وہم قرار دے سکتا تھا اسے جو عورت دکھائی دیتی تھی وہ مسٹر اور مسز اسٹیفن کے بیٹے کو بھی دکھائی دیتی تھی اور صرف یہی نہیں اس کے سامنے مسز اسٹیفن کو بھی وہ عورت دکھائی دی تھی جو اسے اس وقت دکھائی دے رہی تھی اس بات سے صاف ظاہر تھا کہ اس عورت کا وجود تھا اسے دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی عام عورت تھی۔

وہ عورت ضرور تھی اور اس کا ایک وجود بھی تھا مگر وہ اس دنیا کی ہرگز نہیں تھی اگر وہ اس دنیا کی نہیں ہے تو کون ہے؟ اس سوال نے بین کو پاگل کرکے رکھ دیا اس نے اس بنگلے کو حاصل کرنے کے لیے ایک طویل قانونی جنگ لڑی تھی اور اس کے پاس جو کچھ تھا یا تو وہ اس بنگلے کے حصول میں لگ گیا تھا یا پھر اس بنگلے کی حرمت وغیرہ میں لگ گیا تھا اب سرمائے کے نام پر بین کے پاس کچھ تھا تو وہ یہ بنگلہ تھا اور وہ اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اس عورت کے نزدیک یہ گھر اس کا ہے۔ وہ کسی ایسی عورت کو جو اس دنیا کی نہ ہو یا اس کے کہنے پر یہ گھر نہیں چھوڑ سکتا تھا، وہ انہی خیالوں میں گم تھا کہ نہ جانے کب وہ نیند کی وادی میں اتر گیا، اس کی آنکھ ایک کھٹک کی آواز پہ کھلی تو وہ بڑبڑا کے اٹھ بیٹھا اس نے بیڈ کے ساتھ منسلک بٹن آن کیا تو لائٹ

URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

آن ہوگئی اور وہ اردگرد دیکھنے لگا اس کی چھٹی حس اسے کسی انجانے خطرے کا احساس دلارہی تھی۔

ایک بار پھر کھٹک کی آواز پیدا ہوئی تو اس کا جسم زوردار انداز میں لرز گیا وہ خوفزدہ انداز میں اردگرد دیکھنے لگا وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرر ہا تھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے ایک بار پھر جب ویسی ہی آواز پیدا ہوئی اس کی نظر فوراً ڈریسنگ ٹیبل کے آئینی کی جانب گئی آواز یقیناً وہیں سے آئی تھی وہ بیڈ پر سے اترا اور بے آواز قدموں سے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھا ہرچند کے اس کا ذرہ بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ کسی انجانی کشش کے تحت جیسے وہاں جانے پر مجبور تھا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قریب گیا اور حیرت سے آئینے کو دیکھنے لگا کیونکہ اسے محسوس ہورہا تھا جسے آئینے کے دوسری جانب سے آواز آئی ہو۔

وہ غور سے آئینے کو دیکھنے لگا مگر اسے وہاں اپنی صورت کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ اپنے عکس کو گھورنے لگا مگر وہاں اور کچھ بھی نہیں تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے بین کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے کیونکہ اس نے دیکھا اس کا عکس مسکرارہا ہے۔

بین نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر اسے لگا جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔

بین نے مارے خوف کے آنکھیں بند کرنا چاہیں مگر وہ اپنی مرضی سے ایسا بھی نہ کرسکا، وہ تیزی سے جھکا اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے جلدی سے کاغذ اور قلم نکالا اور کانپتے ہاتھوں سے اس پر کچھ لکھنا چاہا تو اس کی نظر دوبارہ آئینے پر پڑی ان کا عکس بھی اس کی طرح کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر بین مارے خوف کے لکھنا بھول گیا اس کے عکس نے کاغذ پر کچھ لکھا اور کاغذ اس کی جانب بڑھایا اس کے عکس کا ہاتھ حیرت انگیز طور پر آئینے سے باہر آگیا اور جب اس کے عکس کا ہاتھ باہر آیا تو وہ ایک انتہائی مکروہ اور گھناؤنا ہاتھ تھا جسے دیکھ کے بین کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی اس ہاتھ میں جو کاغذ تھا اس پر لکھا تھا ''بھاگ جاؤ......'' پڑھنے کے بعد بین جو لگاتار اپنے پاؤں انجانی طاقت سے آزاد کرانے کے لیے زور لگارہا تھا اس طاقت نے جیسے اسے یک دم چھوڑ دیا اور بین اپنی جھونک میں طاقت لگانے کی وجہ سے دھڑام سے زمین پر گرا اور فرش پر ٹکرانے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا اس نے بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا کہ اب آئینے سے ہاتھ کے بجائے پورا بازو باہر آگیا ہے۔

پھر ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور دوبارہ کھولیں تو اس نے دیکھا وہی عورت جو اکثر اس نے سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھی تھی آئینے سے آہستہ آہستہ باہر آرہی ہے پھر اس کی آنکھیں بند ہوئیں۔

پھر کھلیں تو وہ عورت آئینے سے باہر آچکی تھی پھر اس کی آنکھیں غنودگی کی وجہ سے بند ہوگئیں۔

دوبارہ کھلیں تو اس نے دیکھا۔

وہ عورت اس کے سر پر کھڑی ہے اور اس کا بالوں سے ڈھکا چہرہ آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی بین کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

بین کی جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا وہ کسی انجان کمرے کے بیڈ پر پڑا تھا اس کی نظر اپنے بازو پر پڑی تو اس نے دیکھا وہاں سوئی لگی ہوئی ہے جب اسنے مزید غور کیا تو اسے علم ہوا کہ اسے ڈریپ لگی ہوئی تھی اور شاید اس وقت وہ ہسپتال کے ہی کسی کمرے میں موجود تھا۔

پھر اچانک کمرے کا دروازہ کھلا تو ایک نرس سفید کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوئی نرس نے اسے ہوش میں آتے ہوئے دیکھا تو باہر چلی گئی بین نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کے جسم میں درد کی تیز لہر دوڑ گئی تو وہ دوبارہ لیٹ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا اس کا ذہن ابھی تک بے ہوشی کے اثرات سے آزاد نہیں تھا اس کی کھلی آنکھوں میں ابھی تک دھند چھائی ہوئی تھی۔

اسماء الحسنی کامیابی کا راستہ
پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شوہر یا بیوی کی اصلاح
گھریلو ناچاقی
جنات کا سایہ

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سید عالم شاہ
کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ
کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجے
ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین وحضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی

سیّد عالم شاہ
0300-6282386

URDU TUBE
www.urdutubes.com

Digitized by Google

ایک بار پھر دروازہ کھلا تو اس بار چار پانچ افراد کمرے میں داخل ہوئے آنکھیں دھندلانے کی وجہ سے وہ صرف سفید کپڑوں سے ڈاکٹر اور نرس کے آنے کا ہی اندازہ لگا سکا "مسٹر بین کیا آپ ٹھیک ہیں اگر ایسا ہے تو پلیز ہاتھ کے اشارے سے ہمیں بتائیے"۔ ڈاکٹر نے کہا تو بین نے اپنا ہاتھ اٹھا کے اسے بتانا چاہا۔

مگر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا تو ڈاکٹر نے آگے بڑھ کے اس کی نبض چیک کی اور اپنے پیچھے کھڑی پولیس آفیسر کیلی کی طرف متوجہ ہوا۔

میرا خیال ہے ان کا دماغ ابھی تک صدمے سے باہر نہیں آیا اس لیے یہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے کسی بڑے صدمے کے مریض کیساتھ ایسا اکثر ہوتا ہے اور انہیں مکمل ہوش میں آنے کے لیے تقریباً 24 گھنٹے لگ سکتے ہیں ڈاکٹر نے کہا تو کیلی نے سر ہلا دیا اور ڈاکٹر کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی وہ جیسے ہی باہر آئی اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی تو اس نے کال پک کی "یو لو راجر کیا رپورٹ ہے؟" ان کے والدین بچپن میں ہی ایک حادثے میں گزر گئے۔

دراصل ان کا کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا وہ دونوں ہی اپنے گھر میں قتل ہوئے تھے بین کے ڈیڈ کو نشے کی لت تھی اور اس نے کسی مافیا سے سود پر ادھار لے رکھا تھا جب وہ رقم لوٹانے میں ناکام ہوا تو مافیا کے لوگوں نے گھر میں گھس کے اسے اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا، بین کی عمر اس وقت محض آٹھ سال تھی اس حادثے نے اس کی زندگی بدل کے رکھ دی اور اسے ایسا صدمہ لگا کے اس نے بولنا بند کر دیا۔

ڈاکٹرز کے مطابق اسے میڈیکلی طور پر ایسی کوئی بیماری نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ بول نہ پاتا ہو جہاں تک بول نہ پانے کا مسئلہ ہے تو یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے والدین کے مرنے سے پہلے وہ عام بچوں کی طرح بولتا تھا مگر والدین کے مرنے کے بعد اس نے بولنا چھوڑ دیا اور پھر اس نے تقریباً گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

والدین کے قتل ہونے کے بعد اسے اس کی خالہ نے پالا پھر جب وہ بیس سال کا ہوا تو اس کی خالہ بھی گزر گئیں تو اسے کسی طرح علم ہوا کہ اس کے آباؤ اجداد کے نام ایک بنگلہ ہے جو سالہا سال سے گورنمنٹ کے قبضہ میں چلا آ رہا ہے گورنمنٹ نے بھی متعدد بار اس بنگلے کو نیلام کرنا چاہا مگر جیوری نے اجازت نہ دی کہ جب تک کارلوس خاندان کا کوئی فرد خود اس کی تحریری اجازت نہ دے بنگلہ فروخت نہیں ہو سکتا جبکہ گورنمنٹ کا موقف کارلوس خاندان کا کوئی بھی فرد زندہ نہیں رہا۔

لہٰذا یہ بنگلہ اب گورنمنٹ پراپرٹی ہے جیوری اور گورنمنٹ کی اس قانونی جنگ کا علم کسی طرح بین کو ہو گیا جو کارلوس خاندان کا زندہ بچ جانے والا آخری فرد تھا اس نے مجبوری میں کیس دائر کر دیا اور پھر آخر کار وہ کیس جیت گیا اور پھر گورنمنٹ کو بنگلہ مجبوراً بین کارلوس کے حوالے کرنا پڑا یہ ہے بین کارلوس کی اب تک حاصل ہونے والی معلومات۔

اور ہاں اس کی اسکول دور سے یونیورسٹی دور تک کوئی بھی گرل فرینڈ نہیں رہی اس لیے اس کا کوئی اپنایا قریبی شاید اب اس دنیا میں نہیں ہے اب یاد وہ ہے یا پھر اس کا وہ پرانا بنگلہ راجر نے کہا تو کیلی نے اوکے کہہ کے کال کاٹ دی اور پھر ایک نرس کو مخاطب کیا سنو جب بھی یہ مریض ہوش میں آئے تو مجھے اطلاع کرنا" کیلی نے کہا" اوکے میم نرس نے خوش اخلاقی سے کہا تو کیلی آگے بڑھ گئی۔

بین کو ہوش آ چکا تھا اور وہ بیڈ پر ٹیک لگا کے بیٹھا تھا اس کے ماتھے پر سفید رنگ کی پٹی بندھی ہوئی تھی کیلی اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھی تھی جبکہ راجر کمرے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے بسکٹ کھائے جا رہا تھا۔

بین کی گود میں ایک پیڈ اور قلم رکھا تھا "مسٹر بین اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" کیلی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا "فائن" بین نے پیڈ کے صفحہ پر لکھا کیا آپ بتائیں گے کہ اس رات آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ کیلی نے دوبارہ سوال کیا تو بین اسے دیکھتا ہوا

سوچ میں پڑ گیا اگر وہ اسے حقیقت بتاتا تو شاید کیلی اس پر کبھی یقین نہ کرتی اس کے مطابق کیلی پہلے ہی اسے شک کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

حقیقت بتا کے وہ اسے خود پر اور شک کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے اس نے کیلی کو کچھ بھی نہ بتانے کا فیصلہ کیا اور پھر لکھا۔ اس رات میں اٹھا اور میرا پیر پھسل گیا جس کی وجہ سے میں گر گیا اور مجھے شدید چوٹ لگ گئی۔ بین نے کہا تو کیلی مسکرا پڑی کیا یہ سچ ہے؟

جی ہاں یہی سچ ہے مگر مجھے یہاں کون لایا اس ہسپتال میں؟ بین نے سوالیہ انداز میں لکھا۔

میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی، ہمیں فادر کے قتل کے سلسلے میں تم پر شک تھا اس لیے میں نے ایک آدمی کو تمہاری نگرانی پر لگایا۔

میں جانتی ہوں کہ یہ ایک غیر قانونی بات تھی اور اس کے لیے تم میرے ڈپارٹمنٹ کے خلاف دعویٰ دائر بھی کر سکتے ہو لیکن دیکھ لو اسی غیر قانونی کام کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی اور خوف زیادہ ہونے کی وجہ سے تمہاری موت بھی واقع ہو سکتی تھی۔

لیکن بات اتنی سادہ محسوس نہیں ہوئی جتنا تم سنا رہے ہو میرے خیال میں آپ کو پولیس سے سچ بولنا چاہیے خصوصاً اس صورت میں تو یہ اور بھی لازمی ہو جاتا ہے جب آپ پولیس کی نظر میں مشکوک ہوں کیلی نے کہا تو بین نے ایک نظر اسے حیرت سے دیکھا اور پھر جلدی سے لکھا۔

آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں نے خود کو جان بوجھ کے زخمی کیا ہے حالانکہ آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں قانون کی کتنی عزت کرتا ہوں اور کتنا ذمہ دار شہری ہوں۔

بین کی تحریر پڑھ کے کیلی نے طویل سانس لیا میرا یہ کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ آپ مجرم ہیں یا آپ پر الزام ہے یہ دراصل ہماری پیشہ وارانہ مجبوری ہوتی ہے کہ کسی بھی کیس کو حل کرنے کے لیے ہمیں اسے ہر زاویہ سے دیکھنا پڑتا ہے امید ہے آپ ہماری مجبوری کو سمجھیں گے اور ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کو یقینی بنائیں گے۔" کیلی نے کہا تو بین نے سر ہلا دیا۔" آپ کو کسی بھی قسم کی کوئی بھی پریشانی ہو تو آپ میرے ذاتی نمبر پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں اب آپ آرام کریں کیلی نے کہا اور بین سے ہاتھ ملا کے باہر آ گئی راجر بھی اس کے پیچھے باہر آ گیا۔

میرے خیال میں بین کا فادر کی موت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اس لیے اب اس کی نگرانی کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کیلی نے کہا تو راجر سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

دسمبر کا آخری عشرہ تھا تو برف باری شروع ہو چکی تھی برف کی چادر نے ماحول کو ڈھانپ کے رکھ دیا تھا بین کو گھر آئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی اس نے اپنے کمرے میں موجود آتش دان میں لکڑیاں ڈال کے آگ جلائی اور قلم کاغذ سنبھال کے اس نے کچھ تحریر کیا اور اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے وہ کاغذ ڈال کے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر کے بیڈ پر کمبل ڈال کے سو گیا۔

تحریر لکھنے کے بعد اس کے چہرے پر کسی قدر اطمینان تھا اسے پتہ بھی نہ چلا کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو صبح کے سات بج رہے تھے لیکن برف باری ہونے کی وجہ سے سورج نکلنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا بین نے ٹریک سوٹ پہن کر کمرے سے باہر آیا اسے حیرت کا جھٹکا تب لگا جب اس نے دیکھا کہ اس کا لکھا کاغذ ویسے کا ویسے ہی پڑا ہے تو بین کو قدرے مایوسی ہوئی۔

اس نے آگے بڑھ کے کاغذ اٹھانا چاہا مگر پھر ارادہ ترک کر دیا اور دوڑتا ہوا بنگلے سے باہر نکل آیا برف باری کی وجہ سے ماحول کی ویرانی اور بڑھ گئی تھی۔

بین سڑک پر دوڑنے لگا مسلسل دو کلومیٹر دوڑنے پر اتنی شدید سردی میں بھی اسے پسینہ محسوس ہو رہا تھا ہسپتال میں ہونے کی وجہ سے کافی دنوں سے اس کی مارننگ واک والی روٹین خراب ہو چکی تھی اس لیے اسے دوڑنے میں تھوڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

اس کی سانس بری طرح پھول چکی تھی اسے اپنے پیچھے ہارن کی آواز سنائی دی تو وہ ایک سائیڈ پر ہوگیا اس نے دیکھا وہ پولیس کار تھی جسے کیلی خود ڈرائیو کررہی تھی میرے خیال میں آج کے لیے اتنی رننگ کی کافی ہے آؤ گاڑی میں بیٹھ جاؤ تمہیں گھر تک چھوڑ دوں کیلی نے کہا تو بین نے اس کی آفر کو غنیمت جانا اور فرنٹ ڈور کھول کے بیٹھ گیا اور کیلی سے مصافحہ کیا۔

لگتا ہے تمہیں اپنی صحت بہت عزیز ہے اس لیے اتنی صبح ورزش کررہے ہو کیلی نے کہا تو بین نے سر ہلا دیا ایک "سوال پوچھوں اگر برا نا مانو تو؟" کیلی نے سوالیا انداز میں کہا تو بین نے اسے دیکھا کیا تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے کیلی نے کہا تو بین اس کے غیر متوقع سوال پر چونک اٹھا میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تم اکیلے اتنے بڑے بنگلے میں رہتے ہو کیا تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہوتی کیلی نے کہا تو بین نے جیب سے کاغذ اور پین نکال کے کچھ لکھا اور کیلی کے حوالے کیا کیلی نے وہ چٹ بنا پڑھے اپنی شرٹ کی جیب میں ڈال لی اور بین کو اس کے بنگلے کے گیٹ پر اتارا اور پھر آگے بڑھ گئی جبکہ بین بھی طویل سانس لے کر اندر داخل ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

پورا دن بین بنگلے میں کسی بھوت کی طرح بھٹکتا رہا لیکن اس کو کوئی بھی چیز معمول سے ہٹ کے نظر نہ آئی آخر کار وہ تھک ہار کے بیٹھ گیا وہ جب سے یہاں شفٹ ہوا تھا اس نے ایک دن بھی اپنا کام نہیں کیا تھا کیونکہ یہاں یہ ہونے والے پے در پے واقعات نے اسے ذہنی طور پر بہت منتشر کردیا تھا اس نے اس بیگ کو کھولا جسے اس نے اس دن سے نہیں کھولا تھا جب سے وہ یہاں آیا تھا اس نے بیگ میں سے وائٹ بورڈ کا اسٹینڈ نکالا اور بیگ میں سے بورڈ نکال کے اس پر فکس کیا اور ہاتھ میں مارکر بورڈ لے کر برش کی مدد سے اس شفاف بورڈ پر رنگ بکھیرنے لگا آج کافی دنوں بعد اس کا مصور باہر آیا تھا اس لیے اسے وقت کا احساس ہی نہ ہوا کہ کب شام ہوگئی وہ پینٹنگ کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کے ساتھ ایک موڑا تورا کاغذ آن گرا اس نے اردگرد دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نا تھا اور نہ ہی وہ یہ اندازہ لگا پایا کہ کاغذ کہاں سے آیا ہے اس کا دل کسی انجان خدشے کے تحت دھڑک اٹھا اس نے برش اور کلر بورڈ ایک طرف رکھا اور محتاط انداز میں فرش پر گرا کاغذ اٹھا کر اسے کانپتے ہاتھوں سے کھولا تو اس پر سرخ رنگ سے کچھ لکھا تھا اور وہ سرخ رنگ سے لکھی تحریر کسی تازہ روشنائی سے لکھی محسوس ہوتی تھی اس نے تحریر کو چھوا تو وہ سرخ روشنائی اس کے ہاتھ پر لگ گئی بین نے تحریر پڑھی۔

رات 12 بجے تیسری منزل 13 نمبر کمرہ۔ بین نے تحریر پڑھی تو اس کے ماتھے پر اسے پسینہ محسوس ہوا پھر اچانک اسے خیال آیا اس نے ہاتھ پر لگی روشنائی کو محسوس کیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کا اندازہ درست تھا وہ خون سے لکھی ہوئی تحریر تھی اس نے وہ کاغذ جلتے ہوئے آتش دان میں ڈالنا چاہا مگر پھر ارادہ ترک کردیا اور گھڑی کی جانب دیکھا اسے جس نے بھی بلایا تھا رات 12 بجے بلایا تھا اور ابھی شام کے 6 بجے تھے۔

اب اسے رات کے بارہ بجے ہونے کا انتظار تھا۔ کیلی اپنے آفس میں بیٹھی تھی سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی جل رہی تھی جبکہ کیلی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کررہی تھی وہ اپنے سامنے بین کی لکھی چٹ کو رکھے ہوئے تھے اور اسے بار بار پڑھ کے مسکرا رہی تھی اد رساتھ ساتھ اپنے ماتھے پر آئے بالوں کی لٹ کو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی کے گرد ویل دینے کی ناکام کوشش کررہی تھی کیونکہ بال زیادہ سلکی ہونے کی وجہ سے اس کی انگلی سے پھسل جاتے تھے چٹ پر لکھا تھا۔

میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے شاید اس لیے کہ میں تنہائی پسند ہوں۔

کیلی یہ تحریر جب بھی پڑھتی اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوجاتی کیلی اس تحریر میں اتنی کھو چکی تھی کہ اسے دروازہ کھولنے کی آواز ہی نہ سنائی دی راجر چاکلیٹ کھاتا اندر داخل ہوا اور قریب آکے جب اس نے کیلی کو چٹ پڑھ کے مسکراتے دیکھا تو اس نے طویل

سانس لی اور گلہ صاف کرکے اس نے کیلی کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو کیلی چونک پڑی اور اس نے جلدی سے چٹ اٹھا کے میز کی درز میں ڈال دی بین کے ذریعہ معاش کے بارے میں اتنا علم ہوا ہے کہ وہ ایک مشہور مصور ہے جس کی پینٹنگز کی بڑی مانگ ہے اس کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے راجر نے کہا۔

ٹھیک ہے اب کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور کوئی کام ہوا تو تمہیں بتاؤں گی کیلی نے کہا تو راجر نے چاکلیٹ کا آخری ٹکڑا منہ میں ڈالا اور، ریپر ڈسٹ بین میں ڈال کے واپسی کے لیے مڑا اور پھر دروازے کے قریب جا کے ایسے پلٹا جیسے اسے کچھ اچانک سے یاد آگیا ہو دیکھو کیلی میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم میری سینئر ہو مگر میں تمہیں ایک سینئر آفیسر سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا ہوں اور دوست ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا کہ میں تمہیں تمہارے اچھے برے کے بارے میں بتاؤں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم پھر انہیں راہوں پر چل پڑی ہو جہاں سے تمہیں سوائے تکلیفوں کے اور کچھ نہیں ملا راجر نے کہا تو کیلی نے ہاتھ اٹھا کے اسے مزید بولنے سے روک دیا میں جانتی ہوں کہ میں کیا کررہی ہوں تم باتیں کرکے مجھے مزید پریشان کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کررہے کیلی نے خشک لہجے میں کہا او کے جیسے تمہاری مرضی میں نے پہلے بھی تمہارا ساتھ دیا تھا اور اب بھی دوں گا دوستی کی خاطر راجر نے کہا اور باہر نکل گیا جبکہ کیلی نے سگریٹ کا آخری کش لگا کے اسے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

☆.....☆.....☆

بین اس وقت 13 نمبر کمرے کے باہر کھڑا تھا اور بارہ بجنے میں ابھی ایک منٹ باقی تھا یہ ایک منٹ کسی صدی کی طرح بین پر بھاری گزر رہا تھا جیسے ہی اس کی کلائی پر بندھی گھڑی پر 12 بجے اس نے دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ اس کے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی خود بہ خود بے آواز انداز میں کھلتا چلا گیا دروازہ کھلتے ہی ایک خنکی کے احساس نے اس کے جسم میں سرد لہر دوڑا دی اس کی چھٹی حس اسے مسلسل خبردار کررہی تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کرکے اندر جانے کا انتہائی فیصلہ کرلیا کیونکہ اب وہ اس سلسلے کو کسی منطقی انجام تک پہنچانا چاہتا تھا کمرے میں کوئی لائٹ نہیں جل رہی تھی مگر اس کے باوجود سفید پراسرار روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی کمرے میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہلکا پھلکا دھواں بھرا ہوا ہے مگر اس دھوئیں کی کوئی اسمیل نہیں تھی جس کی بنا پر وہ دھواں نہیں دھند معلوم ہوتی تھی اسے یہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا مگر وقت کا تقاضا تھا کہ وہ آگے بڑھتا رہے اس نے جیسے ہی کمرے کے اندر قدم رکھا اس کے پیچھے دروازہ جس انداز سے کھلا تھا اسی بے آواز انداز میں بند ہوگیا مگر بین اس بات سے بے خبر قدم آگے بڑھتا رہا وہ کمرہ کافی بڑا تھا۔

بین نے پہلے اس کمرے کو سرسری طور پر دیکھا تھا وہاں ٹوٹے ہوئے فرنیچر اور دیگر سامان کے علاوہ اور کچھ بھی قابل ذکر چیز نہیں تھی بین آگے بڑھتا رہا اس نے دیکھا کے کمرے کے درمیان میں ایک بڑی سی میز رکھی تھی جس کے گرد دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں بین نے کچھ سوچا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اس نے دیکھا کہ سامنے والی کرسی کے سامنے میز پر ایک پرانا ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا بین چند لمحے اپنی دھڑکنوں کو کنٹرول کیے بیٹھا رہا اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی سامنے والی کرسی پر بیٹھا ہو مگر اسے کچھ دکھائی نہیں دیا بس کسی کے کرسی پر بیٹھنے سے جو آواز پیدا ہوئی اس سے بین نے اندازہ لگایا۔

بین نے جلدی سے جیب سے کاغذ قلم نکالا اور اس پر اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے لکھا میں نے اس بنگلے کو حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ گنوا دیا ہے اب اس بنگلے کے علاوہ میرے پاس اور کچھ بھی نہیں ہے میں جب سے یہاں آیا ہوں جو کچھ میرے ساتھ ہورہا ہے میرے پاس کوئی اور جگہ ہوتی تو میں شاید کب کا بھاگ گیا ہوتا مگر ایسا کرنا میرے لیے ممکن نہیں مجھے میرے کام کرنے کے لیے شہر سے دور اس پرسکون جگہ چاہیے تھی جو اس بنگلے کی صورت میں

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutube.com
Digitized by Google

مجھے ملی مجھے نہیں لگتا کہ اس بنگلے کے علاوہ میرے پاس کوئی ٹھکانہ ہے میں نہیں جانتا تم کون ہو اور کیا چیز ہو مگر ایک بات ضرور ہے کہ تم یہاں رہتے ہو اور مجھ سے پہلے رہتے ہو اس لیے میں یہ بھی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں یہاں رہنے والی واحد شخصیت ہوں میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ مجھے یہاں سے بھگا دو، میں چاہتا ہوں کہ نا آپ یہاں سے جاؤ اور نا ہی مجھے تنگ کرو میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہماری دوستی ہونی چاہیے میں بس دشمنی نہیں چاہتا کیونکہ دشمنی میں نقصان ہوتا ہے اور نقصان نقصان ہوتا ہے آپ کا ہو یا میرا بین نے لکھنا شروع کیا تو پھر جذباتی انداز میں لکھتا ہی چلا گیا اور پھر وہ کاغذ اس کرسی کے ساتھ میز پر رکھ دیا اور دھڑکتے دل سے ردعمل کا سوچنے لگا۔

چند لمحوں بعد کھٹک کھٹک کی آواز کے ساتھ ٹائپ رائٹر خود بخود چلنا شروع ہوگیا اور بین سانس روکے اسے خودکار انداز میں چلتا ہوا دیکھنے لگا پھر جب ٹائپنگ رک گئی تو ٹائپ شدہ کاغذ بین نے کھینچ لیا۔

اس پر لکھا تھا ”مگر میرا ہے اور رہے گا تم بھی یہاں رہ سکتے ہو جب تک چاہو مگر یاد رکھنا یہاں تمہارے بغیر اور کوئی نہیں رہ پائے گا۔

یہ تحریر بین نے پڑھی تو اس کے تنے ہوئے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے مگر ان میں اب بھی خوف کا عنصر باقی تھا۔

بین کی نظر اچانک کھڑکی کے شیشے پر پڑی تو اس نے دیکھا اس کا عکس شیشے پر پڑ رہا ہے اور اس کے سامنے کرسی پر وہی عورت بیٹھی تھی سیاہ کپڑوں میں ملبوس جس کا چہرہ اس کے سر کے بالوں نے ڈھانپ رکھا تھا پھر جب بین نے اسے خوف کے مارے دیکھا تو شاید اسے بھی علم ہوگیا کہ بین اس کو شیشے کے عکس میں دیکھ رہا ہے تو اس عورت نے سر اٹھایا اور شیشے کی جانب دیکھا تو بین کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔

اس عورت کا چہرہ حد سے زیادہ سفید تھا اس کی آنکھوں کی جگہ دو سیاہ گڑھے تھے اور سب سے بھیانک اس کے ہونٹ تھے جو کسی دھاگے کی مدد سے سلے ہوئے تھے یہ دیکھ کے بین کانپ اٹھا اور کرسی سے اٹھ کے الٹے قدم واپس جانے کے لیے مڑا اور جب وہ دروازے کے قریب پہنچا تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور پھر جیسے ہی وہ کمرے نکلا دروازہ اسی طرح بند بھی ہوگیا دروازہ بند ہوتے ہی جیسے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آ گیا اور تقریباً دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا اور دروازہ بند کرکے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح بین حسب معمول اٹھا ڈاک پہ گیا تو مسٹر اسٹیفن نے اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دروازہ بند کردیا بین کو حیرت ہوئی کہ اس نے ایسا کیا کیا جس کی وجہ سے مسٹر اسٹیفن کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت تھی اس کے علاوہ اور کوئی بھی بات خلاف معمول نہ ہوئی اس نے دن بھر اپنا کام کیا کافی عرصے بعد وہ ذہنی طور پر مطمئن ہوا تھا وہ جب سے اس گھر میں آیا تھا اور جو واقعات ایک تسلسل کے ساتھ اس کے ساتھ پیش آتے رہے ان واقعات نے اس کے ذہن میں انقلاب برپا کردیا اس کے اس دنیا کے بارے میں نظریات اور زندگی کے معنی جیسے بدل کے رہ گئے اس نے جو کچھ اس بنگلے میں دیکھا تھا اس پر یقین کرنا کافی مشکل کام تھا مگر یہ سب اس نے اپنے ہوش وحواس میں خود اپنی آنکھوں دیکھا تھا لیکن اگر یہ بات وہ کسی اور کو بتاتا تو اس پر کسی دوسرے آدمی کا یقین کرنا کافی مشکل کام تھا اس لیے اس نے یہاں کے واقعات کا کسی سے ذکر نا کرنے کا فیصلہ کیا اس کو ابھی تک خود پر یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے ایک انجانی مخلوق سے سمجھوتا کیا ہے یہ ایک حیران کن بات تھی مگر ایک حقیقت تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

شام کے وقت وہ پینٹنگ کرنے میں مصروف تھا کہ دور بیل بجی بین کو قدرے حیرت ہوئی اور وہ باہر نکلا تو اس نے دیکھا کیلی پولیس یونیفارم میں کھڑی تھی اس کے پیچھے اس کی سرکاری گاڑی کھڑی تھی وہ اکیلی تھی

کیونکہ بین کو راجر کہیں نظر نا آیا کہیں میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا کیلی نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا تو بین نے نفی میں سر ہلا دیا میں دراصل آپ کی طبیعت کا پوچھنا چاہ رہی تھی کیلی نے کہا تو بین نے حسب معمول جیب سے چھوٹی سی پرچی اور پین نکالا اور لکھا اب پہلے سے بہتر ہوں یہ تو اچھی بات ہے میرے خیال میں آپ کو اپنی صحت یابی پر اپنے دوستوں کو ایک پارٹی دینی چاہیے کیلی نے کہا تو بین نے جلدی سے ایک چٹ لکھ کے اس کے حوالے کی جس میں لکھا تھا میرا کوئی دوست نہیں ہے جسے میں پارٹی پر بلاؤں اور ویسے بھی میں پارٹیوں کا شوق نہیں رکھتا یہ مجھے بور کردیتی ہیں۔

اوہو تب تو آپ کی اور میری خوب جمے گی میرا بھی کوئی دوست نہیں اور ظاہر ہے اس لیے میں بھی پارٹیز میں نہیں جاتی تو ایسا کرتے ہیں کہ آج شام ہم ایک ساتھ ڈنر کرلیتے ہیں اس طرح امید ہے ہم دونوں اچھے دوست بن سکتے ہیں کیلی نے کہا تو بین نے چٹ لکھی میں دراصل آج کل ایک پروجیکٹ پر کام کررہا ہوں اس لیے تھوڑا مصروف رہتا ہوں کوئی بات نہیں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی شام کے فوراً بعد میں خود تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی اور ڈنر کے بعد ڈراپ بھی کردوں گی اوکے امید ہے اب تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی کیلی نے کہا اور فوراً مڑی اور گاڑی میں جا بیٹھی شام کو ملتے ہیں۔

کیلی نے بلند آواز میں کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی جبکہ بین نے طویل سانس لے کر دوبارہ اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

شام کے بعد ایک بار پھر ڈور بیل بجی تو بین کو اندازہ ہوا کہ کیلی آ گئی ہوگی وہ پہلے ہی اس کے ساتھ جانے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا کیلی کے اصرار پر ہی وہ جارہا تھا ورنہ اس کا دل ذرہ بھی اس کے ساتھ جانے کو نہیں چاہ رہا تھا وہ باہر نکلا تو اس نے دیکھا باہر سرخ رنگ کی کیڈلک کے ساتھ کیلی کھڑی تھی اس نے سفید کلر کی شرٹ پر جینز کی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سیاہ رنگ کی فلیپر پینٹ پہن رکھی تھی اور اس نے اپنے گولڈن بالوں کو کیچ میں جکڑ رکھا تھا لائٹ میک اپ میں وہ کہیں سے بھی تیس بتیس سال کی نہیں لگ رہی تھی کوئی بھی اسے دیکھتا تو پچیس سال کی ہی کہتا بین اس کے اس طرح تیار ہونے پر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ ”کیا بات ہے ایسے غور سے کیا دیکھ رہے ہو۔“

کیلی نے مسکرا کے کہا تو بین چونک اٹھا اور نفی میں سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو۔

”کچھ بھی نہیں۔“

”اوکے بیٹھو۔“

کیلی نے کہا تو بین چپ چاپ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تو کیلی نے گاڑی آگے بڑھا دی چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کیلی بولی ویسے تو ڈنر کسی اچھے سے ہوٹل میں کیا جاتا ہے مگر تمہیں تو پتہ ہی ہے یہاں سے 2 کلومیٹر کے فاصلے پر ہی ٹاؤن کی مارکیٹ ہے اور پھر وہاں کا اکلوتا ہوٹل بھی اتنا شاندار نہیں ہے تو اس لیے میں نے اپنے گھر ڈنر رکھ لیا ہے۔

کیلی نے کہا تو بین کی آنکھوں میں بہت سے سوالات پیدا ہوئے جنہیں کیلی نے بھی محسوس کیا۔

بے فکر رہو میں گھر میں اکیلی رہتی ہوں میں جب اٹھارہ سال کی ہوئی تب ہی میرے والدین میں طلاق ہوگئی تھی اور کوئی بہن بھائی تھا نہیں تو اس لیے اکیلی رہنے پر مجبور ہوں۔

کیلی نے کہا تو بین چپ چاپ باہر دیکھنے لگا خنکی بہت بڑھ چکی تھی لیکن گاڑی میں ہیٹر لگا ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں ہورہی تھی باہر جنگل میں ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ایک چھوٹے سے گھر کے پاس پہنچے جس کے ساتھ ایک اور گھر تھا کیلی نے گاڑی گیراج میں کھڑی کی اور بین کو مخاطب کیا یہ میرا گھر ہے اور یہ ساتھ والا گھر میرے اسسٹنٹ راجر کا ہے یہاں وہ اپنے دو بچوں اور بیوی کے ساتھ رہتا ہے یہ کہا اور کیلی اسے لیے اندر داخل ہوئی گھر چھوٹا مگر انتہائی صاف ستھرا تھا کل پانچ کمرے

Digitized by Google

تھے جن میں ایک کچن ایک ڈرائنگ روم دو بیڈ روم اور ایک ڈائننگ ہال تھا کیلی نے اسے ڈائننگ ہال کی کرسی پر بیٹھایا اور خود کھانا لے کر اس کے سامنے سرو کرنے لگی اور پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی یہ سب میں نے خود بنایا ہے دراصل مجھے کوکنگ بہت پسند ہے کیلی نے کہا تو بین مسکرا دیا اس کے بعد وہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ شاید دونوں ایک دوسرے کے مخاطب کرنے کا انتظار کر رہے تھے کھانا کھا کر بین نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پہلے سے لکھی ہوئی چٹ کیلی کے حوالے کر دی جس پر لکھا تھا کھانا بہت اچھا تھا یہ پڑھ کر کیلی ہنسنے لگی نہیں نہیں یہ چیٹنگ ہے یہ بات تم نے پہلے سے لکھ رکھی تھی یعنی کھانا جیسا بھی ہوتا تم نے مروت کے ہاتھوں مجبور ہو کے تعریف ہی کرنی تھی کیلی نے کہا اور بین نے دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک اور پرچی موجود تھی کیلی نے اس کے ہاتھ سے پرچی لے کر دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔

آپ کی دعوت کا بہت بہت شکریہ مگر نہ جانے کیوں کھانا مجھے کچھ خریدار نہیں لگا یہ پڑھ کے کیلی کا ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا اور بین بھی مسکرا دیا بہت تیز ہو ماننا پڑے گا۔

کیلی نے ہنسی روکتے ہوئے کہا تو بین نے جیب سے قلم نکالا اور چٹ پر لکھا۔

اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔

ہاں پوچھو؟

کیلی نے چٹ پڑھ کے کہا آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی کیا اس کی کوئی خاص وجہ۔

کیلی نے چٹ پڑھی تو ایک طویل سانس لیا اور بولی دراصل والدین کی طلاق کے بعد کوئی ایسا ملا ہی نہیں جس کے ساتھ شادی کا سوچوں کچھ میں نے خود کو بھی مصروف کر لیا ایک دو افیئر تھے مگر شادی کے مسئلہ میں نا میں سنجیدہ تھی نا وہ اس لیے بات آگے نہیں بڑھی لیکن اب شاید جلد ہی ایسا کچھ ہو جائے۔

کیلی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو یہ بات بین کو تھوڑی عجیب لگی۔ سوری میں وائن سرو کرنا تو بھول ہی گئی یہ کہہ کر کیلی نے وائن کی بوتل کھولی اور جام بھرنے لگی تو بین نے جلدی سے پرچی پر لکھا میں دراصل شراب نہیں پیتا آپ پلیز صرف اپنے لیے نکالیں۔

بین کی چٹ پڑھ کے کیلی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

تم کیسے نوجوان ہو جو شراب نہیں پیتا کیلی نے حیرت سے کہا تو بین نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو۔

میں ایسا ہی ہوں او کے پھر میں بھی بعد میں پی لوں گی اب اصل موضوع پر آتے ہیں۔

دراصل عام طور پر یہ بات لڑکے کرتے ہیں لیکن خیر کوئی بات نہیں آج کل کے دور میں شروعات کوئی بھی کر سکتا ہے میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ میں تمہاری شرافت کی معترف ہو گئی ہوں اور تمہیں پسند کرنے لگی ہوں میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں تم سے عمر میں سات آٹھ سال بڑی ہوں لیکن میرے خیال میں آج کل کے حساب سے یہ فرق کچھ زیادہ نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ میں تم سے کوئی افیئر چلانے کی بات کر رہی ہوں میں تمہیں سیدھی سادی شادی کی آفر کر رہی ہوں۔

کیلی یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی تو بین کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس نے پرچی پر لکھا "میں نے آپ کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔"

"کوئی بات نہیں تو تم اب سوچ سکتے ہو۔" کیلی نے جلدی سے کہا میرے خیال میں اس کے لیے مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔"

بین نے الجھے ہوئے انداز میں چٹ پر لکھا اور کے تمہیں جتنا وقت چاہیے لے لو لیکن فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔

کیلی نے اس کی چٹ پڑھ کے مسکرا کے کہا اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس کے ٹیبل پر رکھے ہاتھ پر رکھ دیا تو بین نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور جلدی سے نئی

چٹ لکھی میرے خیال میں اب کافی ٹائم ہو گیا ہے مجھے چلنا چاہیے۔"

چلے جانا ابھی تو صرف 9 بجے ہیں ابھی تو بہت وقت ہے ویسے بھی دسمبر کی راتیں بہت طویل ہوتی ہیں۔

کیلی نے ذومعنی انداز میں کہا تو بین کے قلم نے ایک بار پھر حرکت کی میں آج پورا دن کام کرتا رہا ہوں اس وجہ سے کافی تھک گیا ہوں اور آرام کرنا چاہتا ہوں۔

تو تم یہاں سو سکتے ہو میں دوسرے بیڈ روم میں بستر لگا دیتی ہوں۔

کیلی نے ایک نظر تحریر پر ڈال کے کہا۔ نہیں میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز آپ مجھے میرے گھر تک چھوڑ آئیں۔

بین نے جسٹ پر لکھا تو چند لمحے کیلی اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر بولی او کے جیسے تمہاری مرضی آؤ تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ آؤں کیلی نے یک دم اٹھتے ہوئے کہا تو بین بھی اٹھ کھڑا ہوا کیلی کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اسے بین کی یوں جلد جانے والی بات کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی واپسی کے تمام سفر میں بھی اس نے دوبارہ بین کو مخاطب نا کیا آخر بین کو اس نے بنگلے کے گیٹ پر اتارا اور جب بین جانے کے لیے مڑا تو اس نے بین کو آواز دی بین پلٹا تو کیلی بولی۔

"مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی جبکہ بین کے ماتھے پہ فکری مندی کے شکنوں کا جال پھیل گیا۔

رات معمول کے مطابق گزری اور صبح بھی بین نے معمول کے مطابق سب کام کیے۔

صبح سے وہ ایک پینٹنگز پر کام کر رہا تھا پینٹنگز تقریباً مکمل ہو چکی تھی اچانک اس کے ہاتھ سے برش گرا جسے وہ اٹھانے کے لیے غیر ارادی طور پر یک دم جھکا تو پینٹنگ بورڈ سے اس کا کندھا ٹکرایا اور بورڈ لہرا کے زمین پر گرنے لگا یہ دیکھ کے بین حواس باختہ ہوا کیوں کہ اسے کئی دن کی محنت پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا۔

اس سے یہ دیکھا نہ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں یہ سب چند لمحوں میں ہوا تھا جب اسے بورڈ گرنے کی آواز سنائی دی اس نے آنکھیں کھولیں تو اگلے لمحے اس کی حیرت کی انتہا ناں تھی اس نے دیکھا بورڈ سیدھا اپنی جگہ پر کھڑا تھا جیسے وہ گرا ہی نا ہو حالانکہ اس نے خود دیکھا کہ اس کے کندھے سے ٹکرانے پر بورڈ لہرا کے گر رہا تھا۔

اب اس نے آنکھیں کھولیں تو بورڈ بالکل سیدھا کھڑا تھا یعنی اس کے آنکھیں بند کرتے ہی کسی انجانی طاقت نے نا صرف اس بورڈ کو گرنے سے بچایا بلکہ اسے سیدھا کھڑا بھی کر دیا، جیسے ہی یہ خیال اسے آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اس کے علاوہ اور اس بنگلے میں کوئی نہیں تھا تو ظاہر ہے اسی انجانی شخصیت نے ہی اس کا پینٹنگ بورڈ گرنے سے بچایا تھا یہ سوچ کر اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

شام سے بین کو رات کے گہرا ہونے کا انتظار تھا۔

پھر رات ہوئی وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا وہ رات بارہ بجے اس شخصیت سے دوبارہ بات کرنا چاہتا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ رات بارہ بجے اس کی اس شخصیت سے بات ہو پائے گی یا نہیں اور یہ کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا۔

مگر اس کے باوجود وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا پھر جیسے ہی بارہ بجے وہ چپ چاپ اپنے کمرے سے نکلا اور 13 نمبر کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

جہاں پہلے بھی ان کی بات ہوئی تھی۔

ان کی جب پہلے بات ہوئی تھی بین اس دن کے بعد سے اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔

شاید اس کے دل میں انجانا سا خوف تھا ایک بار اس کے دل میں آیا کہ وہ واپس پلٹ جائے مگر پھر اس نے دل کو مضبوط کیا اور دروازے پر دباؤ بڑھایا تو وہ کھلتا چلا گیا کمرے میں تو اسے اپنے پیچھے ٹائپ رائٹر کے چلنے کی آواز سنائی دی تو وہ تیزی سے مڑا اور مڑتے ہی اس کی نظر غیر ارادی طور پر کھڑکی کے شیشے پر پڑی تو اس نے دیکھا سامنے والی کرسی پر وہی عورت سیاہ کپڑوں میں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

ملبوس بیٹھی تھی اور ٹائپ رائٹر پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔

بین نے جب کرسی کی جانب دیکھا تو کرسی خالی تھی صرف آئینے میں ہی اس کا عکس نظر آ رہا تھا یہ دیکھ کر ایک بار تو بین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پایا اب ٹائپ رائٹر کی آواز آنا بند ہو گئی جیسے ٹائپنگ مکمل ہو گئی ہو بین آہستہ سے آگے بڑھا اور آرام سے ٹائپ رائٹر سے کاغذ نکال کے دیکھا تو اس پر لکھا تھا۔ ”پھر کس وقت یہ پڑھتے ہی سوچ میں پڑ گیا اور پھر آرام سے باہر نکل آیا آخر یہ لکھنے کا کیا مطلب ہے کسی بھی وقت یہ بین سوچتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھتا چلا گیا جو بھی تھا یہ بات تو طے تھی کہ اب اسے کافی حد تک تسلی ہو گئی تھی کہ وہ پراسرار وجود اب اس کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں بنے گا۔

☆☆☆

اس بات کو دو دن گزر گئے اور ان دو روز میں کوئی بھی خلاف معمول واقعہ نہ ہوا نا ہی اس دوران کیلی سے سامنا ہوا نا ہی ٹاؤن کے کسی اور آدمی سے بات ہوئی وہ دن بھر پینٹنگ میں مصروف رہتا اور پھر رات کو آرام سے سو جاتا اس کے دل میں موجود تمام خدشات آہستہ آہستہ دور ہو رہے تھے شام کے وقت وہ کچن میں کھانا بنا رہا تھا کہ اچانک اس کے دل میں ایک خیال آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے سوئٹ ڈش تیار کی اور اسے جا کے 13 نمبر کمرے کی ٹیبل پر رکھ دیا اور ساتھ میں ایک چٹ بھی لکھ کے رکھ دی اس نے چٹ پر لکھا میں جانتا ہوں یہ پاگل پن ہے مگر جب ہمیں ایک ہی گھر میں رہنا ہے تو ہم ایک دوسرے کی تھوڑی مدد کر دیں تو کچھ برا نہیں ہے میں بس آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میں سوئٹ ڈش اچھی بنا لیتا ہوں؟

یہ چٹ لکھ کے اس نے ڈش کے ساتھ رکھ دی اور چپ چاپ واپس آ گیا دوسرے دن صبح اس نے کمرے میں جا کے دیکھا تو اس نے دیکھا اس نے جس برتن میں کھانا ڈالا تھا وہ خالی تھا اس کا مطلب ہے میں

بین نے سوچا اور برتن اٹھا کے واپس آ گیا شام سے قدرے پہلے وہ مسلسل کام کر کے بور ہونے لگا باہر آ گیا جنگل میں چاروں طرف چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی پرندے گھروں کے لوٹ رہے تھے بین یوں ہی چلتے چلتے گھر سے کافی دور نکل آیا تو رک گیا کیلی نے کار اس کے قریب روکی اور جلدی سے کار سے اتری وہ اس وقت یونیفارم کے بجائے سول کپڑوں میں ملبوس تھی ڈارک براؤن کلر کے کپڑوں میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی ”ہائے“ اس نے آتے ہی خوشی سے پھولے ہوئے سانس سے کیا تو بین نے سر ہلا دیا۔

میں تمہاری ہی طرف آ رہی تھی کہ تم رستے میں ہی مل گئے چلو اچھا ہے آخر کار میں بیٹھو میرے گھر جا کے بات کرتے ہیں۔

کیلی نے کہا تو بین نے جیب سے پین اور کاغذ نکال کے لکھا سوری دراصل میں تھوڑا بزی ہوں یہ تو بس گھر سے پانچ منٹ کے لیے چہل قدمی کے لیے نکلا تھا اب واپس جا کے مجھے کام کرنا ہے۔

بین کی تحریر پڑھ کے کیلی بولی اوکے دراصل میں تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تم نے میرے پروپوزل کے بارے میں کیا سوچا؟

بس کیلی میں آپ کو ایک فرض شناس پولیس آفیسر اور ایک اچھا انسان سمجھتا ہوں اور اس لحاظ سے آپ کی بہت عزت بھی کرتا ہوں۔

لیکن میں آپ کے بارے میں ویسا نہیں سوچتا جیسا کہ آپ سوچ رہی ہیں۔ بین کی تحریر پڑھ کے کیلی دھک سے رہ گئی۔

”کیا مجھ میں کوئی کمی ہے۔“

کیلی نے رک رک کہا تو بین کے قلم نے ایک بار پھر حرکت کی میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ میں کوئی کمی ہے کمی تو مجھ میں ہے اس لیے اپنے بے زبان ہونے کے عیب کو چھپانے کے لیے اس جنگل کا سہارا لیا ہے اور یہاں آ کے بس گیا۔

ویسے بھی ہماری عمروں میں تو ذرا سا فرق ہے

میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی آپ پر تنقید کرے اور..... بین نے اتنا ہی لکھا کہ کیلی نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر اسے پھاڑ ڈالا۔

تم مرد بہت بڑے ڈرامہ باز ہوتے ہو جان چھڑانے کے لیے ہزار بہانے تراش لیتے ہو لیکن اس بار ایسا نہیں ہو گا۔

کیلی نے اتنا ہی کہا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی کار میں جا بیٹھی اور دوسرے ہی لمحے کار ہوا سے باتیں کرنے لگی جبکہ بین اسے تاسف سے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

شام کے سائے پھیل چکے تھے بین اپنے کمرے میں پینٹنگ بنانے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نظر کھڑکی پر پڑی تو اس نے دیکھا کھڑکی کے پردے کے پیچھے کوئی کھڑا ہے پردے کا ابھار اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ پردے کے پیچھے کوئی ہے۔

اب اس نے پردے کے نیچے دیکھا پردہ فرش سے پانچ انچ اوپر تھا اگر پردے کے پیچھے کوئی کھڑا ہوتا تو اس کے پیر بھی لازمی نظر آتے لیکن پردے کا ابھار پکار پکار کے کہہ رہا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے بین چند لمحے اسے اپنی بے ترتیب ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ دیکھتا رہا۔

پھر اس نے ایک چھوٹی سی پرچی پے لکھا یہاں کرسی موجود ہے اگر آپ وہاں بیٹھ جائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یہ لکھ کے اس نے پرچی پردے کی جانب دیکھے بنا اس جانب پھینک دی تو چند لمحوں بعد اسے اپنے پیچھے کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی مگر اس نے مڑ کے نہ دیکھا اور پینٹنگ کرنے میں مصروف رہا شاید اسے پلٹ کے دیکھنے کا حوصلہ بھی نہ تھا پھر قدموں کی آواز رک گئی اور کرسی پر کسی کے بیٹھنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ایزی چیئر کے جھولنے کی آواز سنائی دینے لگی بین کچھ لمحوں کے لیے ذہنی طور پر منتشر ہوا مگر ایک بار پھر وہ سب بھول کے پینٹنگ کرنے میں جت گیا ویسے بھی پینٹنگ کرنے کے دوران اس نے مڑ کے دیکھنے کی کوشش نہ کی اور جب پینٹنگ مکمل ہو گئی تو اس نے چٹ لکھی جس پر لکھا کیسی لگی میری پینٹنگ پر لکھ کر اس نے چٹ پلٹ کے دیکھے بنا کرسی کی جانب پھینک دی تو ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے کوئی کرسی سے اٹھا ہو۔

بین تب بھی نہ پلٹا اور اپنی پینٹنگ کو گھورتا رہا اس کی نظریں ضرور پینٹنگ پر تھیں مگر ذہن اس کے قدموں کی چھاپ کی جانب تھا قدموں کی چھاپ اس سے ایک فٹ دور رک گئی تو بین کے جسم میں ایک سنسنی سی پھیل گئی مگر اس نے نظریں پینٹنگ پر مرکوز رکھیں پینٹنگ ایک خیالی خوبصورت لڑکی کی تھی جو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی بین پینٹنگ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اسے کسی کے غرانے کی آواز سنائی دینے لگی آواز اسے پیچھے سے سنائی دے رہی ایک لمحے کے لیے وہ پلٹنے لگا مگر ابھی اس نے مڑ کے نہ دیکھنے کا فیصلہ کیا مگر غرانے کی آواز لمحہ بالمحہ تیز ہوئی جا رہی تھی مگر بین دل پر قابو رکھ کے دم سادھے کھڑا رہا اور پھر دوسرے ہی لمحے کسی نے بین کو پیچھے سے دھکا دیا تو وہ ایک طرف گرا اور اگلے ہی لمحے پینٹنگ پر آگ بھڑک اٹھی اور پینٹنگ دھڑا دھڑ جلنے پر منظر نہیں مارے خوف کے دیکھنے لگا اس نے ارد گرد دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا، تھا وہ بھی اس کی جلتی ہوئی پینٹنگ۔

اس واقعہ کو دو دن گزر گئے اور ان دو دن میں بین ذہنی طور پر بہت پریشان ہوا اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی آخر اس نادیدہ مخلوق نے اس کی پینٹنگ کیوں جلائی تھی کیا اسے پینٹنگ پسند نہیں آئی تھی اگر پسند نہیں آئی تھی تو کیا اسے جلانا ضروری تھا ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے اور بھی کئی طریقے تھے تو پھر اس طرح جلانا ہی کیوں یہ بات بین کی سمجھ میں نہ آ سکی آخر جب وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا تو اس نے رات 12 بجے پھر 13 نمبر کمرے میں آپ اچھی سی سوئٹ ڈش تیار کر کے رکھ دی مگر جب اس نے دوسری صبح دیکھا تو اسے مایوسی ہوئی کیوں کہ ڈش ویسی کی ویسی ہی رکھی تھی اب اسے اپنی بے وقوفی پہ غصہ آنے لگا آخر وہ کیوں ایک انجانی مخلوق کو منانے کے لیے پاگلوں جیسی حرکت کر رہا ہے اگر وہ اس سے مخاطب

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

نہیں ہونا چاہتی تو نہ سہی وہ اس کی ناراضگی سے کیوں بے چین ہے شاید یہ اس کی انجانی مخلوق کے خوف کا اثر تھا کہ وہ اس گھر میں رہتے ہوئے اس کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے دو دن سے اس نے پینٹنگ ہی نہ کی وہ ان دو دنوں سے اس پراسرار وجود کو اپنے اردگرد بھی محسوس نہیں کررہا تھا جس کا مطلب تھا وہ اس واقعہ کے بعد سے یہاں ہے ہی نہیں یہ سب باتیں بین کو بے چین کررہی تھیں کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک بات آئی تو وہ اچھل پڑا اس نے ایک نئی پینٹنگ پر کام شروع کردیا 4 دن سے اوپر ہوگئے تھے وہ مسلسل چار دن سے دن رات ایک ہی پینٹنگ بنانے میں مصروف تھا اسے نہ کھانے کا ہوش تھا نہ سونے کا آخرکار اس نے پینٹنگ مکمل کرلی اور رات 12 بجے وہ پینٹنگ اٹھا کے 13 نمبر کمرے کی ٹیبل پر رکھ دی، اس نے بہت دیر انتظار کیا مگر جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ وجود ظاہر نہیں ہوگا تو وہ مایوسی کے عالم میں کمرے سے باہر نکلا وہ کمرے سے جیسے ہی باہر نکلا تو اس کے سر کے پچھلے حصے پر زوردار ضرب لگی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھاتا گیا اس کی آنکھ تب کھلی جب اس کے منہ پر پانی کی دھار پڑی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا تو دوسرے ہی لمحے اس کے سر میں درد کی لہر اٹھی تو اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی جب درد کی شدت کم ہوئی تو اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے خود کو اسی بنگلے کے ایک بڑے سے کمرے میں پایا چار عدد لڑکے اس کے گرد گھیرا ڈال کے کھڑے تھے جن میں سے ایک کی شکل اسے جانی پہچانی لگی کیوں مسٹر سائلنسر پہچانا مجھے؟

وہی نوجوان بولا جس کی شکل اسے جانی پہچانی لگ رہی تھی تو اس نے ذہن پر زور ڈالا مگر اسے یاد نہ آسکا کہ اس نوجوان کو اس نے کہاں دیکھا ہے ارے کیا اب بھی یاد نہیں آیا چلو میں تمہیں بتا دیتا ہوں میرا نام مائیکل ہے اور میں سر وارنسر کا بیٹا ہوں وہی مائیکل جس کی تم نے مخبری کی تھی اور پولیس نے ہمارے فارم ہاؤس پہ چھاپا مار کے ہمیں گرفتار کرلیا تھا تم نے کیا سمجھا تھا کہ میں ساری زندگی جیل میں سڑتا رہوں گا اور کبھی باہر نہیں آؤں گا دیکھ لو پولیس اور قانون چند ماہ بھی مجھے اندر نہیں رکھ سکے اب بولو تمہارے ساتھ کیا کیا جائے، مسٹر سائلنسر (کسی بھی آواز کو دبانے کے لیے جو آلہ استعمال ہوتا ہے اسے سائلنسر کہا جاتا ہے کہانی میں کردار مائیکل کردار بین کو سائلنسر کرکے اس کے گونگے پن کا مذاق اڑا رہا ہے) مائیکل نے کہا تو بین جو فرش پہ بیٹھا تھا سر اٹھا کے انہیں دیکھا وہ تمام ہاتھوں میں ڈنڈے لیے کھڑے تھے جبکہ مائیکل کی جیکٹ میں اڑسا ہوا پسٹل بھی اسے نظر آرہا تھا وہ خوف زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

ارے کیا ہوا اتنے ڈرے ہوئے کیوں ہوگیا ہم تمہیں شکل سے بھوت لگتے ہیں کچھ تو بولو..... ارے یار بار بار آیا مر تو بول بھی نہیں سکتے تم تو لکھ کے بات کرتے ہو نا، یہ لو کاغذ قلم اور وہ وجہ لکھو جس کی وجہ سے تم نے ہماری مخبری کی..... مائیکل نے کہا اور کاغذ قلم اس کے سامنے پھینک دیا مگر بین اب بھی مائیکل کی جانب خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا میں نے کہا لکھو، مائیکل دھاڑا تو بین کانپ گیا اور جلدی سے کاغذ قلم اٹھا کے جیسے ہی اس نے لکھنا شروع کیا مائیکل نے اس کے ہاتھ پر ڈنڈے کی مدد سے زوردار ضرب لگائی تو بین کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ ہاتھ پکڑ کے بیٹھ گیا اسے لگا اس کے ہاتھ کی تمام انگلیاں ٹوٹ چکی ہیں۔

اسی ہاتھ سے تم نے لکھ کے پولیس کو بتایا تھا نا ہمارے بارے میں.....

مائیکل چلایا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور ڈنڈے کا وار اس کے ہاتھ پر کیا تو درد کی شدت سے بین کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا درد شدت سے اس کے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکی مائیکل اس کے ساتھ جو کرنا ہے جلدی کرو کہیں کوئی آ نہ جائے۔

مائیکل کے ایک دوست نے کہا تو مائیکل نے سر ہلایا اور اپنی جیب سے پسٹل نکال کے بلٹ چڑھانے کی آواز سن کر بین کی آنکھیں موت کے خوف

سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

مائیکل نے پسٹل کا رخ اس کی جانب کردیا تو بین جیسے سن ہوکر رہ گیا اس سے پہلے کہ مائیکل ٹریگر دباتا کھڑکی کی جانب پیٹھ کرکے کھڑا تھا اسے کسی نے پکڑ کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ انہیں وہ نظر ہی نہیں آیا جس نے اس نوجوان کو اٹھا کے باہر پھینکا تھا یہ کیا ہوا..... مائیکل نے حیرت سے کہا۔

اس سے پہلے کہ اس بات کا کوئی جواب دیتا ایک اور لڑکا یک دم زمین پر منہ کے بل گرا اور کوئی انجانی طاقت اسے گھسیٹ کے کمرے میں موجود آگ والی چمنی میں لے گئی اور پھر اسے یک دم چمنی میں اوپر کھینچ کے لے گئی یہ بھی اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ کچھ بولتے تیسرا لڑکا جو دروازے کے پاس کھڑا تھا یک دم دروازہ کھلا اور اسے کسی نے کمرے سے پکڑ کے ساتھ والے کمرے میں کھینچ لیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوگیا یہ بھی نہایت تیزی سے ہوا اور مائیکل کچھ بھی نہ سمجھ پایا پھر چند لمحے بعد جیسے وہ ہوش میں آیا کون ہو بزدل انسان چھپ کے وار کررہے ہو سامنے آؤ..... مائیکل نے چلا کے کہا اور اس کے ساتھ ہی پسٹل تانے خوفزدہ نظروں سے اردگرد دیکھنے لگا۔

اب کمرے میں صرف وہ اور بین رہ گئے تھے اب مائیکل نے بین کی طرف سے توجہ ہٹالی اور خوفزدہ نگاہوں سے کبھی کسی سمت پسٹل تانتا تو کبھی کسی سمت پھر اچانک بین نے دیکھا کہ مائیکل کے پیچھے اسے اسی عورت کا ہیولہ دکھائی دیا جو اسے پہلے بھی دکھائی دیتی تھی اس نے مائیکل کو خبردار کرنا چاہا مگر اس وقت تک بہت دیر ہوگئی تھی، اس ہیولے نے اسے پکڑ کے فرش سے تین فٹ اوپر اٹھا لیا اور ایک زوردار جھٹکے کی وجہ سے پسٹل مائیکل کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر جا گرا اور وہ فضا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا اس سے پہلے کہ بین کچھ سمجھتا کیلی نے مائیکل کو چیر کے دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور اس کا بے جان وجود فرش پر آن گرا، کیلی نے اس کے وجود کو اتنی تیزی سے دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا تھا کہ اس کا وجود دو ٹکڑوں میں بٹنے کے باوجود تڑپ رہا تھا اور خون نے پورے فرش کو رنگین کردیا تھا میں اس منظر کو وحشت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اب وہاں اس کے اور مائیکل کی تڑپتی لاش کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اب وہ ہیولہ بین کو کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا بین چند لمحے گم صم بیٹھا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھا اور دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا اور اپنے کمرے میں جا کے سیل اٹھایا اور کیلی نے ٹیکسٹ میسج کیا تو دس منٹ بعد کیلی کی کار بنگلے کے باہر رکی کیلی کے ساتھ اس کا اسسٹنٹ آفیسر راجر تھا وہ دونوں گھریلو کپڑوں میں ملبوس تھے اور وہ کار بھی کیلی کی ذاتی کار تھی وہ جیسے ہی کار سے اترے بین نے کیلی کو ایک کاغذ تھما دیا جس میں اس کے بے ہوش ہونے سے لے کر ایک پراسرار وجود کے ان چاروں نوجوان کو مار ڈالنے کے تمام واقعات تفصیل سے درج تھے بین کا خیال تھا کیلی کو اس کی بات پر ذرا سا بھی یقین نہیں آئے گا مگر کیلی نے وہ کاغذ تفصیل سے پڑھ کے جیب میں ڈال لیا اور بولی مجھے وہ کمرہ دکھائیے جہاں یہ سب ہوا کیلی نے کہا تو بین اسے لیے اس بڑے کمرے میں لے آیا جہاں یہ سب ہوا تھا مائیکل کی لاش اب ٹھنڈی ہوچکی تھی ایک لڑکے کی لاش چمنی کے سرخ میں مڑی تڑی حالت میں ملی، دوسرے کی لاش ساتھ والے کمرے میں ادھڑی ہوئی حالت میں ملی اور تیسرے کی لاش نیچے لان میں پڑی ملی مجموعی طور پر وہ چاروں لاشیں دیکھے جانے کے قابل نہیں تھیں کیلی اور راجر نے کچھ کہے بنا ان لاشوں کو اٹھانا شروع کردیا تو بین حیرت سے انہیں ایسا کرتا دیکھنے لگا اس کا خیال تھا کہ وہ اور نفری منگوائیں گے اور فرانزک ماہرین کو بلائیں گے مگر وہ تو ایسے شروع ہوگئے جیسے آتے ہی صرف لاشوں کو اٹھانے تھے انہوں نے وہ چاروں لاشیں کیلی کی کار کی پچھلی سیٹوں پر ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر کرکے رکھ دیں اور پھر کیلی اور راجر نے مل کے اس کمرے کا فرش صاف کیا اس دوران انہوں نے بین کو ذرا بھی مخاطب کرنے کی کوشش نہ کی، بین شاک کے عالم میں انہیں یہ کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا جب وہاں سے واردات کے تمام نشانات مٹا دیئے گئے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

اور وہ جانے لگے تو کیلی نے بین کو مخاطب کیا۔

میں جانتی ہوں تمہارے ذہن میں بہت سے سوالات ہوں گے جن کا جواب تم جاننا چاہتے ہو وقت آنے پر تمہیں خود سب معلوم ہو جائے گا فی الحال صرف اتنا کہوں گی کہ یہ سب جو تم نے کاغذ پر لکھ کے مجھے دیا ہے اس بات پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔

کوئی بھی اس بات کو نہیں مانے گا کہ ان چاروں کو کسی پراسرار وجود نے مارا ہے سب تمہیں ہی مجرم گردانیں گے یہ سب میں تمہاری بہتری کے لیے ہی کر رہا ہوں تم اس واقعہ کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ ان لاشوں کا کیا کہنا ہے یہ مجھ پر چھوڑ دو۔

اور ہاں آج کے بعد اس واقعہ کے بارے میں تم کسی اور سے تو کیا خود سے بھی ذکر نہیں کرو گے اگر ایسا کیا تو بڑی مصیبت میں پھنسوں گے سمجھے۔

کیلی نے سختی سے کہا تو میں کار میں جا بیٹھا تو راجر نے کار آگے بڑھادی ان کے جانے کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آیا پھر نا قید تمام رات اسے نیند نہ آسکی اور آتی بھی کیسے نیند کے آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

وہ بس چپ چاپ بستر پر پڑا رہا جو بھی ہوا تھا اس سے ایک بات تو کنفرم ہو گئی تھی اگر وہ پراسرار عورت اسے نہ بچاتی تو ان کا مرنا یقینی تھا مائیکل نے تو اس پر پسٹل تان ہی لیا تھا یہ تو اس شخصیت نے اسے بچالیا تھا جو اس کے علاوہ اس گھر میں رہتی تھی تھوڑا وقت گزرا تو اسے اپنے زخموں کا احساس ہوا جنہیں وہ پہلے نظر انداز کر چکا تھا اس نے اپنے ہاتھ کے زخموں پر دوا لگائی اور پٹی کر لی صبح جب کافی دن چڑھ آیا تو وہ اٹھا اور جا کے 13 نمبر کمرے میں دیکھا تو اس نے دیکھا کہ پینٹنگ جسے اس نے کل رات کو یہاں رکھا تھا اس کے اوپر کا کور غائب تھا۔

یعنی اسے کسی نے دیکھا تھا اور پینٹنگ کے اوپر سرخ رنگ سے (جو خون محسوس ہوتا تھا) لکھا تھا بیڈ پینٹنگ (بڑی تصویر) یہ دیکھ کے بین نے دانت بھینچ لیے اسے سخت مایوسی ہوئی اس نے آج تک جس عورت کا ہیولہ دیکھا تھا اسے پینٹنگ پر اتارا تھا وہ مایوسی کی حالت میں واپس چلنے لگا تو اسے اپنے پیچھے ٹائپ رائٹر کے چلنے کی آواز سنائی دی وہ فوراً پلٹا تو وہ یہ دیکھ کے حیران رہ گیا کہ میز کی دوسری طرف ایک پچیس سال کی خوبصورت نوجوان لڑکی بیٹھی تھی اس کے وجود سے جیسے روشنی خارج ہو رہی تھی۔

"کون ہو تم؟"

بین نے کانپتے ہاتھ سے چٹ لکھ کے میز پر رکھی تو اس لڑکی کی انگلیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور پھر ٹائپ رائٹر میں فلیکس صفحہ پر تحریر ہوا۔

"میں ایملی ہوں....."

☆.....☆.....☆

"کیلی مجھے بتاؤ یہ سب کیا تھا؟" راجر نے کیلی کے گھر داخل ہوتے ہی کہا آرام سے بیٹھو ابھی تو ہم چار لاشیں ٹھکانے لگا کے آئے ہیں تھوڑا آرام تو کر لینے دو کیلی نے منہ بنایا۔

"کم آن کیلی تم پھر سے وہی سب کر رہی ہو جو تم نے نہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی۔" راجر نے چلا کے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے قسم اور وعدہ ہوتے ہی توڑنے کے لیے ہیں کیلی نے اسے آنکھ مار کے کہا تو راجر کا غصہ ساتویں آسمان پر چڑھ گیا۔"

پلیز کیلی خدارا یہ سب بس کرو ہم پہلے ہی ایک مصیبت سے بڑی مشکل سے نکلے تھے اور اب تم ایک نئی مصیبت پالنا چاہتی ہو، جانتی ہو مائیکل کا باپ اس کی گمشدگی پر آسمان سر پر اٹھالے گا اور اگر اس کیس میں FBI ملوث ہو گئی تو ہمارے لیے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔

"وہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو تم بس خود کو ریلیکس رکھو۔" کیلی نے کہا۔

"اتنا سب ہونے کے باوجود تم مجھے ریلیکس ہونے کا کہہ رہی ہو میں تو چلو تمہاری دوستی میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں میرے بچوں کا کیا قصور ہے اگر میں کسی مصیبت میں پڑ گیا تو ان کا کیا ہو گا۔"

"نا تم کسی مصیبت میں پڑو گے نہ تمہارے بچوں کو کچھ ہو گا۔" کیلی نے کہا تو راجر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

اس بات کو ایک ہفتہ گزر گیا اس ایک ہفتہ نے بین کی زندگی میں ایک طرح کا انقلاب برپا کر دیا کیلی سے دوبارہ اس کا سامنا ہوا ہی نہیں وہ بس آج کل ایک ہی پینٹنگ بنانے میں مگن تھا اس لڑکی کی جو اب اسے نظر آتی تھی۔ اس کا نام ایملی تھا اس کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا وہ نہ اسے مخاطب کرتی اور نہ وہ اسے مخاطب کرتا وہ صبح شام 13 نمبر کمرے میں اس کی تصویر بنانے میں مصروف رہتا اور وہ اس کے سامنے کسی عام لڑکی کی طرح بیٹھی رہتی اب وہ اسے جس طرح دکھائی دے رہی تھی اس میں ذرا بھی ڈراؤنا پن نہیں تھا اب ان دونوں کے درمیان ایک خاموش رشتہ بن چکا تھا جسے بین کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا دل کے جس گوشے میں اس پراسرار وجود کا جو خوف تھا وہ اب جاتا رہا تھا اسی طرح ایک ہفتہ بعد وہ تصویر مکمل ہو گئی تو بین بہت خوش ہوا اس نے آج تک اتنی خوبصورت تصویر نہیں بنائی تھی اس لڑکی کی آنکھیں اتنی خوبصورت تھیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے بین نے تصویر میں اس کی آنکھیں بند ہی رکھیں کیوں کہ اسے لگتا تھا کہ اگر اس نے اس کو بنانے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا آخر جب پینٹنگ مکمل ہو گئی تو وہ اپنی پینٹنگ دیکھتا ہی رہ گیا، بلاشبہ وہ ایک شاہکار تھی بین کو محسوس ہونے لگا اسے اپنی پینٹنگ سے عشق ہونے لگا ہے۔

☆.....☆.....☆

ایک شام کیلی اس سے ملنے آئی وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا؟"

کیلی نے بین سے سوال کیا تو بین نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کس بارے میں؟

"میرے پرپوزل کے بارے میں؟"

کیلی نے کہا تو بین نے چٹ لکھ کے کیلی کے حوالے کی جس پر کیلی نے نظر ڈورائی لکھا تھا میں آپ کو پہلے بھی آگاہ کر چکا ہوں کہ میں نے آپ کے بارے میں میں ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔

"اگر پہلے نہیں سوچا تو اب سوچ لو۔"

کیلی نے جلدی سے کہا تو بین ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیلی کے اس مطالبے سے کیسے جان چھڑائے اچانک اس کے دل میں ایک ترکیب آئی تو اس نے چٹ پر لکھا۔

"میں نے آپ سے ایک بات چھپائی ہے میں دراصل ایک لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔"

"کس سے؟"

کیلی نے چٹ پڑھ کے حیرت سے کہا۔

"ایملی نام ہے اس کا بین نے کہا۔" تو کیلی اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

میں جانتا ہوں آپ کو میری اس بات پر یقین نہیں آئے گا لیکن آپ کو یقین دلانے کے لیے میرے پاس اس کا ثبوت ہے۔ بین نے نئی چٹ لکھ کے کیلی کے حوالے کی اور اس کے ساتھ ہی وہ پینٹنگ جو اس لڑکی کی بنائی تھی کیلی کو دکھائی تو وہ مارے حیرت کے اٹھ کھڑی ہوئی تو بین نے ایک اور چٹ لکھی۔ آپ یہ پینٹنگ دیکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کیا یہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے محبت کی جائے، یہ چٹ پڑھ کے کیلی گم صم کھڑی رہی وہ پینٹنگ کو کچھ لمحے گھورتی رہی تھی پھر کمرے کے کونے کی طرف بڑھی اور وہاں سے ہاکی اٹھائی اس سے پہلے بین کچھ سمجھتا اس نے ہاکی کا زوردار بین کے سر پر کیا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا بے ہوش ہونے سے پہلے اس کی آنکھوں میں حیرت کے سوا کچھ نہ تھا۔

جب اس ہوش آیا تو اسے یک دم جھٹکا لگا وہ 13 نمبر کمرے کے فرش پر ہی پڑا تھا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اس نے دیکھا اس کے سامنے کیلی اور راجر کھڑے تھے۔ کیا بات ہے اتنی جلدی ہوش آ گیا

Digitized by Google

ویسے اب تو تمہیں بے ہوش ہونے اور یک دم سے ہوش میں آنے کی عادت ہوگئی ہوگی۔

"کیلی نے کہا تو بین سر تھامے اسے حیرت سے سوالوں کا طوفان آیا ہوا ہوگا بے فکر رہو تمہارے تمام سوالوں کا جواب تمہیں مل جائے گا۔" کیلی نے کہا تو راجر بولا۔

"کیا یہ سب کرنا ضروری ہے۔"

راجر کے انداز سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

تم ایک منٹ خاموش نہیں رہ سکتے..... کیلی نے سرد لہجے میں کہا تو راجر دانت بھینچ کے خاموش ہوگیا۔

"تو مسٹر بین تم نے میرے پرپوزل کو ٹھکرا کے مجھے پھر اس جگہ لا کھڑا کیا ہے جہاں میں آج سے 13 سال پہلے تھی 13 سال پہلے میں اپنے والدین اور اپنی بہن کے ساتھ اسی ٹاؤن میں رہتی تھی اس دوران پتہ نہیں مجھے کب جیکب سے پیار ہوگیا جیکب مسٹر اور مسز اسٹیفن کی اکلوتی اولاد تھا میں کافی عرصہ اس کوشش میں رہی کہ کسی طرح اسے اپنے دل کا حال بتاؤں اور جب میں نے ایک دن اس سے اپنے دل کا حال بیان کیا تو اس نے وہی جواب دیا جو آج تم نے دیا....."

کیلی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔"

اس نے کہا وہ مجھ سے نہیں ایملی سے محبت کرتا ہے۔"

"کیلی نے جب یہ کہا تو بین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"

ہاں ایملی میری بڑی بہن تھی اس وقت میں 18 سال کی تھی اور ایملی 25 سال کی وہی ایملی جس کی آج تم نے مجھے پینٹنگ دکھائی ہے یقین جانو اگر تم نے مجھے آج سے 13 سال پہلے دیکھا ہوتا تو تم یہ بات ضرور کہتے کہ جیکب عقل کا اندھا ہے میں ایملی سے کتنی زیادہ حسین تھی لیکن اس کے باوجود اس نے مجھے ٹھکرا دیا اور وہ بھی میری بڑی بہن کے لیے یہ بات میرے لیے ناقابل برداشت تھی میں نے جیکب سے کچھ بھی نہ کہا اور تین دن بعد میں اپنی بہن کو دھوکے سے اس ویران بنگلے میں لے آئی اور اسی کمرے میں رسی کی مدد سے اس کا گلا گھونٹ دیا مجھے اس وقت اس پر بڑا ترس آیا جب وہ خود کو چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی تھی تو وہ سوکھے ہوئے پتے کی طرح لرز رہی تھی لیکن میں نے اسے تب بھی نہ چھوڑا کیوں کہ وہ بہن نہیں ڈائن میری محبت کی قاتل میں نے اسے مرنے کے بعد بھی بچپن کے دوست راجر کی مدد سے اسے اسی گھر کے تہہ خانے میں خاموشی سے دفنا دیا۔

پولیس نے اسے لاپتہ قرار دے دیا اور اس کی موت کا راز کبھی نا کھل سکا پھر میں نے اور راجر نے پولیس جوائن کرلی تو یہ راز ہمیشہ کے لیے دفن ہوگیا اور ادھر میں نے سوچا کہ یہ قصہ ختم ہوگیا ہے مگر میں غلط تھی ایملی کی گمشدگی کے بعد میں نے سمجھا جیکب میری طرف متوجہ ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا حیران کن طور پر وہ اس بنگلے کے اسی کمرے میں آن پہنچا اور کسی نہ دیکھنے والی چیز سے باتیں کرنے لگا یہ عمل میرے اور راجر کے لیے پریشان کن ہی نہیں تباہ کن بھی تھی، ہم نے اس گناہ کو چھپانے کے لیے ایک اور گناہ کرنے کا فیصلہ کیا جب مسٹر اور مسز اسٹیفن نے جیکب سے تنگ آ کے اسے اپنے گھر میں زنجیر سے باندھ دیا تو ایک دن جب وہ دونوں ہی گھر پر موجود نہیں تھے میں اور راجر گھر میں داخل ہوئے اور راجر نے زنجیروں میں جکڑے جیکب کی گردن توڑ دی۔ حیران کن طور پر جیکب نے کوئی مزاحمت تک نہ کی جب وہ مرا تو اس کی آنکھیں یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کسی قید سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہوگیا ہو مسٹر اور مسز اسٹیفن نے اسے بدروح کا کارنامہ سمجھا اور پولیس رپورٹ میں اسے اتفاقی حادثہ کہا پولیس نے بھی اس کیس میں دلچسپی نہ لی اور فائل بند کردی پھر 13 سال بعد تم اس ویران بنگلے کے مالک کی حیثیت سے آئے، بے زبان ہونے کے باوجود جانے کیوں تم دل کو بھا گئے اور میں نے ایک بار پھر

وہی خواب بننے شروع کردیئے جو جل کے راکھ ہو چکے تھے مگر پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا آج سے 13 سال پہلے بھی ایملی مجھے اور راجر کو کسی بھوت کی طرح دکھائی دیتی تھی پھر ہم نے ایک افریقی جادوگر سے وہ سیاہ دھاگے لے کر گلے میں ڈال لیے، اس کے بعد سے ایملی کی بدروح نے نہ مجھے اور نہ ہی راجر کو تنگ کیا، مگر نا جانے کیسے اس مری ہوئی لڑکی سے محبت کرلی تم خود ہی سوچ جسے میں نے جیتے جی نا جیتنے دیا اسے میں مرنے کے بعد کیسے جیتنے دے سکتی ہوں۔

کیلی نے ٹھنڈے لہجے میں تفصیل سے کہا تو بین گم صم اسے دیکھنے لگا اسے کیلی کی تمام حقیقت معلوم ہوگئی تو وہ ارد گرد دیکھنے لگا۔

میں جانتی ہوں تم اپنے جس مددگار کو دیکھنا چاہ رہے ہو وہ یہاں کسی بھی صورت نہیں آئے گا کیوں کہ میں نے اور راجر نے گلے میں جو دھاگے پہن رکھے ہیں یہ اسے کبھی قریب نہیں آنے دیتے اس لیے تم بھی اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ یہ تمام تفصیل تمہیں اس لیے بیان کی تا کہ تمہارے دل میں مرنے سے پہلے کوئی خلش باقی نہ رہے۔ یہ کہہ کر کیلی نے اس پر پسٹل تان دیا۔

یہ کیا کر رہی ہو تم، ہوش میں تو ہو راجر نے چلا کے کہا۔

میں تو ہوش میں ہوں شاید تم ہی ہوش میں نہیں ہو یہ ہمارے بارے میں سب جانتا ہے اس لیے اگر یہ زندہ رہا تو ہم مارے جائیں گے، بے وقوف کیلی نے راجر کو سرد لہجے میں کہا۔ لیکن اگر اسے مارنا ہی تھا تو ہم اسے مائیکل اور اس کے دوستوں کے قتل کے الزام میں گرفتار کرسکتے تھے۔

اگر ہم ایسا کرتے بھی تو ان چاروں کا قتل اس پر ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا اور آخر کار ثابت ہو جاتا کہ قتل اس نے نہیں کسی اور نے کیا اور کس کے کہنے میں اس کے بارے میں اتنے سوالات کھڑے ہوتے کہ ہمارے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ مجھے کیلی نے جواباً اونچی آواز میں کہا کچھ بھی ہو میں اس قتل میں تمہارا حصہ دار نہیں بنوں گا اب بہت ہوگیا میں نے ایک دوست ہونے کے ناطے تمہارا جتنا ساتھ دیا ہے وہی بہت زیادہ ہے اب اس سے آگے بڑھنے کی مجھ میں سکت ہے اور نہ ہی میرا ضمیر اس بات کی اب اجازت دے رہا ہے، اس لیے میں یہاں سے جا رہا ہوں تمہاری جو مرضی کرو۔ راجر نے کہا اور کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا تو کیلی نے اس کی جانب پسٹل کا رخ کرکے ٹریگر دبا دیا تو ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ راجر کی کمر رنگین ہوگئی وہ صدمے کی حالت میں پلٹا تو کیلی کے پسٹل سے ایک اور شعلہ نکلا اور اس بار نشانہ اس کی چھاتی تھی گولی راجر کی چھاتی چیرتی ہوئی نکل گئی اور اس کا بھاری بھرکم وجود کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دھماکے سے زمین پر آن گیا۔

"بے وقوف انسان" کیلی نے دانت پیس کر کہا اور بین کی جانب پلٹی مگر اسے دیر ہو چکی تھی بین نے میز پر پڑا ٹائپ رائٹر اٹھایا اور کیلی کے سر پر دے مارا۔

اس بار بے ہوش ہونے کی باری کیلی کی تھی۔

کیلی کی جب آنکھ کھلی تو اس نے خود کو رسی کی مدد سے کرسی سے بندھے ہوئے پایا جبکہ بین اس کے سامنے اس کا پسٹل تھامے آرام دہ انداز میں بیٹھا تھا۔

"چالاک بے رحم اور شاطر بے شک یہ تمام خوبیاں تم میں بدرجہ موجود ہیں مگر تمہاری بدقسمتی کے تمہارا پالا بین کولین سے پڑا ہے جس میں یہ خوبیاں تم سے کہیں زیادہ ہیں..... بین نے مسکرا کے کہا تو کیلی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔"

تمہیں پتہ ہے دنیا میں ہمیشہ وہی رائٹر کامیاب رائٹر کہلاتا ہے جس کی کہانی کا اختتام پڑھنے والے کو چونکا دے میں رائٹر نہیں ہوں مگر مجھے بچپن سے ہی سرپرائز دینا بہت پسند ہے اب دیکھ میں نے یوں ایک دم بول کر تمہیں سرپرائز دیا نہ، اب دیکھو مجھے بولتا دیکھ کر تمہاری بولتی بند ہوگئی اور مخالف کو اس طرح شاک کے عالم میں دیکھ کے مجھے بہت مزا آتا ہے میرے خیال میں تم تو بولنے کی حالت میں ہو نہیں چلو ایسا کرتے ہیں

Digitized by Google

اب میں تمہیں اپنی حقیقت بتاتا ہوں پھر تم خود فیصلہ کرنا کہ ہم دونوں میں سے بڑا کمینا کون ہے؟

یہ کہہ کے بین نے کیلی کو آنکھ ماری مگر وہ بدستور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی جیسا کہ تم جانتی ہو میرا نام بین کولین ہے میرے والدین کو ایک گینگسٹر گروپ نے مار ڈالا مگر یہ حقیقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ میری اصل ماں مجھے جنم دیتے ہی گزر گئی ڈیڈ نے دوسری شادی رچالی سوتیلی ماں مجھ پر بہت ظلم کرتی پورا دن گھر کے کام کرانے کے بعد بھی شام کو وہ مجھے ڈیڈ سے پٹواتی تھی یہ بات ناقابل برداشت تھی سو میں نے اپنے والدین سے بدلہ لینے کی ٹھانی حالانکہ اس وقت میری عمر محض 10 سال تھی مگر حالات نے مجھے اپنی عمر سے 10 سال اور بڑا کر دیا تھا میرے ڈیڈ گینگ کے لیے ڈرگز اسمگل کرتے تھے اس کے لیے وہ اکثر جیل بھی گئے مگر کتے کی دم کی طرح کبھی نہ سدھرے تب میں نے انہیں سدھارنے کا پروگرام بنایا میرے ڈیڈ ہر سنڈے کو ڈرگز لا کے گھر میں چھپا دیتے اور صبح سویرے اسے کہیں لے جاتے تو ایک سنڈے بین نے وہ ڈرگز کا پیکٹ کھول کے ساری ڈرگز نالی میں بہا دیں صبح ڈیڈ ڈھونڈتے رہے مگر پیکٹ کہیں نہ ملا گینگ والوں نے سوچا کہ ڈیڈ نے انہیں دھوکا دیا ہے اور لاکھوں کی منشیات ہڑپ لی ہے انہوں نے گھر میں گھس کے ڈیڈ اور مام دونوں کو مار ڈالا اور میں چالاکی سے جان بچانے میں کامیاب رہا میں نے دنیا کی ہمدردی حاصل کرنے اور سوالوں سے بچنے کے لیے چپ سادھ لی اور میری چپ نے مجھے دو فائدے دیئے ہمدردی اور بے گناہی میں پھر کیس جیت کے یہاں آ گیا پندرہ سال تک میں نے خاموشی اختیار کی حالانکہ کبھی کبھی میرا جی چاہتا تھا کہ چلا چلا کے لوگوں کو بتاؤں کے میں بول سکتا ہوں مگر میں نے خود سے کیا عہد نہ توڑا جس کے نتیجے میں تم میرے سامنے اس حالت میں ہو مجھے تمہاری بہن کی بددعا سے پہلے جو تھوڑا بہت ڈر لگتا تھا اب وہ بھی نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے گلے میں پڑا یہ دھاگا مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ اتنے ہیں کہ تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔

بین نے کہا اور پسٹل کی نالی اس کی طرف کر دی۔

پ پ پلیز میری بات..... کیلی نے اتنا ہی کہا کہ بین کے پسٹل سے گولی چلی اور کیلی کی کھوپڑی سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گئی بین نے آگے بڑھ کے اس کے گلے سے سیاہ دھاگا اتار کے اپنے گلے میں ڈال لیا اور کمرے سے باہر نکلا تو اس کے پاؤں کے نیچے ایک کاغذ آیا تو اس نے جھک کے وہ مڑا تڑا کاغذ اٹھا لیا اس میں سرخ رنگ سے لکھی تحریر تھی لکھا تھا۔ ”تم نے میرے ہمدم کو مار کے مجھ پر احسان کیا ہے جو دھاگا اس نے گلے میں پہن رکھا کہ وہ صرف اس کے لیے ہی تھا نا کے سب کے لیے۔

تحریر ختم ہوئی تو بین نے گلے میں ہاتھ ڈالا تو دھاگا تھا ہی نہیں جیسے وہ یک دم غائب ہو گیا ہو دو قدم دور ایک اور کاغذ اسے پڑا ہوا ملا اس نے جلدی سے اٹھایا تو اس پر لکھا تھا۔

تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی جو کہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔

تحریر ختم ہوئی تو ایک اور کاغذ اسے سامنے پڑا ہوا دکھائی دیا تو اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ کاغذ اٹھایا اس نے لکھا تھا ”گیم اوور.....“ اس کے ساتھ ہی بین نے سامنے دیکھا تو اسے وہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس عورت کھڑی نظر آئی جس کے بالوں نے اس کا چہرہ چھپا رکھا تھا عورت کے چہرے سے بال ہٹے تو اس کے سفید چہرے اور سرخ ہونٹ جو دھاگے کی مدد سے سلے ہوئے تھے دیکھ کے بین کا سانس رکنے لگا اور اس کے ساتھ ہی بنگلہ بین کی آخری دلدوز چیخ سے گونج اٹھا۔

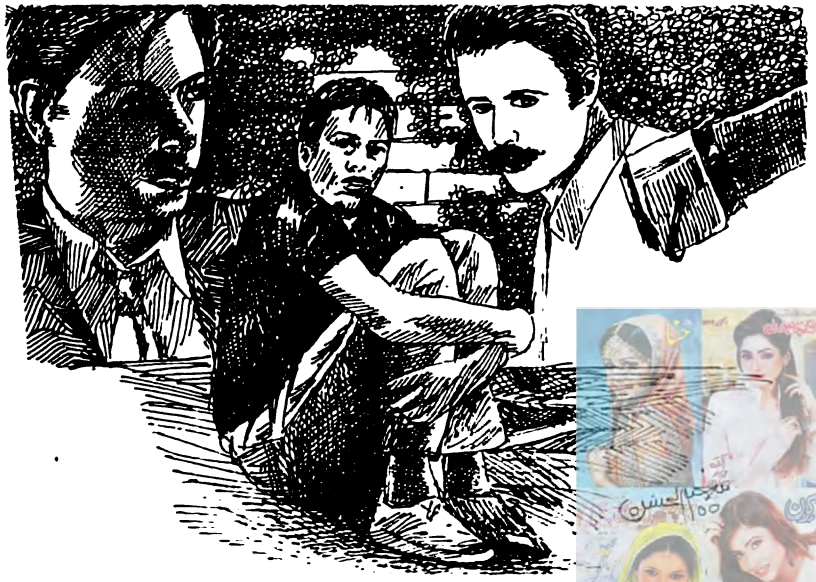

شیطانی کھیل

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیرک سمجھنے والے ایک نوجوان کی عبرت ناک باتیں، نوجوان دھوکے سے لوگوں کو لرزہ بر اندام کر دیتا تھا مگر وقت نے اس کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ.....

انسانی سوچ کو لرزہ بر اندام کرتی اور دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی ڈراؤنی کہانی

ٹوڈ جیرٹ

کا شمار دنیا کے نامور اور بے حد چالاک جواریوں میں ہوتا تھا۔ بیشتر لوگ اس کے ساتھ جوا کھیلنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس حقیقت کا علم ہوتے ہوئے بھی کہ جیرٹ ہمیشہ ہی جیت جاتا ہے، امراء اس کے ساتھ جوا کھیلتے اور پھر بڑی فراخ دلی سے ہارتے۔ مگر جیرٹ کی مستقل جیت کا بھی ایک راز تھا وہ راز اس دن بھی نہیں کھلا جب کہ وہ بے حد قلاش اور مفلسی کے دن گزار رہا تھا اور کسی کام کی تلاش میں مس سس پی ریور بوٹ کے ذریعے مقامی ساحل کے اگلے قصبے کی طرف جا رہا تھا۔

یہ دریائی کشتی بے حد خوبصورت اور تین منزلہ تھی۔ اس کشتی میں عموماً امراء وزراء ہی سفر کرتے تھے..... جیرٹ کی بدقسمتی تھی کہ وہ بھی اس مختصر سے سفر میں ان لوگوں کے ساتھ گفتگو میں شریک ہو گیا۔ مس

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

سس ہی دریائی کشتی درحقیقت قمار بازوں کی جنت تھی۔ دنیا کے بڑے بڑے نامی گرامی قمار باز، دنیا کے کونے کونے سے محض اسی لیے اس کشتی میں جمع ہو جاتے تھے کہ دریا میں سفر کرتے وقت جو کھیل ہوتا تھا اس میں باہر سے لوگ مخل نہیں ہو سکتے تھے۔

حسب دستور اس وقت بھی کافی لوگ کشتی کے روانہ ہوتے ہی اب منتظم سے تاش کی گڈی لانے کے ملئے اصرار کر رہے تھے یہ اتفاق ہی سمجھا جائے گا کہ باوجود تلاش بسیار، تاش کا ایک معمولی سا پتہ بھی اس وقت کشتی میں یا کسی مسافر کی جیب سے نہیں نکل سکا جب مسافروں نے تاش کی مانگ کی تھی تو جیرٹ کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ کیونکہ اسے کچھ کچھ آس بندھ چلی تھی کہ ان امیروں سے اچھی خاصی رقم اینٹھ لے گا۔ مگر اب یہ خوشی خاک میں مل گئی اور وہ ایک کونے میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کشتی کا منتظم بار بار معذرت کر رہا تھا کہ غلطی سے وہ بکس کی گڈیاں ساحل پر رہ گیا اس لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اچانک ایک مخنی صورت شکل ہال کے اندھیرے کونے میں سے نمودار ہوئی اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بماہ کرم شور مت مچایئے اور میری بات سنیے......" سب اسے پر اشتیاق نظروں سے دیکھنے لگے۔ "میرا نام انگیز ہے اور میں سینٹ لوکس عجائب گھر کا منتظم ہوں اور میرے پاس کچھ تاش کے پتے موجود ہیں۔"

ایک بھنبھناہٹ سی ہال میں گونج اٹھی سب حیرت سے اس بدصورت اور مخنی سے آدمی کو دیکھ رہے تھے جو بڑے پراسرار طریقے سے اندھیرے میں سے برآمد ہوا تھا۔ اس کی صورت ہی ایسی تھی کہ جس کی نگاہ اس کے چہرے پر جم گئی بس جمی کی جمی رہ گئی۔ فاتحانہ نظروں سے سب کو باری باری دیکھنے کے بعد بولا۔

"مگر یہ تاش معمولی تاش نہیں ہے۔ بلکہ یہ بہت حیرت انگیز، بے حد قیمتی اور آج کل کے تاش سے بالکل علیحدہ ہے۔ میں نے اپنے میوزم کے لئے اس تاش کو جرمنی سے ایک لاکھ پاؤنڈ میں خریدا ہے۔"

حیرت اور تعجب کی ملی جلی آوازیں پھر بلند ہوئیں اور اس قیمتی تاش کو دیکھنے کے لیے سب مشتاقانہ انداز میں اس میز کی طرف بڑھ آئے جس پر انگیز تاش پھیلا رہا تھا۔ جیرٹ بھی للچائی ہوئی نظروں سے تاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ تاش قیمتی تھا بلکہ اس لئے کہ اگر چند لمحوں کے اندر وہ اس تاش سے ایک بازی کھیل لے تو اس کی قسمت پلٹ جانی یقینی تھی۔

"یہ دراصل دنیا کے پہلے تاش کے پتے ہیں جن کے ذریعہ مغربی دنیا نے تاش کے کھیل کا آغاز کیا تھا۔

"یعنی وان زولرن کے ایجاد کردہ تاش کے پتے دیکھنے میں یہ عجیب لگتے ہیں۔ مگر آج کل کی طرح نقل ہیں۔ اینٹ، پان، حکم اور پھول سب موجود ہیں۔"

جواری اس تاش کو دیکھ کر بڑے بے قرار ہوئے اور ملتجیانہ انداز سے انگیز کو دیکھنے لگے۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا اور پھر اسنے ان کو اس تاش سے کھیلنے کی اجازت دے دی۔ مگر صرف اس شرط پر کہ بے حد توجہ اور احتیاط کے ساتھ اس سے کھیلا جائے، تاش خراب نہ ہونے پائیں۔

اور اس طرح وان زولرن تاش دس صدیوں کے بعد پھر سے منظر عام پر آیا اور چار جواریوں کے ہاتھوں میں پہنچا۔ جیرٹ بھی ان جواریوں میں ایک سے تھا۔ کاش! اسے محسوس ہوتا کہ شیطانی قوتیں کس طرح اس پر اپنا سحر طاری کرنے والی ہیں؟

پہلی دو تین بازیوں میں جیرٹ کو تاش خود بانٹنے کا موقعہ نہیں ملا اور وہ چاہتا بھی یہی تھا۔ پتوں کو پہلی بار چھوتے ہی اس نے اپنا فن استعمال کرنا شروع کیا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس کے چھلے میں نیچے کی طرف ایک باریک سوئی بنی ہوئی تھی۔ تاش کے پتوں پر جیرٹ نے اپنے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کے دباؤ سے نچلے کونوں میں باریک سے چھید کرنے شروع کیے۔ وہ بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کی سوئی کو کونے میں داخل کرتا اور اوپر سے اپنے انگوٹھے کا دباؤ دیتا اور اس طرح حسب منشاء ننھی سی سوراخ کر دیتا۔ یہ سوراخ صرف جیرٹ ہی چھو کر معلوم کر

سکتا تھا اور کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ تاش کے سبھی کونوں میں سوراخ ہیں۔

اور پھر جب اس کے ہاتھ میں تاش بانٹنے کا موقعہ آیا تو پتے اپنے ساتھیوں کی طرف باری باری پھینکتے ہوئے اسے یہ معلوم ہوتا گیا کہ کس کے پاس کونسا پتہ گیا ہے۔ اس جعل سازی اور چالاکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے تینوں ساتھی کنگال ہو گئے اور وہ ذرا سی دیر میں کروڑ پتی بن گیا۔

قصبے میں آنے کے بعد جیرٹ وہاں کے سب سے مہنگے اور عالی شان ہوٹل میں مقیم ہوا۔ رات کو اس نے ڈٹ کر شراب پی۔ اتنی پی کہ بالکل مدہوش ہو گیا بستر پر دراز ہوتے ہوئے اس نے سب کھڑکیاں بند کر دیں۔ اسے ڈر تھا کہ مبادا کوئی چور اندر گھس آئے اور اس کے دل پر ایک انجانا سا خوف کیوں مسلط ہوا جا رہا ہے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے میں ایک گھٹن سی ہے اور چند نادیدہ ہاتھ اس کا گلا گھونٹنے کے لئے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

خوف کی وجہ سے وہ بار بار کھڑکی کی طرف بڑھ بڑھ کر دیکھ رہا تھا۔ ایک عجیب بے چینی اور وحشت اس پر سوار تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ کمرے کی گھٹن کا اثر ہے۔ اس لیے کیوں نہ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کھول دیں۔ مگر کھڑکی کی طرف نگاہ کرتے ہی اس کی کھوپڑی گھوم گئی اور روح لرز اٹھی۔ ایک بہت ہی پراسرار سرسراہٹ کے ساتھ ہی ایک عجیب و غریب سایہ کھڑکی کے شیشوں پر لرزتا اور کپکپاتا دکھائی دیا۔ سرسراہٹ کے ساتھ ہی ایک غراہٹ بھی بخوبی سنائی دے رہی تھی۔ سائے کو دیکھتے ہی جیرٹ بری طرح چیخا۔

"کون ہے وہاں۔؟"

جواب میں غراہٹ اور تیز ہو گئی اور پھر فوراً کھڑکی کے شیشوں کے اندر سے گزرتا ہوا وہ سایہ اندر کمرے میں داخل ہو گیا۔ جیرٹ نے غور سے دیکھا تو اس کی گھگی بندھ گئی۔

وان زولرن والے تاش کے پھول کا بادشاہ اسے گھور رہا تھا۔ وہ سرسراہٹ دراصل اس کے کاغذی لباس کی تھی اور یہ لباس ویسا ہی رنگین تھا جیسا کہ تاش کے پتے پر بنا ہوا تھا۔ بادشاہ کے سر پر تاج اور ہاتھ میں گرز تھا اور وہ خونخوار نگاہ سے جیرٹ کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں پہچانا تو ڈ جیرٹ؟"

"تم...... تم پھول کے بادشاہ ہو...... مگر تم اس طرح......"

"ہاں ہم پھول کے بادشاہ ہیں احمق جیرٹ تو نے مقدس سینٹ لوئیس کے تاش سے دھوکے کا کھیل کھیلا۔ اس طرح تو نے اس دلچسپ کھیل اور دنیا کے تمام تاشوں کی توہین کی ہے۔"

"ہاں...... ہاں...... میں نے ایسا کیا۔ مجھے معاف کر دو۔" جیرٹ گھگھیایا۔

"دس صدی پہلے کے مصوروں نے ہمیں تخلیق کیا۔ تاش صرف دلچسپی کی خاطر بنایا۔ مگر تو نے ہمیں شیطانی چیز بنا دیا اور پوری دنیا میں ہمیں بدنام کر دیا۔ مگر یاد رکھ اب ہم ہی نہیں دنیا بھر کے تمام تاش کے پتے تجھ سے خوفناک انتقام لیں گے۔" کھڑکی اپنے آپ کھلی اور شاہانہ چال چلتا ہوا بادشاہ کھڑکی میں جا کر غائب ہو گیا۔

جیرٹ سکتے کے عالم میں یہ سب کچھ سنتا رہا اور پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ اس نے ایک بھیانک چیخ ماری۔ جلدی جلدی اپنا لباس زیب تن کیا۔ میز پر ہوٹل کا پورا بل رکھ دیا اور پھر دیوانہ وار کمرے سے باہر نکلا۔ ہوٹل کے ملازمین اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ لیکن وہ اسی خوفزدہ حالت میں ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آ گیا اور پھر پوری قوت سے اس نے سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔

پوری رات اس نے بھاگتے ہوئے گزاری اور جب وہ تھک کر بالکل چور ہو گیا تو اچانک اسے آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ پہلے کے مقابلے میں اب ایک بڑے قصبے میں آ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر گزشتہ رات کا واقعہ سچ نہ تھا اور سب کچھ محض اس کی مدہوشی کا کرشمہ تھا تو اس مقام پر یقیناً وہ آرام و سکون کے ساتھ رہ سکے گا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

Digitized by Google

قصبے کی مختلف سڑکوں پر سے گزرتا ہوا وہ ایک ایسے ریسٹورنٹ کے قریب پہنچا جس کی شو ونڈوز مختلف تجارتی مقاصد کے لیے وقف تھیں۔ کھڑکی میں کپڑوں کی نمائش کی گئی تھی۔ کسی کھڑکی میں کھیل کے سامان کی نمائش تھی۔ اس لیے وہ اس کھڑکی کے کافی قریب آکر اسے پُراشتیاق نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن اچانک ایک چیز کو دیکھتے ہی اس کی روح لرز گئی۔

تاش کی چند گڈیاں ایک کونے میں خوبصورتی کے ساتھ سجی ہوئی تھیں اور پان کے اوپر تاج کے بادشاہ کی بنی ہوئی تصویر اسے گھور رہی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے ایک مدہم سی آواز اس کے کانوں میں آرہی ہے۔ ناقابل فہم اور گھٹی ہوئی آواز۔

"اب تم ہرگز نہیں بچ سکتے...... ہرگز نہیں بچ سکتے......!!"

جیرٹ کی آنکھیں دہشت سے اور کشادہ ہوگئیں اسے یوں لگا جیسے پان کے بادشاہ کی تصویر میں سے نکل کر آہستہ آہستہ بڑی ہوتی جارہی ہے اور پھر اس کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ آواز بتدریج تیز ہوتی جارہی تھی۔

"ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی تم جاؤ گے، ہمیں موجود پاؤ گے۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں!"

جیرٹ نے جھنجلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اور اسی حالت میں سڑک پر پھر سے بھاگنے لگا۔ دل ہی دل میں وہ سوچتا جارہا تھا کہ شاید اس کے دماغ میں یہ وہم سا گیا ہے کہ وان زولرن کارڈز اس سے بدلا لیں گے۔ اس لیے اس وہم کو اسے دل سے نکال دینا چاہیے۔ اسے تفریحات میں خود کو غرق کر دینا چاہیے۔ اسی طرح وہ اس وہم سے خود کو آزاد کرسکتا ہے۔

چند لمحوں بعد اس نے خود کو ایک کلب کے اندر پایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلد از جلد کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔ کلب کے اندر ایک جادوگر کچھ کرتب دکھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تاش کے چند پتے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جب وہ تاش کو اوپر اچھالے گا تو ایک پتہ ان میں سے خود بخود الگ ہو جائے گا اور وہ پتہ وہی ہوگا جو کچھ دیر پہلے ایک شخص نے دل میں سوچا تھا۔ جادوگر نے ایسا ہی کیا۔ پتہ اچھلا بھی مگر زمین پر گرنے کی بجائے سیدھا جیرٹ کی طرف آیا اور اس کی پیشانی پر آکر چپک گیا۔ جیرٹ نے پھر ایک چیخ ماری، پتہ درحقیقت اینٹ کی بیگم تھی اور بڑے پراسرار طریقے پر سرگوشی کے انداز میں ایک نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"جب تمہارا وقت پورا ہو جائے گا جیرٹ تب موت ہماری طرف سے تم کو پکارنے آئے گی...... ہوشیار رہنا، ہوشیار!!"

جیرٹ نے بڑے خوف زدہ انداز میں پتے کو اپنی پیشانی سے ہٹایا اور پھر اس طرح وہاں سے بھاگا گویا موت کے لمبے ہاتھ اس کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہوں۔ کلب سے باہر آنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ پسینے میں نہا گیا ہوا ہے۔ اس نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالا تو رومال غائب پایا۔ اس نے دیکھا کہ بازار میں ایک شخص آواز لگا کر رومال بیچ رہا تھا۔ وہ فوراً اس کی طرف بڑھا۔

"کیوں سرکار! خیریت ہے؟ آپ کی طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے؟"

"چپ رہ احمق! مجھے جلدی سے ایک اچھا رومال دے۔"

"آپ جیسے فیشن ایبل نوجوان کے لیے یہ رومال سب سے بہتر رہے گا۔"

رومال بیچنے والے نے یہ کہہ کر ایک خوبصورت اور رنگ برنگا رومال ہاتھ میں لیا اور جیرٹ کو تھما دیا۔ جیرٹ پھر اپنے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ پیشانی اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد جیسے ہی وہ گلے کا پسینہ پونچھنے کے لیے رومال کو گلے تک لے گیا، رومال میں اچانک تبدیلی پیدا ہوگئی۔ جیرٹ نے دہشت زدہ ہو کر جلدی سے رومال کو گلے سے الگ ہٹانا چاہا۔ مگر رومال خود بخود بل کھا کر اس کی گردن کے چاروں طرف لپٹ گیا یوں لگا جیسے کچھ انجانی اور شیطانی قوتیں اس ردعمل کے ذریعے

Digitized by Google

جیرٹ کو پھانسی دینا چاہتی ہوں۔

رومال کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ جیرٹ کے حلق سے بھینچی ہوئی آوازیں نکلتی رہیں اور وہ زور آزمائی کرتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ رومال بیچنے والا حیران و پریشان کھڑا ہوا جیرٹ کی یہ حرکات دیکھتا رہا۔ اس غریب کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا تو وہ جیرٹ کی مدد کیا کرتا۔

جیرٹ زمین پر پڑا ہوا تڑپتا رہا اور لوگوں کو اپنی مدد کے لیے آوازیں دیتا رہا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ مدد پہنچنے سے پہلے یہ رومال اس کا گلا یقیناً گھونٹ ڈالے گا تو اس نے جلدی سے جیب میں سے چاقو نکالا اور پھر بڑی جدوجہد کے بعد اس نے چاقو رومال کے اندر کرکے وہ کڑی بندش کاٹ دی جس نے اس کے گلے کو جکڑ رکھا تھا۔ اس عرصے میں کافی لوگ وہاں جمع ہوگئے تھے جیرٹ زمین سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ سب اسے حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے تھے اور جیرٹ اس رومال کو دیکھ رہا تھا جو کہ اب زمین پر کھلا ہوا پڑا تھا۔ مگر رومال دیکھتے ہی جیرٹ کی آنکھوں سے دہشت ٹپکنے لگی۔ وہ پھر ایک بھیانک چیخ مار کر وہاں سے بھاگ نکلا اور رومال وہیں زمین پر پڑا رہا۔

رومال پر تاش کے پتوں کی رنگین تصاویر چھپی ہوئی تھیں!

جیرٹ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا لیکن اس وقت اسے پیٹ بھرنے کی نہیں، جان بچانے کی فکر تھی۔ اب وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ جو وہم اس کے دل میں جاگزیں ہے، اصل میں وہم نہیں بلکہ کھلی ہوئی اور صاف حقیقت ہے۔ اس نے وان زولرن کارڈز کے ذریعے امیر اور متمول لوگوں کو اپنی طمع اور ہوس کا نشانہ بنایا اور اب یہی پتے اسے نشانہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں اور یقیناً وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے اسے جلد سے جلد کچھ کرنا چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ جو لباس وہ پہنے ہوئے ہے، شاید اس کی وجہ سے وہ بار بار پہچان لیا جاتا ہے۔ تاش کے پتے اسے اس لباس میں دیکھتے ہی اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا لباس تبدیل کرلے مگر کہاں؟ یہ سوال اسے بار بار پریشان کرنے لگا۔

ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے لاتعداد رنگ برنگے ہیولے اس کی طرف بڑھتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اس کا دماغ ماؤف ہوگیا اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے اپنی بہتری بس اس میں سمجھی کہ فوراً ہی کسی دکان کے اندر داخل ہو جائے۔ بالکل قریب ایک دکان تھی لیکن اس کا دروازہ بند تھا۔ اس نے بڑی بے تابی کے ساتھ اس دکان کے شیشوں پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے ایک شیشہ چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا تو دوسرے شیشے میں بھی ٹوٹ جانے کے چھناکے سنائی دیئے جیرٹ بڑی بے فکری کے ساتھ دکان کے اندر داخل ہوتا چلا گیا۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ دکان ملبوسات کی تھی۔ دکان میں اندھیرا تھا۔ جیرٹ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں پراسرار سائے یا دکان کا مالک اندر نہ آجائے۔ اس لیے بڑے گھبراہٹ کے ساتھ ایک طرف خوبصورتی سے سجایا ہوا لباس اٹھا لیا اور پھر اپنے کپڑے اتار کر اس نے وہ لباس پہننا شروع کیا لباس پہننے کے بعد وہ جلدی سے دکان سے باہر آگیا اور پھر تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ سڑک پر چلنے والے راہ گیر اسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ وہ پریشان تھا کہ وہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں؟ مگر اسے ان لوگوں کے ہنسنے کی پرواہ نہ تھی۔ وہ جلد سے جلد اس منحوس قصبے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ سب کی نظروں سے طنزیہ فقروں اور مسلسل قہقہوں سے بچتا ہوا برابر بھاگتا ہی رہا۔ مگر بدقسمتی سے لوگوں نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کیا۔ پہلے وہ تاش کے پتوں سے جان بچانا چاہتا تھا۔ اب لوگوں کے لگاتار شور سے بچنے کی کوشش کررہا تھا۔ جب اسے نے دیکھا کہ لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو مجبوراً وہ ایک عالی شان

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

عمارت کے اندر داخل ہوگیا۔

جیسے ہی وہ عمارت کے ہال میں پہنچا، اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہ ایک میوزیم کی عمارت ہے اور ہال کے ایک کونے میں شیشے کے ایک شوکیس کے اندر وان زولرن کے کارڈ خوبصورتی سے سجے ہوئے رکھے ہیں۔ حیرت اور خوف کا ایک زبردست حملہ اس پر ہوا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ کشتی میں ملنے والا انکنز دراصل اسے قصبے کے اس میوزیم کا منتظم ہے اور اس نے پہلے ہی سی وان زولرن کا تاش یہاں لاکر رکھ دیا ہے۔

نہ جانے اچانک جیرٹ کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے آگے بڑھ کر دانت پیستے ہوئے، وان زولرن تاش کے پتوں سے کہا۔

"تم سب نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ آج تمہیں ہمیشہ کے لیے تباہ کردوں گا۔" اس کو دیکھتے دیکھتے ایک پراسرار سرسراہٹ کے ساتھ ان تاش کے پتوں میں سے مختلف رنگوں کا دھواں نکلنا شروع ہوا۔ دھواں اوپر کی طرف اٹھا اور پھر اس دھوئیں نے مادی شکل اختیار کرلی بادشاہ بیگم اور غلام کی شکل میں صرف دھڑ تک یہ شکلیں مادی نظر آتی تھیں اور دھڑ سے نچلا حصہ دھوئیں کی صورت میں اصلی تاش کے پتوں سے جا ملتا تھا۔ بادشاہ نے اپنا گرز اٹھا کر ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ "خوش آمدید ٹوڈ جیرٹ! ہم سب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

"یقیناً کررہے ہوگے۔ میں تمہیں برباد جو کرنے والا ہوں۔" لیکن بادشاہ نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم ہمیں برباد کرنے نہیں بلکہ ہم میں شامل ہونے آئے ہو۔ یقین نہ آئے تو سامنے لگے ہوئے آئینے میں اپنی صورت دیکھو۔"

جیرٹ نے گھبرا کر آئینے میں خود کو دیکھا اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا وہ اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ اس وقت ایک جوکر کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تاش کے ایک جوکر کا لباس! وہی لمبے سے پھندنے والی سرخ ٹوپی، وہی زرد کوٹ بالکل ویسی ہی دھاری دار رنگ پتلون اور لمبی سی نوک والے سرخ رنگ کے جوتے، دکان کے اندھیرے میں اس نے گھبراہٹ میں یہی لباس پہن لیا تھا۔ راستے میں راہ گیر اسی لئے اس پر ہنس رہے تھے کہ وہ جوکر کا لباس پہنے ہوئے تھا۔

"دیکھا ہم نے کہا تھا نا کہ اب تم ہم ہی میں شامل ہوگئے ہو۔" تاش کے بادشاہ نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔

اور پھر اس قہقہہ کو سن کر جیرٹ پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ اس نے غصہ کے عالم میں اپنے بال نوچ لیے اور وہ لباس دونوں ہاتھوں سے پھاڑ ڈالا، وہ پورے ہال میں "مدد، مدد" چلاتا ہوا بھاگا اور جب بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو نیم جان ہوکر فرش پر گر پڑا۔

اگلے دن قصبے کی پولیس نے ایک برہنہ اور پاگل شخص کو میوزیم کے سامنے گھومتے اور لوگوں کو پتھر مارتے ہوئے پکڑا اور اس شخص کو پاگل خانہ میں داخل کردیا گیا۔ پاگل خانے میں اس شخص نے سب کا نام میں دم کردیا۔ وہ رات بھر اول فول بکتا رہا، اپنا سر دیواروں سے ٹکراتا اور اپنے بال نوچتا رہا اور پھر صبح کو وہ شخص مردہ پایا گیا۔

کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ شخص جیرٹ تھا! اس کے مردہ جسم پر تاش کے پتے بکھرے ہوئے تھے اور پاگل خانے کے منتظمین کو حیرت تھی کہ پاگل جیرٹ کے پاس وہ تاش کہاں سے آئے جب کہ کمرے میں بند کرتے وقت اس کے پاس تاش کا ایک بھی پتہ نہیں تھا۔

مگر اس سے زیادہ حیرت زدہ میوزیم کا منتظم انکنز تھا۔ اسے حیرت اس بات کی تھی کہ شوکیس میں رکھے ہوئے وان زولرن کے تاش میں ایک پتہ آپ ہی آپ بڑھ گیا تھا جب کہ اس دن سے پہلے وہ پتہ اس تاش میں شامل نہ تھا اور وہ پتہ تھا جوکر۔

منحوس حویلی

شہزاد خان۔ صادق آباد

عورت کا گردن تک کٹا ہوا سر اڑتا پھر رہا تھا اور منہ سے مسلسل ہنسی کی آوازیں نکل رہی تھیں رگوں میں منجمد کرتا شاخسانہ

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کیلئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

ستمبر 1972ء کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ موسم میں کسی قدر خنکی تھی۔ آج میری شادی کو تیسرا ہفتہ تھا۔ شادی کے بعد پیش آنے والے مسائل میں ایک سب سے بڑا مسئلہ ایک اچھے اور کرائے کے لئے سستے مکان کا حصول تھا جو کہ میرے لئے اچھا خاصا مسئلہ بن کر رہ گیا تھا۔ دفتر کے جھمیلوں سے فراغت کے بعد میرا سارا دن ایک کرایہ کے مکان کی تلاش میں گزرتا اور آخر کار شام کو تھک ہار کر واپس ہوٹل میں جا گھستا۔ میری بیوی ہوٹل کے بدمزہ اور باسی کھانے کھا کھا کر کئی بار دبی زبان میں مجھے مکان کی جلد از جلد تلاش کرنے اور یہاں سے چھٹکارہ دلانے کے متعلق مجھ سے اظہار کرچکی تھی۔

ایک روز میرا گہرا دوست رابرٹ مجھ سے ملنے دفتر آیا تو باتوں باتوں میں جب اسے پتہ چلا کہ میں ایک سستے اور اچھے مکان کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں تو اس

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

نے فوراً مجھے ایک حویلی کا پتہ تھما دیا اور ساتھ ہی مناسب کرایہ اور اچھی لوکیشن کے متعلق بتایا۔

ساتھ ہی اس نے ایک بات کی طرف بھی دبی دبی زبان میں اشارہ کیا کہ اردگرد کے لوگوں نے اس حویلی کو آسیب زدہ مشہور کر رکھا ہے۔ اگر تمہارا دل مانے تو اس حویلی میں جا بسو اگر نہ مانے تو اپنی تلاش جاری رکھو۔ شاید اس مہنگائی کے دور میں تمہیں بھولے بھٹکے سے کوئی سستا مکان مل جائے۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا بھلا میری بیوی سے بڑھ کر بھی کوئی اور آسیب ہو سکتا ہے؟ تم اس کی فکر نہ کرو اور حویلی کے مالک سے بات کر کے حساب کتاب طے کروا دو۔ رابرٹ نے فوراً حویلی کے مالک کا ایڈریس اور ساتھ ہی اپنا ایک کارڈ دے کر مجھے اس کے پاس جانے کی تلقین کی۔

میں دفتر سے جلدی چھٹی کر کے سیدھا مالک مکان کے پاس جا پہنچا۔ میرے استفسار پر اس نے مجھے یوں اوپر سے نیچے تک دیکھا جیسے قصائی بکرے کو خریدتے ہوئے دیکھتا ہے اور کہنے لگا کیا تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں نے اس حویلی کو آسیب زدہ مشہور کر رکھا ہے جس کی وجہ سے آج تک وہ حویلی خالی پڑی ہے اور کوئی شخص دن کے وقت بھی اس حویلی کے پاس سے نہیں گزرتا۔ اگر کل کو تمہارا کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ کرنا لیکن اس کی اس بات کے باوجود بھی میں اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا اور بالآخر شام کو حویلی کی چابی لے کر گھر واپس لوٹا۔ حویلی شہر سے نسبتاً دور تھی جس کے چاروں طرف کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ سامنے کے رخ ایک باغ تھا جو کبھی رنگ برنگے پھولوں اور درختوں سے بھرا ہوا تھا مگر اب چاروں طرف جھاڑ جھنکار نظر آ رہا تھا۔ جس میں قسم قسم کے حشرات الارض بھاگتے صاف نظر آ رہے تھے۔ میری بیوی تو اس حویلی کو باہر ہی سے دیکھ کر سہم کر میرے بازو سے آ لگی اور مجھے واپس ہوٹل میں چلنے کے لئے کہا۔ میں نے اسے تسلی دی اور حوصلہ قائم رکھنے کی تلقین کی۔

حویلی کا بڑا گیٹ جس پر قفل پڑا ہوا تھا اور تالا زنگ آلود ہو رہا تھا لگتا تھا کہ کافی عرصہ سے یہ حویلی ویران پڑی ہے۔ میں نے جیب سے چابی نکالی اور زنگ آلود تالے کے سوراخ میں لگا کر ایک جھٹکے سے گھما دی۔ تالا تھوڑا سا زور آزمائی کرنے پر کھل گیا اور میں نے ہاتھ سے دھکا دے کر گیٹ کھول دیا۔ گیٹ ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز نکالتا ہوا کھل گیا اور سامنے پتھروں کی بنی ہوئی راہداری کے دائیں طرف ایک حوض تھا جو کہ اب خشک ہو گیا تھا۔ غالباً کبھی اسے سوئمنگ پول کے لئے استعمال کرتے ہوں اور ایک طرف ملازمین کے رہنے کے لئے کوارٹر بنے ہوئے تھے۔

حویلی کے اندر کے رخ ایک برآمدہ تھا جس میں سنگ مرمر کی سرخ اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ فرش بڑی بڑی ٹائلوں سے مزین تھا۔ برآمدے میں ایک قطار میں کئی کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازے بند تھے اور ان پر قفل پڑے ہوئے تھے۔ مالک مکان نے ہمیں اس حویلی کے بڑے ہال اور اوپر کی منزل پر بنے ہوئے تین کمروں کی چابیاں ہی دی تھیں۔ اس وقت میں برآمدے میں کھڑا سوچ رہا تھا اور میری بیوی میرے بازو سے لگی سہمی سہمی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے حویلی کے اندر بنے ہوئے ہال کا دروازہ کھولا اور دروازہ کھولتے ہی ایک بدبودار ہوا کا جھونکا میری ناک سے ٹکرایا اور ساتھ ہی دس بارہ بڑی بڑی چمگادڑیں شور مچاتی اور اپنے بڑے بڑے پر پھیلاتی ہوئی ہمارے سروں پر سے گزرتی ہوئی باہر فضا میں گم ہو گئیں۔

اس اچانک افتاد پر میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور دوسری چیخ میری بیوی کی تھی۔ بعد میں جب اصل واقعہ کا پتہ چلا تو میں نے شرمندہ ہو کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو گھبرائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور ہنس کر کہنے لگا گھبراؤ نہیں۔ یہ چمگادڑیں تھیں۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ اندر چل کر حویلی کے دوسرے کمرے میں دیکھیں اور ساتھ ہی صفائی وغیرہ کا کام بھی نمٹائیں تاکہ بعد میں فارغ ہو کر کچھ کھانے پینے کا بندوبست بھی کرنا

ہوگا۔ میری بیوی تو یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہ تھی مگر بار بار حوصلہ دلانے سے خاموش ہو گئی۔ اس کا چونکہ اس قسم کے حالات سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا اور نہ ہی کبھی سرراہ کسی جن بھوت سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے برعکس میرے دل میں کسی قسم کا ڈر خوف نہیں تھا۔

ہم ہال کا دروازہ کھول کر اس کے اندر داخل ہو گئے۔ جس کے اندر ایک پرانے طرز کا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کے غلاف کا رنگ غالباً کبھی سفید رہا ہو مگر اب گرد سے اس کی رنگت سیاہی مائل پڑ چکی تھی۔ کھانے کی ایک بڑی سی میز اور اس کے اردگرد لگی ہوئی آٹھ عدد کرسیاں کونے میں ایک طرف رکھی تھیں اور اس کے سامنے کے رخ پر ایک باریک جھالردار پردہ لٹکا ہوا تھا۔ صوفہ سیٹ کے سامنے بچھے ہوئے قالین پر ایک مردہ چیتے کی کھال بمعہ سر بچھی ہوئی تھی۔

ایک طرف تپائی پر ایک ڈیکوریشن پیس جس میں ایک نیولہ اور سانپ آپس میں ازلی جنگ لڑتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

ہمیں اوپر کی منزل پر کسی کے قدموں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ میری بیوی نے گھبرا کر میرا بازو پکڑ لیا اور مجھے باہر کی جانب دھکیلنے لگی۔ وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی اور ہنس کر اسے کہا کہ یہ تمہارا وہم ہے۔ بھلا اس ویران حویلی میں کوئی کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے بھی اوپر کی بالکونی میں کسی زی روح کے چلنے کی آواز سنی تھی۔ مگر اپنی کمزوری ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا کہ میری بیوی خوف و دہشت سے بے ہوش ہو جائے اور میرے لئے کسی قسم کی پریشانی کا باعث بنے۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چلتا ہوا ہال کے مغربی کونے میں بنی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ اوپر کی منزل پر راہداری تھی جس پر سبز رنگ کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور دونوں طرف چار چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن پر قفل پڑے تھے۔ سیدھے ہاتھ سے بنے ہوئے چار کمروں میں تین کمرے ہمارے استعمال کے لئے دیئے گئے تھے اور ان تین کمروں میں کیا تھا یہ جاننے کی نہ تو مجھے ضرورت تھی اور نہ ہی میری بیوی ماریہ کو اس سے کوئی غرض تھی۔ راہداری کی چھت کے عین درمیان ایک بڑا فانوس لٹکا ہوا تھا جس پر جا بجا مکڑیوں نے اپنے جالے تانے ہوئے تھے۔ ایک عورت کی تصویر جس میں اس کی ایک آنکھ سے خون بہہ رہا تھا راہداری میں لگی ہوئی تھی۔ میں اس تصویر کے یہاں لگانے کا مقصد سوچنے لگا۔

عجیب رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر تھا۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو حویلی کو باہر سے ہی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔ ابھی تک کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا تھا اس لئے میں بے فکری سے گھوم رہا تھا البتہ میری بیوی ذرا ڈرپوک تھی۔ اس لئے اس قسم کے دہشت ناک ماحول کو قبول نہیں کر رہی تھی۔ میں نے بار بار اسے تسلیاں دے کر کہا کہ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حویلی میں کوئی آسیب وغیرہ نہیں ہے۔ کسی مخالف نے اس کو کسی خاص مقصد کے تحت آسیب زدہ قرار دیا ہے۔

ماریہ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر قطعی یقین نہیں ہے اور میں صرف اسے بہلانے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کمرے کی چابی نکالی اور راہداری میں بنے ہوئے چار کمروں میں سے ایک دروازے کے قفل میں ڈال کر اسے گھما دیا لیکن چابی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میں نے ہاتھ ڈال کر دوسری چابی نکالی اور اسے دوبارہ قفل میں ڈال کر گھمایا تو دروازہ چرچراہٹ بھری آواز پیدا کرتے ہوئے ذرا سا کھل گیا۔ میں نے دھکا دے کر اسے اندر کی طرف دھکیل دیا۔ میری ناک سے ایک سیلن زدہ بدبودار ہوا کا جھونکا ٹکرایا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کمرے میں کافی عرصے تک پانی کھڑا رہا ہو اور بعد میں کائی لگنے سے اس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ میں ماریہ کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ فرنیچر سے آراستہ تھا مگر فرش پر کائی جمی ہوئی تھی۔ کمرے کے وسط میں چھت سے ایک گول فانوس لٹک رہا تھا۔ دیواروں پر پرانے دور کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ایک لکھنے کی میز اور ایک کرسی کمرے کے دائیں طرف کونے میں رکھی تھی۔ ٹیبل لیمپ

Digitized by Google

بھی میز پر دھرا تھا جو گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا۔ ایک جانب ڈبل بیڈ اور بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل رکھی تھی۔ جس میں بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر ایک پرانے کپڑے سے آئینے پر جمی ہوئی دھول صاف کی تو اس میں مجھے اپنی شکل نظر آنے لگی۔ میں وہاں سے ہٹ کر کمرے کے شمال کی طرف بنے ہوئے ایک چھوٹے سے دروازے کی جانب بڑھا اور اسے کھولنے پر پتہ چلا کہ وہ ٹوائلٹ ہے جس میں مغربی ٹائپ کا باتھ ٹب اور کموڈ لگا ہوا تھا۔ میں ابھی مزید جائزہ لے ہی رہا تھا کہ یکایک فضا میں ایک نسوانی چیخ گونج اٹھی۔

یہ میری بیوی ماریہ کی چیخ تھی۔

میں فوراً پلٹ کر اس کی جانب بھاگا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ چکرا کر بیڈ پر گری ہوئی تھی۔ میں اس اچانک افتاد پر گھبرا گیا۔ میں بھاگ کر ٹوائلٹ میں گیا اور پانی کے نل کو کھولا تو اس میں سے ہوا نکلی اور ساتھ ہی تین چار کیڑے نکل کر واپس نل میں گھس گئے۔ پانی کی ٹینکی نا جانے کب سے خالی پڑی ہوئی تھی۔ میں واپس ماریہ کے پاس آیا اس کی ناک چٹکی سے پکڑ کر اس کا سانس روک کر ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر تک وہ لاشعوری طور پر پھٹی پھٹی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر دوبارہ ایک چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کا رنگ لٹھے کی طرح ہو رہا تھا۔ میں نے تیزی سے اس کی ہتھیلیاں مسلنا شروع کر دیں اور جب اس کے ہوش وحواس درست ہوئے تو میں نے اس سے چیخنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ جیسے ہی وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اسے اس کے اندر ایک عجیب الخلقت انسان نظر آیا جس کا خوفناک چہرہ شیر سے ملتا جلتا تھا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا اور اس کے منہ سے دو لمبے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ میں نے گھبرا کر چیخ ماری اور اس کے بعد مجھے اب ہوش آیا۔ میں نے اس کی بات سن کر فوراً شیشے کی جانب دیکھا مگر مجھے اس میں صرف اپنی ہی شکل دکھائی دی اور وہ شیر نما آدمی کہیں نظر نہیں آیا۔

میں نے جب ماریہ کو بتایا کہ آئینے میں تو کوئی نہیں ہے تمہیں ضرور دھوکہ ہوا ہوگا۔ چونکہ تم شروع ہی اس وحشت ناک ماحول کو قبول نہیں کر رہی ہو اس لئے تمہارے لاشعور نے تمہیں فرضی تصویر دکھائی ہے جس کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے مگر ماریہ سر ہلا کر میری بات کی تردید کرنے لگی۔ وہ مجھے اس منحوس حویلی سے باہر جانے کا مشورہ دینے لگی۔ میں نے سوچا کہ آج اتنا ہی کافی ہے کل میں اس کے بغیر حویلی میں داخل ہوں گا اور پھر تسلی سے اس کا گھوم پھر کر جائزہ لوں گا لہٰذا یہ فیصلہ کر کے میں نے ماریہ کو ساتھ لیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اسے مقفل کیا اور سیڑھیاں واپس اترتے ہوئے ہم ایک بار پھر حویلی کے بڑے ہال میں داخل ہوئے۔ ہال کا دروازہ بھی بند کیا اور پھر اس طرح چلتے ہوئے حویلی کے بڑے گیٹ سے نکل کر واپس شہر کی جانب چل پڑے۔

دوسرے روز میں نے ماریہ کو اپنے ایک دوست ڈیوڈ اور اس کی بیوی کے گھر چھوڑا جو کہ عرصہ دراز سے میرے پرانے واقف کاروں میں سے تھے۔ میں نے اس حویلی کے متعلق تمام تفصیلات بتا دیں۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا اور جب میں نے اب تک پیش آنے والے تمام حالات بتائے تو مسکرا کر کہنے لگا کیا تم بھی ان من گھڑت اور بے سروپا باتوں پر یقین رکھتے ہو؟ میں نے انکار میں سر ہلایا اور اسے اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق بتایا تو میری بات سن کر اس نے بھی ساتھ چلنے کی پیش کش کی جو میں نے بلا تامل قبول کر لی اور اس طرح شام کو ہم ماریہ اور ڈیوڈ کی بیوی مارگریٹ کو کچھ بتلائے بغیر خاموشی سے حویلی جا پہنچے۔ آج ہم اپنے ساتھ ایک ٹارچ بھی لائے تھے۔

جس وقت ہم حویلی پہنچے اس وقت چار سو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ جا بجا آسمان پر چمگادڑیں پھر رہی تھیں۔ فضا میں ایک عجیب طرح کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

رات کے اندھیرے میں حویلی بہت آسیب زدہ لگ رہی تھی۔ اس پر عجیب سی وحشت طاری تھی۔ آج ماریہ کے بغیر میں خود کو کسی قدر ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ جیسے ہی ہم حویلی کے ہال میں داخل ہوئے۔ ڈیوڈ نے ٹارچ روشن کر دی اور ہال میں چاروں طرف ٹارچ گھما گھما کر اس کی روشنی میں چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔

ابھی ہم پوری طرح ہال کا جائزہ نہ لے پائے تھے کہ اچانک اوپر کی بالکونی سے ایک نسوانی ہنسی کی آواز یوں سنائی دی جیسے کوئی ہمیں دیکھ کر ہمارا مذاق اڑا رہا ہو۔

ہم نے دیکھا کہ اوپر کی منزل اور چھت کے درمیان ایک عورت کا کٹا ہوا سر اڑتا پھر رہا ہے اور اس کے منہ سے مسلسل ہنسی کی آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کا گردن تک کٹا ہوا سر جس سے گاڑھے خون کے قطرے ہال کے فرش پر مسلسل گر رہے تھے، چکراتا پھر رہا تھا۔ یہ منظر رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وقتی طور پر ہم دونوں کچھ دیر کے لئے گھبرا گئے مگر پھر ہم نے اپنے دل مضبوط کئے اور اس عورت کے سر کی طرف روشنی کی۔

وہ سر ہال کے چاروں طرف چکر لگاتا پھر رہا تھا اور اس کی گردن سے ٹپکتے ہوئے خون کے تازہ تازہ قطرے ہال میں پڑی ہوئی چیزوں اور فرش پر بارش کی طرح گر رہے تھے۔

دفعتاً ڈیوڈ کو کچھ خیال آیا اور اس نے یکدم گلے میں پہنی ہوئی صلیب کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ جیسے ہی صلیب کا رخ اس کی طرف ہوا وہ سر غائب ہو گیا۔ ہم دونوں کے منہ سے ایک اطمینان بھری سانس نکلی اور میں اس شیطانی سر کے غائب ہو جانے پر خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ بعد میں ہم نے اسے شیطانی کرشمہ قرار دیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اوپر کی منزل کی جانب بڑھنے لگے۔

ٹارچ مسلسل روشن تھی جس کی روشنی میں ہم اردگرد کا جائزہ لیتے جا رہے تھے۔ اس سر کے ظاہر ہونے سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ یہ حویلی واقعی آسیب زدہ ہے۔

مگر جب اس حویلی میں داخل ہوئی گئے تھے تو ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج اس کے تمام اسرار و رموز جان کر ہی لوٹیں گے۔ یہی سوچتے ہوئے ہم اوپر کی جانب بڑھتے گئے۔

جیسے ہی ہم اوپر منزل کی راہداری میں پہنچے تو یکدم ہمیں پیانو کے بجنے کی آواز سنائی دی۔ پیانو کی آواز راہداری میں بنے ہوئے کمرے سے آ رہی تھی۔ ہم نے باری باری ہر دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو پیانو کی آواز دائیں طرف بنے ہوئے چار کمروں میں سے دوسرے کمرے سے آتی سنائی دی۔

ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک فیصلہ کیا اس کمرے کی چابی میری جیب میں تھی۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ ڈال کر چابی نکالی اور پھر احتیاط سے اسے دروازے کے قفل میں ڈال کر گھمایا جیسے ہی چابی قفل میں گھومی، پیانو بجنے کی آواز اچانک بند ہو گئی اور فضا میں ایک خاموشی چھا گئی۔ اس قدر خاموشی تھی کہ ہم ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن تک سن رہے تھے۔ میں نے چابی قفل سے نکالی اور واپس جیب میں ڈال لی۔ ظاہر ہے اب کمرے کھولنے کا مقصد ختم ہو گیا تھا ہم دونوں مزید آگے بڑھے اور راہداری میں چلتے ہوئے دوسری جانب مڑ گئے۔ جس کے دوسری جانب ایک زینہ سا ایک اور منزل کی جانب چڑھتا دکھائی دیا۔ اس کی پہلی سیڑھی کے دائیں ہاتھ ایک بڑی سی پینٹنگ لگی ہوئی تھی جس میں ایک ہرن پہ کتے جھپٹ رہے تھے اور ہرن کی زخمی پیٹھ خون سے بھری ہوئی تھی۔ اس وحشت ناک ماحول میں ایسی تصویر دیکھ کر ایک انجانا سا خوف طاری ہو رہا تھا۔ ہم قدم اٹھاتے زینے کی جانب بڑھنے لگے۔ جیسے ہی ہم نے پہلی سیڑھی پر قدم دھرا نیچے ہال میں سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہال میں بہت سی عورتیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ اس خوف ناک ماحول میں ان کے رونے کی آوازیں بہت ڈراؤنی لگ رہی

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

تھیں۔ میں نے گھبرا کر ڈیوڈ کی جانب دیکھا جو ہاتھ سے اپنے سینے پر کراس کا نشان بنا رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے پیچھے اوپر آنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔ میں بھی اس کی پیروی میں پیچھے پیچھے قدم اٹھانے لگا۔

اوپر کی منزل پر ایک گیلری نما برآمدہ بنا ہوا تھا جس کے سامنے رخ ایک جالی دار لوہے کی شیٹ لگی ہوئی تھی جس میں سے تازہ ہوا آ رہی تھی۔ ہم چلتے ہوئے اس بالکونی کے نزدیک پہنچے اور ہوا میں سانس لینے لگے۔ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے ہم دونوں کسی گہرے کنویں سے نکل کر تازہ ہوا میں پہنچ گئے ہوں۔ تاروں بھرا آسمان یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا اور نیچے حویلی کا ویران باغ اور اس میں لگے ہوئے درخت کسی دیو کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ ہم کچھ دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ اس کے بعد ہم واپس پچھلی منزل کی راہداری میں پہنچ گئے۔ میں نے ایک کمرے کے قفل میں چابی ڈالی اور اس کو کھول کر ہاتھ کا دھکا دے کر اس کا دروازہ اندر کی جانب دھکیل دیا۔ اس کمرے میں ہمیں کسی قدر گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ روشندان کے نہ ہونے کی رہی ہو۔

ڈیوڈ نے ٹارچ روشن کر کے کمرے کے وسط میں ڈالی تو سامنے کے رخ پر ایک بیڈ پر کوئی چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا جسے دیکھتے ہی میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اس اچانک افتاد پر ڈیوڈ کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ کر فرش پر گر پڑی اور لڑھکتی ہوئی ایک جانب جا گی۔ ہم دونوں اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر فرش پر ٹارچ کی تلاش میں ہاتھ مارنے لگے مگر وہ ہماری دسترس سے دور تھی۔ تھوڑی دیر میں ڈیوڈ کی خوشی سے لرزتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹارچ روشن کر دی۔ کمرے میں ایک بار پھر روشنی پھیل گئی۔

ہم نے دوبارہ بیڈ کی جانب ٹارچ گھمائی تو یہ دیکھ کر ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ بیڈ خالی پڑا تھا اور اس پر بچھی ہوئی چادر سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اس پر بھی کوئی بیٹھا تھا نہ ہو۔ لیکن ہم دونوں قسم کھا کر کہہ سکتے تھے کہ کچھ دیر قبل اس پر کوئی ذی روح شخصیت براجمان تھی۔

پھر ہم تیسرے کمرے کی جانب بڑھ گئے اور کمرے کی آخری چابی نکالی اور اسے کھول کر اندر داخل ہوئے۔ یہ پہلے دو کمروں کی نسبت ذرا کشادہ تھا اور سامان سے بھرا ہوا تھا۔ نجانے اس حویلی کے مالک نے کس طرح دل پر پتھر رکھ کر اس سامان سے بھری ہوئی حویلی کو چھوڑا ہوگا۔ کمرے میں ایک قالین بچھا ہوا تھا اور اس کے درمیان ایک خوبصورت سا فانوس لٹک رہا تھا جس کے گرد ایک دیدہ زیب جھالر لٹکی ہوئی تھی۔ دیواروں پر قدرتی مناظر کی تصاویر لگی ہوئی تھیں جو حویلی کے مالک کے ذوق کی داد دیتی تھیں۔

ہم آہستہ آہستہ ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے آگے بڑھ گئے کہ اچانک کمرے کا اکلوتا دروازہ ایک زوردار آواز سے بند ہو گیا۔ ہم دونوں نے اچھل کر پیچھے کی جانب دیکھا اور بھاگ کر دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر وہ تو یوں بند ہو گیا تھا جیسے کبھی کھلا ہی نہ ہو۔ کمرے میں موجود آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جا رہی تھی اور ہمیں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ہم نے کمرے میں بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ ہمیں ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے ہم دروازہ کھول سکیں یا اسے توڑ سکیں اور جلد ہی ہمیں ایک لوہے کی سلاخ مل گئی جس کا منہ چیونگی کی طرح چپٹا ہوا تھا۔ ہم نے اس سے دروازے پر ضربیں لگائیں۔

دروازہ مضبوط آنبوسی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے لوہے کا بنا ہوا ہو۔ کیونکہ مسلسل ضربوں سے بھی اس پر کوئی خاص اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پسینے سے ہمارے چہرے شرابور ہو گئے تھے میں نے ہانپتے ہوئے سلاخ ڈیوڈ کے ہاتھ تھمائی اور خود ڈرا ہوا ایک جانب رکھے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ غالباً آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ایسا ہو رہا تھا۔ اس کی محنت

لائی اور دروازے میں ایک چھوٹا سا سوراخ بن گیا میں نے جلدی سے ڈیوڈ کے ہاتھ سے سلاخ لے کر اس سوراخ پر پے در پے ضربیں لگانا شروع کر دیں اور کچھ ہی دیر کے بعد وہاں ایک بڑا سوراخ بن گیا۔ ہم دونوں نے جلدی سے اس سوراخ کے ساتھ اپنی ناک لگائے اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہم نے سوراخ کو اور بڑا کر دیا اور کسی نہ کسی طرح اپنے جسموں کو سکیڑ کر اس سوراخ سے برآمدے میں نکل آئے۔ باہر آ کر ہم تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے حویلی کے بڑے ہال میں داخل ہو گئے جیسے ہی ہم نیچے پہنچے ہال کا دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی دس بارہ انسانی کھوپڑیاں ہمارے سروں پر گھومنے لگیں۔ ان کی بے نور آنکھوں سے روشنی کے تیز دھارے نکل رہے تھے اور چاروں طرف ایسی چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے بہت سی روحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔

ہم خوف سے ادھر دیکھنے لگے۔ پھر اچانک وہ غائب ہو گئیں اور ہال میں ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا اور فضا میں ایک لڑکی کے رونے کی آواز آنے لگی۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کا گلا کاٹ رہا ہو۔ ڈیوڈ نے ٹارچ روشن کی اور اس کی روشنی اس جانب پھینکی جہاں سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ روشنی میں ہمیں جو نظر آیا اسے دیکھ کر ہمارے جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ روشنی کے دائرے میں ایک ریڑھ کی گڑیا دکھائی دے رہی تھی اور رونے کی آوازیں مسلسل اس کے منہ سے آ رہی تھیں۔

ہم دونوں کچھ دیر تک ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ ڈیوڈ نے کسی خیال کے تحت ایک بار پھر صلیب کا رخ اس گڑیا کی جانب کیا تو وہ یک لخت غائب ہو گئی۔

ابھی ہم سنبھلے بھی نہ تھے کہ ایک اور دل خراش منظر نے ہمیں خوفزدہ کر دیا۔ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے اوپر کی منزل پر کچھ لوگ دوڑ رہے ہوں۔ ان کے بھاگتے قدموں کی آوازیں ہم مسلسل سن رہے تھے۔ ہم نے روشنی اس طرف کی تو ہمیں ایک عورت کا جسم ہوا میں معلق دکھائی دیا۔ جس کے جسم پر سفید لبادہ تھا۔ چہرہ عیاں تھا اور ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم کا تمام خون نچوڑ لیا ہو۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس عورت کا جسم آہستہ آہستہ نیچے کی جانب آنے لگا اور زمین پر آ کر اس کے قدم رک گئے اور یکدم اس عورت نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

اف خدایا اس عورت کی آنکھوں میں سیاہ پتلیاں نہ تھیں جس سے اس کی طرف دیکھ کر وحشت طاری ہوتی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ہمیں گھورتی رہی اور پھر قدم اٹھاتی ہوئی ہماری جانب بڑھنے لگی۔ اسے اس طرح اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر ہم سہم کر دروازے سے جا لگے اور پلٹ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ تو کب کا بند ہو چکا تھا۔

عورت مسلسل ہماری طرف بڑھ رہی تھی اور ہم خوفزدہ نظروں سے بے بسی سے اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہے تھے۔ چند قدم کے فاصلے پر آ کر وہ رک گئی اور جیسے ہی اس نے ہاتھ لمبا کر کے ہم کو پکڑنے کی کوشش کی تو دہشت اور خوف سے ہماری چیخیں نکل گئیں۔

اس ڈائن کے نوکیلے ناخن مجھے اپنی گردن میں پیوست ہوتے محسوس ہو رہے تھے پھر اچانک بجلی چمکتی ہے ڈیوڈ نے لپک کر اپنے گلے میں پہنی ہوئی صلیب کا رخ اس بلا کی جانب کر دیا۔

جیسے ہی اس عورت کی نظر صلیب کی جانب پڑی تو اس نے ایک دلخراش چیخ ماری اور غائب ہو گئی اور فضا میں ایک بار پھر رونے کی آواز گونجنے لگی اور پھر یکدم ہال میں خاموشی چھا گئی۔

ہم دونوں موت کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ ہم اس وقت کو کوس رہے تھے جب ہم نے اس منحوس حویلی میں قدم رکھا تھا۔ اور بغیر کسی کو بتائے اس ویران اور منحوس حویلی میں آن گھسے تھے۔

ہم نے ایک بار پھر دروازے پر زور آزمائی شروع کر دی مگر ہماری کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ کافی دیر

Digitized by Google

تک ہم زور آزمائی کرتے رہے۔ ہم نے سوچ لیا تھا کہ اب یہی منحوس حویلی ہمارا مقبرہ بنے گی اور ہمارے گھر والوں کو پتہ بھی نہ چلے گا اور ہم بھی ایک دن ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل ہو کر اس حویلی کی وحشت میں مزید اضافے کا باعث بنیں گے۔

ڈیوڈ دروازے کے ساتھ زور آزمائی کر کے تھک ہار کر اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ میرا سانس بھی اکھڑ گیا تھا اور میں بھی ڈیوڈ کے ساتھ ہی گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

ابھی ہمیں بیٹھے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ ہال کی چھت کے درمیان میں لگے ہوئے فانوس میں ہلچل پیدا ہوئی اور وہ ایک زوردار دھماکے سے فرش پر آن ٹکرایا۔ اس کے نیچے لگے ہوئے نوکدار سریے جو فانوس کو ڈیکوریشن کے لئے لگائے گئے تھے، زمین میں گڑ گئے اور جیسے ہی ہم نے اس کے گرنے کے مقام پر ٹارچ سے روشنی ڈالی تو دہشت سے ہماری چیخیں نکل گئیں۔

فانوس کے نوکدار سریے ایک انسانی جسم میں پیوست تھے اور انسانی جسم سے تازہ تازہ خون نکل رہا تھا جو اس کے چاروں طرف پھیلتا جا رہا تھا۔ ہمیں اپنا خون ہمارے جسموں میں جمتا ہوا محسوس ہوا اور خوف سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

ڈیوڈ نے گھبرا کر ٹارچ بجھا دی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے خوف سے اس کے حواس ختم ہو گئے ہوں اور وہ ذہنی توازن کھو چکا ہو۔ میرے اپنے حواس کب قائم تھے جو میں اس کو حواس قابو میں رکھنے کا مشورہ دیتا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس بے جان لاشے کی طرف نظریں دوڑائیں تو وہ مجھے ایک بار پھر ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک ایک جانداری چیز میرے سینے سے آ کر ٹکرائی ڈر سے میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں یکدم کھڑا ہو گیا دوسرے لمحے وہ قدآور کالا بلا میاؤں میاؤں کی آوازیں لگاتا ایک جانب گم ہو گیا۔

میرے سینے میں یکدم درد کی لہر سی اٹھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی وزنی چیز میرے سینے سے آ ٹکرائی ہو۔ میں نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا اور ڈیوڈ کی جانب دیکھا جو نجانے کب کا نیند کی وادیوں میں کھو چکا تھا۔ سچ ہے کہ نیند کانٹوں پر آ جاتی ہے حالانکہ جس قسم کے پے در پے واقعات ہمارے ساتھ پیش آئے تھے ان سے تو ایک اچھا خاصا دل گردے والا انسان بھی گھبرا جاتا میں نے جھنجھوڑ کر ڈیوڈ کو اٹھایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور لاشعوری طور پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھنے لگا۔

جب اس کے حواس بحال ہوئے اور اسے یاد آیا کہ وہ ابھی تک اس منحوس حویلی میں ہی قید ہے تو چیخنے لگا میں نے اس پر توجہ دیئے بغیر دروازے کو کھولنا چاہا تو دروازہ یوں کھلتا چلا گیا جیسے کبھی بند ہی نہ ہوا ہو۔

میں نے خوشی سے کانپتے ہوئے ڈیوڈ کا ہاتھ پکڑا اور دونوں گیٹ سے باہر نکل کر شہر جانے والی سڑک پر سرپٹ بھاگنے لگے۔ ہم جلد از جلد اس منحوس حویلی سے دور بھاگ جانا چاہتے تھے۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے تین بج رہے تھے۔ جب ہم اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑے زور زور سے سانس لے رہے تھے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر دروازے پر دستک دی اور جیسے ہی دروازہ کھلا ہم دونوں بے ہوش ہو کر دروازے کے اندر کی جانب گر گئے۔

بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ ہم مسلسل تین روز بے ہوش رہے ہیں۔ لیکن دل ہی دل میں ہم اس منحوس حویلی سے زندہ سلامت بچ نکلنے پر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔

جب ہم نے ماریہ اور مارگریٹ کو تمام واقعات سنائے تو وہ خوف سے کانپنے لگیں۔

دوسرے روز میں نے حویلی کی چابیاں اس کے مالک کے حوالے کیں اور دوبارہ ہوٹل میں رہائش اختیار کر لی اور پلٹ کر اس حویلی کی طرف کبھی رخ نہیں کیا جو آج بھی اسی طرح ویران پڑی ہے۔

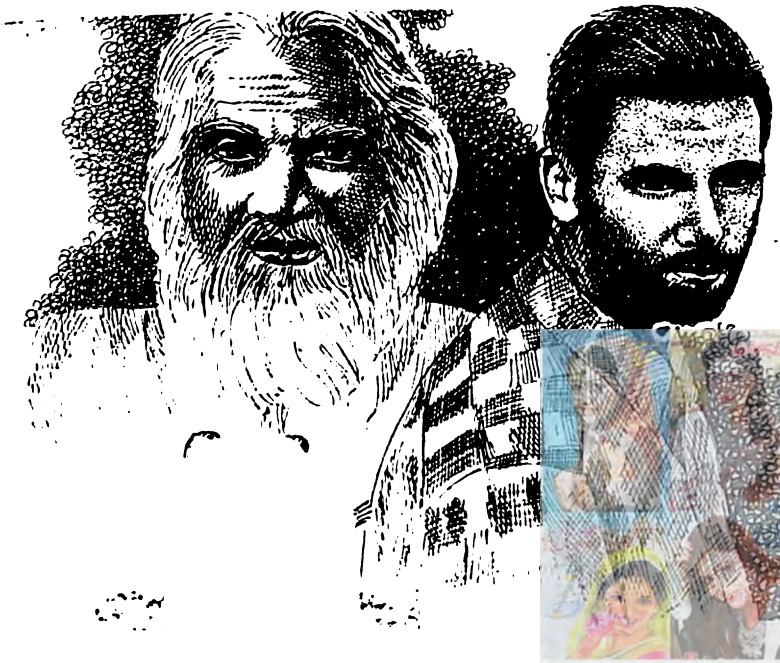

تنہائی

نینا خان۔کراچی

بزرگ نے نوجوان کو دم کیا ہوا پانی دیا اور پھر وہ نوجوان پانی لے کر مطلوبہ جگہ پہنچ گیا تو سامنے کا منظر دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا سامنے ایک روح کھڑی تھی اور خوفناک انداز سے آگے بڑھی کہ.....

جسم و جاں پر خوف کی لہر دوڑاتی ایک ناقابل یقین لرزا براندام کرتی خوفناک کہانی

فرحان کی ملاقات کوثر سے یونیورسٹی میں ہوئی تھی، وہ پہلے دن سے ہی کوثر پر مرمٹا تھا۔ کوثر اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی، بالکل پریوں جیسی ہی لگتی تھی، یونیورسٹی کے کافی لڑکے اس پر فریفتہ تھے۔ فرحان کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا وہ خود بھی وجیہہ اور ہینڈسم تھا۔

کوثر خود بھی من و عن فرحان کی پرسنالٹی کو پسند کرتی تھی اس لئے فرحان کے اظہار محبت کرنے پر فوراً ہی مان گئی۔ فرحان دل و جان سے اس کو چاہتا تھا۔ وہ بھی اس پر جان لٹاتی تھی ان کی مثالی محبت پوری یونیورسٹی میں مشہور ہو گئی تھی۔

کوثر کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا، فرحان کی بہنیں اور ماں اس رشتے کے سخت خلاف تھیں۔ مگر فرحان کی ضد کے آگے مجبوراً ہار ماننی پڑی اور آخر کار فرحان اور کوثر کی محبت کو شادی کی منزل مل ہی گئی تھی۔

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

شادی کے چند مہینے گھومتے پھرتے ہنستے گاتے ہنی مون مناتے ہی گزر گئے۔ اب فرحان اپنے بزنس میں بھی مصروف تھا مگر مصروفیت کے باوجود بھی کوثر کو بھرپور وقت دیتا تھا۔ کوثر اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

فرحان کی بہن عاقبہ اور ثاقبہ دونوں ہی کوثر سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ کوثر غریب گھر کی لڑکی اور اسے اتنے عیش میں رہتے دیکھ کر عاقبہ ثاقبہ من ہی من جلتی رہتی تھیں اور اماں کے کان بھرتی رہتی تھیں۔ عاقبہ اور ثاقبہ کے کہنے پر پروین خاتون بولیں......!!

"کوثر اب تو یہ روز روز گھومنا پھرنا بند کرو، کب تک اپنی نئی شادی کو نیا رکھو گی، تین سال پورے ہو کر چوتھا سال لگ گیا۔ فرحان ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہمیں بڑے ارمان ہیں کہ اس کی اولاد کو گود میں کھلائیں، ہم اپنے پوتا پوتی دیکھیں، اب بس بہت ہو گیا۔ جلدی ہی خوشی کی نوید سناؤ۔"

کوثر پروین خاتون کی بات سن کر سر جھکا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شام میں فرحان جب گھر آیا تو کوثر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے روتا دیکھ کر وہ پیار سے آنسو صاف کر کے بولا:

"کیا بات ہے میری اتنی پیاری خوب صورت پری جیسی بیوی کی آنکھوں میں آنسو؟؟ کیا پھر سے عاقبہ ثاقبہ نے تم سے بدتمیزی کی ہے؟؟ یا اماں نے پھر کچھ کہہ دیا۔"

"فرحان ثاقبہ عاقبہ اور اماں کی باتیں میں روزانہ ہی سنتی ہوں ان کے طعنے بھی اب برداشت نہیں ہوتے۔ چار سال سے برداشت کر رہی ہوں، اب تو ابا بھی ان کے ساتھ مل کر مجھے باتیں سناتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں جان من، یہ سب اس لئے کرتے ہیں کیونکہ اماں میری شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کرنا چاہتی تھیں ان سب کی مرضی کے خلاف جا کر میں نے تم سے شادی کی ہے۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ تم پلیز! رونا بند کرو۔ میں کچھ سوچتا ہوں۔"

فرحان کوثر کو ہی تسلی دے دیتا تھا جبکہ وہ بخوبی اماں ابا اور بہنوں کے رویے جانتا تھا۔ مگر بدتمیزی نہ ہو جائے اس لئے ماں باپ کی عزت کرنا فرحان بخوبی جانتا تھا اور کوثر کو بھی روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ فرحان کوئی حل نہیں نکال پا رہا تھا۔ دن رات کی لڑائی جھگڑے اور اماں اور بہنوں کی بدکلامی، بدزبانی اب فرحان کے لئے بھی برداشت کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ اوپر سے اب کوثر کو بانجھ ہونے کے طعنے بھی فرحان کے سامنے دیئے جانے لگے تھے۔

کوثر کی آنکھوں سے بہتے آنسو فرحان کو بے چین رکھنے لگے تھے۔ کوثر کچھ نہیں بولتی تھی پھر بھی فرحان کو اس کے دکھ کا پورا احساس تھا۔

اس دن فرحان تھکا ہارا آفس سے آیا تھا اپنے کمرے میں کوثر کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔ ثاقبہ نے روم میں آ کر کہا۔

"بھائی اماں ابا نے آپ کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ ابھی اسی وقت۔"

فرحان نے کہا......!!!

"تم چلو میں چائے پی کر آتا ہوں۔"

فرحان چائے پینے کے بعد اماں ابا کے روم میں گیا۔ ظفر صاحب کو پروین خاتون نے کچھ بولنے کا اشارہ کیا تو وہ گویا ہوئے۔

"فرحان ہمارے پاس آ کر بیٹھو۔ اور ہماری بات ذرا غور سے سنو۔"

فرحان نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا۔

"جی ابا بولیں۔"

"فرحان بیٹا تم ہماری اکلوتی اولاد ہو۔ ہماری بہت سی امیدیں ہیں تم سے بہت ارمان ہیں تمہاری اماں نے اپنی بہن سے بات کی ہے۔ تمہاری خالہ آج بھی اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی تم سے کرنے پر راضی ہیں بس ان کی ایک شرط ہے کہ تمہیں کوثر کو طلاق دینی ہوگی۔"

ظفر صاحب کی بات سن کر فرحان آگ بگولہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"ابا بہت معذرت میں کوثر کو طلاق نہیں دوں گا کوثر میری بیوی ہے میری محبت ہے۔ میں خالہ کی بیٹی سے شادی ہرگز نہیں کروں گا۔"

اپنی بات کو رد ہوتا دیکھ کر ابا بولے۔

Digitized by Google

"ٹھیک ہے پھر تم اپنے لئے کسی اور گھر کا انتظام کر لو۔ تم اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے جا سکتے ہو۔"

فرحان نے اماں کی طرف دیکھا کہ شاید وہ ابا کو سمجھائیں فرحان کو روک لو مگر پروین بیگم نے اپنا منہ پھیر لیا۔ جاتے ہوئے فرحان بولا۔

"ٹھیک ہے ابا مجھے دو تین دن کی مہلت دیں میں اپنے لئے کسی گھر کا انتظام کرتا ہوں۔"

فرحان نے جلد ہی دوستوں کی مدد سے ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا اور اپنے دوست کے ساتھ ان کے کاروبار میں ساتھ دینے لگا۔ چند دن ہی گزرے تھے کوثر کو تنہائی کھانے لگی تھی۔ میکے میں بھی بھری فیملی تھی۔ سسرال میں بھی سبھی لوگ تھے اب کوثر گھر کے کام کرنے کے بعد بھی تنہائی سے گھبرانے لگی تھی جس بلاک میں ان کا فلیٹ تھا وہاں آس پاس کے سبھی فلیٹ تقریباً خالی تھے۔ دوسرے بلاک کے لوگ اس بلاک میں آتے ہی نہ تھے۔ کھڑکی سے کوثر کمپاؤنڈ میں کھیلتے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی اور نماز پڑھ پڑھ کر اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرتی رہتی فرحان صبح کو گیا شام کو آتا تو پھر کوثر کے چہرے پر کچھ رونق آتی۔ کمپاؤنڈ میں ملنے والے اکثر لوگ فرحان سے پوچھتے۔

"بھائی آپ اپنے فلیٹ میں خیریت سے تو ہیں نا؟ کسی قسم کی کوئی دقت تو نہیں ہے وہاں آپ کو؟"

فرحان کہتا۔ "جی اللہ کا شکر ہے۔ سب خیریت ہے۔"

لیکن فرحان جب سے یہاں آیا تھا ہر کوئی یہی سوال کرتا تھا۔ فرحان الجھ جاتا مگر آج تک ان کے ساتھ کوئی عجیب واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے فرحان اپنا کان ان کی باتوں پر دھرتا۔

ایک روز فرحان آفس سے گھر آیا بچوں کو کمپاؤنڈ میں کھیلتا دیکھ کر کوثر رو رہی تھی۔ فرحان نے اسے اپنی بانہوں میں بھر کر آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان مت ہوا کرو تمہیں پتا ہے نا کہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا پلیز! رویا مت کرو۔"

"میں تنگ آ گئی ہوں فرحان اس تنہائی سے آپ اماں ابا سے کہیں کہ وہ ہمیں معاف کر دیں اللہ نے چاہا تو بچے بھی ہو ہی جائیں گے۔ ہم واپس اپنے گھر چلتے ہیں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کوثر وہ لوگ مان جائیں گے وہ تو میری دوسری شادی کروانا چاہتے ہیں۔ میں تمہیں طلاق دے کر دوسری شادی کر لوں۔ یہ شرط رکھی ہے بتاؤ میں ایسا کر سکتا ہوں بھلا؟؟"

فرحان کی بات سن کر کوثر اس کے گلے سے لگ کر رونے لگی تو فرحان مزید بولا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم پریشان نہ رہا کرو۔ اچھا ہاں صبح جاب پر جاتے ہوئے سامنے والے فلیٹ سے ایک بڑی بی نے مجھے روکا اور کہا۔

"بیٹا یہاں نئے آئے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ہاں آنٹی۔ ہم یہاں نئے شفٹ ہوئے ہیں۔"

پوچھنے لگیں۔ "فیملی میں کون کون ہے۔"

تو میں نے کہا۔ "میری خوب صورت بیوی" تو کہنے لگیں کہ 'میں بھی اکیلی رہتی ہوں اپنی بیوی کو میرے پاس بھیج دیا کرو کچھ تنہائی کم ہو جائے گی!' آئی تھنک کوثر تم دن میں ان کے پاس چلی جایا کرو وہ اکیلی رہتی ہیں بزرگ خاتون ہیں۔ تمہاری تنہائی بھی کم ہو جائے گی اور ان کی بھی۔" یہ سن کر کوثر نے حیرانگی سے کہا۔

"اتنے دن سے ہم یہاں ہیں میں نے تو اس بلاک میں کسی بزرگ خاتون تو کیا کسی انسان کو نہیں دیکھا ہمارے علاوہ۔"

"ہو سکتا ہے کہ نئی آئی ہوں گی یا گیٹ بند رکھتی ہوں۔" اگلے روز کوثر نے گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر کھانا تیار کر کے ایک ڈش میں کھانا سجا کر بزرگ خاتون کے گھر پر دستک دی۔ گیٹ ایک جھٹکے سے کھل گیا تو کوثر تھوڑا چونک سی گئی۔ گیٹ کھلتے ہی ایک خوف کی لہر کوثر کے پورے وجود میں دوڑ گئی کوثر کے اعصاب بحال بھی نہیں ہو پائے تھے کہ سامنے ایک بزرگ خاتون کھڑی

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com

مسکرا رہی تھیں۔ کوثر نے آداب سے کہا تو وہ مسکرا کر اسے اندر لے گئیں۔ آنٹی بولیں۔

"بیٹا! اکیلی رہتی ہو یہاں میرے پاس آیا کرو۔ میں بھی اکیلی رہتی ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔"

آنٹی کی بات سن کر کوثر نے پوچھا۔

"آنٹی آپ کے شوہر نہیں ہیں؟ کوئی اولاد وغیرہ مطلب بیٹا یا بیٹی۔"

کوثر کی بات سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ بولیں۔

"شوہر کا انتقال ہو گیا تھا بیٹے کو بہت محبت اور چاہ سے پالا پڑھایا لکھایا شادی کی بہت خوب صورت بہو لائی تھی، بالکل تمہاری طرح خوب صورت تھی میری بہو۔ اس نے تو میرے بیٹے کے کان بھر کر اسے نافرمان بنا دیا۔ میرا بیٹا مجھے مارتا تک تھا۔ ایک دن بہو اسے لے کر الگ ہو گئی۔ جب سے میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔"

"آنٹی مجھے افسوس ہے آپ کی بہو نے آپ کے ساتھ واقعی غلط کیا ہے۔"

آنٹی بولیں۔ "تم اپنی ساس سے الگ کیوں رہ رہی ہو؟"

آنٹی معنی خیز انداز میں بولیں تو کوثر کو برا لگا مگر وہ چپ ہو کر اپنی روداد سنانے لگی۔ کوثر کی بات سن کر آنٹی بولیں۔

"کہیں ساس نندیں غلط ہیں تو کہیں بہوئیں۔"

باتوں ہی باتوں میں وقت ایسے گزر گیا کہ کوثر کو وقت کا اندازہ نہ ہوا کیونکہ وہ ظہر کی نماز کے بعد آنٹی کے گھر آئی تھی کہ عصر کی اذان کی آواز سن کر وہ اپنے فلیٹ میں واپس آ جائے گی۔ عصر کی اذان کی آواز اب تک نہیں آئی تھی۔ آنٹی کے گھر کی گھڑی بھی ظہر کے بعد کا ہی ٹائم بتا رہی تھی۔ ایسا جیسے وقت رک سا گیا ہو۔ ظہر کا وقت تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

فرحان 8 بجے گھر آیا تو کوثر کو نا پا کر پریشان ہو گیا کہ کوثر اب تک گھر میں نہیں ہے۔ وہ جلدی سامنے بزرگ آنٹی کا گیٹ ٹاک کیا۔ تو باہر سے فرحان کی آواز سن کر کوثر نے آنٹی سے کہا۔

"اچھا آنٹی اب میں چلتی ہوں۔ لگتا ہے فرحان آج کچھ جلدی آ گئے۔"

بزرگ آنٹی معنی خیز انداز میں مسکراتی رہیں اور بولیں۔

"بیٹا آتے رہنا۔ مجھے تمہارا انتظار رہے گا۔"

گھر آ کر فرحان سے کوثر بولی۔

"آج آپ اتنی جلدی آ گئے ابھی تو....."

"کوثر کیا ہو گیا، میں تو اپنے وقت پر آیا ہوں، تم نے اتنی دیر لگا دی آنٹی کے پاس، میں کب سے آیا ہوا پریشان ہو رہا ہوں، نیا علاقہ ہے نیا ماحول ہے اور تم ان کے گھر اتنی دیر بیٹھ گئیں۔"

کوثر انتہائی تذبذب میں تھی کہ ایسا کیسے ہوا، عصر کی اذان اور مغرب کی اذان کی آواز سامنے فلیٹ میں کیسے نہیں آئی۔ مسجد تو ہمارے بلاک کے ساتھ ہی ہے اتنی تیز آواز آتی ہے اذانوں کی اور آنٹی کے گھر میں وقت ایک جیسا رہا دن کا وقت شام میں اور رات میں کیسے تبدیل نہ ہوا۔ یہ سب کیا ہے۔ فرحان نے گہری سوچوں میں ڈوبی کوثر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اجازت دینے کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ تم میرے آنے کا وقت ہی بھول جاؤ۔ چلو ٹھیک ہے۔ تم ریڈی ہو جاؤ ہم باہر ڈنر کرنے چلتے ہیں۔" ڈنر سے واپسی پر بیڈ پر لیٹے ہوئے کوثر نے فرحان کو تمام باتیں بتائیں تو فرحان نے ہنس کر کہا۔

"اتنے دن سے تم تنہا رہ رہی ہو نا، اب کوئی باتیں کرنے والا ملا تھا جبھی وقت کا اندازہ نہیں ہوا تمہیں۔"

"لیکن فرحان میں ظہر کی نماز پڑھ کر گئی تھی، عصر اور مغرب کی اذانوں کی آواز وہاں کیوں نہیں آئی۔ مسجد ہمارے بلاک کے ساتھ ہی بنی ہے۔ آواز بہت صاف واضح آتی ہے پھر.....!!"

"پلیز کوثر باتوں میں تم نے دھیان نہیں دیا ہو گا چلو اب سو جاؤ مجھے صبح جاب پر جانا ہے۔"

فرحان کے سو جانے کے بعد بھی کوثر اسی الجھن

میں رہی کہ وہ تو اذان کی آواز پر ہی غور کر رہی تھی پھر دھیان جھٹک کر فرحان کی بات کو صحیح بول کر سو گئی۔

دوسرے روز مینٹیننس کے پیسے لینے کے لئے یونین کا لڑکا ڈرتے ہوئے فلیٹ پر دستک دینے لگا۔ سنڈے تھا۔ لڑکے کو یقین تھا کہ فرحان اسے گھر پر ہی ملیں گے۔ جیسے ہی لڑکے نے دستک دینے کے لئے ہاتھ گیٹ کی طرف بڑھایا۔ کوثر آنٹی کے گھر سے نکلی لڑکے کا ہاتھ بڑھا کا بڑھا ہی رہ گیا وہ کوثر کو خوف کے مارے گھور رہا تھا۔ کوثر نے آگے بڑھ کر اپنے فلیٹ کا گیٹ کھولا اور اس کو خوفزدہ دیکھ کر بولی۔

"تم مینٹیننس کے پیسے لینے آئے ہو نا؟ تم یہیں رکو میں پیسے لے کر آتی ہوں۔"

لڑکے نے پلٹ کر آنٹی کے فلیٹ کو دیکھا اور سرپٹ دوڑتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا تو کوثر کو عجیب حیرت ہوئی اس لڑکے کی اس حرکت پر کوثر نے فرحان کو بتایا تو فرحان بھی حیران ہوا اور بولا۔ "اوکے میں خود دے دوں گا مینٹی ننیس کے پیسے، جا کر ابھی تم تو ریڈی ہو جاؤ تمہاری امی کے گھر چلتے ہیں ملنے۔

سنڈے سارا دن گھومتے پھرنے کی وجہ سے فرحان مینٹی ننیس کے پیسے نہ دے سکا۔ اگلے دن جاب پر چلا گیا۔ کوثر گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر آنٹی کے پاس چلی گئی۔ آج پھر وقت کا احساس نہ ہوا۔ اور نہ ہی اذانوں کی آواز ان کے گھر میں آئی، وقت دن کا ہی لگ رہا تھا۔ رات آفس سے فرحان آیا بھی کمپاؤنڈ میں اپنی کار پارک ہی کر رہا تھا کہ ایک بزرگ فلیٹ کے رہائشی ہی تھے آ کر فرحان سے گویا ہوئے۔

"بیٹا کل میرا بیٹا آپ کے فلیٹ پر مینٹی ننیس کے پیسے لینے گیا تھا کل جلد بازی میں سیڑھیوں سے گر گیا۔"

"اوہ! انکل اسے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟" "یہ لیں پیسے۔" فرحان افسوس کرتے ہوئے بولا۔

مینٹی ننیس کے پیسے رکھنے کے بعد بزرگ بولے۔

"میرے بیٹے نے بتایا کہ تمہاری بیوی کو سامنے فلیٹ سے آتے دیکھا اس فلیٹ کا گیٹ کھلا دیکھا۔ وہاں تمہاری بیوی کو کسی سے باتیں کرتا دیکھا۔"

فرحان حیران ہوتے ہوئے بولا۔

"جی انکل سامنے فلیٹ میں ایک بزرگ خاتون اکیلی رہتی ہیں انہوں نے مجھے کہا کہ اپنی بیوی کو میرے پاس بھیج دیا کرو کچھ اس کی اور میری تنہائی ختم ہو جایا کرے گی، اس لئے اکثر میری وائف ان کے پاس چلی جاتی ہے۔ کیوں انکل سب خیریت تو ہے ناں، آپ اس طرح کیوں پوچھ رہے ہیں مجھ سے؟"

انکل بولے۔

"بیٹا اس عورت کو گزرے ہوئے 6 گزر گئے، اس عورت کی روح ہی ہے جس کی وجہ سے کوئی اس بلاک میں رہتا نہیں ہے۔ تمہاری بیوی کو وہ نقصان پہنچا سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی بہو ایک ظالم عورت تھی، اس کے بیٹے کو اپنے ساتھ لے کر چلی گئی، یہ عورت یہاں مر بھی گئی، ہم سب فلیٹ والوں نے مل کر اس کی تدفین کی مگر اس کی روح کو اکثر ہم سب نے اس کے فلیٹ میں دیکھا ہے۔ اس لئے ڈر کے مارے کوئی وہاں نہیں جاتا، اگر کوئی نیا جوڑا اس بلاک میں شفٹ ہو جاتا ہے تو اسے وہ عورت نقصان پہنچاتی ہے اپنی بہو کا بدلہ ان سے لیتی ہے۔ بیٹا وہ تمہاری بیوی سے بھی اپنی ظالم بہو کا بدلہ لے گی اسے نقصان پہنچائے گی۔"

فرحان پریشان ہوتے ہوئے بولا۔

"انکل میری بیوی تو اب بھی اسی بدروح کے ساتھ ہو گی، کہیں وہ اسے نقصان نہ پہنچا دے میں کیا کروں؟"

بزرگ نے اپنی جیب سے ایک تعویذ اور پانی کی ایک چھوٹی بوتل نکال کر فرحان کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لو یہ پانی اس بدروح پر پھینک دینا اور یہ تعویذ اپنی بیوی کے گلے میں ڈال دینا اور جلدی جلدی اس کے فلیٹ سے نکل جانا اور اپنا فلیٹ بھی چھوڑ دو یہاں سے۔"

فرحان جلدی جلدی اپنے فیٹ کی طرف بڑھنے لگا پہلے دیکھا کہ کوثر اپنے فلیٹ پر ہے یا نہیں پر کوثر اپنے فلیٹ میں نہیں تھی۔ فرحان سامنے فلیٹ کو کھولنے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا مگر فلیٹ کا گیٹ کھل نہیں رہا تھا۔

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

گیٹ کے باہر سے فرحان کی آواز سن کر کوثر گھبرا کر کھڑی ہوئی اور بولی۔

"فرحان اس طرح گیٹ کیوں پیٹ رہے ہیں، اور اتنی آوازیں کیوں دے رہے ہیں میں گیٹ کھولتی ہوں۔"

کوثر گیٹ کھولنے کے لئے آگے بڑھی ہی تھی کہ بڑھیا کے بال مکمل کر بکھرنے لگے، چہرے پر چھڑیوں کے نشانات ابھرنے لگے، چہرہ اتنا بھیانک ہو گیا کہ کوثر کی ڈر کے مارے چیخیں نکلنے لگیں۔ فرحان کوثر کی چیخیں سن کر مزید گیٹ کھولنے کی کوشش کرنے لگا مگر گیٹ تھا کہ کھلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ بڑھیا کوثر کے سامنے آکر شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

"ایک ماں کو اس کے بیٹے سے تو نے بھی الگ کیا ہے ناں، آج میں تجھے جان سے مار دوں گی، آج تیری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

بڑھیا نے کوثر کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کوثر کی چیخیں بلند سے بلند تر ہو رہی تھیں۔ فرحان باہر پریشان ہو رہا تھا۔

فرحان نے پانی کی بوتل جیب سے نکال کر گیٹ پر پانی کے چند چھینٹیں مارے تو گیٹ اپنے آپ کھلتا چلا گیا۔ فرحان فوراً اندر داخل ہوا تو اس بڑھیا نے کوثر کو بالوں سے پکڑ کر ہوا میں اٹھایا ہوا تھا۔ کوثر لہولہان تھی اور مسلسل درد سے چیخ رہی تھی۔

فرحان کوثر کو اس حال میں دیکھ کر چیخ پڑا۔ پھر جلدی سے پانی کی بوتل سے چلو میں پانی بھر کر بڑھیا پر چھینٹیں ماریں تو بڑھیا نے چیخنا شروع کر دیا، اور کوثر کو چھوڑ دیا، کوثر زمین پر جھٹکے سے گری تو جلدی سے فرحان نے تعویذ کوثر کے گلے میں ڈالا اور اسے اپنی باہوں میں سمیٹ کر اٹھایا اور باہر لے آیا۔

فرحان کے باہر نکلتے ہی گیٹ خود بخود اپنے آپ بند ہو گیا، بڑھیا انتہائی دردناک آوازوں سے رو رہی چیخ رہی تھی۔ دردناک آواز کانوں کو پھاڑ دینے والی تھی۔ فرحان کوثر کو کار میں ڈال کر اسپتال لے گیا۔

پھر اس کے والد ظفر صاحب اور والدہ بھی فوراً اسپتال پہنچے اور فرحان اور کوثر سے اپنی سابقہ باتوں کی معافی مانگنے لگے ظفر صاحب بولے۔

"فرحان بیٹا مجھے معاف کر دو، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا، میرا کاروبار میں بھی کافی نقصان ہوا اور بیٹا بھی ناراض ہوا اور ساتھ چھوڑ گیا رہا۔ پلیز! بیٹا گھر واپس آجاؤ۔"

"ابا میں گھر آجاؤں مگر کوثر کو طلاق نہیں دوں گا اور نہ ہی دوسری شادی کروں گا۔"

فرحان کی بات پر اس کی والدہ بولیں۔

"کوثر جیسی اچھی بہو کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ جب تمہاری خالہ نے دیکھا کہ کاروباری نقصان ہو گیا ہے تو انہوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، وہ لوگ تو بس اچھے دنوں کے ساتھی تھے۔ ہمیں پتا چل چکا ہے کہ اصل دولت تو تم دونوں ہو ہماری۔ کوثر بیٹا تم بھی ہمیں معاف کر دو، ہم نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں۔" یہ سن کر کوثر مسکرا کر بولی۔

"اماں معافی نہ مانگیں، اب ہم سب ایک ساتھ رہیں گے۔ چلیں گھر چلتے ہیں۔"

اسی وقت ڈاکٹر اندر آکر بولی۔

"مسٹر فرحان اپنی بیوی کو اب سنبھال کر رکھیں بداحتیاطی کسی قسم کی بھی نہ ہونے پائے، ان کا بہت خیال رکھئے گا۔ اللہ نے کرم کر دیا۔ آپ کی وائف اور بچہ دونوں خیریت سے ہیں بس ان کے کھانے پینے کا خیال زیادہ رکھیں۔" ڈاکٹر کی بات سن کر فرحان کی والدہ حیران خوش ہو کر بولیں۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری بہو پر کرم کر کے ہمیں خوشیوں سے مالا مال کیا۔ بیٹا فرحان گھر جاتے ہوئے مٹھائی لینا نہ بھولنا۔" یہ سن کر ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"جی ان کا بہت بہت خیال رکھیں۔"

پھر ایک مرتبہ سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ مشکلات کے بعد آخر کار سب ایک ہو گئے اور خوشی ہی خوشی ان کے دامن میں تھی۔

موت کی رات

ماسٹر خالد عباس - ننکانہ صاحب

لفظ لفظ حیرت کے گرداب میں غوطہ زن عجیب و غریب ناقابل فراموش کہانی جسے پڑھ کر قارئین عش عش کر اٹھیں گے اور برسوں اس پر غور کریں گے کہ واقعی لاجواب کہانی تھی۔

پرتحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم گاؤں میں رہتے تھے ہمارا گاؤں شہر سے کافی دور تھا پہاڑوں، سرسبز وادیوں میں گھرا ہوا ہمارا خوبصورت گاؤں جنت سے کم نہ تھا۔ اور میں جو واقعہ سنانے جا رہا ہوں بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔

میرا نام خرم ہے میری تعلیم میٹرک اور پیشہ زراعت ہے ہمارا گاؤں بہت پرامن اور سرسبز و شاداب تھا ہر طرف خوشیاں اور شانتی تھی مگر پھر شاید ہمارے گاؤں کو کسی کی نظر لگ گئی ہوا کچھ یوں کہ ہمارے گاؤں میں جس لڑکی کی بھی شادی ہوتی وہ سہاگ رات میں حجلہ عروسی سے غائب ہو جاتی ایک آدھ واقعہ ہوتا تو الگ بات مگر یہ واقعات تسلسل سے ہونے لگے۔

مکمل پہرے اور احتیاط کے باوجود بھی دلہنیں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

سہاگ رات منانے سے پہلے غائب ہوجاتیں اس دلہن کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتیں مگر کچھ حاصل نہ ہوتا۔ گاؤں میں تو جیسے صف ماتم بچھ گئی تھی۔

لوگوں نے ان پراسرار سانحات کی وجہ سے شادی پر پابندی عائد کردی اس کا سب سے برا اثر مجھ پر پڑا۔

کیونکہ میری شادی میری محبوبہ شبانہ سے ہونے والی تھی دن رکھے جاچکے تھے مگر شبانہ کے گھر والوں نے یہ کہہ کر شادی سے انکار کردیا کہ ہمیں اپنی بیٹی بہت پیاری ہے ہم نہیں چاہتے کہ یہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح سہاگ رات میں غائب ہوجائے ہم نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر سب ندارد۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے ایک پل بھی جدائی برداشت سے باہر تھی۔ مگر بزرگوں کے فیصلے نے ہماری زندگی اجیرن بنادی تھی۔

کچھ جوانی کا نشہ اور کچھ شبانہ کا شباب مجھے پاگل کررہا تھا میں ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہتا میں ہر حال میں اسے پانا چاہتا تھا آخر کب تک ہم یونہی لڑتے رہتے پھر ہم نے ملنے کا پروگرام بنایا۔

ہم گاؤں سے دور ایک خوبصورت غار میں ملے، شبانہ نے گلابی لباس زیب تن کیا ہوا تھا، وہ مجھے بہت خوبصورت لگ رہی تھی ادھر سے موسم بھی سہانا اور عاشقانہ تھا وہ بے چینی سے میرے گلے لگی اور جب اس کا نرم و ملائم جسم مجھ سے ٹکرایا تو مجھے ایسے لگا جیسے خطرناک کرنٹ کا جھٹکا لگا ہو۔ شبانہ کی بھی حالت کچھ ایسی ہی تھی۔

پھر تو ہم دونوں سے رہا نہ گیا اور ہم دونوں حسن و شباب کی حسین وادی میں بہت دور تک چلے گئے۔ اس حسین ملاقات کو یادگار بنانے میں شبانہ نے بھی میرا خوب ساتھ دیا۔

شبانہ جوانی اور حسن و شباب سے بھرپور دوشیزہ تھی اس سے صرف ایک دن کا ملاپ پوری زندگی کا نشہ ثابت ہوسکتا تھا مگر میں اس نشے سے روزانہ فیض یاب ہونا چاہتا تھا اور شباب کی تڑپ کا بھی کچھ یہی حال تھا۔

لہٰذا ہم متواتر ملتے رہے اور دنیا و جہان سے گم ہوکر ہر حد پار کرتے رہے۔

تقریباً سات لڑکیاں غائب ہوچکی تھیں ان کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر انہیں نہ ملنا تھا، وہ نہ ملیں۔

کچھ عرصہ بیت جانے پر لوگوں کے ذہن سے خوف کچھ کم ہوا تو ہماری ضد کے سامنے ہار مانتے ہوئے لوگوں نے آخر کار شادی کی اجازت دے دی۔

ویسے بھی کب تک لوگ اپنی جوان بیٹیوں کو گھروں میں رکھ سکتے تھے۔ اور ہم دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے ہمارا نکاح ہوگیا۔ لوگ تھے مگر کچھ ڈرے ڈرے سے بھی نظر آتے تھے، ان کے ذہن پر سابقہ واقعہ سوار تھا۔

خیر انتہائی احتیاط کے باوجود بھی میری شبانہ میری زندگی، میری محبوبہ، میری کل کائنات چلہ عروسی سے غائب ہوگئی میں نے اسے ہر طرف پاگلوں کی طرح تلاش کیا مگر سب لاحاصل رہا۔

اب میرے دل پر چوٹ لگی تھی اب احساس ہوا کہ جب کسی کا کوئی اپنا بچھڑتا ہے تو کتنا دکھ ہوتا ہے؟

اب میں نے اس معمہ کو حل کرنے اور شبانہ کو ہر صورت تلاش کا تہیہ کرلیا اور مگر مگر اسے تلاش کرنے لگا دوران سفر میرا گزر ایک جنگل سے ہوا۔

شام گہری ہورہی تھی سو میں نے وہ رات اس جگہ بسر کرنے کا فیصلہ کیا، تھوڑا آگے گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک چھوٹی سی جھونپڑی ہے اور اندر سے لالٹین کی روشنی نظر آرہی تھی میں یہ سوچ کر خوش ہوگیا کہ چلو رات اچھی کٹ جائے گی۔

اندر جاکر دیکھا تو ایک باریش اور دیندار بزرگ ذکر الٰہی میں مصروف تھے، میں نے ان کو سلام

کی تو انہوں نے میرا پرتپاک استقبال کیا، نا صرف ٹھہرنے کو جگہ دی بلکہ اچھا کھانا بھی کھلایا جھونپڑی میں خوبصورت اور پاکیزہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

عبادت سے فارغ ہونے پر میں نے بزرگ کو اپنی داستان سنائی جسے سن کر وہ حیران اور دکھی ہوئے۔ اور بڑے پیار سے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"قدرت بھی انسان کو اپنی عائد کردہ حدود سے تجاوز کرنے پر سزا دیتی ہے تم دونوں نے نکاح سے پہلے جو گناہ کیے وہ معافی کے لائق نہیں مگر انسانیت کے ناطے میں انشاء اللہ اس مسئلے کو ضرور حل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر آدھی رات تک وہ عبادت میں مصروف رہے بعد ازاں اپنے اور میرے گرد حصار کھینچا اور مجھ سے کہا۔ "بیٹا یہ سب حرکات ایک شیطان کا چیلہ امرداس کررہا ہے مجھے اس کی خبر مل چکی ہے اسی لیے میں آج اسے یہاں حاضر کررہا ہوں لہٰذا تمہیں اس کی آمد سے ڈرنے یا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں حالات جیسے بھی ہوں کسی صورت حصار سے باہر نہ نکلنا۔"

باباجی کے عمل کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی امرداس نامی ایک بدصورت جن بڑے دھماکے کے ساتھ جھونپڑی میں حاضر ہوگیا اور باباجی سے بڑے مغرورانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا مگر ذکر الٰہی اور خاص عمل کی وجہ سے جلد ہی باباجی نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ اور پھر تھوڑی جدوجہد کے بعد اس نے ساری حقیقت اگل دی۔

بقول امرداس کے کہ "مجھے ابلیس نے زبردست شیطانی شکتیوں کے حصول کے لیے ایک اہم کام سونپا تھا جو کچھ یوں تھا کہ بیس نوجوان کنواری لڑکیاں جن کی سہاگ رات ہو ان کو اٹھا کر ایک مخصوص ویرانے میں لے جاکر ان کی عزتیں پامال کرنے کے بعد ان کی بلی ابلیس کو چڑھانی تھیں۔

اس لیے میں نے اس شخص کے گاؤں کا انتخاب کیا کیونکہ یہاں لڑکیاں مجھے جوانی سے بھرپور اور خوبصورت لگیں۔

میں اب تک سات حسین لڑکیوں کے خوبصورت جسموں سے فیض یاب ہوکر ان کی بلی ابلیس کو دے چکا ہوں آج اماوس کی رات ایک اور لڑکی کی بلی دینی تھی مگر آپ نے مجھے طلب کرلیا۔"

باباجی غصے سے بولے! "اس کا مطلب ہے کہ تم سات معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کو ختم کرچکے ہو اور ایک ابھی زندہ ہے اسے فوراً ہمارے سامنے پیش کرو ورنہ تمہارا انجام بہت دردناک ہوگا۔"

میں یہ جان کر خوش ہوا کہ آخری غائب ہونے والی لڑکی شبانہ ضرور زندہ ہے کچھ دیر بعد امرداس نے شبانہ کو اپنی شکتی سے وہاں بلالیا، شبانہ کپڑوں سے آزاد تھی میں حصار سے باہر نہ نکلا، وہ مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پھر باباجی کی اجازت سے میں حصار سے باہر نکلا اور اس جگہ پڑی ہوئی ایک چادر اٹھا کر شبانہ کے جسم پر ڈال دی۔

باباجی نے امرداس کو ایک چھوٹی سی ڈبی میں بند کرکے اپنے پاس رکھ لیا تاکہ اس کو عبرتناک سزا دی جائے میں شبانہ کے ہمراہ جلد از جلد اپنے گاؤں پہنچنا چاہتا تھا تاکہ اپنے عزیزوں کو اصلیت سے آگاہ کروں اور بتاؤں کہ اب گاؤں کی کوئی لڑکی غائب نہیں ہوگی۔ اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے۔

راستے میں مجھے شبانہ نے کہا۔ "انسان کو کسی صورت غلیظ گناہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اس کی سزا دنیا میں اتنی خطرناک ہے تو آخرت میں کیا ہوگی۔ اس نے میرے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا کہ جیسے بھیڑیا، کسی معصوم ننھے منے جانور کو جھنجوڑتا ہے۔"

پھر ہم دونوں نے اپنے سابقہ گناہوں کی سچے دل سے توبہ کرلی اور مرکزی سڑک پر پہنچ کر گاؤں جانے والی بس میں سوار ہوگئے۔

Digitized by Google

جان لیوا!

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:10

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کہانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میں نے ہونقوں کی طرح کنور صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

میں کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا، نہ جانے کیوں ذہن کے کسی دور دراز خانے میں یہ بات کلبلا رہی تھی کہ وہ مجھے گھس رہا ہے.....!!

بہر حال میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کندھے اچکاتے ہوئے بولا:

"جیسے آپ کی مرضی.....!!!"

"بھئی یوں تو مزا نہیں آئے گا۔" کنور مسکرایا: "تمہارے اس ننھے منے سے جملے سے بے چارگی کا تاثر چھلک رہا ہے..... جبکہ میں چاہتا ہوں کہ تم جو بھی فیصلہ کرو وہ اٹل اور مضبوط ہو..... تم صرف یہ ذہن بناؤ کہ تم میرے دشمن کو منظر عام پر لے کر آؤ گے.....!!"

"ٹھیک ہے جناب....." میں آہستہ سے بولا: "میری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کے آنے سے پہلے ہی میں آپ کے مجرم کے چہرے سے پردہ فاش کردوں.....!!"

"گڈ.....!!" وہ خوش ہوگیا: "یہ ہوئی نا بات۔"

"لیکن" میں بولتے بولتے رک گیا۔

"ہاں کہو..... تم رکے کیوں؟" وہ آگے کی طرف جھک آیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ضرور.....!!"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کا دشمن گھر کا ہی کوئی فرد ہے؟"

"بالکل..... سو فیصد.....!!"

"ہوں!!" میں نے طویل سانس بھری، پھر کنور صاحب کی طرف دیکھ کر بولا: "اگر ایسا ہے تو پھر مجھے اختیار ہونا چاہئے کہ میں کوٹھی میں جہاں چاہوں جا سکوں اور جس سے چاہوں ملوں.....!!!"

"تم بے فکر رہو..... میں جانے سے پہلے تمام ملازموں کو اس بارے میں خصوصی ہدایات دے کر جاؤں گا..... میں چاہتا ہوں کہ تم سب کے ساتھ مل کر اس راز سے پردہ فاش کرو..... بس ایک بات ذہن میں ضرور رکھنا.....!!"

"جی..... وہ کیا.....؟"

"نازش سے ذرا دور رہنے کی کوشش کرنا.....!!" اس کا لہجہ دوٹوک ہوگیا: "اس کی طرف سے مجھے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے..... باقی کوئی مسئلہ نہیں ہے..... اور

URDU TUBE
Digitized by Google

اب تم جاسکتے ہو......"

☆......☆......☆

اور پھر اسی دن کنور صاحب کی روانگی ہوگئی، اور اب میرے پاس اتنا وقت تھا کہ میں اپنا سر دھن سکوں......!!!

اس کے علاوہ اور کیا کرتا......؟ یہ سارا چکر ہی میری سمجھ سے باہر تھا......!!! اور اس سے بھی بڑھ کر اس گھر کے مکینوں کی عجیب و غریب نفسیات تھی۔ میں کنور صاحب کو ذرا مختلف اور سمجھ دار قسم کا انسان گردان رہا تھا، لیکن آج جس انداز میں انہوں نے نازش والی بات کی تھی اس سے مجھے یوں لگا تھا جیسے اس کے دماغ کی بھی کوئی نہ کوئی رگ ضرور ڈھیلی ہے۔

بہر حال میں اس وقت اپنی ڈیوٹی پر تھا، اور اس ضمن میں جو فرض مجھے سونپا گیا تھا، وہ کسی انجانے دشمن کو منظر عام پر لانے کا تھا۔

چنانچہ میں نے فی الحال اسی نکتے پر کام شروع کردیا، حالانکہ نہ تو میں جاسوس تھا اور نہ ہی کسی سرکاری ادارے سے میرا کوئی تعلق تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیا سوچ کر کنور صاحب نے اسرار و رموز کا یہ کام مجھے سونپا تھا۔

آخری بار خنجر کے ساتھ جو تحریر کنور صاحب کے کمرے کے دروازے سے ملی تھی وہ اب میرے پاس محفوظ تھی۔

چونکہ مجھے کنور صاحب اپنے تئیں ایک اہم کام سونپ گئے تھے اس لئے لازم تھا کہ میں اب اسی طرف توجہ دوں۔ یوں تو مجھے بھی کسی اور "سرگرمی" کی امید نہیں تھی۔

چنانچہ میں سب سے پہلے نوکروں کی طرف متوجہ ہوگیا......!! یہ بات قرین از قیاس نہیں تھی کہ ان میں سے ہی کوئی کنور صاحب سے خار کھانے لگا ہو......ہاں......!! ایک بات اور بھی تو ممکن تھی......؟؟؟

یہ بھی ہوسکتا تھا کہ کوئی نداقا کنور صاحب کے ساتھ یہ حرکت کررہا ہو، لیکن پھر انہیں زہر دینے والی بات میرے ذہن میں کود پڑی اور میں نے اس خیال کو خود ہی رد کردیا......!!

ان ہی نوکروں میں وسیم نام کا ایک شخص میری توجہ کا مرکز بن گیا، وہ کچن میں کھانا بنانے والے کے ساتھ معاون تھا......!! اس کا کام بازار سے خورد و نوش کا سامان لانا اور کھانے کی میز لگانے کے علاوہ اسی طرح کی نوعیت کے کاموں پر معمور تھا......!!

شکل و صورت سے یہ جوان آدمی مجھے کافی سمجھ دار اور پڑھا لکھا بھی دکھائی دے رہا تھا۔

سب ہی کو میرے متعلق کنور صاحب نے شاید خاص طور پر ہدایات دی تھیں، کیونکہ واضح طور پر اب ملازم مجھ سے مرعوب دکھائی دے رہے تھے......!!!

میں وسیم کو ایک طرف لے آیا تھا، وہ سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا:

"تم یہاں کتنے عرصے سے کام کررہے ہو؟" میرا پہلا سوال تھا۔

"دو سال ہونے والے ہیں جناب......!!"

"خوب......!!" میں نے سر ہلایا: "اب مزید کتنے عرصے رکنے کا ارادہ ہے؟"

"جی......!!" وہ چونکا: "میں سمجھا نہیں......!!"

"شادی ہوچکی تمہاری......؟" میں نے اس کی بات نظر انداز کردی۔

"جی نہیں......!! وہ آہستہ سے بولا: "اسی کی تیاری میں مصروف ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں ایک گوٹھ میں رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔ "وہیں پلا بڑھا اور جہاں تک ممکن ہوسکا تعلیم حاصل کی......اسی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے میں نے شہر کا رخ کیا تھا۔ میں یہاں پڑھتا بھی رہا اور ساتھ میں نوکری بھی کرتا رہا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اب نوکری کرنے کی وجہ شادی ہے۔ اور اب اسی کے لئے پیسے جمع کررہا ہوں۔"

"ہوں......جب تم پڑھے لکھے ہو تو پھر کسی اچھی جگہ قسمت آزماؤ۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "یہاں اپنا وقت کیوں برباد کررہے ہو؟"

"میں نے اب تک اسی نوعیت کی نوکریاں کی ہیں۔" اس کا لہجہ نہ جانے کیوں اداس ہوگیا تھا۔

"اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"ہاں......بہت خاص......!!"

"کیا؟؟؟"

"مجھے اپنے گوٹھ میں جا کر ہی اپنا گھر بسانا ہے۔" اس نے بتایا۔ "اور وہاں کا ماحول اس گھر سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ میں یہاں صرف نوکر ہوں اور مجھے اس بات کی اجرت ملتی ہے۔ لیکن گوٹھ میں تو بلا معاوضہ غلامی کرنی پڑتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ وہاں صرف اور صرف چوہدری خاندان کا سکہ چلتا ہے......فی زمانہ کے حساب سے اسی خاندان کا کوئی فرد اس چوہدراہٹ کا منصب سنبھالتا ہے اور گوٹھ کی عوام اسی کے اشاروں پر ناچتی ہے......!!!"

"اوہ!!" میں چونکا: "تو یہ بات ہے۔"

"جی بالکل......!!" اس نے گردن ہلائی: "اور اس خاندان کا ہر فرد ایک جیسا ہے...... ظالم اور سفاک......!! ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔"

"یہ بات ہے تو تم شادی کرکے یہیں بس جاؤ......" میں نے مشورہ دیا: "پھر واپس کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میری مجبوری ہے......!!" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کیسی مجبوری؟"

"میرے باپ دادا کا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے......اتنی پڑھائی میں نے اسی لئے کی ہے کہ اس خاندان کے زیر سایہ رہ کر ان ہی کی خدمت کروں اور آہستہ آہستہ یہ قرضہ اتاروں......!!"

"قرضہ کس کا ہے......؟"

"اسی چوہدری خاندان کا۔" اس نے بتایا۔ "کیونکہ ان ہی لوگوں نے قرضے دے رکھے ہیں اور مکانات کے علاوہ کئی ایکڑ زمینیں گوٹھ والوں میں تقسیم کی ہیں......صرف میرا ہی گھر نہیں بلکہ گوٹھ کا بچہ بچہ ان کا قرض دار ہے......!!!"

"اوہ......اب میں سمجھا......!!" میں نے سر ہلایا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا: "کیا تم یہاں سے پیسہ کما کر یہ قرضہ نہیں اتار سکتے؟"

"نہیں......!!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس خاندان کی خدمت گزاری اولین ہے......!! صرف پیسے کے ذریعے وہ قرضہ نہیں اتر سکتا۔

"اچھا......!! کون سا گوٹھ ہے تمہارا؟ میں تمہارے ان چوہدریوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ارے یہ غضب مت کرنا صاحب......!!" وہ گھبرا اٹھا: "وہ آپ کے ساتھ ساتھ میرے پورے کنبے کو زمین میں زندہ گاڑ دیں گے۔"

"اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ تمہاری شادی کب ہے؟"

"اتفاق سے اگلے ماہ......!!" وہ شرما سا گیا۔

"گڈ......!! کیا میں شریک ہوسکتا ہوں تمہاری شادی میں؟"

"ضرور......کیوں نہیں......!!"

"کیا نام ہے تمہارے گوٹھ کا؟"

"سونال گوٹھ؟"

"ٹھیک ہے...... میں ضرور آؤں گا تمہاری شادی میں......!!"

☆......☆......☆

وسیم کا کردار کھل کر میرے سامنے آچکا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ کسی صورت بھی کنور صاحب سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا...... کیونکہ وہ جس ماحول سے نکل کر آیا تھا، وہاں تا حد نگاہ ذہنی انتشار اور غلامی کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے......ایسے شخص کے لئے چوری اور سینہ زوری کرنا ذرا مشکل کام تھا...... پڑھا لکھا ہونے کے باوجود بھی کنور صاحب کے گھر میں ملازمت کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اپنے ماحول سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا......!!

URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

ایسا ماحول کہ جس کے چاروں طرف غلامی کے بادل چھائے ہوئے تھے.....!!!

باری باری گھر کے تمام افراد کو ٹٹولنے کے بعد میرا رخ نازش کی طرف ہوگیا.....!!! اب تک کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملا تھا کہ جس پر مجھے شک بھی گزرے کہ وہ کنور صاحب کی جان لینے کے درپے ہے۔

گو کہ نازش کے متعلق مجھے کنور صاحب کی طرف سے کافی سخت ہدایات ملی تھیں۔ اس کے باوجود اس سے ملے بغیر میری "ذاتی تفتیش" کا مرحلہ ادھورا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی ٹی وی پر کوئی فلم دیکھ رہی تھی، کیونکہ ٹی وی کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

میں نے دروازے پر دستک دی تو اس کی کافی جھنجلائی ہوئی آواز گونجی تھی۔

"کون ہے بھئی.....؟؟"

"میں ہوں..... شکیل.....!!"

ٹی وی کا شور ختم ہوا، قدموں کی چاپ ابھری اور پھر چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا۔

یا تو اس کا موڈ خراب تھا، یا پھر مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا:

"کیوں نازل ہوئے ہو؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"لیکن میں تم سے باتیں نہیں کرنا چاہتی۔" وہ جھنجلا کر بولی: "تم جانتے ہو..... میں نے تمہارا انتظار کیا ہے؟ رات میں کبھی کتنی دیر تک جاگتی رہی کہ ڈیڈی کے جانے کے بعد تم ضرور آؤ گے..... لیکن تم بہت پتھر دل انسان ہو....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نازو.....!!" میں نے پینترا بدلا۔

اس وقت یہ چاپلوسی بہت ضروری تھی، کیونکہ اسے تہہ خانے کا راستہ معلوم تھا۔

اس کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا، میں نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا:

"نازو.....!! تم..... تم بہت حسین ہو..... تم رات کی اوس کی طرح نرم و ملائم ہو.....!!! جو چاند کی دودھیا روشنی میں چاروں طرف پھیل کر ماحول کو اثر انگیز بنا دیتی ہے۔"

"سچ.....!!" وہ یک بیک خوش دکھائی دینے لگی: "کیا تم شاعری بھی کرلیتے ہو؟"

"آج سے پہلے تو کبھی نہیں کی تھی۔" میں مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" اس نے مجھے گھورا۔

"مطلب صاف ہے۔" میں جلدی سے بولا: "تمہارے حسن سے بھرپور پیکر نے مجھے مجبور کردیا کہ میں چاندنی میں خاک چھانتا پھروں۔"

"اب بس کردو.....!!" وہ ہنس پڑی: "لیکن ایسا نہ ہو کہ میں مغرور ہو کر تم سے بات ہی کرنا چھوڑ دوں.....!!!"

"یہ ظلم مت کرنا نازو.....!!" میری آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی: "اگر تم نے مجھ سے منہ موڑا تو میں....."

"خودکشی کرلوں گا۔" اس نے میری بات کاٹ کر لقمہ دیا۔

"ارے....." میں چونکا: "تمہیں کیسے پتا؟"

"میں سب جانتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تمہاری محبت کی گہرائی کا مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔ اب تم یہ بکواس بند کرو.....!! آؤ..... میں تمہیں اپنے آرٹ سے روشناس کراؤں.....!! کل میں نے ایک نئی پینٹنگ بنائی ہے، اسے دیکھو اور داد دو مجھے.....!!"

وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آئی۔ یہ وہی کمرہ تھا، جہاں وہ اپنے فن مصوری کا شوق پورا کرتی تھی۔

سامنے ہی کینوس پر دلکش رنگوں سے مزین ایک تصویر موجود تھی، جس کا منظر کافی عجیب سا تھا..... اس کے باوجود وہ تصویر واقعی اہل فن کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔

یہ ایک ایسے کمرے کا منظر تھا، جس کی دیواروں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے

Digitized by Google

تھے۔ اسی کمرے کے درمیان میں ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا اور اس کے ہاتھوں اور پیروں کو لوہے کی زنجیروں سے اس کرسی کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔

میں تصویر کو غور سے دیکھ رہا تھا:

"کیسی لگی یہ تصویر.....؟" نازش کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"آں.....!!" میں چونکا: "تصویر تو اچھی ہے..... لیکن تم نے کیا سوچ کر بنائی ہے؟"

"یہ ذرا آفاقی تصویر ہے۔" وہ مسکرائی: "جلتی ہوئی دیواروں کا مطلب ہے کہ تیزی سے گزرتا ہوا وقت..... ان زنجیروں کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان وقت کی قید میں جکڑا ہوا ہے..... اور یہ کمرہ دراصل زندان کی مثال ہے۔ میرا یہ مقصد ہے کہ دنیا انسان کے لئے محض ایک زندان ہے..... اور ہر انسان اپنی مقررہ موت تک یہاں رہنے پر مجبور ہے۔"

"اوہ..... تم تو فلاسفر ہو بھئی.....!!" میرے منہ سے نکلا۔

"نہیں..... یہ تو بہت سادہ سا خیال ہے۔" نازش نے جواب دیا۔

عین اسی وقت میری نگاہ تصویر کے نیچے ایک عبارت دکھائی دی۔ لکھا تھا:

"ہر انسان مجبور ہے اور وقت کی قید میں سسک رہا ہے....."

اب میں نے اس تحریر کو غور سے دیکھا اور ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوند گیا:

"یہ کس نے لکھا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے خود ہی لکھا ہے..... کیسا لگا.....؟"

فوری طور پر میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکا، کیونکہ کنور صاحب کے دروازے پر منجمد میں گڑی ہوئی تحریر اور نازش کے اس جملے میں کوئی خاص فرق نہیں تھا.....!!

گویا دونوں تحریریں لکھنے والا ہاتھ ایک ہی تھا.....!! میں وقتی طور پر گم صم سا ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

جب میں کافی دیر تک اسی حالت میں رہا تو نازش نے میرا کندھا پکڑ کر ہلا دیا:

"کیا ہوگیا تمہیں.....؟ کہاں کھو گئے ہو؟"

"میں..... میں سوچ رہا ہوں کہ تم ایسی تصویروں کو نمائش میں کیوں نہیں لے جاتیں.....!!" میں نے بات گڑھی: "اف.....!! کس قدر جان ہے۔"

"تمہارے بھرے ہوئے رنگوں میں.....!!!"

"مذاق تو نہیں اڑا رہے ہو؟"

"ہرگز نہیں..... میں دل سے کہہ رہا ہوں.....!!!"

"میں نے کئی بار سوچا ہے۔" وہ بولی: "لیکن اپنی کسل مند طبیعت کی وجہ سے رہ جاتی ہوں..... حالانکہ میری دوستوں نے بھی مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنی چند پینٹنگز کے نمونے کلب میں ہی لے آؤں.....!!"

"تم نے ان کی فرمائش بھی رد کردی.....؟"

"ہاں....." وہ لاپروائی سے بولی: "میں اپنی عادت سے مجبور ہوں، کوئی میرے کمرے میں آکر میرے فن کی داد دے جائے، میرے لئے بس یہی کافی ہے.....!!"

"ایک بات پوچھوں؟" میں کچھ سوچ کر بولا۔

"ہاں..... پوچھو.....!!"

"یہ عبارت تم نے ہی لکھی ہے؟"

"ہاں.....!!" وہ فخریہ انداز میں بولی: "مجھے فن خطاطی میں بھی مہارت حاصل ہے.....!!"

"خوب.....!!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا: "کیا تم دروازوں پر بھی اپنے اس فن کا مظاہرہ کرتی ہو؟"

یہ سن کر وہ بری طرح چونکی تھی، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی:

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"تم میری بات اچھی طرح سمجھ چکی ہو.....!!"

میں نے آہستہ سے کہا: ''اور اب اسے چھپانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے......!!''

''فضول بکواس مت کرو......!!'' وہ دہاڑی: ''اور یہاں سے چلے جاؤ...... میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی......!! چلے جاؤ......!!''

وہ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ تھی......!! اس کا چہرہ چند ہی لمحوں میں ایسا رنگ بدلتا تھا کہ اجنبیت کا گمان ہونے لگتا تھا۔ فی الحال تو میرے لئے یہی بہتر تھا کہ میں چلا جاؤں۔

چنانچہ میں کان دبا کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن نازش رات تک مجھے دکھائی نہ دی۔

میں اس سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن گزشتہ روز کے رویے نے مجھے اس حرکت سے روکا تھا۔ میں اب انتظار میں تھا کہ کسی طرح وہ خود ہی مجھ سے رابطہ کرے......

مجھے اس بات کا تو اب یقین ہو چکا تھا کہ کنور صاحب کے کمرے کے دروازے پر اس کی لکھی ہوئی تحریر چسپاں تھی...... ''تو کیا یہ لڑکی واقعی اپنے باپ کی دشمن تھی؟ کیا وہ کنور صاحب کو قتل کرنے کے درپے تھی؟'' لیکن نازش کو دیکھ کر نہ جانے کیوں یہ خیال غیر مناسب سا محسوس ہونے لگتا تھا۔

بہرحال اس موضوع پر نازش سے بات کئے بغیر کوئی بھی خیال اور ''سوچ آرائی'' قبل از وقت اور خالی از علت کے مترادف تھا۔

رات کے کھانے کے بعد میں یونہی ٹہلتا ہوا لان کی طرف نکل آیا، باغیچے کے عین وسط میں چلنے والا فوارہ رات کے وقت واقعی بے حد دلکش اور دلفریب نظارہ پیش کرتا تھا۔

اس کی قوس و قزح کے رنگ دیکھنے والی آنکھوں کو طمانیت کا عجیب سا احساس عطا کرتے تھے...... باغیچہ اس وقت جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔

اسی روشنی میں مجھے کنور صاحب کی بہن، اس کا شوہر اور لاابالی سے چچا بھی وہاں بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ تینوں اس وقت نہایت سنجیدگی سے کسی موضوع پر بات چیت میں مصروف ہوں......!!

حالانکہ ان لوگوں سے اس بات کی قطعی امید نہیں تھی، کیونکہ میری نگاہ میں نازش سمیت سب ہی جھکی جھکی اور نیم پاگل تھے...... خاص طور پر کنور صاحب کے چچا تو ان سب میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔

میں ان لوگوں سے کنی کترا کر دوسری طرف نکل رہا تھا کہ چچا کی آواز نے میرے پیروں میں رکاوٹ کی زنجیر ڈال دی۔

''کہاں جا رہے ہو میاں......!! کبھی ہمارے ساتھ بھی بیٹھ جایا کرو......!!!''

میں گھوما اور قدرے مسکرا کر بولا: ''میں آپ ہی لوگوں کی طرف آ رہا تھا۔ لیکن پھر میں نے محسوس کیا کہ آپ کی کچھ خاص اور ذاتی قسم کی باتوں میں مصروف ہیں...... اسی لئے میں واپس ہو لیا۔''

''موت کسی کی ذاتی ملکیت ہرگز نہیں ہے۔'' چچا بلند آواز میں بولے: ''تم بھی ہماری گفتگو میں حصہ لے سکتے ہو۔!!''

''موت......!!!'' میرے منہ سے نکلا۔

پھر میں نے ان ہی کی طرف قدم بڑھا دیئے، جلد ہی میں نے ان کے قریب رکھی ہوئی ایک خالی کرسی کھینچی اور بیٹھ کر چچا کی شکل دیکھنے لگا:

''ہاں موت......!!'' انہوں نے سنجیدگی سے گردن ہلائی: ''ہم لوگ بیٹھے ہوئے موت ہی کے موضوع پر باتیں کر رہے تھے......''

''میں سمجھا نہیں......!!''

''زندگی تو سب کے سامنے رکھی ہوتی ہے۔'' چچا بولے: ''لیکن موت کسی کو دکھائی نہیں دیتی...... بس یہ اچانک ہی آتی ہے اور جس کے نصیب میں لکھی ہوتی ہے، اور لمحہ بھر کا بھی موقع نہیں ملتا......!! اور پھر اس کا زندگی سے ہر ناطہ ہر رشتہ اور ہر واسطہ ختم ہو جاتا ہے، جو پھر کبھی جڑ نہیں سکتا۔''

''یہ بات بالکل درست ہے۔'' میں نے سر ہلا کر اتفاق کیا۔

''ہو گی درست......!!'' چچا نے زور سے میز پر مکا مارا: ''لیکن بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں موت کو گلے لگانا پڑتا ہے تو بہت زیادہ دکھ اور غم ہوتا ہے...... کیونکہ کسی کو بھی امید نہیں ہوتی کہ یہ بندہ اس طرح اچانک دنیا سے چلا جائے گا......''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں......!!''

''اب تم خود اپنی مثال لے لو......!!'' چچا نے بولنا شروع کیا۔

لیکن عین اسی وقت کنور صاحب کی بہن نے انہیں ٹوک دیا:

''چچا جان!! یہ آپ کیا کر رہے ہیں......؟''

''کیوں......؟؟'' انہوں نے آنکھیں نکالیں اور پھر دوبارہ میری طرف متوجہ ہو کر بولے: ''ہاں تو...... میں کہہ رہا تھا کہ تم کو اپنی زندگی کے بارے میں تو بہت سی معلومات ہوں گی، لیکن موت کے بارے میں تمہیں ایک لفظ بھی معلوم نہیں ہو گا...... کیوں؟''

''بالکل درست ہے......'' میں نے سر ہلایا:

''موت تو ایک سرپرائز ہے۔''

''واہ...... خوب نام دیا......!!'' وہ زور سے ہنسے: ''سرپرائز...... ہاہاہا......!!''

''شکریہ......!!!'' میں بھی مسکرا دیا۔

''اب اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سرپرائز تمہیں جلد ہی ملنے والا ہے، تو تم کیا کرو گے؟'' چچا نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

عین اسی وقت کنور صاحب کی بہن نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھ کر گھمائی اور چچا کی طرف اشارہ کیا۔

ان کا اشارہ سمجھ کر میں نے سر ہلا دیا تھا...... میں نے چچا کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا:

''صبر کے علاوہ اور کیا کر سکوں گا......!!''

''خوب...... بہت خوب......'' انہوں نے سر ہلایا: ''تمہارا جواب مجھے بہت پسند آیا......!!''

''چلیں بھئی اب......!!'' دفعتاً کنور صاحب کی بہن اٹھ کھڑی ہوئیں: ''نیند آ رہی ہے، اب سونا چاہئے......!!''

''بالکل بالکل......!!'' چچا نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی: ''کوئی چیز بڑی دیر سے مجھے تنگ کر رہی تھی۔ تم نے یاد دلایا تو پتا چلا کہ وہ نیند ہی تھی۔ اچھا جوان......!! کل پھر ملاقات ہو گی......!!''

کنور صاحب کی بہن کا شوہر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور پھر تینوں یکے بعد دیگرے وہاں سے رخصت ہو گئے......!!

اب میں لان میں تنہا تھا......!! میرا خیال تھا کہ یہاں سارے سنکی ہی اکٹھے ہو گئے تھے...... اور کنور صاحب کا چچا ان سب کا سردار تھا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ نازش کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی:

''تم یہاں بیٹھے ہو......؟ میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ آؤ...... میں تمہیں تہہ خانہ دکھاؤں......!!! آؤ......!!!''

☆......☆......☆

میں نے گردن گھما کر دیکھا، وہ سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی، اور اس وقت اس کے ہونٹوں پر کافی دوستانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''تمہیں بھی بھگتوں گا۔'' میں زیر لب بڑبڑایا۔

''کیا......؟؟ تم نے مجھ سے کچھ کہا؟'' وہ چونک کر بولی۔

''نہیں...... اپنے آپ سے......!!''

''ہوں...... تو تم پاگل بھی ہو، جو خود سے باتیں کرتے ہو......!!''

''تھا تو نہیں۔'' میں نے طویل سانس لی: ''لیکن لگتا ہے کہ جلد ہی پاگل ضرور ہو جاؤں گا۔''

''بعد میں ہوتے رہنا۔'' اس نے لاپروائی سے ہاتھ نچایا: ''پہلے تم تہہ خانہ دیکھ لو...... میں اپنا وعدہ پورا کرنے آئی ہوں......!!''

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

"چلو پھر......!!" میں اٹھتے ہوئے بولا: "اپنا وعدہ پورا کرو......دکھادو مجھے وہ تہہ خانہ بھی۔"

"کیا بات ہے؟" اس نے مجھے گھورا: "بیزار کیوں ہورہے ہو؟"

"نہیں میں خوش ہوں اور مجھے خوشی کا اظہار کرنے کا طریقہ نہیں آیا......!!"

"میں سکھادوں گی۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی: "تم فکر مت کرو......!!"

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اندرونی حصے کی طرف آ گیا...... وہ راستے بھر خاموش رہی تھی۔ پھر اس نے ایک چھوٹے سے اسٹور کا دروازہ کھولا اور بولی:

"اندر آ جاؤ......!!"

کوٹھی کا یہ حصہ بالکل سنسان پڑا تھا، میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کسی کو نہ پاکر خود بھی جھپاک سے اسٹور میں داخل ہوگیا۔

اندر کافی روشنی تھی، میں نے دیکھا کہ اسٹور میں کافی پرانا اور ٹوٹا پھوٹا سامان پڑا ہوا تھا......!! اگر اس سامان کو کاٹھ کباڑ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

نازش نے دروازہ بند کردیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی:

"فکر مت کرو...... میرے ارادے اتنے برے نہیں ہیں، دراصل اس تہہ خانے کا راستہ ادھر سے نکلتا ہے......!!"

"اوہ...... اچھا......!!" میں چونک کر بولا......!!

وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھی اور پھر اس نے نہ جانے کیا کیا تھا کہ سامنے والی دیوار میں ایک خلا نمودار ہوگیا۔

میں نے دیکھا، سامنے ہی سیڑھیاں نیچے اترتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

میں نے دم سادھ لیا تھا۔

مجھے گم صم دیکھ کر وہ فوراً ہی میری طرف گھومی اور میرا بازو ہلا کر بولی:

"تم کہاں گم ہوگئے......؟ کیا ہوا......؟"

"کک...... کچھ نہیں......!!"

"تو پھر آؤ......!!" اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا: "دیر مت کرو...... تمہیں معلوم ہے کہ ڈیڈی کی آج رات ہی واپسی ہورہی ہے؟"

"نہیں......!!" میرے منہ سے نکلا۔

"چلو تو پھر اب سن لو......!!! وہ آج ہی واپس آرہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتی ہوں، پھر مہلت ملے نہ ملے۔ آؤ...... جلدی کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ نازل ہوجائیں......!!"

میں نے سوچے سمجھے بغیر سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا، اس کام میں نازش میرے شانہ بشانہ تھی، اور کافی عجلت سے ان زینوں کو پھلانگ لینا چاہتی تھی، مجھے ان زینوں سے آگے اندھیرا گھپ دکھائی دے رہا تھا۔

اور پھر جیسے ہی ہم دونوں نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا...... وہاں روشنی کی بوچھاڑ سی ہوگئی...... یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں کا اندھیرا مجھ سے ڈر کر بھاگ گیا ہو......

یہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ چند لمحوں کے لئے آنکھوں میں ٹیسیں سی اٹھتی محسوس ہورہی تھیں، اس کے ساتھ ہی "شرک" کی آواز گونجی اور تہہ خانے کا دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔

میں نے بے ساختہ گھوم کر دیکھا تھا اور پھر نازش کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیا تم ڈر رہے ہو؟" وہ مسکرائی۔

"نہیں......!!" میں بے ساختہ بولا۔ "ایسا تو کچھ نہیں ہے۔"

"جھوٹے......!!" اس نے آہستہ سے میرے گال پر ایک چپت رسید کردی۔

ہم نے فرش پر قدم رکھ دیا، یہ ایک ہال نما کمرا تھا...... جس میں ایک قد آدم کالے رنگ کا بت رکھا ہوا تھا......!! یہ ہو بہو وہی تھا، جسے میں شیطان کی شبیہ سمجھا تھا......!!

اور اس وقت شیطان کی یہ خیالی تصویر بہت ہی بھیانک لگ رہی تھی...... میں نے دیکھا کہ ایک جانب

لوہے کا بنا ہوا بڑا سا تخت موجود تھا، جس کے اوپر سنہرے رنگ کی ایک لمبی سی تلوار رکھی ہوئی تھی۔

اسی ہال میں دو کرسیاں بھی آمنے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ میں حیرت زدہ انداز میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

پھر اس خاموشی کو نازش نے ہی توڑا تھا:

"دیکھا تم نے...... یہ سب کچھ...... یہاں آنے کے بعد لگتا ہے کہ کسی دوسری ہی دنیا میں آ گئے ہیں......!!"

"واقعی......!!" میرے منہ سے نکلا۔

پھر میرے قدم شیطان کے مجسمے کی طرف بڑھنے لگے۔ اب اس بات میں کسی بھی قسم کا شک نہیں رہا تھا کہ کنور شہر یار واقعی شیطان کا خاص پجاری ہے......

"تو یہ ہے وہ بت...... جس کی تصویر تم نے بنائی تھی......!!" میں نے ذرا محتاط انداز میں نازش سے پوچھا۔

"ہاں......!!" وہ بولی: "اور اسی کی وجہ سے مجھے ڈیڈی سے شدید نفرت ہے......!! جب ہی میں انہیں قتل کردینا چاہتی ہوں......!!"

اس بات پر میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا:

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں شکیل......!!" اس کی آواز میں بلا کا درد تھا: "یہاں ہر سال ایک انسانی جان کو اس پتھر کے بت کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے......!! یعنی ہر سال اخبار میں ایک خوب صورت سا اشتہار دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی نہیں ہوتا، تاکہ اس کے متعلق کسی قسم کی باز پرس نہ ہو...... اور پھر اس کے خون سے یہاں ہولی کھیلی جاتی ہے......!!"

اس کی باتیں، سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے......

"کیا واقعی......؟"

"یہ حقیقت ہے شکیل......!!" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی: "اب تم ایک بات پر غور کرو...... خود ہی جان لو گے کہ ڈیڈی کا اس سال کا شکار کون ہوگا۔"

"کس بات پر غور کروں......؟" میں نے پوچھا۔

وہ اداس انداز میں مسکرائی اور بولی:

"کیا تمہارا اس دنیا میں کوئی ہے؟"

"نہیں......!!" میرے منہ سے نکلا: "میرے تمام عزیز اور رشتے دار اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔"

"بس پھر...... خود ہی اندازہ لگالو کہ ان کا اس سال کا شکار کون ہوگا......!!"

وہ زور سے ہنسی۔

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے...... نہ جانے نازش کی اس ہنسی میں کیا چھپا ہوا تھا کہ اس نے اس ہولناک جملے کو مزید پراثر بنادیا تھا:

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اب مجھے اس شیطان کے بھینٹ چڑھادیا جائے گا؟"

"ہاں...... بالکل......!!" وہ مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

پھر وہ آگے بڑھ کر دھم سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولی:

"تم بھی بیٹھ جاؤ......!! اور کوئی حل سوچو......!!"

میں اس کے سامنے رکھی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ نازش کافی غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

ابھی میں نے کرسی کے ہتھوں پر دونوں ہاتھوں کو ٹکایا ہی تھا کہ اچانک ہی کرسی کے کونوں سے لوہے کی راڈیں نمودار ہوئیں اور میرے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ساتھ سینہ اور پیٹ کا اوپری حصہ ان راڈوں میں جکڑ کر رہ گیا...... گویا ان لوہے کی پتریوں نے گولائی کی شکل خود بہ خود اختیار کرلی تھی۔

میں بری طرح اس کرسی سے جکڑ چکا تھا......!!

میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ میں نے بے ساختہ نازش کی طرف دیکھا، جس کے چہرے کے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

تاثرات بالکل ہی بدل چکے تھے۔

وہ ایک جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھوں میں سفاکی تھی اور ہونٹوں پر عجیب سی مضحکہ خیز مسکراہٹ نے اس کے حسین چہرے کو بھیانک بنادیا تھا۔

"ہاں بے وقوف انسان......!!" وہ بلند آواز میں بولی: "یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ تمہیں یہاں لایا جاسکے......"

پھر وہ رک کر زہریلے انداز میں ہنسی اور بولی: "ہر سال یہی کہانی دہرائی جاتی ہے۔ کسی تنہا انسان کو یہاں نوکری پر رکھا جاتا ہے، اسے اعتماد میں لیا جاتا ہے...... میں اس پر اپنے حسن کے ڈورے ڈالتی ہوں...... ڈیڈی کی دشمن بن جاتی ہوں اور پھر اپنے شکار کو اس تہہ خانے میں کھینچ لاتی ہوں......!! جیسے کہ تم......!!!"

"اوہ......!! تو وہ سب کچھ ڈرامہ تھا......؟" میں دانت پیس کر بولا۔

"ہاں...... اور یہ ڈرامہ اسی وقت سے شروع ہوا تھا، جب تم نے یہاں قدم رکھا تھا......!! اس گھر کا ایک ایک فرد عظیم شیطان کو ماننے والا ہے...... جو دنیا بھر میں دنگا فساد اور قتل و غارت کا متمنی ہے...... ہر قسم کی برائی پھیلانے میں ہم جیسے لوگ اس کے ساتھ ہیں......!! تاکہ رہتی دنیا تک اس کا مشن جاری رہے......!!"

"یہ تم لوگوں کی بھول ہے......!!" میں منہ بنا کر بولا: "حق اور باطل کی جنگ میں جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے...... اور اب بھی ایسا ہی ہوگا۔"

یہ سن کر نازش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولی: "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ آزادی حاصل کرلو گے؟"

"میں یہ نہیں کہہ سکتا...... البتہ کوئی شخص ایسا ضرور آئے گا، جو تم لوگوں کے اس بھیانک اور خونی کھیل کو نیست و نابود کردے گا......!! کسی نہ کسی بے گناہ کا خون ضرور رنگ لائے گا اور تم لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگے......!!"

"یہ کبھی نہیں ہوگا۔" وہ پرغرور لہجے میں بولی: "عظیم شیطان کا سایہ ہمارے سر پر ہے، جو ہمیں کوئی آنچ بھی نہیں آنے دے گا۔"

"تم آنچ کی بات کررہی ہو بے وقوف لڑکی......!!" میں مسکرایا: "تم جس کو اپنا آقا مان رہی ہو، وہ تمہیں جہنم کی آگ میں لے جائے گا...... جس میں سوائے دکھ اور تکلیف کے اور کچھ نہ ہوگا......!! وہ خود تو اسی جہنم کا حق دار ہے، لیکن وہ انسانوں کو بہکا کر انہیں بھی وہی راستہ دکھا رہا ہے۔"

"بکواس مت کرو......!!" وہ بھڑک اٹھی: "اگر اب کوئی بات کی تو تمہاری زبان کھینچ لوں گی......!!"

"کاش تم اس بات کو سمجھ سکو......!!" میرے لہجے میں دکھ تھا: "میں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔"

"مجھے چھوڑو اور تم صرف اپنی فکر کرو......!!" وہ بولی: "کیونکہ اس وقت رات کے دس بج رہے ہیں...... اور ٹھیک رت کے دو بجے تمہیں اس قربان گاہ میں ذبح کردیا جائے گا......!! میں جارہی ہوں، کیونکہ ڈیڈی بھی آنے والے ہوں گے......!! ان کے ساتھ کچھ اور مہمان بھی ہوں گے......!! تمہاری موت کے بعد یہاں ہلکا پھلکا سا جشن بھی منایا جائے گا، جو علی الصبح تک جاری رہے گا......!!! اب تمہارے پاس اپنی عمر کے چار گھنٹے موجود ہیں، انہیں جس طرح زندگی کے پورے گزار سکتے ہو...... بھی گزارنا چاہو، تم میں جارہی ہوں......!!!"

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

نازش جاچکی تھی، اور اب اس ہال نما کمرے میں واقعی موت کا سا سناٹا طاری تھا......!!

میں اس صورت حال کی سنگینی میں اب تک جکڑا ہوا تھا، اور یہ سنگینی میرے لئے اس وقت اس کرسی سے بھی زیادہ پریشان کن تھی۔

جبران نے بھی مجھے یہاں بھیجا تھا، لیکن اسے بھی شاید یہ امید نہ ہوگی کہ یہاں اس قسم کا کھیل بھی کھیلا جاتا ہوگا......!!!

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ آج یہاں بھینٹ چڑھانے کی رسم ادا کی جانے والی تھی اور میں اس سال کا شکار تھا......!!!

اب تک ان سفاک ظالموں نے یہاں نہ جانے کتنی انسانی جانوں کو شیطان کی بھینٹ چڑھایا ہوگا......!! مجھے جھرجھری سی آگئی۔

وقت بہت کم تھا، اور اسی اثناء میں مجھے بہت کچھ کرنا تھا، چنانچہ میں نے ایک نظر جکڑی ہوئی راڈوں پر ڈالی۔

یہ لوہے کی مضبوط راڈیں تھیں اور میں گوشت پوست کا بنا ہوا ایک انسان تھا...... اگر اس لمحے...... میری طاقت میرے کام نہ آئی تو...... کیا ہوگا......؟؟ کیا میرے بعد اس قسم کا کھیل یہاں ہمیشہ کھیلا جاتا رہے گا......؟ کیا کئی اور بے گناہوں کے خون کے سمندر سے یہ بت ہمیشہ نہاتا رہے گا......؟ نہیں...... میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا...... کبھی نہیں......!!!

میں نے اپنی قوت ارادی کا للکارا اور پورا زور اپنی کلائیوں پر صرف کردیا۔ اس کوشش میں، میں نے محسوس کیا کہ میرا چہرہ تن کر سرخ ہونے لگا تھا، کیونکہ میں صاف طور پر خون کی گرماہٹ کو جانچ رہا تھا......!!!

میرے ہاتھوں کی نسیں پھولنے لگیں، اور میں پسینے میں شرابور ہوگیا...... عین اسی وقت "کڑک" کی کئی آوازیں ابھریں اور میرے دونوں ہاتھوں کی کڑیاں ٹوٹ گئیں......!!

میرے ہاتھ آزاد ہوچکے تھے......!! اب صرف میرا دھڑ ہی اس کرسی کی قید میں تھا......!!

چنانچہ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے پر لگی ہوئی لوہے کی اس راڈ کو ٹٹولا، جلد ہی مجھے اس کا جوڑ مل گیا، جو باآسانی کھل سکتا تھا......!! میں نے ایک طویل سانس لے کر اس کے جوڑ کو کھول اور جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا......

میں اس شکنجے نما کرسی کا بھی جائزہ لینا چاہتا تھا، لیکن میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ چنانچہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے میں نے باہر نکلنے کے امکانات پر غور کرنا شروع کردیا۔

تہہ خانے والے راستے سے نکلنا تو سراسر حماقت تھی، کیونکہ وہاں سے نکلنے کی صورت میں سارا کھیل بگڑ جاتا...... اور جو کچھ میں نے سوچا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ سکتا تھا......!!

چنانچہ میں نے ہال کا جائزہ لینا شروع کردیا، جلد ہی میری کوشش رنگ لے آئی اور دیوار کے کونے میں مجھے ایک دروازہ دکھائی دے گیا، جس کے منہ پر ایک بڑا سا تالہ پڑا ہوا تھا۔

میں اس کی طرف جھپٹا، تالہ کافی بڑا اور مضبوط تھا...... اسی اثناء میں مجھے تلوار کا خیال آیا، جو لوہے کے تخت پر رکھی ہوئی تھی......!!

میں نے جلدی سے اس کی طرف قدم بڑھائے، یہ تلوار کافی پرانی تھی اور بے حد وزنی بھی...... چنانچہ جب میں نے بھرپور انداز میں اٹھا کر اسے تالے پر مارا تو وہ پہلی ضرب میں ہی ٹوٹ کر نیچے آگرا۔

میں نے تلوار ایک طرف رکھی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ عین اسی وقت یخ بستہ ہوا کے جھونکے نے میرا استقبال کیا تھا......!! جو اوپر کی طرف سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

میں نے قدم آگے بڑھادیئے...... چاروں طرف اندھیرے کا راج تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں جہاں چل رہا تھا، وہ حصہ کسی پہاڑ کی طرح اوپر کی جانب اٹھتا جارہا تھا......!!

اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے کافی دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں اب کھلی فضا میں آگیا ہوں......!!

چاند کی روشنی پوری طرح پھیلی ہوئی تھی...... یہاں چاروں طرف اونچے اونچے درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

یہ شاید کنور صاحب کے گھر کا پچھلا حصہ تھا، جو کہ غیر آباد اور ویران تھا، اور اسی گھر کے تہہ خانے کا راستہ اس جانب آنکلا تھا......!!!

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

چنانچہ میں گھوم کر دوسری طرف چلنے لگا، اور پھر میرا اندازہ درست نکلا..... جلد ہی مجھے مکانوں کی قطاریں دکھائی دینے لگیں.....!!

ابھی میں روڈ کی طرف پہنچا ہی تھا کہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں.....!! میں نے فوراً ہی اسے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

اتفاق سے یہ ایک خالی ٹیکسی تھی.....!! ٹیکسی ڈرائیور نے فوراً ہی اسے میرے قریب روک دیا۔

پھر اس نے ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکالتے ہوئے پوچھا:

"کہاں جانا ہے.....؟"

"شاداب نگر.....!!" میں کچھ سوچ کر بولا۔

اس نے چند لمحے میرا جائزہ لیا اور پھر بولا:

"بیٹھ جاؤ....."

میں نے فوراً ہی دروازہ کھولا اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ ڈرائیور بیک مرر سے مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے چند طویل سانس لئے اور پھر ڈرائیور سے پوچھا:

"کیا ٹائم ہوا ہے؟"

ڈرائیور نے ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھائی اور پھر بولا:

"گیارہ بج چکے ہیں.....!!"

"اوہ.....!!" میرے منہ سے نکلا۔

"کیوں..... کیا ہوا.....؟" اس نے پلٹ کر غور سے میری طرف دیکھا۔

"اسے چھوڑو.....!!" میں نے کندھے جھٹکے: "تم یہ بتاؤ کہ کتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر سکتے ہو؟"

"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ.....!!" وہ مسکرایا۔

"خوب.....!!" میں نے سر ہلایا: "تو پھر جلدی سے اپنا یہ ہنر دکھا دو..... میرے پاس وقت بہت کم ہے.....!!"

اور پھر واقعی دبلے پتلے سے اس ٹیکسی ڈرائیور نے بڑی شاقی کا مظاہرہ کیا تھا، گو کہ ابھی اتنی رات نہیں ہوئی تھی اور سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ اس کے باوجود ٹیکسی طوفانی رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔

جبران کا گھر شاداب نگر میں ہی تھا۔ جلد ہی میں اس کے گھر کے سامنے موجود تھا۔

میں نے اس ٹیکسی والے کو رخصت کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا، اس لئے میں نے اسے بھی روکے رکھا.....!!

جبران گھر پر ہی موجود تھا۔ چنانچہ اس سے ملتے ہی میں نے مختصراً اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔

وہ فوراً ہی بولا:

"اب تم کیا چاہتے ہو.....؟"

"ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے.....!!" میں نے جواب دیا۔ "اور جو کچھ میں چاہتا ہوں، اس کا انتظام آرام سے ہو سکتا ہے.....!!"

"کیا کنور صاحب کے گھر پر چھاپہ مارنا ہے؟"

"ہاں.....!!" میں مسکرایا: "لیکن اسے پوری طرح شکنجے میں جکڑنے کے بعد یہ کام ہونا چاہئے.....!!"

"کیا مطلب.....!!" جبران نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں.....!!" یہ کہہ کر میں نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

وہ چپ چاپ سن رہا تھا۔ پھر بولا۔

"ٹھیک ہے..... تم پہنچو، میں آ رہا ہوں.....!!"

"ٹھیک ہے..... میں اسی ٹیکسی میں واپس جا رہا ہوں.....!!"

☆.....☆.....☆

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں..... تہہ خانے کا اوپری حصے والا دروازہ کھل گیا تھا.....!!

میں اسی حالت میں ایک بار پھر کرسی پر موجود تھا..... جن کڑیوں کو میں نے اپنی اضافی قوت سے توڑا

تھا، وہ ایک بار پھر میرے ہاتھوں میں گڑی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

زینے پر قدموں کی چاپیں ابھرنے لگی تھیں، میں نے اسی کرسی سے اپنا سر ٹکا لیا تھا، اور نیم وا آنکھوں سے اسی جانب متوجہ تھا۔

نہ جانے کیوں اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں بے ربط سی ہو گئی تھیں..... مجھے وہ وقت یاد آ گیا، جب میں قبرستان میں چلہ کھینچ رہا تھا۔ اس وقت کئی ہولناک واقعات میرے ساتھ پیش آئے تھے، لیکن تب بھی دل کی دھڑکنوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا..... لیکن اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا دل پسلیاں توڑ کر کسی بھی وقت باہر نکل آئے گا۔

میں نے خود کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی.....

اسی اثناء میں کئی لوگ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان میں کنور شہریار اور نازش سب سے نمایاں تھے۔

اوہ..... کنور صاحب کے چچا بھی تھے اور اس کی بہن کے ساتھ لگ کر چلنے والا اس کا شوہر بھی شامل تھا۔ گویا اس گھر رہنے والے کنور صاحب کے رشتے دار بھی اسی گروپ سے تعلق رکھتے تھے.....!!

چند چہرے مجھے ایسے بھی دکھائی دیئے، جنہیں میں جانتا نہیں تھا، یہ شاید کنور صاحب کے دوست تھے.....!!

یہ لوگ آپس میں خوش گپیاں کرتے ہوئے، اب مجھ سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

پھر نازش کی آواز ابھری:

"بے چارہ سو گیا ہے شاید.....!!!"

"کیا تمہیں اس کی موت کا افسوس ہوگا نازش.....؟"

"ہرگز نہیں.....!!" وہ فوراً بولی: "عظیم شیطان پر ایسے ہزاروں نوجوان قربان ہوں.....!! میں بھلا کیوں افسوس کروں گی.....!!"

"شاباش.....!!" کنور کی آواز ابھری: "یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی..... مجھے یقین ہے کہ عظیم شیطان اس طرح خوش ہوگا اور ہم پر اپنی عنایتوں کی بارش کر دے گا..... جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے.....!!!"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے.....!!" کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔

"یہ شاید بے ہوش ہے۔" کنور صاحب کی آواز پھر ابھری: "لہٰذا اس کی کڑیاں کھول دو.....!! پھر اسے اٹھا کر تخت پر ڈال دیا جائے گا، کیونکہ اسے عظیم شیطان کی خدمت میں پیش کرنے کا وقت ہوا چاہتا ہے.....!!

"ٹھیک ہے..... نازش..... ذرا جلدی کرو.....!!" میں نے صاف پہچانا تھا، یہ آواز کنور صاحب کے چچا کی تھی.....!!

نازش میرے قریب آ گئی، اور پھر میرے ہاتھوں پر نظر پڑتے ہی وہ حیرت کے مارے جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی.....

"کیا ہوا نازش؟" کنور نے بھی حیرانگی سے پوچھا تھا۔

"یہ..... یہ تو.....!!" وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔

"ارے بتاؤ بھئی..... کیا ہوا؟"

"اس کی کڑیاں کھلی ہوئی ہیں۔" نازش نے جواب دیا۔

"اوہ..... اچھا.....!!" کنور بولا: "ہو سکتا ہے کہ اس آٹومیٹک چیئر میں کوئی خرابی ہو گئی ہو..... بہرحال یہ خود تو بے ہوش ہے..... چلو..... اسے اٹھا کر تخت کی طرف لے چلو.....!!"

اور پھر کئی ہاتھ میری طرف بڑھے تھے..... جلد ہی مجھے ڈنڈا ڈولی کے انداز میں اٹھا کر تخت پر ڈال دیا گیا.....

اس کے بعد کنور صاحب کی آواز ہال میں گونجی:

"خون کی یہ بھینٹ ہمیں اور بھی مضبوط کر دے گی.....!!"

پھر یہ سب کے سب اس بت کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے..... تھوڑی دیر کے بعد کنور صاحب

Digitized by Google

کی آواز پھر سنائی دی:

"آج پھر ہم لوگ ایک جگہ جمع ہو کر عظیم شیطان کو خراج دے رہے ہیں..... ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ اس کے بدلے میں ہمارا آقا ہمیں خوشیوں کے خزانے عطا کرے گا.....!! اور ہر قدم پر ہمارا مددگار ثابت ہوگا۔"

"کنور صاحب.....!! وقت ہو رہا ہے.....!!" آہستہ سے کسی نے کہا تھا۔

"ہاں..... ہاں..... چلو.....!! تم تلوار اٹھاؤ.....!!"

میں نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ کچھ افراد تخت کی طرف بڑھے تھے، ان میں نازش بھی شامل تھی۔ پھر کسی کی آواز ابھری:

"ارے..... تلوار کہاں گئی.....!!"

نازش اس وقت میرے سامنے ہی موجود تھی، اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے، وہ پاگلوں کی طرح تخت کو ٹٹولنے لگی:

"تلوار یہیں رکھی تھی.....!! میں تو خود دیکھ کر گئی ہوں.....!!"

"پھر کہاں گئی.....؟" کنور صاحب کی آواز ابھری۔

"تلوار ہمارے پاس ہے.....!!" دفعتاً ایک نئی آواز نے ماحول کو یکسر بدل ڈالا: "اور اس کے ساتھ ساتھ تم لوگ کئی رائفلوں کی زد میں ہو....."

کنور صاحب سمیت سب ہی بری طرح اچھل پڑے..... میں نے دیکھا کہ جبران سامنے آ چکا تھا اور تخت کے نیچے چھپے ہوئے اس کے کئی اور ساتھی بھی رائفلیں تان کر سامنے آ گئے تھے۔

انہیں دیکھ کر میں بھی اٹھ کھڑا ہوا، مجھے صحیح سلامت اور تروتازہ دیکھ کر نازش کی حالت غیر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

خود کنور صاحب اور ان کے رشتے داروں کے علاوہ دوستوں کے چہروں کی ہوائیاں بھی اڑی ہوئی تھیں۔

"کنور شہریار.....!!" جبران دہاڑا: "تمہارا یہ خونی کھیل اپنے انجام سے دو چار ہو گیا..... اگر شکیل یہاں نہ آتا تو نہ جانے کتنے بے گناہ اور معصوم لوگ مزید تمہاری بھینٹ چڑھ جاتے..... اوہ.....!! انسان بھی کیسا درندہ ہے.....!!!"

جبران کے ماتحت بالکل چوکنا اور مستعد تھے، پھر جبران نے تہہ خانے کے دوسرے دروازے کی طرف رخ کیا اور مخصوص انداز میں سیٹی بجائی.....!!

فوراً ہی کئی اور پولیس کے اہلکار اندر داخل ہوئے، ان کے ساتھ ساتھ چند سادہ لباس میں ملبوس باوقار شخصیات بھی دکھائی دیں۔

میرا اندازہ تھا کہ یہ جبران کے اعلیٰ افسران تھے..... جبران فوراً ہی ان لوگوں کی طرف بڑھا:

"سر.....!! یہ لوگ رنگے ہاتھوں ہماری گرفت میں ہیں.....!! ان لوگوں کی ساری گفتگو بھی ریکارڈ کر لی گئی ہے.....!!"

"بہت خوب جبران.....!!" ایک افسر نے تعریف کی! "تم نے ایک بھیانک حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے..... جو یقیناً قابل تحسین ہے۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا سر.....!!!" جبران نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا: "یہ سب کچھ اس مرد مجاہد کی کاوش کا نتیجہ ہے.....!!"

افسران اب سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے، جبران فوراً بولا:

"اس معاملے سے نمٹنے کے بعد فرصت ملتے ہی میں شکیل کو آپ سے ملانے کے لئے لے کر آؤں گا.....!!!"

"ٹھیک ہے.....!!" وہ افسر باوقار انداز میں بولا: "میں انتظار کروں گا.....!!"

پھر وہی افسر بلند آواز میں بولا:

"لے چلو ان وحشیوں کو..... اور ڈال دو جیل کی کوٹھریوں میں..... یہ وہاں چکی پیستے ہوئے شیطان کو یاد کریں گے.....!! بھروان سب کو گاڑیوں میں.....!!!"

اور پھر اس قدر شور شرابا ہوا تھا کہ محلے والے بھی جاگ اٹھے تھے..... سب نے ہی کنور صاحب اور ان کے رشتے داروں کا تماشہ دیکھا تھا.....!! کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی رات گئے ان لوگوں پر کیا افتاد پڑی ہے۔ بہرحال رات کے اس پہر گویا اس گلی میں دن کا سماں رونما ہو گیا تھا.....!!

عمارت کے اصل گیٹ سے اندر داخل ہو کر جبران کے ساتھیوں نے نوکروں کو بھی حراست میں لے لیا تھا.....!!

تہہ خانے والے حصے سے باہر آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ جبران میری سوچ سے بھی زیادہ منظم طریقے سے آیا تھا.....!! سڑک پر بے تحاشہ پولیس کی گاڑیاں موجود تھیں.....!!

کچھ ہی دیر میں اخبار اور دوسرے شعبوں سے وابستہ لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے کیمروں کی روشنیاں آنکھوں کو چکا چوند کرنے لگیں۔

اس ہنگامے کو فرو ہونے میں صبح نمودار ہونے لگی.....!! سارے مجرموں کو جیل کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا.....!!!

ابھی وہاں کارروائی مکمل نہیں ہوئی تھی..... کیونکہ آنے والوں کا اب بھی تانتا بندھا ہوا تھا۔

ایسے میں جبران نے اپنے افسران سے کچھ دیر کی مہلت مانگی اور مجھے ساتھ لے کر وہاں سے نکل آیا۔

جلد ہی ہم ایک جیپ میں اڑے جا رہے تھے.....!! راستے میں جبران نے مجھے خاموش دیکھ کر پوچھا:

"کیا ہوا.....؟ اس لڑکی سے تمہارا کوئی چکر تھا کیا؟"

"ارے توبہ کریں جناب.....!!" میرے منہ سے نکلا: "میں کیوں اس چڑیل سے کوئی چکر چلاؤں گا.....؟"

"اوہ.....!!" وہ ہنسا: "اب وہ جیل چلی گئی تو چڑیل ہو گئی.....!! واہ خواب پینترا بدلا تم نے..... خیر..... یہ تو مذاق تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ تم نے آج پھر ایک زبردست کارنامہ انجام دیا ہے.....!!! اور اب میں ایک فیصلہ کر چکا ہوں.....!!"

"کیسا فیصلہ.....؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں اپنے افسران کے سامنے کروں گا.....!! میں اب چاہتا ہوں کہ تم باقاعدہ طور پر اس ملک کے مجرموں اور بدمعاشوں کے سامنے ڈٹ جاؤ.....!! اس ضمن میں تمہیں ہر طرح سے سہولت دی جائے گی.....!! اور تم ہماری فورس میں شامل ہو جاؤ گے.....!!!"

"لیکن میں اسے منظور نہیں کروں گا۔" میں فوراً بولا۔

"کیوں بھئی.....؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی: "تمہیں بہت سی مراعات دی جائیں گی..... اور تم اپنی غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کر کے ان لوگوں کے سامنے ڈٹ جاؤ گے، جو ہمارے ملک میں دہشت اور بدامنی پھیلا رہے ہیں۔"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں.....!!" میں نے جواب دیا۔

"ہوں..... اور سمجھ کر بھی رد کر رہے ہو.....؟" اس نے مجھے گھورا۔

پھر بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا: جبران نے گاڑی کو بریک لگا دیئے۔

میں نے دیکھا، جبران کا گھر سامنے تھا، باتوں باتوں میں راستہ اس طرح کٹا تھا کہ پتا ہی نہیں چلا کہ سفر ختم ہو گیا۔

وہ مجھے گھر میں لے آیا تھا۔ ایک کمرے میں مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ دوسری طرف نکل گیا۔

لیکن یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ جبران کی واپسی ہوئی تو اسی کے عقب میں ایک ملازم بھی ناشتے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوا۔

"بات دراصل یہ تھی کہ اب بھوک کے مارے برا حال تھا۔" جبران مسکرایا: "اور میری خاص عادت ہے کہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

میں اپنے گھر کے علاوہ اور کہیں پر کھانا پسند نہیں کرتا.....!! یہی وجہ ہے کہ میں تقریبوں میں بھی شرکت نہیں کرتا اور لوگ مجھے مغرور اور بد دماغ تصور کرتے ہیں.....!! "چلو اب تم بھی میرے ساتھ شروع ہوجاؤ.....!!"

ناشتہ میز پر لگا دیا گیا تھا..... ویسے جبران کے ٹھاٹ قابل رشک تھے.....!!

ناشتے کے دوران اس نے پھر سے مجھے کریدا:

"ہاں.....اب بتاؤ.....!! تم کیوں ترقی کرنے کے بجائے پیچھے ہٹنے کا منصوبہ بنا رہے ہو؟"

"آپ نے میرے لئے جو کچھ سوچا ہے، وہ ہرگز برا نہیں ہے..... لیکن میں اگر ابھی سے باقاعدہ طور پر اس میدان میں اتر گیا، تو پھر میری آزادی ختم ہوجائے گی اور میں پابند ہو کر رہ جاؤں گا..... جبکہ ابھی مجھے اپنی زندگی کا مقصد بھی پورا کرنا ہے.....!!"

"کیا مطلب.....؟" کیا مقصد.....؟"

"میرا ایک دیرینہ دشمن ہے....." میں مسکرا دیا:

"مجھے اس سے انتقام لینا ہے....."

"کیسا انتقام.....؟" وہ چونکا: "کون ہے وہ دشمن.....؟"

"کاش میں جان سکا ہوتا کہ وہ کون ہے؟" میں نے ایک طویل سانس لی: "میں اس سے ابھی تک ناواقف ہوں..... جبکہ وہ گاہے بہ گاہے میرے سامنے آتا رہتا ہے....."

"یہ کیا بات ہوئی.....؟" جبران نے حیرت سے میری شکل دیکھی۔

"جس طرح ہم اپنی زندگی تو گزار رہے ہوتے ہیں۔ لیکن آنے والے پل کی بھی ہمیں خبر نہیں ہوتی..... بس..... میرا وہ دشمن بھی اسی پل کی طرح ہے، جو ابھی گزرا نہ ہو..... بلکہ گزرنے والا ہو..... میں اسی آنے والے پل میں زندہ رہ کر اس سے اپنی گزری ہوئی زندگی کا حساب لینا چاہتا ہوں.....!! اس کے بعد ہی میں کوئی اور قدم اٹھاؤں گا.....!!

"ہوں.....!!" جبران نے سر ہلایا: "تم شاید بہتر سمجھ سکتے ہو، مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں میری ضرورت ہے.....؟"

"کیا آپ میری راہنمائی کر سکیں گے؟" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تھا: "مجھے وادی طلسم کا سفر طے کرنا ہے.....!!"

"وادی طلسم.....!!" وہ زیر لب بڑبڑایا: "یہ کون سی جگہ ہے؟ میں نے تو نام ہی پہلی بار سنا ہے.....!!"

"میں بھی نہیں جانتا.....!! لیکن میرا دشمن وہیں رہتا ہے.....!!"

"ٹھہرو..... !! مجھے سوچنے دو.....!!" جبران نے کہا اور پھر واقعی وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

میں غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اسی اثناء میں ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر ناشتے کے خالی برتن سمیٹ لئے۔

کافی دیر بعد جبران نے سر اٹھایا تھا:

"ایک بات میری سمجھ میں آ رہی ہے.....!!"

"وہ کیا.....؟"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہیں وہ دشمن کہاں ملا تھا؟ کیسے ٹکراؤ ہوا تھا اس سے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے.....!! جس میں یہ پہلو بھی شامل ہے کہ ایک بے گناہ شخص کو قتل کے الزام میں ملوث کر کے جیل بھجوا دیا گیا تھا.....!!"

"ہاں..... مجھے یاد ہے....." جبران نے سر ہلایا: "میں تمہارے متعلق تھوڑی سی معلومات رکھتا ہوں!! تم مجھ سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہو..... اور میں نے اپنے ایک جاننے والے پیر صاحب سے تمہارے متعلق معلومات حاصل کی تھیں.....!! انہوں نے اسی وقت مجھے بتایا تھا کہ تم کسی اوپری شے کی لپیٹ میں ہو۔"

"اچھا.....!!"

"ہاں شکیل.....!! تب ہی میں نے تمہارے لئے جدوجہد کی تھی اور پھر تمہیں جیل سے آزادی دلوائی..... گو کہ تمہارا کیس ابھی زندہ ہے، لیکن اس میں

جان اب باقی نہیں رہی.....!! وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی موت آپ ہی مر جائے گا.....!!"

"اب یہ تو بتا دیں کہ آپ نے کیا سوچا تھا.....!!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اوہ ہاں.....!!" وہ چونکا: "کیا یہ نام اسی دشمن نے بتایا تھا؟"

"جی ہاں.....!!"

"خوب.....!! اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دشمن تمہارے جذبات سے خوب اچھی طرح کھیلنا چاہتا ہے.....!!"

"میں سمجھا نہیں.....!!"

"دیکھو شکیل..... جہاں تک میری معلومات ہیں، اس کے مطابق اس نام کی کسی جگہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے..... اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو اس نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے، یا پھر وادی طلسم کو استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔"

"استعارہ.....؟"

"ہاں.....!! یہ اشارہ ہے..... اگر تمہارا دشمن کسی ایسی جگہ رہتا ہے کہ جہاں چاروں طرف حیران کن نظاروں کا وجود ہے، تو اس نے تمہیں اس جگہ کا اشارہ دیا ہے.....!! اب تمہیں ایسی جگہ تلاش کرنی ہے کہ جہاں پہنچ کر قدم قدم پر حیران کن مناظر دکھائی دیں..... اور انسانی عقل دنگ رہ جائے۔"

"لیکن میں یہ جگہ کس طرح ڈھونڈ سکوں گا؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ واقعی بہت غور طلب بات ہے کہ وادی طلسم کہاں ہو گی.....!!" جبران کے ماتھے پر سوچ کی شکنیں ابھر آئیں۔ "کیا اس نے کوئی نشانی بتائی تھی؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی اشارہ دیا تھا.....؟"

"بس یہ کہا تھا کہ وادی طلسم کی مسافت طے کرنا میرے لئے کچھ دنوں کی مسافت بھی ہو سکتی ہے اور اس میں کئی سال بھی گزر سکتے ہیں..... اور وہاں جانا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے.....!!"

"اچھا.....!!" جبران نے سر ہلایا: "خیر..... تم فکر مت کرو، میں اس سلسلے میں شاہ صاحب سے ملوں گا اور ان سے یہ بات کروں گا، ہو سکتا ہے کہ ان ہی کے ذریعے کوئی حل نکل آئے.....!!"

"ٹھیک ہے جناب.....!!" میں نے کہا: "میں اس معاملے میں بالکل اندھیرے میں ہوں، اور مجھے واقعی کسی سہارے کی ضرورت ہے۔"

"تم فکر مت کرو..... تمہارے کسی کام آ کر مجھے دلی خوشی ہو گی.....!!"

"میں آپ کی طرف سے ملنے والی کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا..... ارے ہاں۔"

دفعتاً میں چونکا: "اس شیطان والے معاملے میں کیا گھر کے افراد کے ساتھ ساتھ ملازمین بھی ملوث تھے؟"

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا.....!!" جبران نے جواب دیا: "کوئی خاص بات؟"

"بالکل.....!!" میں نے کہا: "ان ملازموں میں وسیم نامی ایک نوجوان بھی شامل ہے..... وہ کسی گوٹھ میں رہتا ہے اور اگلے ماہ اس کی شادی ہونے والی ہے.....!!"

"اچھا..... پھر.....؟"

"مجھے کم از کم اس کے بارے میں یقین ہے کہ اسے کنور صاحب کے کرتوتوں کا علم نہیں ہو گا.....!!"

"کیا اس کی وجہ اس کی شادی ہے؟"

"نہیں.....!!" میں نے جواب دیا: "دراصل وہ بے چارہ تو پہلے ہی کافی ظلم و ستم کا شکار ہے....."

"کیوں..... کیا ظلم ہوا ہے اس کے ساتھ؟"

"میں نے مختصراً اسے وسیم کی کہانی بتائی اور پھر آخر میں کہا:

"سب سے پہلے آپ اسی کا فیصلہ کریں، تاکہ وہ اپنے گوٹھ میں جا کر شادی کر سکے۔ کیونکہ میں بھی اس سے کہہ چکا ہوں کہ میں اس کی شادی میں ضرور شرکت کروں گا.....!!"

"اور اگر وہ اس جرم میں ملوث ہوا..... تو.....

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutube.com
Digitized by Google

"؟؟"

"ظاہر ہے کہ پھر اس کی شادی کے ساتھ ساتھ میرا پروگرام بھی ختم ہو جائے گا......!! دراصل میں اس گوٹھ میں حکومت کرنے والے اس خاندان کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ جو برس ہا برس سے وہاں ان داتا بنے ہوئے ہیں اور انہوں نے گوٹھ کے لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا ہے......!!"

"اوہ...... تو اب تم وہاں کا رخ کرو گے؟"

"جی ہاں......!!!"

"میں تمہیں اس سلسلے میں روکنے کی کوشش نہیں کروں گا......!! اور آج شام کو ہی وسیم نامی ملازم کے متعلق رپورٹ دے دوں گا......!!"

"ٹھیک ہے جناب...... شکریہ......!!"

"کیوں شرمندہ کر رہے ہو......!! خیر...... اس گوٹھ میں جاتے ہوئے خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا کہ تم وہاں مسلسل مجھ سے رابطے میں رہو......!! میرا مطلب ہے کہ تم ٹرانس میٹر وہاں بھی ساتھ لے کر جانا، تاکہ میں تمہارے حالات سے آگاہ رہ سکوں......!! کسی بھی پریشانی یا ممکنہ خطرے کی صورت میں تم فوری طور پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو......!!!"

جبران نے مجھے قاسم ماموں کے گھر تک ڈراپ کر دیا تھا، اور پھر وہ خود اپنے دفتر روانہ ہو گیا...... کنور صاحب کے سلسلے میں ابھی کئی معاملات باقی تھے۔

قاسم ماموں کی اب تک واپسی نہیں ہوئی تھی، اس بار وہ کچھ زیادہ ہی طویل مدت کے لئے شہر سے غائب ہوئے تھے۔

انہوں نے اب تک دوسری شادی نہیں کی تھی، اور اب میرا خیال تھا کہ وہ دنیا بھر میں گھوم پھر کر ہی اپنی باقی زندگی کے دن پورے کرنے کے موڈ میں تھے......

ان کی پہلی شادی میں بھی میری والدہ کا ہی ہاتھ تھا، لیکن اس بار وہ دنیا میں نہیں تھیں۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ اس کام کا بیڑا میں خود ہی اٹھا لوں......!!! چنانچہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر میں اس سلسلے میں قاسم ماموں سے بات کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

رحیم بابا کو میں نے کنور شہریار کے متعلق بتایا تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا......!!

میں نے لوہے کی راڈوں کے توڑنے کا واقعہ انہیں سنایا تو وہ بول اٹھے:

"خدا کی قسم......! تم واقعی بہت مضبوط ہو چکے ہو......!!!"

"تو کیا میں اب جان لیوا کا مقابلہ کر سکتا ہوں؟"

"یہ بتانا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔" وہ مسکرائے: "کیونکہ مجھے مقابل کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے......!!"

"آپ نے تو کہا تھا کہ مجھ میں جان لیوا کا ہی طلسم گردش کر رہا ہے...... کیا یہ سچ ہے؟"

"کافی حد تک......!!!"

"تو کیا میں اب بھی اسی کا محتاج ہوں؟"

"ایسی بات نہیں ہے شکیل بیٹا......!!" انہوں نے جلدی سے کہا: "لیکن دھاکہ بھی دوہرا ہو جائے تو اس میں مضبوطی آجاتی ہے......!!"

"لیکن ایسا رہا کہ کبھی کبھی گردنیں بھی اڑا دیتا ہے رحیم بابا......!!"

"ہاں...... مجھے بھی اسی وقت سے ڈر لگتا ہے......!!!" انہوں نے سر ہلایا۔

عین اسی وقت ایک ملازم نے آ کر بتایا:

"شکیل بابو......!! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے......!!"

"مجھ سے......؟" میں نے حیرت سے پوچھا: "مجھ سے بھلا کون ملنے آ گیا؟"

"وسیم بتا رہا ہے اپنا نام......!!" ملازم نے بتایا۔

"اوہ......!!" میں چونکا: "اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھاؤ...... میں آتا ہوں۔"

"کون ہے یہ وسیم......؟" رحیم بابا نے پوچھا۔

میں نے ان کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا:

"میری نئی دردسری......!!"

جلد ہی میں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا، وسیم ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا، مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا:

"جناب......!! مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ آپ ایک غیر معمولی انسان ہوں گے...... اف...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس گھر کی بنیادوں میں انسانی خون بھرا گیا ہوگا......!!! خدایا......!! میں تو لرز اٹھا تھا......!!"

"واقعی...... تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو......!!" میں نے سر ہلایا۔

وہ مجھ سے کافی مرعوب دکھائی دے رہا تھا، نہ جانے جبران نے اسے کچھ بتا کر بھیجا ہوگا...... بہرحال چند اور باتوں کے بعد اس نے بتایا:

"میں تو اب اپنے گوٹھ واپس جا رہا ہوں...... مجھے جبران صاحب نے کہا تھا کہ میں آپ سے ملتا ہوا جاؤں......!! ویسے تو ابھی تک ملازم قادر وغیرہ زیر حراست ہیں البتہ جبران صاحب نے ہلکی پھلکی سی پوچھ گچھ کے بعد مجھے باہر نکال دیا تھا......!! اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی یقیناً آپ ہی کی کارگزاری کارفرما رہی ہوگی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں آہستہ سے بولا: "اگر تم کسی جرم میں ملوث نہیں ہو گے، تو کس بات کی سزا پاؤ گے؟ میں خود بھی ایک ایسا ہی معاملہ بھگت کر بیٹھا ہوں......!!!"

پھر میں نے وسیم کے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا، اسے رخصت کرتے وقت میں نے کہا:

"تمہاری شادی کب ہے؟"

"اگلے ماہ کی دس تاریخ کو......!!"

"یعنی ابھی کافی دن باقی ہیں!!" میں نے حساب لگایا: "دراصل میں تمہاری شادی میں دوست کی حیثیت سے شریک ہونا چاہتا ہوں......!!"

وسیم کی باچھیں کھل اٹھیں!

"یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی جناب......!!!" وہ پرجوش انداز میں بولا: "اور میں اپنے آپ پر فخر محسوس کروں گا۔"

"اب مجھے بانس پر اتنا بھی مت چڑھاؤ......!!"

میں جلدی سے بولا: "بات دراصل یہ ہے کہ میں اس خاندان کا ایک جائزہ لینا چاہتا ہوں، جس نے تم لوگوں پر بے جا ظلم ڈھا رکھے ہیں......!!"

"میں تو خود بھی یہی چاہوں گا کہ ان چنگیز خانوں کو کوئی صلاح الدین ایوبی ملنا چاہئے......" وسیم نے کہا: "میں آپ کا شدت سے انتظار کروں گا......!!"

"ہاں......!! لیکن وہاں مجھے اپنا شہری دوست ہی ظاہر کرنا تاکہ کسی کو بھی کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو......!!!"

"آپ بالکل فکر نہ کریں......!!" وہ بولا۔ "میں تو آپ کی رہائش اور دیگر معاملات کا بھی پورا انتظام کر کے رکھوں گا اور اب وہاں جانے کے بعد میرا کام صرف آپ کا انتظار ہوگا...... ہاں...... صرف اور صرف آپ کا انتظار......!!!"

☆......☆......☆

فی الحال میرے پاس فرصت کی بانسری تھی، جسے میں دو دن سے بجا رہا تھا، سدو اب تک واپس نہیں لوٹا تھا...... نہ جانے کیوں وہ اسی شہر میں چپک کر رہ گیا تھا...... یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں کسی لڑکی کے ساتھ اس کا چکر چل گیا ہو......!! اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا......

میں اب شدید بوریت کا شکار تھا...... نہ جانے کیوں اندرونی طور پر مجھ میں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے اور الجھے رہنے کا جذبہ پیدا ہوتا جا رہا تھا......!!

یہ اتفاق ہی تھا کہ دوسرے دن قاسم ماموں اچانک ہی نمودار ہو گئے...... انہیں دیکھ کر میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔

کافی دیر تک انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگائے رکھا، پھر الگ ہوئے تو ہنس کر بولے:

"ارے بھئی...... ہمارا لڑکا تو اب کڑیل جوان

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

ہو چکا ہے..... کوئی لڑکی دیکھ کر بیاہ رچا دوں تمہارا؟ تاکہ یہ گھر تو آباد ہو.....!!!"

"جوان تو آپ ہیں ماموں.....!!" میں مسکرایا: "اس گھر کو آباد کرنے کے لئے آپ میں کافی دم خم ہیں..... اور میں یہی سوچ رہا ہوں کہ اب اپنی ماں کا کردار ادا کروں اور آپ کے ہاتھ پیلے کر دوں.....!!!"

"چل ہٹ شریر.....!!" انہوں نے مجھے پیار سے دھکا دیا۔

"میں سنجیدہ ہوں ماموں.....!!" میرا لہجہ واقعی سنجیدہ تھا: "اس طرح آپ کب تک دنیا بھر کی خاک چھانتے رہیں گے....."

"تو پھر کیا کروں.....؟"

"شادی.....!!" میں نے جواب دیا: "اب صرف آپ کو صرف اور صرف ایک اچھے جیون ساتھی کی ضرورت ہے..... اور بس.....!!!"

"مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔" وہ مسکرائے: "سحر کے ساتھ ہی جیون بھر کا ساتھ بھی کھو دیا ہے میں نے.....!!"

"یہ آپ کی بھول ہے ماموں.....!!" میں نے کہا: "سحر مماں پر دنیا ختم تو نہیں ہو جاتی..... اگر ان کا نام سحر تھا تو..... شام ہوتی ہے، پھر رات کا سماں ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک بار پھر سحر ہو جاتی ہے..... یہ نظام تو صدیوں سے چلا آ رہا ہے.....!!"

"کافی دانائی کی باتیں کر رہے ہو.....!!"

"وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے ماموں..... سب کچھ.....!!" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر چونک کر بولا:

"ارے ہاں.....!! میں کہہ رہا تھا کہ آپ..... شادی کر لیں.....!!"

"کس سے کروں.....؟"

"لڑکی سے.....!!" میں نے برجستہ جواب دیا: "ابھی ہمارے ملک نے اتنی ترقی نہیں کی کہ آپ کسی مرد سے شادی کر سکیں.....!!"

"ابے بے شرم.....!! کہاں سے لاؤں لڑکی؟"

"آس پڑوس میں دیکھیں..... پورا محلہ پڑا ہے..... بلکہ رکیں..... میں آج ہی لڑکی کا بندوبست کرتا ہوں.....!!"

قاسم ماموں بے چارے میری شکل ہی دیکھتے رہ گئے، میں نے ٹیلی فون اٹھایا اور جبران کے نمبر ڈائل کر دیئے.....!!

پہلی کوشش ضائع ہوئی، لیکن دوسری بار نمبر ڈائل کرنے پر جبران کی الجھی ہوئی سی آواز سنائی دی:

"جبران اسپیکنگ.....!! کون صاحب.....؟"

"میں شکیل بول رہا ہوں۔ جناب.....!!"

"اوہ شکیل.....!! تم..... بولو.....!!"

"یہ میرے ماموں کے گھر کا نمبر ہے.....!!" میں نے بتایا: "کیا آپ اس وقت مصروف ہیں؟"

"ہاں..... لیکن تمہارے لئے میں قطعی مصروف نہیں ہو سکتا..... تم نے تو مجھے ہیرو بنا کے رکھ دیا ہے..... شہر بھر میں شیطان کے پجاریوں کی گرفتاری پر میری دھوم ہو رہی ہے.....!!"

"کام بھی تو سارا آپ ہی کا ہے نا....." میں ہنسا: "اتنے کم وقت میں آپ نے جس طرح اس عمارت کو گھیرا اور تہہ خانے میں قبضہ جمایا، یہ سب اتنا آسان تو نہیں تھا.....!!"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوہے کی کڑیاں توڑ لینا آسان تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

میں صرف ہنس کر رہ گیا پھر میں نے کہا: "کیا وہ کرسی اسی مقصد کے لئے وہاں رکھی گئی تھی؟"

"بالکل.....!!" جبران کی آواز آئی: "یہ لوگ اس طرح دھوکے سے لوگوں کو یہاں لاتے تھے..... اور ہر سال ایک انسانی جان کا ضیاع ہوتا تھا..... میں نے کافی حد تک چھان بین کر لی ہے..... سال میں جب بھی ان لوگوں کو شیطان کی بھینٹ چڑھانا ہوتی تھی تو کنور صاحب کی طرف سے اخبار میں نوکری کا اشتہار لگوایا جاتا تھا، اور پھر جو ضرورت مند آتے تھے ان میں سے

وہی منتخب ہوتا تھا کہ جس کا کوئی پرسان حال نہ ہو، تاکہ اس کی بھینٹ کے بعد کوئی اس کے لئے پریشان نہ ہو اور چہار دیواری کی کہانی اس چہار دیواری میں دفن ہو جائے....."

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ نازش پوری طرح کنور صاحب کی دست راست تھی.....!!"

"ہاں.....!!" جبران بولا: "جب گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلتا ہوگا تو وہ اپنی خوب صورتی کے ہتھ کنڈے استعمال کرتی ہوگی..... بہرحال اب تم بتاؤ کہ کیا مسئلہ درپیش ہے؟"

"مجھے اپنے قاسم ماموں کی شادی کروانی ہے.....!!" میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

عین اسی وقت قاسم ماموں نے مجھے گھونسہ دکھایا تھا، میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے..... یہ تو خوشی کی بات ہے۔" دوسری طرف سے جبران بولا: "تو کیا کلب یا ہال کی بکنگ کروانی ہے؟"

"نہیں.....!!" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا..... تو پھر کھانے وغیرہ کا مسئلہ ہے؟"

"وہ بھی نہیں ہے.....!!"

"تو پھر کیا..... فائرنگ وغیرہ کی پرمیشن چاہئے.....؟"

"ایسا کچھ بھی نہیں چاہئے.....!!"

"تو پھر.....؟" جبران کی آواز میں حیرت تھی۔

"بس ایک عدد لڑکی درکار ہے.....!!" میں مسکرایا۔

"لڑکی.....؟؟؟" جبران مزید حیران ہو گیا۔

"جی ہاں..... صرف لڑکی چاہئے..... باقی سارا انتظام تو چٹکی بجاتے ہی ہو جائے گا۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہے؟" جبران کی آواز محتاط تھی۔

"کیا میرا آپ سے اس قسم کا کوئی تعلق ہے؟" میں نے الٹا سوال کیا۔

"نن..... نہیں.....!!" جبران بوکھلا سا گیا تھا۔

"تو پھر.....!! میں مذاق کیوں کروں گا آپ سے؟"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے.....!!" جبران نے تائید کی: "اچھا تو سنو..... تو ایک بہت بہترین رشتہ ہے میری نظر میں!!"

"واقعی.....؟؟" میں خوشی سے اچھل پڑا۔

"ہاں بھئی.....!! اور وہ لوگ بھی میرے قریبی رشتے دار ہیں..... کافی اچھی فیملی ہے..... میری پھوپھی کی لڑکی ہے..... وہ طلاق یافتہ ہے اور ہم سب اسی چکر میں ہیں کہ کوئی اچھا رشتہ ملے تو اسے دوبارہ نئی زندگی کی طرف گامزن کر دیا جائے.....!!!"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے.....!!" میں نے قاسم ماموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اب بھی ان کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نمایاں تھے، جن کی مجھے قطعی پرواہ نہیں تھی۔

"میں شام تک اس کی تصویر بھجوا دیتا ہوں.....!!" جبران بولا: "پھر مجھے اسی وقت لفافے میں اپنے ماموں کی تصویر بھیج دینا.....!! دونوں طرف دیکھنے اور دکھانے کا مرحلہ طے ہو جائے گا.....!!"

"یہ بالکل ٹھیک رہے گا.....!!" میں راضی ہو گیا: "آپ آج ہی لڑکی کی تصویر بھجوا دیں.....!!"

چند باتیں اور کرنے کے بعد میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور بھرپور انداز میں قاسم ماموں کی طرف متوجہ ہو گیا:

"ماموں.....!!! فوراً ہی اپنے البم میں سے کوئی بہترین سی تصویر منتخب کر کے فوراً مجھے دیں.....!!"

"یار..... یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ان کی آواز میں قدرے جھنجلاہٹ تھی۔

"میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، بالکل ٹھیک کر رہا ہوں.....!!" میں سنجیدہ تھا: "آپ میری فکر مت کریں..... بلکہ اپنی خیر منائیں..... عین ممکن ہے کہ لڑکی

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

پسند آجانے پر میں اسی ہفتے آپ کا بابا جا بجوا دوں.....!!"

"مجھے لگتا ہے کہ تمہارا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے.....!!" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ماموں..... تصویر.....!!" میں نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے آنکھیں نکالیں اور ہاتھ پھیلا دیا۔

"تو تم نہیں مانو گے.....!!" انہوں نے دانت پیسے اور پھر منہ پھلا کر ڈرائنگ روم سے باہر نکلنے لگے۔

میں فوراً ہی ان کی طرف لپکا:

"کہاں جا رہے ہیں جناب.....؟"

"البم میری الماری میں رکھا ہے..... اور مجھے تصویر کے لئے کمرے میں جانا پڑے گا۔" انہوں نے مجھے سمجھایا۔

"ماموں ..... زندہ باد.....!!" میں نے بے ساختہ بلند آواز میں نعرہ لگا دیا۔

اتفاق سے رحیم بابا ادھر سے گزر رہے تھے۔ میری دھاڑ سن کر وہ گھبراہٹ کے عالم میں ڈرائنگ روم میں ہی گھس آئے:

"کیا ہوا شکیل.....؟ خیریت تو ہے.....؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

وہ ہکا بکا ہو کر کبھی میری شکل دیکھ رہے تھے اور کبھی قاسم ماموں کی طرف متوجہ ہو جاتے.....!!

میں نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی.....!! اسی وقت ماموں نے رحیم بابا کی حمایت لینا چاہی:

"دیکھو نا رحیم بابا.....!! شکیل بے وجہ ضد کر رہا ہے..... اور اس نے پولیس افسر سے بھی بات کر لی ہے.....!! یہ بھی کوئی بات ہے.....؟"

"پولیس کے افسر سے بات کر لی ہے؟" رحیم بابا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان ہی کی بات دہرائی: "لیکن کیا بات کر لی ہے؟"

"شادی کی بات.....!!" قاسم ماموں بوکھلا سے گئے تھے.....!! شاید ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس صورت حال کی وضاحت کس طرح کریں۔

"اوہ..... تو شکیل شادی کر رہا ہے؟" رحیم بابا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

میں ہنس پڑا اور جلدی سے بولا:

"میں اپنی نہیں بلکہ قاسم ماموں کی شادی کروا رہا ہوں.....!!"

"ارے.....!!" رحیم بابا کی آنکھیں چمک اٹھیں: "یہ تو بہت خوشی کی بات ہے..... اگر شکیل ایسا ہی کر رہا ہے، تو میں بھی اسی کے ساتھ ہوں.....!!"

"یک نہ شد..... دو شد.....!!" قاسم ماموں جل بھن کر بولے۔

میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا:

"اسی بات پر ماموں..... ہو جائے ایک تصویر.....!!!"

☆.....☆.....☆

اس کا نام شہناز تھا..... پہلی ہی نظر میں اس کی تصویر نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور میں نے اسی وقت شہناز کو اپنی ممانی تسلیم کر لیا تھا.....!!

دوسرے دن قاسم ماموں کی پسندیدگی کی اطلاع بھی آ گئی، اور یہ خبر دینے والا خود جبران تھا.....!!

بس پھر کیا تھا.....!! میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ..... رحیم بابا کو ساتھ لیا اور شہناز صاحبہ کے گھر جا پہنچا.....!!

ان کا کنبہ بھی زیادہ بڑا نہیں تھا، بوڑھے والدین کے علاوہ ایک سولہ سال کا نوجوان بھائی تھا..... جس کا نام الیاس تھا۔

شہناز صاحبہ کی عمر 35 سال کے لگ بھگ ہوگی..... لیکن اس کے باوجود وہ کافی سڈول اور اسمارٹ تھیں..... بہرحال قاسم ماموں کے ساتھ ان کی جوڑی خوب سجتی.....!!

اور پھر ایک ہفتے کے اندر ہی اندر واقعی سب کچھ ہو گیا.....!! میں ان دنوں کچھ الگ ہی رنگ میں رنگا ہوا تھا..... بس دل چاہتا تھا کہ خوب شرارتیں اور شور شرابا کروں..... بچوں کی طرح اٹھکھیلیاں دکھاؤں.....!! اور میں نے کیا بھی یہی.....!!! کئی موقعوں پر تو خود رحیم بابا بھی مجھ سے عاجز آتے ہوئے دکھائی دینے لگے.....!!!

کافی سادگی کے ساتھ نکاح اور پھر رخصتی کی رسم ادا ہونے کے بعد شہناز صاحبہ میری ممانی بن کر اس گھر میں داخل ہو گئیں۔

اس رات میں پورا گھر بقعۂ نور بنا ہوا تھا.....!! اور یہ سب میری ہی ایما پر ہوا تھا..... میں نے گھر کی سجاوٹ اور روشنی کا خاص طور پر انتظام کیا تھا.....!!

رات کے دو بجے نئی ممانی کمرے میں اکیلی تھیں اور قاسم ماموں کو میرے ساتھ ساتھ رحیم بابا نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

"اب میں جاؤں.....؟" قاسم ماموں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے ماموں.....!!" میں سادگی سے بولا: "ابھی تو رات شروع ہوئی ہے..... ہمارے ساتھ ہی بیٹھیں نا.....!!"

"اور اس کا کیا ہوگا.....؟" قاسم ماموں نے آنکھیں نکالیں۔

"کس کا.....؟" رحیم بابا نے بھی میرے ہی انداز میں پوچھا تھا۔

میری ہنسی نکل گئی..... اس "کھی کھی" پر قاسم ماموں جھنجھلائے اور آلتی پالتی مار کر زمین پر بیٹھتے ہوئے بولے:

"اب میں ادھر ہی بیٹھا رہوں گا.....!! کرو تم لوگ میرے ساتھ جتنی باتیں کرنا چاہو کر لو.....!!"

"ارے..... ارے آپ تو ناراض ہو گئے.....!!" میں جلدی سے بولا: "نہیں بھئی..... ہمیں ایسے آپ کو اپنے پاس نہیں بٹھانا..... آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"میں اب نہیں جاؤں گا۔" قاسم ماموں کا منہ پھول گیا۔

وہ واقعی چڑ گئے تھے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور رحیم بابا کے کہنے پر وہ اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

اب میں اور رحیم بابا تنہا رہ گئے۔

"شکیل بیٹا.....!! تم نے یہ کام بہت اچھا کیا ہے..... اب واقعی اس گھر کے ساتھ ساتھ قاسم صاحب کو ایک ساتھی کی بھی ضرورت تھی اور تم نے بڑی عجلت میں یہ کام کر دکھایا.....!!!"

"بس رحیم بابا.....!! یہ سب کچھ نصیب کا کھیل ہے، ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے.....!! آج کی رات ہی ماموں کے ارمانوں کی کلیاں کھلنے کا وقت لکھا تھا.....!!"

"یہ بات بالکل درست ہے..... لیکن تمہاری کوشش اور جستجو کا بھی اس میں عمل دخل شامل ہے.....!!"

"دراصل بات یہ ہے رحیم بابا کہ میں بہت جلد جان لیوا کی سمت سفر کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں.....!! لیکن مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اندازہ ہے کہ یہ سفر مجھے کہاں کہاں بھٹکائے گا.....!! نہ جانے مجھے اس ارادے کی تکمیل میں کتنا وقت لگے.....!! اگر جان لیوا سے میرا آمنا سامنا بھی ہو جائے تو نہ جانے میری جیت ہو کہ ہار ہو.....!! اسی وجہ سے میں یہ چاہتا تھا کہ قاسم ماموں کا گھر میری آنکھوں کے سامنے بس جائے۔"

میں جذباتی انداز میں بولتا چلا گیا۔

"اوہ.....!!!" رحیم بابا کے منہ سے نکلا۔

"ہاں رحیم بابا.....!!" میرا لہجہ افسردہ تھا: "کیونکہ اگر اس سفر کے دوران مجھے کچھ ہو گیا، تو کم از کم قاسم ماموں کے ذریعے کوئی تو تمہارے خاندان کا نام و نشان رکھنے کے لئے اس دنیا میں آئے گا.....!!! اگر میں بھی اپنے خاندان والوں کی طرح زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا، تو پھر یہ چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ جائے گا.....!! میں قاسم ماموں کے ذریعے اس چراغ سے کئی اور روشن دیئے جلانا چاہتا ہوں.....!!!"

"کاش.....!! میں جان لیوا کے مقابلے میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔" رحیم بابا نے افسردگی سے کہا۔

"یہ سب کچھ آپ کا ہی تو مرہون منت ہے رحیم بابا.....!!" میں نے تڑپ کر کہا: "اگر آپ مجھے راستہ نہ دکھاتے تو شاید میں بھی کسی گمنامی کے دلدل میں گم ہو چکا ہوتا.....!!! آپ نے ہی میری زندگی کا رخ بدل کر مجھے ایک نیا راستہ دکھایا ہے.....!!!"

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

قاسم ماموں کی شادی نے اس گھر میں ایک نئی روح پھونک دی تھی..... شہناز ممانی واقعی ایسی خاتون تھیں کہ جنہوں نے گئے وقتوں کے سارے زخم دھو ڈالے تھے، سحر ممانی کا سارا سحر انہوں نے اپنی محبت اور اخلاق کے ذریعے ختم کر ڈالا تھا، مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ قاسم ماموں کا رنگ ڈھنگ ہی بدل گیا تھا..... ہر وقت گھمبیر قسم کی خاموشی کا شکار رہنے والا شخص اب اپنی دنیا میں مگن تھا..... اب وہ فضول بات چیت پر قہقہے لگانے لگا تھا، گویا قاسم ماموں کے مردہ دل کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی.....!!!

ان کی شادی خیر خیریت سے نمٹ گئی تو اب مجھے وسیم کی شادی کا خیال آیا.....!!

اس کے کہنے کے مطابق صرف دو دن بعد ہی اس کے سہرے کے پھول بھی کھلنے والے تھے، چنانچہ میں نے اس کے گوٹھ میں جانے کے لئے تیاری شروع کر دی۔

میں ابھی اپنا سفری بیگ تیار کر ہی رہا تھا کہ قاسم ماموں اور شہناز ممانی میرے کمرے میں آدھمکے:

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی.....؟" قاسم ماموں نے مجھے گھورا۔

شہناز ممانی بھی میری طرف ہی متوجہ تھیں!

"میں جا رہا ہوں ماموں.....!!"

"لیکن کہاں؟"

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں کہاں.....!!" ممانی نے اب انہیں گھورتے ہوئے کہا: "ارے بھئی شکیل کہیں بھی نہیں جا سکتا.....!! اور پھر اسے ضرورت ہی کیا پڑی ہے کہیں جانے کی.....!! بتاؤ ذرا.....!! میں اس کی عادی ہو گئی ہوں تو یہ مجھے چھوڑ کر جانے کی تیاری میں مصروف ہے.....!!"

"میں ہمیشہ کے لئے نہیں جا رہا ممانی جان.....!!" میں نے اپنے پکڑے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا: "جیسے ہی مجھے فرصت ہوئی، بس واپس ادھر ہی آؤں گا.....!!!"

"لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟" قاسم ماموں نے پوچھا۔

"دو دن بعد میرے ایک دوست کی بھی شادی ہے۔" میں نے یہی بہانہ سوچ رکھا تھا: "اور مجھے اس شادی میں لازمی طور پر شریک ہونا ہے، ورنہ اس کی دوستی سے میں ہاتھ دھو بیٹھوں گا.....!!"

"اگر یہ معاملہ ہے تو ضرور جاؤ.....!!" قاسم ماموں جلدی سے بولے۔

"ہاں.....!! پھر ٹھیک ہے۔" شہناز ممانی نے بھی گردن ہلائی: "لیکن جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کرنا.....!!

"ضرور.....!!" میں فوراً بولا: "جیسے ہی شادی ختم ہوئی میں واپس آجاؤں گا.....!!"

یہ سن کر قاسم ماموں نے بھی اطمینان بھرے انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

سونال گوٹھ کے لئے مجھے ایک طویل سفر طے کرنا تھا، وسیم نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں گاڑیوں کا سفر انتہائی ناگزیر ہے، اس لئے اگر شہر سے مجھے ریل گاڑی میں اپنی منزل تک پہنچنا تھا.....!!!

چنانچہ میں نے وسیم کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے یہی کیا تھا۔ دوسرے شہر میں داخل ہوتے ہی میں نے ریلوے اسٹیشن کا رخ کیا اور سونال گوٹھ کا ٹکٹ لے کر ڈبے میں سوار ہو گیا۔

ٹرین اپنی جگہ منجمد کھڑی تھی۔ ریلوے پلیٹ فارم پر کافی رش دکھائی دے رہا تھا..... بھانت بھانت کی بولیاں گونج رہی تھیں.....!!

آہستہ آہستہ ٹرین مسافروں سے بھرنے لگی تھی۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد ٹرین کی وصل گونجی.....!!! انجن میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ زمین پر بچھی ہوئی لوہے کی پٹڑیاں ناپنے لگی۔

میں لمحہ بہ لمحہ سونال گوٹھ سے قریب ہوتا جا رہا تھا، جہاں شاید کچھ نئی قسم کی پریشانیاں میرا انتظار کر رہی تھیں۔

(جاری ہے)

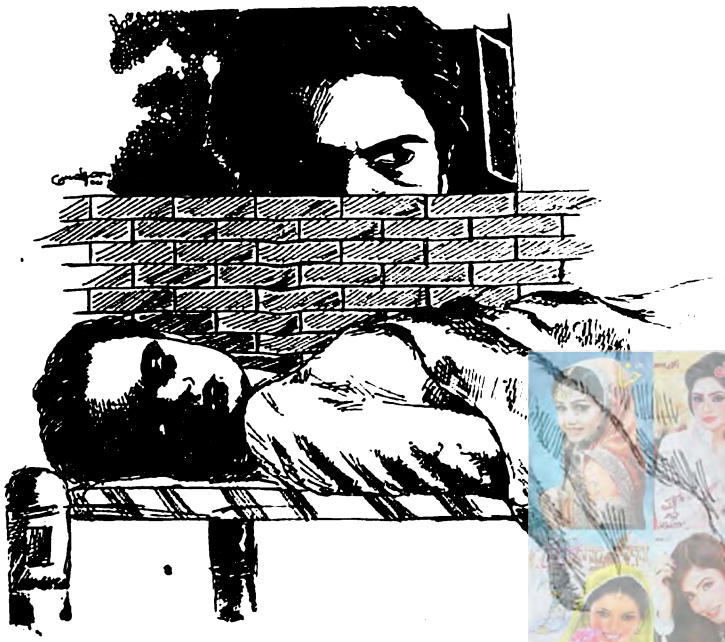

فارم ہاؤس

فرح انیس۔کراچی

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ اچانک نوجوان کی آنکھ کھل گئی تو بستر سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکلا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ سامنے کا منظر بہت ہی خوفناک اور دہشت ناک تھا۔

صدیوں پرانی ایک کھنڈر اور ویران جگہ کی داستان جو لوگوں پر سکتہ طاری کر دے گی

سنا ہے کافی شاندار فارم ہاؤس ہے عثمان کے ماموں کا، شہر سے بالکل ہٹ کے کوئی آبادی نہیں بلکہ اس طرف بہت پرسکون ماحول ہے، مجھے تو عثمان بول رہا تھا ایک ہفتے کے لئے فارم ہاؤس چلا جا اور بھابھی کے ساتھ انجوائے کر، میں نے بولا تمہاری بھابھی کو یہ ایک ہفتہ بھی مہینوں پر بنی لگ رہا ہوگا، ارقم گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا شرارت سے بولا۔

اس کی بات پر رباب کے لبوں پر مسکان آ گئی۔

"شادی کی سالگرہ ہے کل ہماری تو ایک دن کا اسٹے کر کے ہمیں واپس آجانا چاہئے یہ تو آپ جناب کا اصرار ہے ایک ہفتے کا۔" رباب منہ بنا کے بولی اس کی بات پر ارقم ہنسنے لگا۔

میں جانتا تھا تب ہی میں نے بولا۔ "وہ ایک ہفتے پر اتنی مشکل سے راضی ہوئی ہے۔"

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

"جی تو اور کیا اب آپ بتائیں اتنی دور آبادی سے ہٹ کے ایک اتنے بڑے فارم ہاؤس میں خالی دو لوگ کیا مزا آئے گا۔"

"جانتی ہو رباب میں اس شادی کی پہلی سالگرہ کو بہت خوبصورت طریقے سے یادگار بنانا چاہتا ہوں۔" ارقم کے محبت سے کہنے پر رباب مسکرادی۔

"کتنی دیر ہے فارم ہاؤس آنے میں۔" رباب بے چینی سے بولی۔ "بس تھوڑا سا دور ہے آنے والا ہے۔"

ارقم کے دوست عثمان کے ماموں نے یہ فارم ہاؤس کچھ ماہ پہلے ہی بنایا تھا اور اب ارقم اپنی بیوی کے ساتھ اس فارم ہاؤس میں جارہا تھا۔

"لو جی آگئے ہم۔" ارقم بولا۔ گاڑی فارم ہاؤس کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

"واہ بیوٹی فل۔" رباب گاڑی سے اترتے ہوئے ستائشی نظروں سے فارم ہاؤس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

پتھروں سے بنی مصنوعی آبشار جن پر ننھے منے بلب نصب تھے جو روشن ہو کر اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہے تھے، اس سے ہی تھوڑے ہی فاصلے پر بڑا سا پول تھا، پول کے اطراف میں لگی کلرفل لائٹس جو پول کے پانی پر پڑ کے پانی کو رنگین کررہی تھیں۔

پول کے بالکل سامنے ہی بڑا سا گارڈن تھا جہاں پر بے تحاشہ درخت لگے ہوئے تھے۔ گارڈن میں پتھر کی بینچ جگہ جگہ رکھی ہوئی تھیں اور گارڈن کے ایک طرف جھولے لگے ہوئے تھے۔

پول کے دائیں طرف ایک پتلی سی راہداری جارہی تھی وہاں گول سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جو اوپر کی جانب جارہی تھیں اوپر ایک ماسٹر بیڈروم تھا اس کے برابر دو کمرے اور تھے ایک کمرے میں سنگل بیڈ اور فلور کشن تھے جب کے دوسرے کمرے میں ٹی وی اور صوفے رکھے ہوئے تھے ان کمروں کے سامنے ایک چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔

بیڈروم میں بڑا سا ٹیرس تھا اس ٹیرس سے نیچے فارم ہاؤس کا پورا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

"کیا جگہ ہے۔" رباب سیڑھیاں چڑھتی بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تب ہی تو بول رہا ہوں آٹھ دس دن یہیں رہ جاتے ہیں۔" ارقم کے شرارت سے کہنے پر وہ ہنس دی۔

"جی آپ کا بس چلے تو ساری عمر یہیں رہ جائیں۔"

"ہاں اس پر بھی سوچا جاسکتا ہے۔" رباب کی بات پر ارقم شوخی سے بولا۔

کھانا راستے میں پارسل کرالیا تھا دونوں نے نیچے لان میں بیٹھ کے کھانا کھایا کھانے کے بعد دونوں لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے باتیں کرنے لگے دونوں ہی اس جگہ آکر کافی خوش تھے۔

"کیا خیال ہے اب اوپر چلیں۔" ارقم رباب سے بولا بالکل چلیں۔ رباب مسکراتے ہوئے بولی۔

"چائے لاؤں آپ کے لئے۔" رباب اس کے ساتھ بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"نہیں فی الحال تو مجھے بڑی زبردست نیند آرہی ہے۔" ارقم بیڈ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

اور بیڈ پر لیٹ گیا، وہ بھی اس کے برابر لیٹ کر آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی مگر نیند تھی کے آکر نہ دے، گھڑی میں وقت دیکھا جو رات کے بارہ بجارہی تھی، ارقم سوچکا تھا وہ بیدلی سے کروٹیں بدلنے لگی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ اٹھ کے بیٹھ گئی اور کمرے کا دروازہ کھول کے نیچے چلی آئی۔

رباب آہستگی سے گارڈن کی جانب بڑھ گئی آسمان پر چمکتا چاند اور ٹمٹماتے تارے اسے ہمیشہ سے پسند تھے وہ جھولے میں بیٹھ کے "چاندنی راتیں" گنگنانے لگی کہ تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا اس کے ساتھ کوئی اور بھی گنگنا رہا ہے۔

رباب گاتے گاتے رک سی گئی تو وہ آواز بھی اچانک سے رک سی گئی رباب نے پھر گنگنا شروع کیا پھر کوئی اس کے ساتھ گانے لگا، وہ کچھ گھبرا سی گئی اور خاموشی سے اتر کے جھولے سے اوپر کی جانب بڑھ گئی، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور بھی اس کے

ساتھ پیچھے آرہا ہو، آہٹ پر پلٹ کے دیکھا تو کوئی نہ تھا وہ اپنا وہم سمجھ کے کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔

صبح اس کی آنکھ ارقم سے پہلے کھل گئی، ارقم ابھی تک بے خبر سو رہا تھا وہ بکھرے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کے ان کا جوڑا بنا کے نیچے چلی آئی، صبح سویرے گیلی گھاس پر چلنا اسے بے حد اچھا لگ رہا تھا وہ سبک رفتاری سے گیلی گھاس پر چلنے لگی چلتے چلتے رباب کو محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے بالوں کو چھوا ہو، رباب نے پلٹ کے دیکھا مگر کوئی نہ تھا، کافی دیر چلنے کے بعد اس کے پیر دکھنے لگے تو وہ اوپر چلی آئی۔

"ارے اٹھ گئے آپ۔" وہ بیڈ پر ارقم کو جاگتا دیکھ کے بولی۔ "ہاں ابھی اٹھا ہوں۔"

"چلیں میں چائے لے آؤں۔" وہ باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔

چائے بناتے ہوئے دو سے تین بار رباب کو محسوس ہوا جیسے کوئی باورچی خانے کے سامنے سے تیزی سے گزرا ہو اس نے باہر آکر بھی دیکھا مگر کوئی نہ تھا، ناشتہ بنا کے وہ وہیں بیڈروم میں لے آئی ناشتے کے دوران دونوں باتیں کرتے رہے پھر نیچے چلے آئے باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ "یار بھوک لگ رہی ہے۔" ارقم کے کہنے پر اسے بھی خیال آیا کہ وہ دوپہر کے لئے کچھ بنالے اس غرض سے وہ اوپر آگئی اور باورچی خانے میں کھانا بنانے لگی۔

"میں بھی تمہاری ہیلپ کرادوں۔" ارقم کی آواز پر وہ اچھل گئی۔ "توبہ ارقم آپ نے تو ڈرا دیا۔" اس کے اس طرح سے ڈر کے اچھلنے پر وہ بھی ہنس دیا اور اس کی مدد کرانے لگا کہ رباب کو اپنا سیل فون بجنے کی آواز آئی وہ سیل اٹھانے کی غرض سے باورچی خانے سے باہر آئی کہ سیڑھی چڑھتے ارقم کو دیکھ کر وہ ساکت سی ہوگئی، یار کتنی دیر سے کھانا پکنے میں ارقم کی بات پر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے باورچی خانے کی طرف دیکھنے لگی جہاں ارقم کھڑا تھا وہاں اب کوئی نہ تھا، آپ کہاں تھے وہ خوف سے اٹکتے ہوئے بولی، نیچے تھا اس کی بات پر وہ حیرانگی سے بولا۔ "پھر میرے ساتھ کون تھا۔" وہ اسے بتاتے ہوئے روہانسی ہوگئی۔ "میرا بھوت ہوگا۔" وہ زور سے ہنستے ہوئے بولا، اس کی بات پر رباب کے آنسو بہنے لگے۔

"ارے ارے مذاق کررہا تھا تمہارا وہم ہوگا۔" وہ اسے چپ کراتے ہوئے بولا۔

"نہیں ارقم آپ کی شکل میں تھا کوئی۔" وہ بضد تھی اس کی بات پر وہ خاموش سا ہوگیا، رباب کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھ گیا۔

شام میں وہ اور ارقم ٹیرس میں کھڑے باتیں کررہے تھے کہ ارقم کے سیل پر کال آنے لگی، وہ بات کرنے اندر چلا گیا رباب دلچسپی سے نیچے دیکھنے لگی کہ اس کی نگاہ سوئمنگ پول پر ٹھہر سی گئی، پول میں بنتے بلبلوں کو وہ تعجب سے دیکھنے لگی ایسا لگ رہا تھا جیسے پانی میں کوئی ہے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کے نیچے آگئی مغرب کی اذانیں ہوچکی تھیں ہر سو خاموشی کا راج تھا، وہ پول کے نزدیک آکر غور سے پانی کو دیکھنے لگی اسے اپنا پانی پر پڑتا عکس صاف نظر آرہا تھا کہ اچانک رباب کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اسے پانی میں اپنے برابر کسی اور عورت کا بھی عکس نظر آرہا تھا، اس نے تیزی سے پلٹ کے اپنے برابر دیکھا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

رباب اوپر آجاؤ ٹیرس میں کھڑا ارقم زور سے بولا اس کی آواز پر رباب چونک کر اسے دیکھنے لگی اور اپنے اطراف میں اردگرد خوف سے دیکھتی ہوئی اوپر کی جانب بڑھ گئی۔

رات میں رباب نیچے گاڑی میں رکھا کچھ ضروری سامان لینے آئی تھی، ابھی وہ اوپر کی جانب بڑھنے ہی والی تھی کہ کسی چھوٹے بچے کے رونے کی آواز پر وہ بری طرح سے اچھل سی گئی، وہ آواز کے تعاقب میں چلنے لگی یہ آواز گارڈن کے ایک حصے سے آرہی تھی وہ اس طرف بڑھ گئی نیم کے درخت کے پاس ایک بچہ گھٹنوں میں منہ دیئے مستقل رو رہا تھا، یہ بچہ کہاں سے آگیا وہ سوچتے ہوئے وہیں اس بچے کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ "بیٹا آپ کون ہو کیوں رو رہے ہو۔"

Digitized by Google

ایسے رباب کے پوچھتے ہی اس بچے کے رونے کی رفتار میں اضافہ ہوگیا، مگر اچانک سے رباب کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی لہر دوڑ گئی یہ سوچ کے ان دونوں کے علاوہ تو اس فارم ہاؤس پر کوئی نہیں تو یہ بچہ کہاں سے آیا۔

"رباب تم یہاں ہو۔" ارقم کی آواز پر رباب پلٹ کر اپنے پاس آتے ارقم کو دیکھنے لگی۔ "ارقم یہ بچہ۔" وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "کون بچہ۔" ارقم حیرانگی سے بولا۔ رباب بھی حیرت سے اس جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں اب کوئی نہیں تھا۔

"یہاں ارقم ابھی میں نے کوئی بچہ دیکھا تھا۔" رباب بے چینی سے بولی۔ "کوئی نہیں ہے۔" رباب یہاں آؤ واک کریں، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے گارڈن میں چہل قدمی کرنے لگا، پتا نہیں ارقم مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اس فارم ہاؤس میں کچھ ہے۔

یار تمہارا وہم ہے اور کچھ بھی نہیں وہ اس کے خیال کو جھٹلاتے ہوئے بولا اور دونوں جھولے میں بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔

"ارقم پتا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے دن میں تمہارے روپ میں کسی کا میرے ساتھ کھانا پکوانا، پھر پانی میں کسی عورت کا عکس نظر آنا اور اب یہ بچہ۔" رباب ڈرتے ڈرتے بولی۔

"اور پڑھو ڈراؤنی کہانیاں اور دیکھو ایسی موویز ، دماغ پر سوار ہوگئیں نہ ایسی باتیں۔"

ارقم ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں ارقم یقین کرو۔" میں نے خود دیکھا وہ بولی۔ "اچھا بابا دیکھا ہوگا اب کوئی اور بات کرو ہم یہاں یہ معلوم تھوڑی کرنے آئے ہیں کہ اس فارم ہاؤس میں کچھ ہے یا نہیں ہم تو انجوائے کرنے آئے ہیں۔" ارقم کی بات پر وہ خاموش سی ہوگئی۔ "اب چپ کیوں ہوگئی۔" وہ اس کو چپ دیکھ کے بولا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ارقم کہ جو میرے ساتھ ہو رہا ہے میں وہ تم کو کیسے یقین دلاؤں وہ روہانسی ہوتی اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

کافی دیر بعد وہ دونوں اوپر آگئے اور ٹی وی دیکھنے لگے اور نجانے کب اس کمرے میں ٹی وی دیکھتے ہوئے ان دونوں کی آنکھ لگ گئی۔

رات کے کسی پہر ارقم کی آنکھ کھلی تو اسے کمرے کے باہر کھڑی رباب نظر آگئی وہ بھی اٹھ کے اس کے پاس آگیا۔ "کیا ہوا یہاں کیوں کھڑی ہو۔"

"کچھ نہیں نیند نہیں آرہی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مجھے اٹھا دینا تھا۔" ارقم بولا۔ چلو نیچے چلتے ہیں ارقم کی بات کے جواب میں رباب سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولی وہ بھی اس کے پیچھے جانے لگا۔

"ارقم کہاں جارہے ہیں۔" پیچھے سے آتی رباب کی آواز پر وہ بری طرح سے اچھلا، ارقم نے تیزی سے پلٹ کے سیڑھیوں کی جانب دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا، تم کہاں تھی وہ حیرت زدہ سا بولا۔ "میں تو واش روم گئی تھی ابھی آپ کو نیچے جاتا دیکھا تو حیرت ہوئی کہ اتنی رات میں آپ کہاں جارہے ہیں۔"

"کہیں نہیں بس۔" وہ اسے ٹالتے ہوئے بیڈروم میں آگیا اور بیڈ پر خاموشی سے آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو رباب سو چکی تھی۔ ارقم کو اب لگ رہا تھا رباب ٹھیک بول رہی ہے اس فارم ہاؤس میں کچھ ہے، اگر میں اس کے ساتھ چل دیتا پر وہ تھی کون۔ سوچتے ہوئے ارقم کی آنکھ لگ گئی۔

صبح وہ اٹھا تو ساری باتوں کو ذہن سے جھٹک کے رباب کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر دونوں نیچے آگئے۔

وہ سوئمنگ پول کی جانب بڑھ گیا اور سوئمنگ کرنے لگا۔ "آجاؤ۔" وہ پول کے پاس کرسی پر بیٹھی رباب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں نہیں ابھی اتنی صبح نہیں دن میں ٹھیک ہے ابھی تو پانی دیکھ کے ہی سردی لگ رہی ہے۔"

رباب جھرجھری لیتے ہوئے بولی، ارقم کو اس کے جھرجھری لینے پر ہنسی آگئی۔

"اب تو چلو سوئمنگ پول میں شام ہورہی

ہے۔" وہ ٹیرس میں کھڑی چپس کھا رہی تھی تھی، جب اس کے پاس ارقم آتے ہوئے بولا۔

"ہاں چلیں میں چینج کرلوں ذرا۔" وہ چینج کرکے اس کے ساتھ نیچے پول میں آگئی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے پول میں اتر گئی۔ ٹھنڈے پانی کی لہریں اس کے جسم سے ٹکرائیں تو اس کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔

"اف ارقم اتنا یخ پانی ہے۔" وہ ارقم کا ہاتھ پکڑے کانپتے ہوئے بولی جو اس کے ساتھ تھا..

"ہاں بہت سرد ہے پانی ہے، ارقم کی آواز پر وہ چونک کے دیکھنے لگی جس کی آواز بھی پانی جیسی سرد معلوم ہورہی تھی۔ ابھی وہ غور ہی کررہی تھی کہ ارقم نے اس کا سر پکڑ کے پانی کے اندر کردیا، وہ بری طرح سے مچل رہی تھی پانی کے اندر، پانی اس کے ناک منہ میں جارہا تھا بہت مشکل سے رباب اپنا سر اس کے ہاتھوں کی گرفت سے چھڑا پائی وہ بری طرح سے کھانستے ہوئے غصے سے ارقم کو دیکھنے لگی..

مگر یہ کیا ارقم کے بجائے وہاں اس کے ساتھ ایک مکروہ چہرے کا آدمی تھا، دہشت سے رباب کی آنکھیں پھٹ گئیں، وہ تیزی سے چیختی ہوئی پول سے باہر نکلنے لگی مگر پانی میں موجود آدمی نے اس کی ٹانگیں پکڑ لیں وہ بری طرح سے چیختے ہوئے ارقم کو آوازیں دینے لگی، اچانک اس مخلوق کی گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ گارڈن میں نظر آتے ارقم کے پیچھے بھاگی۔

"کہاں تھی تم کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔" ارقم اسے دیکھتے ہی بولا۔

"موت کے منہ سے نکل کے آرہی ہوں مجھے نہیں رہنا یہاں چلو ابھی واپس۔" روتے ہوئے وہ اسے سب کچھ بتانے لگی۔

"مگر رباب ابھی ہم کیسے نکلیں صبح ہی نکل سکتے ہیں نا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی ارقم ہمیں ابھی چلنا ہے۔" وہ روتے ہوئے بضد تھی۔ "تم کو میری بات سمجھ نہیں آرہی بولا نہ صبح نکل جائیں گے۔" وہ درشتگی سے بولا۔ رباب روتی ہوئی اوپر کی جانب بڑھ گئی وہ بھی پریشان وہیں گارڈن میں بینچ پر بیٹھ گیا اسے اپنے رباب سے اس طرح بولنے پر پشیمانی تھی، کافی دیر تک وہ وہاں بیٹھا رہا پھر اوپر جانے کے لیئے وہ کھڑا ہونے لگا کہ اس کی نظر تھوڑے فاصلے پر جھولے کی جانب اٹھی جہاں پر ایک بچہ جھولے پر بیٹھا تھا اور پاس ایک عورت کھڑی اسے جھلا رہی تھی ارقم خوفزدہ ہوتا تیزی سے اوپر کی جانب بڑھا اور بیڈروم میں آگیا جہاں رباب آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔

"معاف کردو یار۔" وہ رباب کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں ادھر کچھ ہے پر ہمارا رات کے وقت نکلنا مناسب نہیں، بس میں یہ سمجھا رہا تھا، کچھ بولو گی نہیں۔" وہ اسے چپ دیکھ کے بولا اور ہاتھ سے اس کے بال سنوارنے لگا، مگر شیشے میں نظر پڑتے ہی وہ حواس باختہ سا ہوگیا سامنے ایک کریہہ صورت کی عورت کھڑی تھی۔ وہ گھبرا کے اپنا ہاتھ اس کے مکروہ ہاتھ سے چھڑانے لگا مگر اس کے ہاتھ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ وہ بمشکل اس سے ہاتھ چھڑا کر بیڈروم کا دروازہ کھول کے برق رفتاری سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا اسے سیڑھیاں چڑھتی رباب نظر آگئی۔ "رباب ہمیں ابھی اور اس ہی وقت یہاں سے نکلنا چاہیئے تم ٹھیک بول رہی ہو بھلے کتنی بھی رات ہو اب۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے بولا اس کی بات پر رباب اس کے ساتھ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ارقم تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے فارم ہاؤس سے باہر آگیا۔

"تھینکس گاڈ ہم نکل گئے وہاں سے تم ٹھیک بول رہی تھی یار سوری۔" وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے برابر بیٹھی رباب کو دیکھ کے شرمندگی سے بولا۔

اس کی بات پر رباب نے اثبات میں سر ہلا کے آنکھیں موند لیں۔

"کیا وقت ہورہا ہوگا وہ سیل فون اٹھا کے وقت دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے سیل فون گرا رباب کے پیروں میں جاکر، وہ جھک کے اٹھانے لگا، فون اٹھاتے ہوئے اس کی نظر آئینے میں پڑی، سیٹ پر

رباب نہیں وہی مکروہ چہرے کی عورت تھی ارقم کا سانس خوف سے اس کے سینے میں اٹک گیا تھا، اس کو لگ رہا تھا وہ بہت برا پھنس چکا ہے مگر اس وقت اس کا کچھ بھی بولنا اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اس نے ایک نظر برابر ڈالی وہ آنکھیں بند کی ہوئی تھی ارقم نے خاموشی سے گاڑی فارم ہاؤس کی جانب موڑ لی جہاں اس کی بیوی مشکل میں گرفتار تھی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے فارم ہاؤس میں جا کر رکی۔ ''کیا ہوا ہم یہاں کیوں آئے۔'' وہ بولی۔ ''میرا کچھ سامان رہ گیا ہے میں وہ لاتا ہوں۔'' ارقم گاڑی کا گیٹ کھول کے تیزی سے اترتے ہوئے بولا۔

اسے پول کے پاس ہی زمین پر نڈھال پڑی رباب نظر آ گئی۔ رباب اٹھو میں آ گیا ہوں وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھاتے ہوئے بولا۔

''یہ کہیں نہیں جائے گی یہ میری ہے۔'' اچانک وہاں سامنے ہی ایک بدہیبت صورت کا آدمی نمودار ہوا۔

''مجھے بچالو ارقم۔'' خوف سے رباب اس سے بولی۔ تم ہمت کرو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے گاڑی کی طرف بھاگا مگر وہاں وہی عورت کھڑی تھی وہ رباب کو لے کر اوپر بھاگا اور دونوں کمرے میں بند ہو گئے۔

ہم بہت برا پھنس چکے ہیں ارقم پسینے میں شرابور اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے بولا جس کی حالت غیر ہو رہی تھی کہ اچانک خوف سے کانپتی رباب کے دماغ میں بجلی کا کوندا لپکا، وہ تیزی سے واش روم کی جانب بڑھی وہ وضو کر کے باہر آئی اور قرآنی آیتوں کا بلند آواز ورد کرنے لگی۔

تھوڑی دیر میں پورے فارم ہاؤس میں لگتا تھا بھونچال آ گیا، رونے چیخنے کی آوازوں نے وحشت طاری کر دی تھی۔

زور زور سے قرآنی آیات پڑھتی رباب بری طرح سے ان وحشت زدہ آوازوں پر لرز رہی تھی، ارقم بھی اس کے ساتھ ساتھ پڑھنے لگا۔ فجر کے وقت ان آوازوں کا سلسلہ تھما تو وہ دونوں خاموشی سے نیچے آ گئے اور سہمے ہوئے قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھے اور گاڑی میں بیٹھتے ہی ارقم نے تیزی سے گاڑی وہاں سے نکالی۔

رباب بہت نڈھال تھی خوف نے اس کی حالت غیر کر دی تھی ارقم کو بھی لگ رہا تھا ان کا بچ کے وہاں سے آنا بہت بڑی بات تھی۔

اس نے اپنے ملازم کے ہاتھ اپنے دوست عثمان کو فارم ہاؤس کی چابی بجھوادی تھی۔ رباب کئی ہفتوں تک بخار میں مبتلا رہی تھی۔

عثمان ایک ماہ بعد اس کے گھر آیا۔ ''یار تم تو ایسے پرائے ہوئے فارم ہاؤس سے آنے کے بعد کہ ملے بھی نہیں۔'' عثمان ارقم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے شکوہ کرتے ہوئے بولا۔

'' فارم ہاؤس کے نام سے بھی مجھے نفرت ہے۔'' ارقم ان بھیانک لمحوں کو یاد کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارے ساتھ بھی کچھ ہوا تھا کیا۔'' عثمان چونکتے ہوئے بولا۔

''تو کیا مطلب کیا کسی اور کے ساتھ بھی کچھ ہوا تھا۔'' ارقم بولا۔

''ہاں پچھلے دنوں ایک فیملی گئی تھی ان کے ساتھ بہت بھیانک واقعات ہوئے، پھر اس کے بعد جو فیملی گئی تھی وہاں پر ان کی بیٹی کی موت ہو گئی تھی۔''

''یار وہ فارم ہاؤس ٹھیک نہیں تھا مجھے بھی نہیں پتا تھا اس کے بارے میں اگر پتا ہوتا تو تم کو کبھی نہ جانے دیتا، وہاں پر جنات کا قبیلہ آباد تھا جو لوگ جاتے تھے ان کے ہمشکل بن کے ان کو خوفزدہ کرتے تھے کیونکہ وہ جنات تنگ ہو رہے تھے، انسانوں کی آمد و رفت سے اس لیے وہ آنے والوں کو خوفزدہ کر کے بھگانے کی کرتے تھے۔

اب ماموں نے وہ فارم ہاؤس بند کر دیا ہے وہ بول رہے تھے میں اوروں کی جان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

ارقم اپنے ساتھ ہونے والے بھیانک واقعات اسے سناتے ہوئے سوچنے لگا کہ شکر ہے اس جگہ سے وہ دونوں بچ کے نکل آئے تھے۔

رقیب

محمد رضوان قیوم-راولپنڈی

ایک جانور کا چونکا دینے والا شاخسانہ جس کو پڑھنے والے عجیب و غریب نہ سمجھ آنے والے حالات و واقعات سے روشناس ہوجائیں گے کہ حقیقت نہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہانی پڑھ کر دیکھیں۔

دل و دماغ میں نہ آنے والی عجیب روداد لیکن اس کہانی کا حرف بہ حرف حقیقت پر مبنی ہے

یہ بظاہر ایک ناقابل یقین مگر سچی کہانی ہے۔ یہ ایک انگریز لڑکی مس سمیل پر بیتی ہے۔ اس کی زندگی برباد کرنے والا کوئی انسان نہیں بلکہ اس کا پالتو گھوڑا تھا۔ جسے اس نے بچپن سے پالا ہوا تھا۔ مس سمیل نے 1969ء لندن میں وفات پائی۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے لواحقین کو وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر ایک گھوڑے کا مجسمہ بنایا جائے اور اس کے نیچے لکھا جائے۔ ''میرے محبوب گھوڑے الوسینٹ مجھے تم سے جنون کی حد تک محبت تھی اور نفرت بھی۔''

مس سمیل کے قبر کے قریب سے جب راہ گیر گزرتے تو وہ یہ دیکھ کر حیران و پریشان رہ جاتے تھے کہ بالآخر ایسا کون سا پس منظر تھا۔ جس کی بنا پر مرنے والی نے یہ وصیت کی تھی کہ اس کی قبر پر ایسی دلچسپ و عجیب عبارت لکھی جائے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

مس سمیل نے اپنی زندگی میں بیتی اس دلخراش داستان کو برٹش ریڈیو کے ایک نشریاتی پروگرام "میری یادیں" میں 1939ء میں چار اقساط میں ریکارڈ کروایا تھا۔ مجھے یہ واقعہ پروفیسر اورنگ زیب نے سنایا تھا (پروفیسر اورنگ زیب میرے ایم اے پولیٹیکل سائنس کے استاد تھے)۔ جنہوں نے مس سمیل کی یہ کہانی ریڈیو پر سنی تھی۔ یہ بہت طویل کہانی ہے۔ جس کو مختصر کر کے قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہے۔

یہ حیران کن واقعہ مس سمیل کی زبانی سنیں۔

میرے ڈیڈی کیپٹن 1903ء میں ایک دن حسب معمول اپنی ڈیوٹی سے گھر آئے تو انہوں نے میری ممی مسز راکس کو یہ خبر سنائی کہ ان کا ٹرانسفر ہندوستان کے شہر کانپور کے ایک آرمی سپلائی کے ایسے ڈپو میں کر دیا ہے کہ جہاں سے پورے ہندوستان کو ایسی فوجی چوکیوں کو جو کہ پہاڑی علاقوں کی بلندیوں پر قائم ہیں۔ بھاری فوجی اسلحہ کی بار برداری کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر، سپلائی کیے جا رہے ہیں۔

میری ممی اس خبر پر رونے لگیں۔ انہوں نے ڈیڈی کو کہا کہ "میں یہاں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم کوشش کرو کہ ٹرانسفر ہندوستان ہونے سے رک جائے۔"

جس پر ڈیڈی نے کہا "برٹش آرمی کا پہلا اصول ہے کہ آرڈر از آرڈر اس سے روگردانی بحث مباحثہ یا انکار کا مطلب ہے نوکری سے مکمل فراغت۔" میرے ڈیڈی نے ممی کو تسلی دی کہ وہ انہیں ہندوستان میں اپنی ڈیوٹی کی جوائننگ رپورٹ دینے کے بعد وہاں بلا لیں گے۔ اور ڈیڈی اپنے وعدے پر قائم رہے۔ انہوں نے وہاں جاتے ہی اپنی کوششوں سے ممی کو ہندوستان کے شہر کانپور میں سرکار کی جانب سے ملے بنگلے میں بلا لیا تھا۔

میری ممی نے مجھے کانپور کے ایک ملٹری اسپتال میں جنم دیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں نے دیکھا کہ ڈیڈی کو جو سرکاری بنگلا ملا ہوا تھا۔ وہ بہت بڑا تھا۔ اور ہمارے رہائش کے پیچھے ایک بہت بڑا فوجی اصطبل تھا۔ جہاں تا حد نگاہ سینکڑوں گدھے، خچر، گھوڑے موجود تھے۔ ان کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے بہت سے لوگ موجود تھے۔

میرے ڈیڈی کو سرکاری طور پر کئی اردلی خدمت کے لیے ملے تھے جن میں سے ایک ہندو اردلی بھی تھا۔ یہ بنگلے میں موجود دیگر خدمتگاروں کی نسبت زیادہ فرمانبردار اور خدمتگار تھا۔ وہ مجھے اپنی گود میں اٹھا کر روزانہ اصطبل میں موجود گدھے، خچر دکھانے لے جاتا تھا۔ گدھے، خچر تو مجھے اچھے نہ لگتے تھے جبکہ گھوڑوں کی جلد پر جب ملو میرے معصوم ہاتھ لگواتا تو گھوڑے ایک لمحے کو اپنے جسم کو خفیف سا تھرتھرا کر اس کا جواب دیتے تھے اور بعض دفعہ گھوڑے اصطبل میں اپنے آگے پڑے چارے کو کھانے کے دوران چھوڑ کر اپنا منہ پیچھے کر کے مجھے دیکھ کر اس طرح ہنہناتے تھے جیسے کہ ان کو میری جانب سے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرنا اچھا لگا۔

میں ملو کی گود میں روزانہ اصطبل میں موجود گھوڑوں کو دیکھنے ضرور جایا کرتی تھی۔ بعض دفعہ وہ مجھے وہاں لے جانے کے لیے کسل مندی کرتا تو میں مچل کر اس سے آگے ضد کیا کرتی تھی کہ وہ مجھے اصطبل لے کر جائے اور وہ مجبوراً مجھے وہاں لے کر جاتا تھا۔ میرا وہاں جانا ایک نشہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

ملو جب مجھے اصطبل میں لے جاتا تو وہاں موجود گھوڑے میری آمد کو محسوس کرتے ہوئے خوشی کے عالم میں اپنے پاؤں زمین پر مار کر ہنہناتے تھے۔ نہ جانے کیوں مجھے ان گھوڑوں سے لگاؤ ہو گیا تھا۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے ڈیڈی نے ملو کو کہا کہ "سمیل اب اتنی معصوم بچی نہیں رہی کہ اسے اصطبل میں بندھے گھوڑے دکھائے جائیں۔"

دوسرے دن ملو مجھے اصطبل میں نہ لے کر گیا تو میں اتنا روئی کہ مجھے بخار ہو گیا۔ میں اتنی بیمار ہو گئی کہ ڈیڈی نے بالآخر ملو کو کہا کہ سمیل کو اصطبل میں گھوڑوں کی جھلک دکھانے لے جاؤ۔

میں آٹھ سال کی ہو گئی تھی۔ مجھے پتا چلا کہ میرے ڈیڈی کو کیپٹن سے ترقی دے کر میجر بنا کر کانپور

سے ٹرانسفر کر کے بہاولنگر 13 پنجاب رجمنٹ کی ایسی فوجی یونٹ میں بھیجا جا رہا تھا۔ جہاں ان کی ڈیوٹی فائل ورک کی ہے اور وہاں اصطبل اور گھوڑوں کا دور دور تعلق نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے بہاولنگر نہ جانے کا اعلان کر دیا۔ میرے ڈیڈی نے مجھے پیار سے کہا کہ "تم بے جا ضد کر رہی ہو۔ ہمیں ہر حال میں بنگلہ چھوڑنا پڑے گا۔" میں یہ سن کر زار و قطار رونے لگی۔

تو ڈیڈی نے مجھے کہا کہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں کسی نہ کسی طریقہ سے تمہاری ملاقات گھوڑوں سے کرواؤں گا۔

ہم لوگ جب بہاولنگر پہنچے تو یہاں بھی ڈیڈی کو رہائش کے لیے ڈیمس روڈ پر ایک بڑا بنگلہ دیا گیا۔ یہ دراصل کینٹ کا علاقہ تھا۔ چند دن بعد میں نے ڈیڈی کو ان کی جانب سے کیا گیا وہ وعدہ یاد دلایا۔ جس میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بہاولنگر میں گھوڑوں سے ملاقات کراؤں گا۔ میری اس خواہش پر وہ مجھے بہاولنگر کے آرمی ہارس کلب لے گئے۔

جہاں اس زمانہ بہاولنگر کے آرمی ہارس کلب میں (دوستانہ میچ کے لیے گھوڑے پالے جاتے تھے۔ اول ریس والے اور دوم رائیڈنگ کے لیے۔ میرے ڈیڈی نے آرمی ہارس کلب انچارج صوبیدار نتھر سنگھ کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ تم میری بیٹی کو رائیڈنگ کے طریقے سکھلاؤ۔

صوبیدار نے آرمی ہارس کلب کا سب سے قیمتی سدھایا ہوا گھوڑا میری رائیڈنگ کی غرض سے منگوایا۔ اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر بڑی کاٹھی پر مجھے بٹھایا اور پھر وہ پیچھے بیٹھ گیا اس نے مجھے گھوڑ سواری کے کچھ ابتدائی اسباق دیئے۔ مجھے اس وقت پہلی مرتبہ تھوڑا بہت ڈر محسوس ہوا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ میرا ڈر ختم ہو گیا۔

گھوڑا اپنی مخصوص چال میں خراماں خراماں چلتا ہوا میرے کرنے لگا۔ میں اس سے بہت لطف اندوز ہوتی۔ مجھے گھوڑ سواری بہت اچھی لگی۔

نتھر سنگھ نے پہلے روز ہارس کلب کے وسیع میدان کے چکر لگوائے تھے۔ نتھر سنگھ نے مجھے گھوڑوں کی نفسیاتی اور اس کی ذہنی کیفیت سوچوں، احساسات کے بارے میں بڑی مفید معلومات دیں۔ بالخصوص اس نے بتلایا کہ یہ ایک وفادار انسان دوست ہونے کے علاوہ ایک حساس دل جانور ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے مختلف سیٹیاں، ناک اور منہ کی مدد سے نکلنے والی آوازیں بتلائیں۔ جن کی مدد سے گھوڑوں کو اپنے پاس بلایا جاتا ہے۔ تین چار دنوں میں اس نے مجھے ہارس رائیڈنگ کے معاملہ میں کافی حد تک ٹرینڈ کر دیا تھا۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب میں ہارس رائیڈنگ کے معاملہ میں کسی حد تک ایکسپرٹ ہو گئی تھی۔ آرمی ہارس کلب میں ہارس رائیڈنگ کے لیے دو ٹریک بنے ہوئے تھے۔ ایک ہلکی بگھیوں کی معمولی سیر کے لیے جبکہ دوسرا بڑوں کے لیے گھوڑ سواری کے لیے مخصوص تھا۔

ایک روز میں نے بڑوں کے ٹریک پر اپنے گھوڑے کو ڈال دیا تھا۔ اس نے اسپیڈ پکڑی تو میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ میں نے بمشکل لگام کھینچ کر روک لیا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے کافی چوٹیں آ گئی تھیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے یہ کہ میری کوئی پاؤں، بازو وغیرہ کی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ میرے ڈیڈی نے مجھے سختی سے آئندہ کے لیے ہارس رائیڈنگ کے لیے منع کر دیا تھا۔ میں بضد ہو گئی کہ میں نے ہر حال میں ہارس رائیڈنگ کرنی ہے۔

سمیل اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ انہوں نے سختی سے کہا۔ اپنے یہ بچکانہ شوق چھوڑ دو۔

ذرا غور کریں ڈیڈی۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ہوش سنبھالتے ہی میں نے خود کو ملو خدمت گار کی گود میں گھوڑوں کے اصطبل میں دیکھا۔ آپ نے مجھے اصطبل میں بھیج کر میری پہلی پہچان، گھوڑوں، خچروں، گدھوں سے کروائی تھی مجھے گھوڑے بہت اچھے لگتے ہیں۔

اب تم جانوروں سے اپنا لگاؤ چھوڑ کر انسانوں سے دوستی کرو۔ ڈیڈی نے مجھے سمجھایا میرے ذہن میں نہ جانے کیا ضد سما گئی تھی کہ میں نے دوبارہ آرمی ہارس کلب رائیڈنگ کے لیے جانا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے ڈیڈی نے پہلی بار زندگی میں مجھے ڈانٹا تھا۔ میں ان کی ڈانٹ پر

Digitized by Google

رونے لگی تھی۔ تم چھوٹے ٹریک پر تھوڑی دیر کی گھوڑ سواری کرلیا کرو۔ انہوں نے مجبور ہوکر مجھے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے ساتھ صوبیدار نتھر سنگھ رہے گا۔

اب صوبیدار نتھر سنگھ دوبارہ میرے ساتھ چھوٹے ٹریک پر بندھا رہتا تھا۔ وہ بعض دفعہ آرام کی خاطر اپنی کسل مندی کی وجہ سے آگے پیچھے ہوتا تو میں اس کی نگاہ سے بچ کر بڑے ٹریک پر آجاتی تھی۔ جہاں میں اپنی مرضی سے گھوڑا تیز دوڑا کر رائیڈنگ سے انجوائے کرتی تھی۔

نتھر سنگھ نے ایک دن ایسی حرکت کرتے دیکھا تو وہ بھاگا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ سمیل بیٹی اگر میجر صاحب کو پتا چل گیا کہ تم نے ان کی ہدایات پر عمل نہیں کیا تو میری بہت بے عزتی کریں گے۔

پھر ایک دن نتھر سنگھ نے مجھ سے کہا کہ بے بی سمیل تمہیں گھوڑوں سے بہت لگاؤ ہے۔ اگر تم اپنے ڈیڈی کو نہ بتاؤ تو میں ایک بات کروں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں ڈیڈی سے اس بات کا ذکر نہ کروں گی۔

نتھر سنگھ مجھے آرمی ہارس کلب کے اصطبل میں لے گیا وہاں لاتعداد گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے درمیان ایک خوبصورت چھوٹا سا گھوڑا سب سے تنہا کھڑا تھا۔ وہ دیکھنے میں انتہائی دلکش چھوٹے قد پر مشتمل بڑا معصوم سا تھا۔ وہ مجھے پہلی نظر میں بھا گیا تھا۔ بے بی سمیل یہ کوئی عام گھوڑے کا بچہ نہیں ہے۔ نتھر سنگھ نے کہا یہ ایک نایاب مصری نسل سے تعلق رکھنے والا گھوڑا ہے پھر ایک توقف کے بعد وہ بولا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے مالک سے انتہائی محبت اور وفا کرنے والا جانور ہے۔

اس کی گھوڑی ماں کہاں ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس کی گھوڑی ماں اس کو جنم دینے کے بعد فوری مرگئی تھی۔ نتھر سنگھ نے جواباً کہا۔ اب یہ بن ماں کے تنہا رہ گیا ہے۔

تو یہ فیڈ کہاں سے کرتا ہے۔ میں نے پوچھا۔

اصطبل کے خدمتگار ایک خصوصی کانچ کی بنی فیڈر سے دودھ پلاتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو مجھے ایسا لگا جیسے میری ہتھیلی نرم و ملائم مخمل یا روئی سے ٹکرا رہی ہو۔ میں نے اسے چمکار کر پیار بھری سیٹی بجائی تو وہ میری جانب پرنم بھرے انداز سے مڑ کر دیکھنے لگا۔

ہاں کیسا لگا نتھر سنگھ نے پوچھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک خوبصورت جانور ہے۔ میں نے مایوسی کے عالم میں اسے کہا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں اسے کیسے حاصل کروں۔ ڈیڈی مجھے اسے پالنے کی اجازت ہرگز نہ دیں گے۔

لیکن بے بی سوچ لو۔ نتھر سنگھ نے میری آتش شوق کو بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس نایاب گھوڑے پر کئی شوقین لوگوں کی نظر ہے۔ اب یہ تم اسے حاصل کرتی ہو۔ لیکن گورو کے واسطے میری اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

ڈنر کے وقت جب ہماری فیملی کھانے پر بیٹھی تو میں نے ڈیڈی کو آرمی اصطبل میں اس گھوڑے کے بچے کا ذکر کیا تو انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

یہ نہ صرف تمہاری بے کار بچکانہ ضد ہے۔ بلکہ ناممکن بھی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ گھوڑے کے بچے کو اس کی گھوڑی ماں ہی سنبھال سکتی ہے۔ انہوں نے کہا اور سوچو اسے رکھا کہاں جائے گا۔ کون اس کا رکھوالا ہوگا۔ ڈیڈی نے ایک بار پھر جھنجلائے ہوئے انداز میں مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا یہ ممکن نہیں ہے۔

ڈیڈی میری خاطر میں نے لاڈ سے کہا۔ دیکھیں اگر آپ کو مجھ سے واقعی محبت ہے تو آپ میری یہ خواہش پوری کردیں۔ ڈیڈی نے مجھے سوری کردیا۔ میں نے غصے سے پلیٹوں، چمچوں کو میز ٹیبل پر پٹخا اور ناراض ہوکر اپنے کمرے میں آگئی میرے ڈیڈی ممی میرے کمرے میں آئے۔ ان دونوں نے مجھے سمجھایا کہ تم جس گھوڑے کے بچے کے حصول کی ضد کررہی ہو یہ ناممکن ہے۔

میں نے رونا شروع کردیا اور ممی ڈیڈی کو کہا کہ اگر آپ نے مجھے گھوڑے کے اس بچے کو نہ دلوایا تو میں آئندہ سے اسکول نہیں جاؤں گی۔

اچھا تم اس وقت سو جاؤ۔ صبح اس مسئلہ پر سوچیں گے۔ ڈیڈی نے مجھے ٹالتے ہوئے کہا۔ میں ساری رات روتی رہی۔ صبح صبح ڈیڈی مجھے آرمی ہارس رائیڈنگ کلب لے گئے۔

وہ انہوں نے سب سے پہلے صوبیدار نتھر سنگھ کو اپنے پاس بلایا۔ انہوں نے وہاں اس کی بہت کلاس لی۔ ممی نے تیرے حوالے بے بی کو ہارس کلب میں ہارس رائیڈنگ کے اسرار و رموز سکھلانے کے لیے کہا تھا۔ لیکن تو نے اسے اصطبل میں موجود گھوڑے کا بچہ دکھا کر اس کا ذہن اس کی جانب مائل کردیا۔

صوبیدار نتھر سنگھ نے آئیں بائیں شائیں کی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے ڈیڈی سے ضد کی کہ وہ میرے ساتھ ایک بار اصطبل میں بند گھوڑے کے بچے کو تو زرا دیکھ لیں۔ انہوں نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی لیکن بالآخر وہ نہ نہ کرتے ہوئے وہاں چلے گئے۔ انہوں نے بھی جب وہاں کھڑے اس خوبصورت گھوڑے کے بچے کو دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی اس کی خوبصورتی سے متاثر ہورہے تھے۔ انہوں نے غور سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ میں نے مخصوص سیٹی بجائی تو اس گھوڑے کے بچے نے میری طرف چونک کر دیکھا اور میری جانب خراماں خراماں چلتا ہوا آیا اور اپنے منہ کو میری فراک سے رگڑنے لگا۔ ڈیڈی نے غصہ بھلا کر کہا۔ لیکن یہ ہتلاؤ بلکہ مشورہ دو کہ یہ کیسے ممکن ہو کہ بے بی کی ضد بھی پوری ہوجائے اور یہ گھوڑا بھی اصطبل میں رہے نتھر سنگھ نے ایک توقف کو سوچا اور پھر اس نے اپنے لبوں کو کھولتے ہوئے کہا معاف کرنا سر آپ تو مجھ پر خواہ مخواہ خفا ہوئے میں نے بڑی سوچ سمجھ کر بے بی کے شوق کے پیش نظر اس نایاب نسل کے کوتاہ قد گھوڑے کا بچہ دکھایا تھا۔ دوسرے میں نے اس بچے کے بارے میں سوچا کہ اس گھوڑے کے بچے کے ملنے کے بعد اس کی ساری توجہ اس کی جانب ہوجائے گی۔ اور یہ تیز رفتار والے رائیڈنگ ٹریک پر جانے کی ضد چھوڑ دے گی۔ یہ ویسے بھی کئی دفعہ فاسٹ ٹریک سے رائیڈنگ کرتے ہوئے گر چکی ہے۔ میرا تو آپ کو مخلصانہ مشورہ یہ ہی ہے کہ آپ بچی کو یہ گھوڑا لینے دیں۔

لیکن اسے سنبھالے گا کون؟ ڈیڈی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ میجر صاحب اس کی فکر نہ کریں نتھر سنگھ نے کہا۔ اس گھوڑی کے بچے کی نگہداشت اسی اصطبل میں ہوتی رہے گی۔ میں یہاں دو تین خدمت گاروں کی مستقل ڈیوٹی لگادوں گا۔ میں تمہاری ضد کی خاطر اس گھوڑے کے بچے کو خرید رہا ہوں۔ ڈیڈی نے مجھے کہا۔ لیکن تم نے اس کی خاطر اپنی پڑھائی برباد نہیں کرنی ہے۔ پھر ڈیڈی نے اپنی جیب سے 100 روپے نتھر سنگھ کو دیئے اور اسے کہا کہ اس کی قیمت کا سرکاری چالان بنوا کر ہارس کلب کے اکاؤنٹ کے پاس اس کی قیمت جمع کروادینا۔ میں نے خوشی کے عالم میں ڈیڈی کو چوم لیا۔ انہیں تھینکس کہا۔ اب مصری نسل کا وہ نایاب گھوڑے کا بچہ میرا تھا۔ جب اصطبل کے ملازم اس گھوڑے کے بچے کو ہمارے بنگلہ میں لے کر آئے تو سب نے بشمول ممی، ڈیڈی یہاں تک کہ بنگلہ کے دیگر نوکر ان کے بچوں نے اسے خوب پیار کیا۔ اس کی معصومیت، خوبصورتی کی مناسبت سے اس کا نام انوسینٹ رکھا گیا۔ وہ واقعی شکل سے بھی بہت معصوم اور بھولا سا تھا۔

دیکھو سمیل میں نے تمہارے شوق کی خاطر اس گھوڑے کے بچے کو خرید تو لیا ہے۔ لیکن تم نے انوسینٹ سے صرف ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام کو کھیلنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈیڈی نے آرمی ہارس کلب کے اس خدمت گار کو جسے انوسینٹ کی دیکھ بھال کے لیے رکھا گیا تھا۔ تاکید سے کہا کہ تم نے اسے روزانہ اچھی خوراک دینے کے علاوہ اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔ اس شخص کا نام جنبل تھا۔ جنبل جب انوسینٹ کو اپنے اصطبل لے جانے لگا تو انوسینٹ مجھے بار بار اس طرح دیکھنے لگا جیسے کہ وہ میری توجہ چاہتا ہو۔ وہ میرے قریب آکر اپنا جسم میرے بدن سے اس طرح مس کرتا جیسے کہ مجھ سے پیار چاہتا ہو۔ یہ منظر دیکھ کر سب خوش

URDU TUBE HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

ہوئے میں نے چمکار کر سیٹی بجائی تو وہ لپک کر میرے پاس آ گیا ڈیڈی ممی نے بھی اسے چمکارا۔ ویری سویٹ، ویری سویٹ۔ اسے دیکھ کر سب نے کہا۔

میں انوسینٹ کو حاصل کر کے بہت خوش تھی۔ ڈیڈی نے مجھے کہا تھا میں تمہیں اس وقت تک انوسینٹ سے ملنے کلب جانے کی اجازت نہ دوں گا۔ جب تک تم نے میری تسلی کے مطابق پڑھ نہیں لیتی۔

میں انوسینٹ سے ملنے کی لالچ اور ڈیڈی کو خوش کرنے کی خاطر خوب دل لگا کر پڑھتی تھی۔ ڈیڈی مجھے سے ان کی جانب سے دیا گیا درسی سبق کا ٹارگٹ سننے یا اس کا ٹیسٹ لینے کے بعد مجھے انوسینٹ سے ملنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔

میں جیسے ہی ہارس کلب گھوڑوں کے اصطبل میں جا کر گھوڑوں کو اپنی جانب کرنے والی مخصوص سیٹی بجاتی تو انوسینٹ دوڑتا ہوا میرے پاس آ کر مجھ سے اٹھکیلیاں کرتا۔ میں اسے اور وہ مجھے خوب پیار کرتے۔ وہ بہ حیثیت بے زبان جانور منہ سے تو کچھ نہ کہتا تھا لیکن مجھے وہ اس طرح بغور دیکھتا جیسے وہ مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔

میں ہارس رائیڈنگ ٹریک پر پیدل چلتی تو وہ میرے قدموں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اس دلفریب منظر کو دیکھنے کے لیے اس ٹریک میں موجود کافی لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ میرا ڈیڈی سے وعدہ تھا کہ میں ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام کو انوسینٹ کے ساتھ گزاروں گی۔ لیکن میں اپنے وعدے سے آدھا گھنٹہ زیادہ کی بے ایمانی کر کے اس کے ساتھ آدھا گھنٹہ گزارتی تھی۔

جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا۔ وہ مجھ سے اور میں اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ جنبل مجھے کہتا تھا کہ بے بی انوسینٹ ساری رات آپ کے قریب اور آمد کا ٹانگیں پٹخ پٹخ کر بے چینی سے انتظار کرتا ہے۔ اور جیسے ہی آپ اصطبل میں آنے سے پہلے اپنی مخصوص سیٹی بجاتی ہیں۔ یہ دیوانہ وار آپ کی جانب دوڑ کر آتا ہے۔

ایک تو انوسینٹ کی خوبصورتی اتنی انفرادیت کی حامل تھی۔ دوسرے وہ اپنے دیکھنے والوں کے سامنے بڑی دلکش ادائیں دکھاتا تھا۔ اس کی خوبصورتی اور اداؤں کو دیکھ کر میرے ڈیڈی سے کافی لوگوں نے اسے منہ مانگی قیمت کے عوض خریدنے کی کوشش کی تھی۔ انوسینٹ حالانکہ بڑا ہو گیا تھا لیکن اس کی معصومیت اور بھولے پن میں رتی برابر بھی فرق نہ پڑا تھا۔

اس زمانہ میں آرمی ہارس کلب میں ہر سال گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہوتا تھا۔ انوسینٹ نے اس مقابلے میں دو ٹرافیاں جیتی تھیں۔ اول اس نے چھوٹے ٹریک میں مخصوص ٹارگٹ ٹائم میں مخصوص فاصلہ طے کر کے وہ ٹرافی جیتی تھی۔ دوسری اسے ایک خصوصی ایوارڈ اس کی خوبصورتی پر دیا گیا تھا۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں جب آٹھویں درجے کی کلاس میں داخل ہوئی۔ جب میں اسکول جاتی تھی تو انوسینٹ اس وقت تک گراؤنڈ میں کھڑا رہتا تھا۔ جب تک مجھے چھٹی نہ ہو جاتی تھی۔ میں نے ایک دن ہارس کلب میں انوسینٹ کے ساتھ رائیڈنگ ٹریک پر بھاگ رہی تھی کہ اچانک مجھے نہ جانے کیوں چکر آ گیا۔ میں لڑکھڑاتی ہوئی حالت میں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ٹریک کی زمین پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ انوسینٹ بھی جھٹکے سے رکا۔ وہ میرے پاس رک کر بے چینی سے اپنے کھر زمین پر مارنے لگا جیسے وہ پریشان ہو گیا تھا۔ پھر وہ فوری طور پر بجلی کی طرح دوڑتا ہوا ہارس کلب کے نگران کے پاس گیا۔ اس نے اپنے دانتوں سے اس کی قمیص اس طرح کھینچی جیسے کہ وہ اسے میری طرف لانا چاہتا ہو۔ اتنی دیر میں بھی اپنے اعصاب پر قابو پا کر ہمت کر کے ٹریک سے اٹھ گئی تھی۔

ہارس کلب کا نگران گھبرائی ہوئی حالت میں وہاں آیا۔ بے بی سمیل خیریت تو ہے؟ اس نے پوچھا کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ میں نے اسے مسکرا کر کہا۔ انوسینٹ گھبرائی ہوئی حالت میں آیا تو سمجھا شاید آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اس نے کہا۔ انوسینٹ واقعی آپ سے سچی محبت کرتا ہے۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں میں نے فخر سے کہا۔

پیارا واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے۔

کلب کے نگران نے آواز دے کر وہاں کے ایک چپڑاسی کو بلایا اور اسے کہا۔ فٹافٹ بے بی کے لیے لیمن واٹر لاؤ۔

نہیں نہیں۔ مجھے لیمن واٹر کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ لیمن واٹر لیں گی تو آپ لازما بہتر محسوس کریں گی۔ چند لمحوں بعد چپڑاسی لیمن واٹر کا گلاس بنا کر لے آیا۔ میں نے نگران کے بار بار اصرار کے بعد لیمن واٹر پیا تو واقعی مجھے اپنے جسم میں تقویت اور شادابی محسوس ہوئی۔ اس نے مجھے کہا کہ بے بی سمیل آج آپ انوسینٹ سے بس اتنا ہی کھیلیں اور گھر جا کر آرام کریں۔

میں ابھی تو آئی ہوں۔ میں نے کہا۔ میں اس سے کم از کم آدھا گھنٹہ اور کھیلوں گی۔ وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ خیر دوسرے دن میں حسب معمول ہارس کلب میں انوسینٹ کے ساتھ ہلکی رائیڈنگ کر رہی تھی کہ تھوڑی دیر بعد اصطبل کا نگران لیمن واٹر کا جگ لے آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک گلاس اور دوسرے میں مدر فیڈز تھا۔ ہارس فیڈز کے ذریعے گھوڑوں کو فیڈز سے جھٹکے سے لیکوڈ دیا جاتا تھا۔ اس نے لیمن واٹر کا گلاس مجھے دیا جبکہ ہارس فیڈز میں لیمن واٹر ڈال کر انوسینٹ کو دیا۔ اس نے مزید لیمن واٹر پینے کے لالچ کے لیے زمین پر تین چار دفعہ پاؤں مارا۔ نگران نے اسے دوبارہ وہ مشروب دیا۔ بے بی آپ کو یہ لیمن واٹر کیسا لگا؟ میں نے اسے کہا ویری گڈ ٹیسٹ۔

باتوں باتوں میں اس نے اپنا نام شام سنگھ بتایا، میں شاید اس سے کچھ زیادہ ہی فری ہو گئی تھی۔ پہلی بار میں نے اس کے سر تا پاؤں شکل و صورت کا بغور جائزہ لیا تو وہ نہ جانے کیوں میرے دل میں اتر گیا۔ میں نے اسے مسکرا کر کہا۔ تم بھی [illegible] بہت انوسینٹ ہو۔ اس نے میری اس بات پر ایک جھرجھری لی۔ بغور میرے چہرے کو دیکھنے لگا لیکن خاموش رہا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ مجھے روزانہ اپنے ہاتھوں سے لیمن واٹر پلانا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے دبے دبے الفاظ میں کہا۔ روزانہ؟

ڈاکٹروں، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی وہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائٹس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائٹس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر شاپ نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

میں نے بھی اپنی مدھ بھری آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ہاں روزانہ۔

آپ کے ڈیڈ نے مجھے ایسا کرتا دیکھ لیا تو نہ صرف میرے ساتھ بہت برا کریں گے بلکہ تم پر بھی ناراض ہوں گے۔

میں نے کہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ اس طرح ہماری محبت کی عمارت کی تعمیر کے لیے پہلی اینٹ رکھی دی گئی تھی۔

ایک دن میں نے کھل کر اس سے اپنی محبت کا اظہار کردیا۔ تو وہ بولا میں ایک ادنیٰ رینک کا دیسی سپاہی ہوں۔ میرا اور آپ کا بھلا کیا جوڑ۔

تم ایسا نہ سوچو مسٹر سنگھ۔ میں نے اس سے کہا میں اپنے ڈیڈی سے تمہیں ضد کرکے مانگ لوں گی۔ اور مجھے پتا ہے کہ میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ وہ میری جانب سے کی گئی ضد رد نہیں کرتے۔ اس گھوڑے انوسینٹ کو بھی میں نے ان سے ضد کرکے حاصل کیا تھا۔

یہ گھوڑا جانور ہے۔ شنام سنگھ نے کہا۔ اس کا اور تمہارا معاملہ کچھ اور نوعیت کا تھا۔ میرے بارے میں جو کچھ تم سوچ رہی ہو وہ ناممکن ہے۔

دیکھا جائے گا۔ میں نے لاپروائی سے کہا۔ میں اور شنام سنگھ روزانہ ہارس کلب میں ایک مناسب جگہ بیٹھ کر ملنے لگے۔ اس کی سوچیں میری خواہشیں عین مطابق تھیں۔ اس کی شخصیت کی منفرد کشش نے میرے دل کو مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ میری توجہ کا فوکس انوسینٹ سے ذرا ہٹ کر شنام سنگھ کی جانب ہوگیا تھا۔

انوسینٹ ہمارے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا۔ بلکہ وہ میرے قریب آکر مجھ سے محبت بھری اٹھکیلیاں کرتا تھا۔ وہ میری توجہ چاہتا تھا۔ میری چاہت جاہتا تھا میں اب دو جانب تقسیم ہوکر رہ گئی تھی۔ بس یوں ہی سمجھیں کہ 50% حصہ شنام اور 50% گھوڑے کی جانب راغب تھا۔

لیکن مجھے یہ یقین کامل تھا کہ مجھ سے انوسینٹ اور شنام دونوں محبت کرتے تھے۔ لیکن مجھے اس چیز کا رتی بھر بھی خیال نہ تھا کہ انوسینٹ جانور ہوتے ہوئے بھی میرے لیے اپنے دل میں کتنی عجیب سی محبت رکھتا ہے۔

میں اور شنام سنگھ جب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ٹریک پر چلتے تو وہ ہمارے پیچھے پیچھے عجیب سی آوازیں نکالتا ہوا آیا کرتا تھا۔

ایک دن میں حسب معمول ہارس کلب سے اپنے بنگلہ میں جیسے ہی داخل ہوئی تو وہاں میں نے باغیچے میں ڈیڈی کو بڑے تفکرانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے مجھے پاس بلاتے ہوئے کہا سمیل ادھر آؤ۔

میں ان کے قریب گئی تو انہوں نے مجھے غصیلی نگاہوں سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تم سے جو سوال کروں اس کا مختصر ہاں یا نہیں میں جواب دینا۔

میں نے اسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ یقیناً ڈیڈی کو میرے اور شنام سنگھ کے درمیان پروان چڑھنے والی محبت کی بو پہنچ چکی ہے۔ تمہارا ہارس کلب کے نگران شنام سنگھ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ ڈیڈی نے وہی سوال داغ دیا جس کا خدشہ تھا۔ ان کے اس اچانک سوال پر میں ہڑبڑا گئی۔ سمیل میں نے تم سے جو پوچھا ہے۔ بس اس کا جواب دو۔

چند لمحوں بعد میں نے انہیں بڑا حوصلہ کرکے بتلادیا کہ میں شنام سنگھ کو نہ صرف دل سے پسند کرتی ہوں۔ بلکہ میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔

لگتا ہے تم وقت سے پہلے ہی جوانی کے نشے میں پاگل ہوگئی ہو۔ انہوں نے میرے گال پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔ تمہارے کچے ذہن کے اس گھٹیا اصطبل کے نگران نے اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر پاگل کردیا ہے۔ خیر اس سے تو اچھی طرح نمٹ کر اس کے جسم سے کھال اتروادوں گا۔ لیکن یاد رکھو تمہیں ہر حال میں شنام سنگھ کی محبت کا خناس اپنے ناپختہ اور بے عقل ذہن سے جھٹکنا ہوگا۔

یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں نے روتے ہوئے کہا۔

اچھا ایسی بات ہے تو میں اسے ممکن بناؤں گا۔ تمہارا آج سے ہارس کلب جانا بند ہے۔

میں نے ان سے آگے باغیانہ انداز میں کہا۔ ڈیڈی میں ہر حال میں کلب جا کر نہ صرف اپنے محبوب گھوڑے انوسینٹ کے ساتھ وقت گزارنا ہے بلکہ شنام سنگھ کے ساتھ بھی ملنا ہے۔ میں اپنے ان دونوں محبوب سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اتنے میں میری ممی بھی وہاں آگئیں انہوں نے بھی ڈیڈی کے موقف کی تائید کردی۔ مجھے طعنوں کے تیر مارتے ہوئے کہا اب تم بڑی ہوگئی ہو۔ اور اب تمہاری عمر ایسی نہیں ہے کہ تم اپنے بچپن کے پالے گھوڑے انوسینٹ کو کھلونا بنا کر کھیلو اور اس کے ساتھ ساتھ دل کے فیصلوں کو ماننے کے بجائے اس حقیقت کو دیکھو کہ حقیقت کیا ہے؟

میں نے ان سے پوچھا آپ کس حقیقت کی بات کررہی ہیں۔ جواباً انہوں نے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک تو تمہاری عمر ایسی نہیں ہے کہ تم کسی نوجوان سے محبت کی پینگیں بڑھاؤ۔ ممی نے کہا اور دوسرے تمہیں معلوم ہے کہ تم اعلیٰ اسٹیٹس کے باوجود ایک تیسرے درجے کے ملازم سپاہی کو اپنا دل دے بیٹھی۔ یہ سب کچھ ہمارے اسٹیٹس کے خلاف ہے بلکہ تمہارا یہ پاگل پنے کا ڈرامہ ہمارے خاندان کے لیے باعث شرم ہوگا۔

میں نے ان سے اپنے جنون محبت میں زبان چلانی شروع کردی تھی۔

اگلے روز ڈیڈی نے میرے ہارس کلب کے داخلے پر نہ صرف پابندی لگادی۔ بلکہ اپنے اثر ورسوخ سے شنام سنگھ کا وہاں سے ٹرانسفر بھی کروادیا۔

دوسری جانب میرے علم میں یہ بات آئی کہ ڈیڈی پریشانی کے عالم میں انوسینٹ کو گولی مارنے کا پروگرام بنارہے ہیں۔ شنام سنگھ کی ہارس کلب سے ٹرانسفر اور انوسینٹ کو گولی مارے جانے کی خبروں سے مجھے بہت تشویش و پریشانی ہورہی تھی۔ ادھر ڈیڈی نے میرا بنگلے سے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگادی تھی۔

میری ممی مجھے سمجھا سمجھا کر عاجز آگئی تھیں کہ میں اپنے ذہن سے شنام سنگھ کی محبت و وابستگی کو چھوڑ دوں لیکن میں اپنی ضد پر قائم رہی۔ ڈیڈی نے مجھے شنام سنگھ اور انوسینٹ سے دور رکھنے کی خاطر اپنا تبادلہ بہاولنگر سے چھانگا مانگا 13 کور میں کروالیا تھا اور انہوں نے ممی کو کہا کہ وہ اگلے ہفتے یہ شہر چھوڑ دیں گے۔

میں نے ایک بار پھر ان کے آگے یہ ضد جاری رکھی کہ میں کسی قیمت پر شنام سے شادی کیے بنا نہ جاؤں گی اور اس کے ساتھ میں نے انہیں یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ نے انوسینٹ کو گولی مارنے کا حکم دیا تو میں اپنے آپ کو گولی مار لوں گی۔

ایک دن میں نے ٹینشن میں آکر اپنی زندگی ختم کرنے کی خاطر کافی مقدار میں خواب آور گولی کھالی۔ مجھے فوری طور پر آرمی اسپتال لے جایا گیا۔ وہاں میرا معدہ واش کرکے مجھے بچالیا گیا۔ میں نے اسپتال میں دیکھا کہ میرے اردگرد حلقہ بنائے بہت سے لوگ کھڑے ہیں۔ ان میں میرے ڈیڈی اور ممی بھی تھیں۔ یہ تم نے کیسی پاگلانہ حرکت کی۔ ایک گورے نے کہا ایک گھوڑے اور تھرڈ کلاس دیسی سپاہی کے لیے تم نے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔

وہ آپ کی نظر میں تیسرے درجے کا عام شخص ہوگا میں نے کہا۔

تمہیں کیا معلوم میری زندگی میں شنام سنگھ کی کیا حیثیت ہے اور انوسینٹ کی؟

وہاں کھڑے ایک گورے فوجی آفیسر نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا۔

تم نے معاشرے میں ہماری مٹی پلید کردی۔

میری ممی نے میرے قریب آکر کہا تم اپنی ضد چھوڑ دو اور اب ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم واپس لندن چلے جائیں گے۔

آپ جائیں میں نے کہا۔ میں شنام سنگھ اور انوسینٹ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

میں چند روز اسپتال میں رہی۔ میں بچ تو گئی لیکن میرے جسم میں تیز خواب آور گولیوں کے زہر کا اثر باقی تھا اس کے باوجود میرے لبوں سے مسلسل شنام اور انوسینٹ کا نام بھی نکلتا تھا۔ اگر تو نے گند کھانا ہے تو

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

کہا۔ بالآخر میرے ڈیڈی نے جھنجلا کر مجھے کہا۔ تیری پاگلانہ ضد کی وجہ سے یہاں اتنا ذلیل وخوار ہو چکا ہوں کہ مجھے لگتا ہے کہ میرا یہاں مزید رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ ڈیڈی مشروط طور پر مان گئے۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ لیکن تمہاری عقل بچکانہ ہے، مقصد ضد کے آگے ہتھیار پھینک رہا ہوں۔

جب اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی تو ڈیڈی نے ممی کو کہا کہ میں اور اس کے عاشق شام سنگھ کی شادی کے اخراجات تمہیں دے دوں گا۔ لیکن میں اس شادی میں شرکت نہ کروں گا۔ تم اب میری بیٹی نہیں ہو۔ انہوں نے مجھے مخاطب کرکے کہا۔ تم میری طرف سے آزاد ہو تم جہاں مرضی جاؤ مرو جیو۔

اتنے سخت دل نہ بنو میجر! ایک آفیسر نے میرے ڈیڈی سے کہا۔ بے شک یہ اچھا نہیں کررہی ہے مگر ہے تو تمہاری بیٹی۔

یہ اس وقت میری بیٹی تھی جب تک یہ اس دو ٹکے کے سپاہی شام سنگھ سے نہیں ملی تھی۔ ڈیڈی نے کہا اس نے میرا دل دکھایا ہے۔

اسپتال سے چھٹی کے بعد جب میں بنگلے پہنچی تو وہاں ڈیڈی موجود نہ تھے۔ جبکہ ممی موجود تھیں۔ لیکن میری جانب سے اکھڑا اکھڑا رویہ اختیار کیے ہوئے تھیں۔ میں نے شام سنگھ کو یہ پیغام دیا کہ میں اب تم سے شادی کرسکتی ہوں۔ تم فٹافٹ بہاولنگر آؤ۔ میں اس دن آرمی ہارس کلب گئی وہاں میں نے اپنے محبوب گھوڑے انوسینٹ سے بہت دنوں بعد ملاقات کی۔ وہ دیوانگی کے انداز میں میرے آگے پیچھے ہو کر اٹھکیلیاں کرنے لگا۔ اس کے خوش ہونے کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے۔ جیسے کسی محبوب کو بہت عرصہ بعد اس کی محبوبہ کا دیدار نصیب ہوا ہو۔

مجھے اس کے نگران جنبیل نے بتلایا کہ آپ جب یہاں کافی دنوں سے نہیں آئی تھیں تو اس نے آپ کی جدائی میں نہ صرف اداس رہنا شروع کردیا تھا بلکہ اس کی خوراک میں کمی آگئی تھی۔

مجھے میرا جانور محبوب تو مل گیا اب اپنے محبوب شام سنگھ کا شدت سے انتظار تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ میرے دو محبوب ہیں۔ جانور کے روپ میں انوسینٹ اور انسان کے روپ میں شام سنگھ۔

شام سنگھ مجھے کافی دنوں کے بعد ڈرتے ڈرتے ہارس کلب میں ملا تھا۔ اسے میں نے جب یہ کہا کہ ڈیڈی کو میں نے بالآخر تم سے شادی کرنے کے لیے منالیا ہے تو اس کا منہ حیرت کے مارے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ تم اپنا منہ بند کرو۔ میں نے قہقہہ لگا کر کہا اور اس بات کا یقین کرلو کہ میں چند روز میں تمہاری دلہن بننے والی ہوں۔

شام سنگھ اور میں جب رائیڈنگ ٹریک میں ملتے تو انوسینٹ ہمیں بڑے غور سے گھورا کرتا تھا۔ وہ بڑی عجیب نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھتا تھا وہ ہمیں دیکھ کر بڑی غصیلی حرکات کرتا تھا۔ تم نے کبھی انوسینٹ کے رویے پر غور کیا ہے؟ ایک دن شام سنگھ نے کہا لگتا ہے کہ تمہارا محبوب گھوڑا تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر شاید جلتا ہے۔ میں نے اس کی بات مذاق میں اڑادی۔ شام دیکھو۔ میں نے بڑی قربانی دے کر تمہیں حاصل کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ مجھ سے کبھی بے وفائی نہ کرنا۔

میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں زندگی بھر دھوکہ نہیں دوں گا۔ شام سنگھ نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ تمہاری میری محبت تاریخ ہند کی ایک مثالی محبت ثابت ہوگی۔ ہم دونوں محبت کے خمار میں ایک دوسرے سے وعدے اور قسمیں لے رہے تھے۔ میرے انداز انوکھے اور ان دیکھے جذبے انگڑائیاں لے رہے تھے۔ ہم اس کیفیت میں اپنے اردگرد سے بے خبر ہو کر ایک دوسرے میں کھوئے ہوئے تھے۔

اچانک انوسینٹ میرے قریب آکر مجھ سے اٹھکیلیاں کرنے لگا۔ وہ دراصل مجھ سے توجہ مانگ رہا تھا۔ لیکن میں شام سنگھ کی محبت میں اتنی ڈوبی ہوئی تھی کہ میں اس کو نظر انداز کررہی تھی۔ میری عدم توجہ کو محسوس کرتے ہوئے انوسینٹ نے ایک غصیلی ٹکر شام سنگھ کو

ماری تو اس نے ٹکر کھانے کے بعد انوسینٹ کو دھتکارا اگر یہ تمہارا محبوب گھوڑا نہ ہوتا تو لازماً اسے زہر دے دیتا۔ اس نے غصے سے کہا؟

آئندہ ایسی بات نہ کرنا میں نے برا مناتے ہوئے کہا۔ میں تم سے ناراض ہوجاؤں گی۔

اچھا تم بتلاؤ تمہیں مجھ سے زیادہ محبت ہے یا اپنے اس گھوڑے محبوب سے؟

شام سنگھ نے پوچھا۔ سچی بات ہے میرا دل آدھا انوسینٹ کی جانب اور آدھا تمہاری جانب ہے۔ میں نے اسے کہا۔ میں تم دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم نے اسے دھتکارا ہے۔ چلو تم اسے اب پچکارو۔ شام سنگھ نے میرے کہنے پر اسے پچکارا تو انوسینٹ نے ایک ٹکر اسے ماری اور اس کے بعد وہ غصے سے گھورتا ہوا ناراض انداز میں ایک کونے میں کھڑا ہوگیا۔

شام سنگھ نے بھی اس کی پرواہ نہ کی۔

شادی کا شیڈول ممی نے مجھے دیا کہ میری اور شام کی شادی سکھ عقیدے کے مطابق ونسن ہال میں ہوگی اور وہیں سے میں شام سنگھ کے ساتھ اس کے گھر رخصت ہو جاؤں گی۔ مجھے معلوم تھا کہ ممی یہ بات اپنے دل پر بہت بڑا پتھر رکھ کر کہہ رہی تھیں۔

اس وقت نہ جانے میرے دل سے ممی ڈیڈی کی محبت کو نکال دیا تھا۔ ایک روز قبل اپنا ضروری سامان لے کر شام سنگھ کے گھر آگئی۔ وہاں مجھے دلہن بنی دیکھ کر ان کے علاقے کے دور دراز کے لوگ جوق در جوق مجھے وہاں کی عجوبہ چیز کی مانند دیکھنے آرہے تھے۔ اس کے گھر میں جگہ جگہ مٹھائیاں بٹ رہی تھیں۔ میں سب کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ شام کے گھر والے شادی کی ضروری تیاری میں مصروف تھے۔

تھوڑی دیر بعد مجھے شام سنگھ نے یہ اطلاع دی کہ انوسینٹ کا رکھوالا جنبیل بڑی گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں آیا ہے اور وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔

میں جب جنبیل کے سامنے گئی تو اس نے مجھے یہ حیرت انگیز خبر سنائی کہ انوسینٹ اصطبل سے نہ جانے کہاں بھاگ گیا ہے۔ میں نے تعجب کی حالت میں اس سے پوچھا کہ وہ تمہاری نگرانی میں تھا۔ وہ کیسے اور کہاں بھاگ گیا۔

اس نے ہانپتے ہوئے کچھ دیر بعد اپنا سانس بحال کیا اور مجھے بتلایا کہ رات کے دوسرے پہر میں جب اسے آخری بار دیکھا تو وہ بڑے مایوس کن انداز میں درد بھری آوازیں نکال رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ لیکن صبح وہ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ جاؤ اسے ڈھونڈو۔ میں نے روتے ہوئے کہا۔

میڈم میرے خیال میں انوسینٹ اصطبل کے سامنے والے کھنڈرات میں چلا گیا ہوگا۔

میں نے شام سنگھ کو کہا کہ تم میرے ساتھ اسے تلاش کرنے نکلو۔ دیکھو اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔

یہ گوری تو دماغ سے کھسکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جو ایک گھوڑے کی گمشدگی کی وجہ سے اتنا پاگل ہوئے جارہی ہے۔

وہاں موجود دیسی لوگ میرا مذاق اڑانے لگے۔

جنبیل میں اور شام سنگھ اور ہمارے ساتھ کچھ اور لوگ متوقع جگہوں پر تلاش کرتے رہے لیکن وہ نہ ملا۔ میں انوسینٹ کی گمشدگی کی وجہ سے مایوس ہو کر رونے لگی۔ شام سنگھ اور اس کی فیملی والے اردگرد کے محلہ دار مجھے سمجھانے لگے کہ وہ کہیں نہیں جائے گا وہ آجائے گا تم فی الحال کل ہونے والی شادی کی اطمینان سے تیاری کرو۔

رات دیر تک شام کے گھر میں اس عجیب مسئلہ پر رنگیلی باتیں ہونے لگیں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہاں موجود دیسی لوگ میرا بڑے توہین آمیز باتوں سے مذاق اڑا رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ باتوں سے تسلیاں دے کر مجھے خوش بھی کررہے تھے۔

رات کے وقت مجھے جنبیل کی جانب سے یہ اطلاع ملی کہ انوسینٹ شام سنگھ کے گھر کے علاقہ کے قریب دیکھا گیا ہے اس اطلاع کی تائید ایک محلے دار نے بھی کی تھی۔ میں اور شام سنگھ دوبارہ چند محلہ

URDU TUBE A WORLD OF ENTERTAINMENT www.urdutubes.com

داروں کے ساتھ انوسینٹ کو ڈھونڈنے لگے۔ میں نے اپنے مخصوص انداز میں اسے بلانے والی آوازیں سیٹیاں بجا کر پکارنے لگی۔ برا نہ ماننا ڈیئر۔ شام سنگھ نے کہا گرو کی قسم ہم لوگوں کی شادی ایک کامیڈی یا ڈرامہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہماری بہت جگ ہنسائی ہورہی ہے۔

تمہاری طرح ڈرامے اور جگ ہنسائی کا سامنا تو مجھے بھی کرنا پڑا ہے۔

رات گئے انوسینٹ کو تلاش کرتے کرتے جب میں اور شام سنگھ دو چار لوگ جب ڈی اسٹریٹ پہنچے تو وہاں ہمیں انوسینٹ نظر آ گیا۔ میں نے اسے دیکھا تو میری آنکھوں میں خوشی سے آنسو نکل آئے۔ لو بھئی تمہارا محبوب مل گیا۔ شام سنگھ نے مزاحیہ انداز میں کہا تھا۔ میں نے انوسینٹ کے لیے سیٹی بجائی مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا اور اپنی جگہ کھڑا اپنے منہ سے بڑی بھیانک خرر خرر کی غصیلی آواز نکال رہا تھا۔ وہ ایک نگاہ مجھ پر اور دوسری نگاہ شام سنگھ پر ڈالتا۔

میں اس کے پاس جانے لگی تو وہاں موجود ایک شخص نے کہا میم صاحب آپ وہاں نہ جائیں کیونکہ انوسینٹ کے ارادے کچھ خطرناک لگ رہے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود میں اس کے قریب گئی اور اسے چمکارتے ہوئے اپنے پاس بلایا۔ اس نے مجھے بڑی حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ میں اس کی پیٹھ پر اپنے ہاتھوں سے مساج کیا۔ وہ ذرا سا شانت رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک گہری نگاہ شام سنگھ پر ڈالی جو ڈر کے مارے ابھی تک اپنی جگہ کھڑا تھا۔

انوسینٹ نے دوبارہ سے انتہائی غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اپنے حلق سے پھر خرر خرر کی بھیانک آواز نکالی اور ایک جست لگا کر بجلی کی تیزی سے شام کی طرف لپکا اور زوردار لات اس کے سینے پر ماری۔

شام سنگھ نے ایک آہ نکالی اور دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

پھر انوسینٹ نے زمین پر گرے شام سنگھ کے سینے پر چار پانچ تیز تیز ایسی لاتیں ماریں کہ شام کے منہ سے خون کی پھوار نکل آئی۔

میں چلاتی ہوئی انوسینٹ کے پاس آئی اسے میں نے گھسیٹ کر شام سنگھ کے جسم سے ہٹانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ جوان گھوڑا تھا اور وہ بھی بپھرا ہوا غصے سے لبریز۔

شام سنگھ ساکت حالت میں زمین پر پڑا تھا۔

انوسینٹ اپنا یہ غصیلہ عمل سر انجام دینے کے بعد بڑے آرام سے ایک جانب سکون سے کھڑا ہو گیا۔ اس دلخراش واقعہ کو سن کر مقامی آبادی کے لوگ جن میں اکثریت سکھوں کی تھی۔ وہ بھی غصے میں آ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو پکڑ کر بے رحمانہ انداز میں لاٹھیوں، ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔

میں روتی چلاتی انوسینٹ کو بچانے کی خاطر اس کے سامنے آ گئی۔ لیکن جنونی غصیلے شام سنگھ کے بھائیوں اور محلے داروں نے میری ایک نہ سنی اور انوسینٹ کو بچاتے بچاتے مجھے بھی کئی زخم آئے۔ میں نے انوسینٹ کو کہا بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ لیکن وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس نے نہ کسی پر حملہ کیا نہ کوئی مزاحمت کی۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے انوسینٹ نے بپھرے ہوئے ہجوم کے ہاتھوں اتنے زخم کھائے کہ اس کے اردگرد خون کا تالاب بن گیا۔ آخرکار وہ زمین پر نڈھال ہو کر گر گیا۔ پھر اس نے ایک حسرت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور اپنے منہ سے انتہائی تکلیف دہ آواز نکالتے ہوئے دم توڑ دیا۔

میری نگاہوں کے سامنے میرے دونوں محبوب کی لاشیں پڑی تھیں۔

انوسینٹ اور شام سنگھ کی اس ناگہانی ناقابل یقین دلخراش واقعہ کے چند روز بعد میری ممی ڈیڈی مجھے لندن لے آئے۔ میں ایک لمبے عرصے تک سنبھل نہ سکی اور نیم پاگل سی ہو گئی۔ ممی اور ڈیڈی کے لاکھ سمجھانے کے باوجود میں نے شادی نہ کی، پوری عمر شام اور انوسینٹ کی یاد میں گنوا دی، میں دنیا کی وہ واحد عورت ہوں جس نے ایک ہی وقت میں اپنے دو محبوب کھو دیئے تھے۔

موت کا بدلہ

محمد خالد شاہان۔صادق آباد

اچانک دوشیزہ کے حلق سے ہولناک چیخ نکلی اور چشم زدن میں وہ زمین بوس ہوگئی، اس کے سامنے ایک عجیب و غریب ڈراؤنی مخلوق کھڑی تھی اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

دل ودماغ کو مسوستی ہوئی خوف ودہراس سے پر دل گرفتہ اور دل فریفتہ ہولناک کہانی

یہ تیسری رات تھی۔ ماہی سوتے سوتے اچانک چونک کر اٹھ بیٹھی تھی۔ گزشتہ دو راتوں سے اسے بھیانک خواب پریشان کررہا تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی ہے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک ہے۔ اچانک کمرے کے دروازے میں لگی ہوئی چابی حرکت میں آئی اور پھر اوپر کی چٹخنی کھلی اور دروازہ آہستہ آہستہ کھل گیا۔ لیکن کوئی اندر نہ آیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی اور سائیڈ پر رکھا ہوا لیمپ جلا دیا۔ خوفزدہ نظروں سے نیم وا دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ تالے کی چابی گھومی اور پھر کسی ان دیکھے ہاتھ نے دروازے کی چٹخنی بھی بند کردی۔

ماہی کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے گلے میں آواز پھنس کر رہ گئی تھی۔ پھر کمرے کی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

مدھم روشنی میں اس نے دیکھا۔
کہ ایک ان دیکھا ہاتھ ہوا کے دوش پر تیرتا ہوا اس کے گلے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پھر جیسے اس ہاتھ سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں اور کمرے کے فرش پر گرتے ہی جم گئیں۔
ماہی خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہوا میں معلق اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ہاتھ اس سے دور ہوتا چلا گیا۔
کمرے کے دروازے میں لگے ہوئے تالے کی چابی پھر گھومی۔ چٹخنی ایک زوردار آواز کے ساتھ کھل گئی۔ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور بند ہو گیا۔ کمرے میں سرد ہوا کا ایک جھونکا آیا اور سردی کی ایک لہر جیسے ماہی کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔
ماہی نے ایک دلخراش چیخ ماری اور پھر اسے اپنے کندھوں پر جواد کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔
کیا ہوا ماہی۔ تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ کہانیوں والا ڈرڈ ائجسٹ پڑھنا چھوڑ دو۔ لیکن تم ہو کہ اپنی عادت سے باز ہی نہیں آتی ہو۔"
یہ کہتے ہوئے جواد نے ماہی کے تکیے کے نیچے سے ڈائجسٹ کی کتاب نکالی اور ایک طرف رکھ دی۔ "لو اب تم سو جاؤ۔ میں یہیں تمہارے پاس کرسی پر بیٹھ کر رسالہ پڑھتا رہوں گا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ شہزادی اپنی خالہ کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ ورنہ وہ بھی خواہ مخواہ خوفزدہ ہو جاتی۔" جواد نے اسے تسلی دیتے ہوئے رسالہ اٹھا لیا۔ اور ماہی کے بیڈ کے قریب آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔
یوں پہلی رات کا یہ بھیانک خواب گزر گیا۔
ماہی اگلے دن تمام وقت اسی خواب کے متعلق فکر کرتی رہی۔ لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہی۔ وہ حیران تھی کہ "کیا یہ خواب اسے کسی آنے والے خطرے کے متعلق خبردار تو نہیں کر رہا ہے۔"
اگلی رات جب وہ خواب آور گولی کو نگلنے کے بعد اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون بخشنے کی تیاری کر رہی تھی کہ رات کے دو بجے اس کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ کوئی اس کے خواب گاہ کے دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دے رہا تھا۔ اس نے قریب لیٹے ہوئے جواد کا سر آہستہ سے ہلایا۔ اور کہا۔ "جواد"۔ اسے انہی خوفزدہ آواز کی کپکپاہٹ سن کر خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔
"ہوں ہوں کیا بات ہے کون ہے؟" جواد نے بے دلی سے پوچھا۔
"باہر کے دروازے پر کوئی ہے۔"
"فکر کرنے گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔" جواد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اور دوسری طرف کروٹ بدل کر سو گیا۔ جواد کے سو جانے کے بعد جیسے کسی تنویمی کیفیت کے زیر اثر وہ آہستہ سے اپنے بیڈ سے نیچے اتری اور دروازے کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ کسی نے پھر دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اس بار بغیر کچھ سوچے سمجھے ماہی نے دروازہ جھٹ سے کھول دیا۔
ایک ہولناک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور بے ہوش ہو کر وہ فرش پر ڈھیر ہو گئی۔
باہر راہداری میں ایک عجیب و غریب ڈراؤنی مخلوق کھڑی تھی۔ اور اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ ماہی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ جگہ جگہ سے کٹا پھٹا تھا۔ اور دونوں ہاتھ کلائیوں تک کٹے ہوئے تھے۔ اس کی کلائیوں سے خون بہہ رہا تھا۔
ماہی کی چیخ سن کر جواد چونک کر اٹھ بیٹھا اور اس نے باتھ روم کے دروازے کے پاس گری ہوئی ماہی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس نے پانی کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکائے۔ ماہی ہوش میں آ گئی تھی۔ باہر راہداری سنسان پڑی تھی۔ اور دور کسی کتے کی رونے کی آواز آ رہی تھی۔
"وہ پھر آئے گا۔ اوہ میرے؟ خدا میں کیا کروں میں کہاں جاؤں۔" جواد مجھے اپنے سینے میں چھپا لو ورنہ میں مر جاؤں گی۔ ماہی بلک بلک کر رونے لگی۔
ایک بار پھر ہولناک خواب نے ماہی کو بے چین اور بے

قرار کر دیا تھا۔ جواد نے اسے تسلی دی۔ اور اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ پھر وہ دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا۔ ماہی کے گلاب جیسے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں واضح نظر آ رہی تھیں۔ اب وہ سو گئی تھی۔
اگلے دن جواد ماہی کو لے کر ایک قابل اور ماہر نفسیات ڈاکٹر دوست سے ملا۔ اس کا نام نادر تھا۔ اور وہ اپنے علاقے میں بہت مشہور تھا۔ مرض کی جڑ تک پہنچ کر اس کی صحیح تشخیص کرنے کے بعد وہ علاج تجویز کرنے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ماہی کا نفسیاتی تجزیہ کیا۔ اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماہی کے لاشعور یا تحت شعور میں کوئی دبا ہوا خوف نمایاں ہو رہا ہے۔ جو اسے ڈراؤنی مختلف صورتوں میں آ کر راتوں کو خوابوں میں پریشان کرتا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ماہی کو آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے کسی پہاڑی مقام پر چلے جانا چاہیے۔
دونوں نے اپنی آٹھ سالہ چاندنی کو اس کی خالہ کے ہاں چھوڑا۔ اور خود ایک پہاڑی علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ان کا خیال تھا کہ ماہی سکون اور آرام سے چند دن گزار سکے گی۔
گزشتہ دو راتوں کے خوابوں نے ماہی کے اعصاب کو بری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ لوگ دن بھر کی مسافت کے بعد جب خوبصورت پہاڑی علاقے میں پہنچے تو شام ہو رہی تھی۔ گائیڈ نے انہیں ایک چھوٹے سے خوبصورت ہوٹل میں ایک کمرہ لے کر دیا۔ جہاں وہ آئندہ ایک ہفتے تک آرام و سکون سے رہ سکتے تھے۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں ایک قریبی کلب میں چلے گئے۔ جہاں ٹھنڈے مشروبات سے لطف اندوز ہونے کے بعد جواد اور ماہی چاندنی رات میں سیر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہوٹل سے دور چلے گئے۔ جب وہ لوٹے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ایک طویل عرصے بعد پھر سے گزرے ہوئے حسین لمحات ان کی زندگی میں لوٹ آئے تھے۔
ماہی بہت خوش تھی۔ اسے یوں لوگ رہا تھا کہ جیسے ابھی اس کی نئی نئی شادی ہوئی ہو۔ پھر وہ دونوں کافی پینے کے بعد کافی دیر تک کھڑکی کے پاس کھڑے باہر لان میں پھیلی ہوئی چاندنی کا لطف اٹھاتے رہے۔ پھر جواد نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ میرا خیال ہے کہ ہم بہت تھک گئے ہیں۔ چلو سویا جائے۔ ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور کمرے میں جاتے ہی سو گئے۔
جواد کو خوشی تھی کہ دو راتوں کے بعد اب ماہی پرسکون نیند سو رہی تھی۔
ماہی کے متعلق جواد کو سوچتے ہوئے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ماہی سوتے میں کچھ بڑبڑا رہی ہے۔ اس نے کان لگا کر سننے اور سمجھنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کی کوئی بھی بات سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ ناقابل فہم انداز میں کچھ بڑبڑانے میں مصروف تھی۔
پھر اچانک یوں ہوا کہ جواد کے بدن کے رونگٹے خوف سے کھڑے ہو گئے۔ اب ماہی کے حلق سے بڑی غیر انسانی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جواد کو یوں لگا کہ وہ کسی بدروح کے پہلو میں لیٹا ہوا ہے۔ ماہی کی آنکھیں اب بڑی ہی وحشت انگیز انداز میں پوری طرح پھٹی ہوئی تھیں۔ اور وہ واقعی بڑی بھیانک نظر آ رہی تھیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ خنکی باندھے چھت کو گھور رہی تھی۔
جواد کے حلق میں ایک ہولناک چیخ گھٹ کر رہ گئی۔ اور اس نے کوشش کر کے پکارا۔ ماہی کیا ہوا۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔
جونہی جواد کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے ماہی نے ایک جھرجھری لی۔ اور بیدار ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ جواد کے سینے میں منہ چھپائے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ "مجھے بچا لو، میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ جواد میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی اس نے جیسے میری آنکھوں سے نیند ہمیشہ کے لیے چھین دی۔ اوہ میں کیا کروں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ جواد وہ

Digitized By Google

آج مجھے اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے آیا تھا۔ مگر میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔"

ماہی جانے کیا کیا کہہ رہی تھی اور جواد مستقل سوچے جا رہا تھا۔ وہ ماہی کا روپ ہرگز نہیں تھا جسے وہ چند لمحے پہلے دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔

آخر یہ سب کیا تھا۔ وہ اس پراسرار، اسرار کو حل کرنے سے قاصر تھا۔ اور اسے رہ رہ کر اپنی بے بسی اور لاچاری پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اور اپنی حالت پر ترس بھی آ رہا تھا۔

وہ دونوں اگلی صبح ہی وہاں سے واپس پلٹ آئے۔ اور اگلے دن ان کے فیملی ڈاکٹر نے جواد کو خوشخبری سناتے ہوئے کہا۔

"مبارک ہو مسٹر جواد آپ بہت جلد باپ بننے والے ہیں۔" یہ خبر سن کر بھی جواد کے بالکل خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ ماہی کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس حالت میں اس کا اسقاط کر دینا چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ ماہی کی صحت ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ مزید ایک بچے کا بوجھ اور برداشت کرے۔ ماہی کے زرد رخساروں کو اور کمزور بدن کو دیکھتے ہی وہ لرز گیا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنی تشویش یا خوف کا اظہار کرے یا خاموش رہے۔

ڈاکٹر نے اس کی ذہنی کیفیت بھانپ لی تھی۔ اس نے جواد کو تسلی دی۔ اور آہستہ سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے دوست تمہاری بیوی بالکل ٹھیک ہے۔ وہ بس خوف اور وہم کا شکار ہو رہی ہے۔ اور اپنی صحت کے لیے بھی نہیں بلکہ تمہارے لیے بھی مشکلات پیدا کر رہی ہے۔ بہرحال تم اسے سمجھاؤ کہ یہ سب کچھ اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ اور اس کے اثرات اس کے ہونے والے بچے کی صحت پر بھی بری طرح اثر انداز ہوں گے۔" اب اور کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے جواد ڈاکٹر کے خیال سے اتفاق کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔

کچھ ہی وقت بعد دونوں میاں بیوی پر ایک ہولناک انکشاف ہوا۔ بہترین اور اعلیٰ ادویات کے باوجود ماہی کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے بدن کا خون آہستہ آہستہ خشک ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس کے بدن کا رنگ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ پھر جب اس کے فیملی ڈاکٹر نے اچھی طرح ماہی کا معائنہ کیا تو یہ خطرناک حقیقت ان پر آشکار ہوئی کہ ماہی کے بدن میں خون کی مقدار تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

آخر طے یہ کیا گیا کہ خواہ اس سے ماہی کے بدن میں پرورش پاتے ہوئے بچے کی زندگی خطرے میں ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ اس کی اسکریننگ اور ایکسرے کرنا ضروری ہے۔ اور پھر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے ماہی کے پیٹ کے متعدد ایکسرے لیے۔ ماہی کا بچہ خیریت سے تھا۔ لیکن سب سے حیرت انگیز اور ہولناک بات یہ تھی کہ ماہی کے دل کے قریب ایک ننھا سا چہرہ تھا اس کی آنکھوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے حلقے تھے۔ اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس چھوٹے سے چہرے کے جبڑوں اور دہانے پر ایک عجیب سی مضحکہ خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ یوں جیسے وہ ماہی کے بدن کی عمارت کھوکھلی کرنے میں مصروف ہو۔

ماہی اور جواد کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اب واقعی حرام ہو چکا تھا۔ دونوں خود کو بالکل اکیلا محسوس کرتے تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ اب کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا۔ ماہی کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ آخرکار ڈاکٹروں نے طے کیا کہ وہ آپریشن کے ذریعے اس ہولناک عفریت کا علاج کریں گے۔

ڈاکٹروں کے بے حد اصرار پر آخر ماہی اور جواد کو آپریشن کے لیے راضی ہونا پڑا۔ میڈیکل سائنس کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا اچھوتا اور منفرد قسم کا آپریشن تھا۔ اور چار ڈاکٹروں کی ٹیم جو اپنے وقت کے بہترین اور ماہر ترین سرجنوں پر مشتمل تھی۔ اس آپریشن کے لیے تین ماہ تیاری کرتی رہیں۔ اب ماہی کو بغیر سوئے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ ماہی کی آنکھیں سرخ اور سوجی رہا کرتی

تھیں۔ وہ خوف وحسرت کی ایک تصویر بن کر رہ گئی تھی۔

آپریشن کے لیے خصوصی انتظام کیے گئے تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اور ہر گزرنے والا لمحہ ماہی کو موت کے قریب جا رہا تھا۔

ڈاکٹروں نے ماہی میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس کے بچنے کا چانس تمام تر اس کی زندہ رہنے کی خواہش میں تھا۔ جواد بھی اس آپریشن کی سنگینی سے بخوبی واقف تھا۔ اور وہ بھرپور کوشش کر رہا تھا کہ اس کو تسلی دیتا رہے۔

آخر آپریشن کا دن آن پہنچا۔ جواد اور اس کے والدین اور ماہی کے والدین صبح سے ہی عبادت میں مصروف تھے۔

پہلے ماہی کے لیے تازہ آٹھ خون کی بوتلیں فراہم کی گئیں۔ تاکہ وہ آپریشن کے دوران خون کی مقدار ضائع ہونے کی تکلیف کو جھیل سکے۔ پھر آپریشن مقررہ وقت پر شروع ہو گیا۔ انہیں نہ صرف ماہی کے بچے کو بچانا تھا بلکہ اس عفریت کو بھی ختم کرنا تھا۔ جو ایک ہولناک چہرے کے روپ میں ماہی کے دل سے ایک جونک کی طرح چمٹ کر اس کا خون چوسنے میں مصروف تھا۔ اور جس نے ماہی اور جواد کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ آپریشن کے دوران بھی اس کو خون دیا جا رہا تھا۔ اس دوران ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب ماہی کے دل کی دھڑکن بالکل رک گئی۔ لیکن پھر جیسے اس کے دل نے خود بخود حرکت کرنا شروع کر دی تھی۔ گھنٹوں کے بعد ماہی آپریشن ٹیبل پر بے ہوش پڑی تھی۔ بزرگ ڈاکٹر شاہ صاحب ماہی کے سینے کے شگاف کو اور وا کیا تینوں ڈاکٹر اور آگے بڑھے۔ ماہی کا دل ان کے سامنے دھڑک رہا تھا۔ لیکن وہ پراسرار چہرہ غائب تھا۔ چاروں ڈاکٹر حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ سب کچھ ایک فضول اور مبہم سی کوشش تھی۔ اور ان کی ساری محنت رائیگاں ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اب تذبذب میں تھے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔

ماہی کے سینے میں ٹانکے لگا دینے چاہیے۔ یا پھر اس لمحے کا انتظار کرنا چاہیے کہ جب وہ اسی قسم کی صورت

ڈاکٹروں، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھیے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

Digitized by Google

حال سے پھر دوچار ہو۔ یہ سب کچھ بڑا عجیب تھا لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ماہی آپریشن کے بعد بہتر گھنٹوں تک ہوش میں نہ آسکی۔ اس کی حالت بہت خراب ہوچکی تھی۔ آخر وہ لگاتار دیکھ بھال اور ڈاکٹروں کی ان تھک محنت کے بعد ہوش آہی گیا۔ لیکن وہ ابھی تک بولنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہیں ہوئی تھی۔ اسے مزید خون دیا گیا تھا۔ تب کہیں جاکر اس کی حالت سنبھلی لیکن خوف اور دہشت کے اثرات ابھی تک اس کے چہرے پر باقی تھے۔ اور وہ بے حد کمزور نظر آتی تھی۔

جواد کے چہرے میں ماہی کے ہوش میں آتے ہی ایک پرسکون اور چین کے اثرات نمودار ہوئے۔ اس نے آہستہ سے ماہی کا ملائم اور نازک ہاتھ دبا کر اسے تسلی دی۔ اور اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو چھپانے کے لیے دیوار کی طرف منہ کرلیا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ماہی مبارک ہو بچے کی جان بچ گئی۔"

ماہی بار بار اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جاتی اور پھر زخموں کے خیال سے سینے کو چھونے سے گریز کرتی، اسپتال کے عملے نے اس کی بے حد خدمت کی اور اسی وجہ سے ماہی کی حالت چند دنوں بعد کافی حد تک سنبھل گئی۔

لیکن پھر ماہی کو ایک اور ہولناک حادثہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ماہی چند منٹ پہلے بہت پرسکون نیند سو گئی تھی۔ اس کے کمرے میں موجود نرس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ وارڈ بوائے اور نرس کافی پی رہے تھے۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے گھٹی گھٹی چیخیں اور کراہنے کی آوازیں ماہی کے کمرے سے آرہی ہوں۔

نرس نے کافی کا مگ رکھ دیا اور کمرے کی طرف دوڑی۔ ویسے بھی اصولی طور پر ایک لمحے کے لیے بھی نرس کو ماہی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ لیکن وہ اسے سوتا ہوا چھوڑ گئی تھی۔ اس کی آوازیں سن کر ڈیوٹی پر موجود نرس اور وارڈ بوائے تیزی سے دوڑتے ہوئے ماہی کے کمرے کی طرف دوڑے۔ اندر کمرے میں ماہی فرش پر گری ہوئی تڑپ رہی تھی۔

یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی ان دیکھا ہاتھ اس کے بدن پر زور زور سے ضربیں لگا رہا ہو۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے حلق سے دبی دبی اور گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ جیسے کسی نے اس کا گلا دبوچ رکھا ہو اس کا چہرہ فرط خوف اور تکلیف سے زرد ہو رہا تھا، ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ اور وہ اس تشدد کا مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ جکڑ رکھا تھا۔ اور بے آب مچھلی کی طرح فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ اور ناخنوں کی خراشیں جن میں سے خون رس رس کر جم گیا تھا۔ صاف نظر آرہی تھیں۔ اور اس کا چہرہ کرب اور اذیت کی وجہ سے بری طرح مسخ ہوگیا تھا۔ وہ بے بسی اور لاچاری کی حالت میں فرش پر گری ہوئی اسٹاف کے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ نرس اور دوسرے لوگوں کی آہ و بکا اور شور سے پورے اسپتال میں ایک ہولناک سماں پیدا ہوگیا تھا۔ کئی ڈاکٹر اور نرسوں نے مل کر ماہی کو ننگی فرش پر سے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔

اب تشدد کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔ بس کمرے میں ماہی کی دبی دبی سسکیاں اور آہیں ابھر کر ارتعاش پیدا کررہی تھیں۔ ڈاکٹر اور دوسرے لوگ اس پراسرار حادثے کی وجہ جاننے سے قاصر تھے۔ لیکن اور جواد جانتے تھے کہ یہ سب کیا ہے اور کس وجہ سے ایسا ہو رہا ہے اس کے باوجود وہ بے بس تھے۔

تشدد کی وجہ سے ماہی کی حالت اور تشویش ناک ہوچکی تھی۔ اس کے بدن سے بڑی کثیر مقدار میں خون ضائع ہوچکا تھا۔ ایک بار پھر وہ موت کی دہلیز پر کھڑی تھی۔ بچہ ضائع ہوچکا تھا۔

لیکن ڈاکٹروں نے تین روز تک موت سے جنگ کرنے کے بعد آخرکار ماہی کی جان بچا ہی لی تھی۔ اور جواد کے لیے یہ بات بڑی خوشی کی تھی۔ کہ ماہی کی جان بچ گئی۔ پھر بھی اسے بچے کی موت کا بڑا دکھ تھا۔ وہ بار بار ماہی کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اور اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔

ایک دن جواد نے کہا "میں بچے کی موت کا اس سے انتقام ضرور لوں گا۔"

"لیکن تم بھلا کس طرح ان بدروحوں اور شیطانی قوتوں سے ٹکرا سکتے ہو۔" ماہی نے روتے ہوئے کہا۔

جواد نہیں جانتا تھا لیکن یہ ضرور تھا کہ اب وہ اس آنکھ مچولی سے تنگ آچکا تھا۔ اگر وہ کوئی آسیب تھا تھا یا بدروح تھی تو اب کھل کر سامنے کیوں نہیں آتی۔ جواد نے طے کرلیا تھا کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی اس ہولناک معمے کو ضرور حل کرے گا۔ لیکن یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔ کیونکہ وہ ان شیطانی قوتوں سے مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

چند دنوں تک ماہی کی حالت کسی قدر سنبھل گئی لیکن اب وہ اکثر یہی شکایت کیا کرتی کہ اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی اس کا دل آہستہ آہستہ مسل رہا ہو۔ اور وہ اکثر و بیشتر درد سے بے چین ہوجاتی تھی۔

فون کی گھنٹی دیر تک بجتی رہی جواد نے چونک کر ریسیور اٹھایا، اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کردیا کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں سنے گا۔

"ہیلو" اس نے دھڑکتے دل سے سوچا اور فون پر ڈاکٹر کی آواز گونجی۔ "جواد مجھے افسوس ہے کہ ہم ماہی کو بچانے میں ناکام رہے ہیں، وہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہوچکی تھی۔ اس نے کچھ غلط کھالیا تھا۔"

یہ سن کر جواد کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اور تقریباً بھاگتا ہوا کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا بھاگا لیکن پھر اس نے خود پر قابو پایا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کار چلاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

ڈاکٹر اور دوسرے سب لوگ موجود تھے کئی عورتوں کی دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ جواد پاگلوں کی طرح اندر داخل ہوا اور ماہی کی تلاش میں گر کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ماہی کے ہونٹوں کا خون اور نتھنوں سے سیاہ مائل اور نیلاہٹ لیے ہوئے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک تڑپ کر مر چکی تھی۔

ماہی کی موت نے جیسے جواد کی حالت دیوانوں کی سی کردی تھی۔ اس نے اپنے ملنے جلنے والوں سے ملنا اور بات کرنا ترک کردیا تھا۔ اور اب اس پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس ان دیکھے عفریت سے اپنی دنیا کو لوٹے جانے کا انتقام لینے کا آرزومند تھا۔ لیکن وہ اسے کہاں تلاش کرتا۔ اس نے الماری سے بوسیدہ ایکس رے نکالا اور اس میں نظر آتی ہوئی صورت کو دیکھ کر اپنے ذہن میں نقش کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنے قریبی عجائب گھر کا رخ کیا۔ اور رات گئے تک وہاں مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ اب یہ اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔

آخر ایک دن افریقہ کے براعظم کے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی نظر ایک ایسے باب پر گڑ کر رہ گئی۔ جس میں ایک ایسے ہی عفریت کا تذکرہ موجود تھا۔ جس نے وہاں کی ایک دوشیزہ کو اس لیے ہلاک کرڈالا تھا کہ اس نے اس کے وجود کا راز فاش کردیا تھا اور اپنے پیارے سے علیحدگی بھی نہ کی تھی۔ اور پھر جواد کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ وہ کس طرح سے اس عفریت سے انتقام لے سکتا ہے۔

اسے اب وہ چوبی بت تلاش کرنا تھا۔ جو اس عفریت کا ہمشکل ہو اور یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔

لیکن ماہی کی آہیں اور سسکیاں اور کراہیں اور اس کے رخساروں پر خشک ہونے والے آنسوؤں کی لکیریں اور اسی کے کرب اور اذیت کے دکھ بھرے لمحات کسی فلم کی طرح جواد کی آنکھوں کے سامنے چلتے رہتے تھے۔ اور وہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ پھر وہ ایک نئے اور پرجوش عزم اور ولولے سے اپنے مشن کی تکمیل پر کمربستہ ہوگیا۔ اور اس عفریت کو تلاش کرنا اس نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا۔ وہ دکانوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا۔ لیکن ابھی تک اسے اپنا گوہر مراد نہیں مل سکا تھا۔ وہ تھک چکا تھا لیکن ہارا نہیں تھا۔ اب اس نے پوری شد

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

و مد سے اور جدوجہد سے اس بت کی تلاش شروع کردی تھی تاکہ اسے جلا کر راکھ کرسکے۔ اور اپنے دل کی آگ بجھا سکے۔

آخر ایک برس کی تلاش اور کھوج کے بعد جواد اس عفریت کے، بمشکل بت تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ عفریت نما بد روحیں بھی اس کی تلاش میں تھیں۔

شوکیس میں کئی بت رکھے تھے۔ اچانک سامنے کارنس پر رکھے بت نے جواد کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ یہ بالکل وہی تھا۔ وہ دکان میں داخل ہوا۔ یہ ایک مشہور تاجر کی دکان تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح بت کی طرف بڑھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر بت کو کارنس سے اٹھالیا۔ اور تاجر کے ہاتھ میں پیسے تھماتے ہوئے دکان سے باہر بھاگا۔

اچانک جواد کو اذیت ناک گھبرائی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔ ”اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو اس بت کو فوراً پھینک دے ورنہ تیری زندگی خاک میں بدل جائے گی۔ دیر نہ کر اس بت کو فوراً اپنے پاس سے الگ کردے۔“ لیکن جواد پر تو جنون سوار تھا اور وہ ماہی کی موت کا بدلہ ہر صورت لینا چاہتا تھا۔

تاجر نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر اس نے بے یقینی سے نوٹ کی طرف دیکھا۔ پھر تاجر اپنی جگہ سے چونک کر اٹھا اور گھبرا کر دکان سے باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن جواد اس کی دسترس سے دور جاچکا تھا۔ وہ بہت طویل فاصلے پر بڑی تیزی سے بھاگا چلا جارہا تھا۔

اچانک تاجر کے لبوں سے ایک ہولناک چیخ نکلی اس نے دیکھا کہ مخالف سمت سے ایک ہولناک دیوہیکل بلڈوزر جواد کے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔ لیکن بلڈوزر کے ڈرائیور کی جگہ خالی تھی۔ ٹریفک تقریباً معطل ہوکر رہ گیا تھا۔ لوگ خوف اور حیرت سے ایک گڑگڑاتی ہوئی مشین کو ایک گوشت پوست انسان کے تعاقب کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

جواد نے مڑ کر دیکھا۔ بلڈوزر اب اس کے قریب پہنچ چکا تھا سامنے فرار کے تمام راستے بند ہوکر رہ گئے تھے۔ ایک اسکول کی دیوار نے جیسے جواد کی فرار کی تمام راہیں مسدود کردی تھیں۔

وہ تیزی سے دیوار کی طرف دوڑنے لگا۔ جواد نے چیخنے کی کوشش کی لیکن اسے یوں لگا، جیسے ایک دلخراش چیخ اس کے لبوں پر آکر جم گئی ہو، اس کا حلق سوکھ کر کانٹا بن چکا تھا۔ بلڈوزر اب تیزی سے اس کی طرف آرہا تھا۔ اس نے بت کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور پاگلوں کی طرح دیوار کی طرف بھاگا لیکن اسے دیوار پر چڑھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ بلڈوزر کا تیز اور آہنی پھل اس کی دونوں ٹانگوں کو کاٹتا ہوا گزر گیا۔ اور اب پھر دیوہیکل مشین جواد کی طرف لپکی۔ بلڈوزر کا آہنی دستہ پوری طاقت سے اس کے سر چہرے اور ہاتھ کا بھرکس نکالتے ہوئے گزر گیا۔

پولیس کی کئی کاریں حادثے کی جگہ میں آکر رک گئیں۔ بلڈوزر بے حرکت تھا۔ یوں جیسے کہ وہ اپنی جگہ سے کبھی ہلا نہ ہو۔

جواد مرچکا تھا اس کی لاش کے قریب ہی ایک چھوٹا سا لکڑی کا بت پڑا تھا کئی جگہ سے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوچکا تھا۔ اور خون آلود ہوچکا تھا۔ جواد نے مرتے ہوئے بھی ماہی کو نقصان پہنچانے والے آسیب سے بدلہ لے لیا تھا۔ جو اس آسیب کا ہمشکل بت تھا پھر اچانک بت میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ جل کر راکھ ہوگیا۔

اچانک اس جگہ ایک ہیولہ سب کو نظر آیا، وہ ہیولہ کسی عورت کا تھا، اور یقیناً وہ ماہی کی روح تھی۔ کہ پھر اتنے میں جواد کی مسخ شدہ لاش سے ایک دودھیا ہیولہ اٹھا اور ہوا میں تیرتا ہوا وہاں پر موجود ہیولہ کے قریب گیا تو دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ واضح نظر آرہی تھی۔ پھر دونوں ہوا میں تحلیل ہوگئے۔

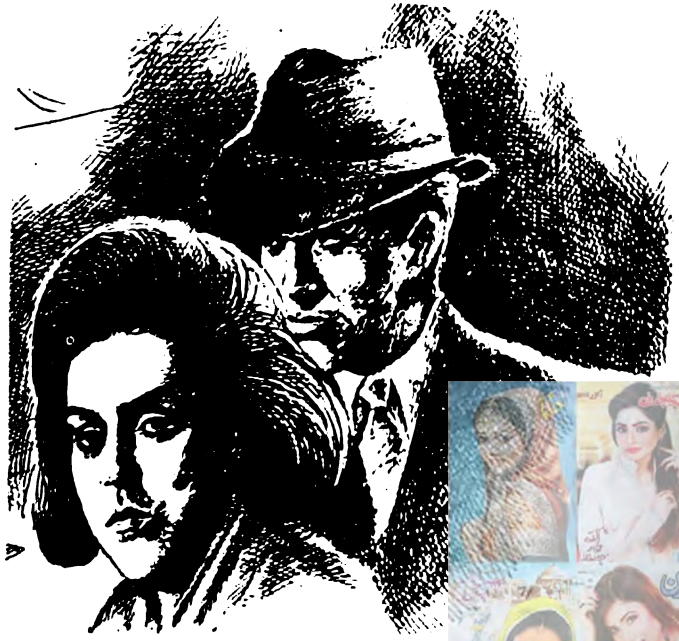

خونی فلم

مریم فاطمہ۔ کراچی

سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے دونوں ہاتھ اچانک لمبے ہوکر آگے بڑھے تو وہاں پر موجود لوگوں کی سٹی گم ہوگئی ان پر کپکپی طاری ہوگئی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور پھر یکدم......

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی خوفناک حیرت ناک خونچکاں بھونچکاں کہانی

ٹامس ایک فلم ڈائریکٹر تھا۔ پچھلے چند سالوں سے اس کی بنائی گئی تمام فلمیں بری طرح فلاپ ہو رہی تھیں۔ اس وجہ سے وہ خاصا پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی ایسی فلم بنائے جو بہت زیادہ ہٹ جائے۔ وہ اسی نکتے پر غور کررہا تھا کہ اس کے دروازے پر بیل ہوئی۔ بیل کی آواز سے وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلا۔ اس نے جاکر دروازہ کھولا لیکن باہر کوئی بھی نہ تھا۔ عجیب مذاق ہے۔ وہ بڑبڑایا اور دروازہ بند کرکے پلٹا ہی تھا۔ کہ اچانک اس کی نظر ایک لفافے پر پڑی اس کو تجسس ہوا۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور اسے کھول ڈالا۔ اندر ایک کاغذ تہہ کیا ہوا موجود تھا۔ اس نے وہ کھولا اور پڑھنے لگا۔

جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس میں لکھا تھا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

آپ کے پاس سنہری موقع ہے ایک لاکھ ڈالرز جیتنے کا۔ آپ فلاں دن اس قلعے میں تشریف لے آئیں۔ یہ قلعہ آسیبی ہے۔ آپ اگر ایک ہفتہ اس قلعے میں رکے یہاں کے آسیب کے باوجود تو آپ ونر قرار پائیں گے۔ اور آپ کو ایک لاکھ ڈالرز مل جائیں گے۔

شکریہ۔

یہ سب پڑھنے کے بعد ٹامس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے ساتھ کیمرہ لے جائے گا اور وہاں پر فلم بنائے گا۔ اور پھر اس نے جانے کی تیاری شروع کردی۔ اب چند دن بعد اسے سفر پر نکل جانا تھا۔

ٹامس اپنی گاڑی میں بیٹھا قلعہ میں پہنچنے کے لیے سفر پر رواں دواں تھا۔ گاڑی میں شوخ سی دھن بجا رہا تھا۔ موسم کافی سرد تھا۔ ٹھنڈ سے بچنے کے لیے اس نے گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔ کافی لمبی ڈرائیو کے بعد وہ بالکل ویران جگہ پر آ گیا۔ معلوم پڑتا تھا کہ وہ قلعہ خاصی ویران جگہ پر ہے۔

ٹامس نے گاڑی ایک طرف پارک کی کیونکہ آگے گاڑی لے جانے کی جگہ نہیں تھی اور جنگلات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پیدل چلتا ہوا قلعہ ڈھونڈنے لگا۔

تھوڑی دور چل کر اسے وہ قلعہ نظر آ ہی گیا۔ وہ قلعہ دیکھنے میں ہی بے حد پراسرار اور پرانا لگ رہا تھا۔

ٹامس اسے دیکھ کر سیٹی بجانے لگا۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا قلعے کے دروازے تک جا پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نقاب پوش آدمی نے دروازہ کھولا۔ آسیبی قلعہ میں آپ کا سواگت ہے۔ اس نے بھاری آواز میں کہا۔ میرے پیچھے آئیے۔ وہ اسے لے کر ایک کمرے میں چلا آیا۔ وہاں پر پہلے سے مزید تین لوگ موجود تھے۔ یہ سب بھی آپ کی طرح اس گھر کے مہمان ہیں۔

ہائے کیسے ہو دوستوں۔ ٹامس نے مسکرا کر کہا۔

ہائے۔ ایک لڑکی اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹامس سے ہاتھ ملانے لگی۔ میرا نام لوسی ہے۔ اس نے اپنا تعارف کرایا۔ اور یہ میرے شوہر ہیں ان کا نام فرینک ہے۔ اس لڑکی نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

ٹامس نے اس کے شوہر سے بھی مصافحہ کیا۔

میرا نام اینڈریو ہے۔ تیسرے مہمان نے بھی اپنا تعارف کرایا۔

اب جب آپ سب نے اپنا تعارف کرا دیا ہے تو میں بھی اپنے بارے میں بتانا پسند کروں گا۔ میرا نام جوزف ہے۔ میں اس قلعے کا مالک ہوں اس آدمی نے کہا جو نقاب پوش تھا۔

آپ اپنا چہرہ دکھائیے ناں نقاب کیوں پہنا ہے۔ ٹامس نے پوچھا۔

میں اپنا چہرہ کل دکھاؤں گا۔ پہلے آپ سب فریش ہو جائیں میں اتنے میں ڈائننگ ہال میں کھانا لگاتا ہوں۔ اتنا کہہ کر جوزف وہاں سے چلا گیا اور سب آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

"بالکل لڑکیوں کی طرح شرماتا ہے یہ جوزف تو۔" فرینک نے کہا۔ پھر سب ہی لوگ فریش ہو کر کھانے کی میز پر جمع ہوئے۔ وہاں طرح طرح کے کھانے موجود تھے۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

کھانے سے فارغ ہو کر جوزف ایک البم لے آیا اس میں کچھ تصویریں تھیں۔

"یہ کیسی تصویریں ہیں؟"

لوسی نے پرجوش لہجے میں پوچھا۔

یہ ساری تصویریں اس شخص کی ہیں جو آپ سے پہلے اس قلعہ میں رہنے آیا تھا۔ لیکن یہاں کے آسیب کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ سنتے ہی لوسی کے منہ سے دبی دبی چیخ نکل گئی۔ اینڈریو اور فرینک بھی خاصے ڈرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ جبکہ ٹامس بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مسلسل جب سے اس قلعہ میں آیا تھا یہاں کی فلم بنائے جا رہا تھا۔

"اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں۔ یہاں رکنا پسند کریں گے یا ہار مانتے ہیں۔" جوزف نے پوچھا۔

ہم ابھی سے ہار نہیں مانیں گے۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

تو اب جب آپ سب نے ہار نہ ماننے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آئیے میں آپ کو اس قلعے کی تھوڑی سیر کرا دوں۔

جوزف نے کہا اور ان سب کو ساتھ لے کر قلعے کی سیر کرانے لگا۔ وہ انہیں لے کر ایک کمرے میں آیا۔ جہاں پر کچھ مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مجسمے کے پر بھی تھے۔

"یہ کس کا مجسمہ ہے۔" اینڈریو نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ کسی آسیب کا مجسمہ ہے" فرینک نے کہا۔

میرے خیال میں تو یہ چڑیل ہے۔ لوسی نے کہا۔ اس کے برابر میں کسی بچے کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ "ذرا دیکھو کہ یہ بچہ شاید مسکرا رہا ہے۔" اینڈریو نے کہا۔

نہیں میرا خیال ہے کہ یہ رو رہا ہے۔ لوسی نے کہا

جو بھی ہو ہمارے مجسمے بے کار ہیں۔ ٹامس نے فلم بناتے ہوئے کہا۔

پھر جوزف انہیں قلعہ کے ایسے حصے میں لے آیا جہاں فوارے چل رہے تھے۔ فرینک فواروں کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ تم لوگ بھی آ جاؤ دوستو! بہت مزہ آ رہا ہے۔ فرینک نے کہا۔

نہیں بس تم ہی نہاؤ میرا قیمتی لباس خراب ہو جائے گا۔ لوسی نے کہا۔

ویسے بھی تمہیں نہانے کی بہت ضرورت ہے نا معلوم کب سے نہیں نہائے۔ اینڈریو نے مذاق میں کہا۔ کچھ دیر تک وہ لوگ قلعہ میں گھومتے رہے۔ اور پھر سب اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔

اب آسمان پر رات کی سیاہی پھیل چکی تھی۔ ہر طرف رات کے سائے پھیل چکے تھے۔ سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے کہ تب ہی ٹامس باری باری سب کے کمروں میں

ڈاکٹروں، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

کولیسٹرول اور علاج

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں، کولیسٹرول کی حقیقت، کولیسٹرول اور ہماری خوراک، کن غذاؤں سے کولیسٹرول بڑھتا ہے، کولیسٹرول کس طرح کم کریں، مچھلی، میٹھی اشیاء، زیادہ نمک نہ کھائیں، کولیسٹرول اور دل کے امراض، دل میں درد، ہارٹ اٹیک کی ایک اہم وجہ، احتیاطی تدابیر، ہومیوپیتھی کی دوائیں، دل کے امراض کی وجوہات، موٹاپا، مچھلیوں میں کولیسٹرول کے فوائد، مچھلی اور دودھ، مناسب ماحول، کولیسٹرول کا ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی علاج، کولیسٹرول کا طبی علاج، چربی سے پرہیز کیجیے، کھانے پینے کی اشیاء سے کولیسٹرول کم کیجیے، اور بہت کچھ پڑھیے کولیسٹرول کے بارے میں کہ کس طرح کولیسٹرول سے محفوظ رہا جائے، اور کون کون سی ورزشوں سے کولیسٹرول کو کم کیا جاسکتا ہے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر نشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

کیمرے لگانے آ گیا۔ اس نے سب کے کمروں میں دیوار پر چھوٹے چھوٹے سے کیمرے لگا دیے کہ میں اس گھر میں ہونے والے واقعات کی فلم بنا رہا ہوں۔ وہ کیمرے فکس کر کے واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور آرام کرنے کی نیت سے لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

رات کا نا معلوم کونسا پہر تھا جب اینڈریو کی آنکھ کمرے کے باہر کسی کے بھاری قدموں کی آواز سے کھلی۔ اسے تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے کون باہر پھر رہا ہے۔ پہلے تو وہ بستر پر لیٹا آواز پر غور کرتا رہا۔ کافی دیر تک یونہی کسی کے چلنے کی آواز آتی رہی۔ لیکن جب قدموں کی آواز مسلسل آتی رہی تو وہ چونک کر بستر سے باہر نکلا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال تو یہ آیا کہ ضرور گھر کا کوئی فرد باہر چہل قدمی کر رہا ہے لیکن پھر فوراً ہی اسے خیال آ گیا کہ ”یہ گھر آسیبی ہے۔“

وہ بستر سے باہر نکلا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ قدموں کی آواز اس کے دروازے کے باہر رک گئی۔ انجانے خوف سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس نے ہمت کر کے دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ باہر دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور ابھی مڑا ہی تھا کہ باہر پھر سے کسی کے قدموں کی آہٹ ہونے لگی تو وہ تیزی سے پلٹا اور دروازہ کھول ڈالا لیکن یہ کیا باہر کوئی بھی نہ تھا۔ اب اس پر خوف سوار ہو گیا۔ اس نے دروازہ بند کیا ہی تھا کہ کوئی زور زور سے اس کا دروازہ بجانے لگا۔ کک کون ہے۔ وہ خوف سے چیخا۔

باہر سے کسی کے سانسیں لینے کی آواز آنے لگی یہ آواز بالکل ایسی تھی جیسے کوئی خونخوار جانور سانس لے رہا ہو۔ پھر دروازہ زور زور سے ہلنے لگا۔ اب تو اینڈریو پر دہشت طاری ہو گئی، اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ اندر بھی محفوظ نہیں اور باہر جائے تو نا معلوم کونسی بلا اس کے انتظار میں بیٹھی ہے۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر بالکل خاموشی چھا گئی۔

تو اس کا سانس بحال ہوا، باقی کی رات اس نے جاگ کر گزاری۔

☆......☆......☆

دوسری طرف لوسی اور فرینک بھی بڑی دیر تک باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے۔ رات کو کچھ کھٹ پٹ کی آواز سے فرینک کی آنکھ کھلی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی وجہ ہی کچھ ایسی تھی لوسی لیٹنے کے انداز میں ہوا میں معلق تھا۔ ”لوسی اٹھو تمہیں کیا ہوا۔“ اس نے لوسی کو ہاتھ لگایا تو وہ برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس کے شور کرنے اور آوازیں دینے پر بھی لوسی نیند سے بیدار نہ ہوئی تو فرینک کسی کو مدد کے لیے بلانے باہر دروازے کی طرف بڑھا لیکن دروازہ لاکھ پیٹنے پر بھی نہ کھلا۔ فرینک پریشان تھا کہ آخر دروازہ کس نے باہر سے لاک کر دیا۔ وہ ساری رات لوسی کو جگانے کی کوشش کرتا رہا۔

جب صبح سورج کی پہلی کرن کھڑکی کے راستے اندر آئی تب لوسی واپس بستر پر نیچے آ گئی۔ فرینک نے اسے جگایا اور ساری بات بتائی۔ وہ بھی بری طرح ڈر گئی۔

☆......☆......☆

پھر صبح ناشتے کے وقت سب ہی میز پر جمع تھے۔ کہیے دوستو! کیسی رہی آپ کی پہلی رات جوزف نے مگ میں کافی انڈیلتے ہوئے پوچھا۔

”ایک دم بری۔“

لوسی نے جھٹ سے جواب دیا تو جوزف ہنس دیا۔

ارے مسٹر ٹامس آپ نے جو سب کے کمرے میں کیمرے لگائے تھے ان میں کچھ ریکارڈ ہوا؟ جوزف نے ٹامس سے پوچھا۔

ارے ہاں کیمرے میں ضرور کل رات والے واقعات کی فلم بن گئی ہو گی۔ اینڈریو نے کہا۔

ٹامس جلدی سے گیا اور سب کے کیمرے اتار لایا۔ اس نے کیمرے والی ڈیوائس اپنے لیپ ٹاپ کے

ساتھ لگائی تو اینڈریو اور فرینک اور لوسی کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی فلم لیپ ٹاپ کی اسکرین پر چلنے لگی۔ ٹامس سمیت سب لوگ دلچسپی سے دیکھتے رہے اور حیران ہوتے رہے جبکہ جوزف بالکل بھی حیران نہ ہوا۔

فلم پوری دیکھ لینے کے بعد جوزف نے پوچھا ”دوستو! اب آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔ یہاں رہنا پسند کریں گے یا ہار مانتے ہیں۔“

سب نے باری باری ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔ ”نہیں ہم ایک ہفتہ سے پہلے یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

جوزف نے ایک قہقہہ لگایا پھر بولا۔

”خاصے دلیر معلوم پڑتے ہیں آپ لوگ۔“

”جی بالکل ہمت ہے۔ جبھی تو یہاں یہ چیلنج کرنے آئے ہیں۔“ فرینک نے کہا۔

”اور ہم اسے پورا کیے بغیر کہیں نہیں جائیں گے۔“ اینڈریو نے کہا۔

”اگر ایسی بات ہے تو دیکھتے ہیں کہ کیا اس کے بعد بھی آپ لوگ یہاں رہنا پسند کریں گے یا؟“

اتنا کہہ کر جوزف نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹا لیا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی سب لوگ سناٹے میں آ گئے کیونکہ یہ چہرہ اسی آدمی کا تھا جس کی تصویریں کل جوزف نے دکھائی تھیں کہ یہ شخص بھی اس قلعہ میں آیا تھا اور یہاں کے آسیب کے ہاتھوں مارا گیا۔

سوائے ٹامس کے سب بری طرح سہمے ہوئے تھے۔ ”تو اس کا مطلب ہے کہ“ فرینک نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”ہاں بالکل اس کا مطلب ہے کہ تمہارا میزبان کا مرا ہوا ہے۔ وہ ایک روح ہے۔ اب کیا کہتے ہو ایک ہفتے تک یہیں میرے ساتھ عیش کرو گے یا“ جوزف نے کہا۔

”ہم ہار مانتے ہیں۔“ فرینک نے لوسی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ میں بھی ہار مانتا ہوں۔ اینڈریو نے بھی ہار مان لی اور تم؟ جوزف نے ٹامس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں میں ہار نہیں مانوں گا۔“

”ٹھیک ہے لیکن آپ لوگوں کے لیے ایک بری خبر ہے اور وہ یہ کہ یہاں سے ایک ہفتہ پہلے جانے والوں کے لیے یہ اصول ہے کہ انہیں مرنا ہو گا۔ اب کیا کہتے ہو مرنا پسند کرو گے یا ایک ہفتہ میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟“ جوزف نے پراسرار لہجے میں پوچھا۔

لوسی نے رونی صورت بنا کر فرینک کی طرف دیکھا تو فرینک نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ”ہم مرنا پسند کریں گے۔“

اس نے کہا ”میں بھی تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔“ اینڈریو نے بھی ہار مانتے ہوئے کہا۔

جوزف نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر باری باری ان تینوں کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر اس نے ٹامس کی طرف دیکھا اور بولا۔

”تم بڑے ہمت والے ہو۔ یہیں بیٹھو میں ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ لاشیں قلعہ کی باہر جنگل میں لے جا کر دفنانے لگا۔

ٹامس اپنی کھڑکی سے یہ سارے مناظر دیکھتا رہا۔ ایک ہفتہ بعد ٹامس کو ایک لاکھ ڈالرز بطور انعام مل گئے۔ وہ رقم لے کر واپس گھر لوٹا۔ اس کے کیمروں میں سب کے قتل کی ویڈیو تھی۔ اس نے بعد میں اس جگہ دوبارہ جا کر دیکھا تا کہ جوزف کو قتل کے کیس میں پکڑوا سکے لیکن اب وہاں کوئی قلعہ نہ تھا۔

بعد میں وہ فلم ملک بھر کے سینماؤں میں لگی اور وہ سال کی سب سے ہٹ فلم رہی۔ ٹامس نے سب کو بتایا کہ ”وہ حقیقی فلم ہے“ لیکن کسی نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا، سب یہی سمجھے کہ وہ فلم ڈائریکٹر ہے اور اپنی فلم میں جان ڈالنے کے لیے ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کوئی بھی اس ”خونی فلم“ کی حقیقت نہیں جانتا تھا۔

URDU TUBE
HOME ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

Digitized by Google

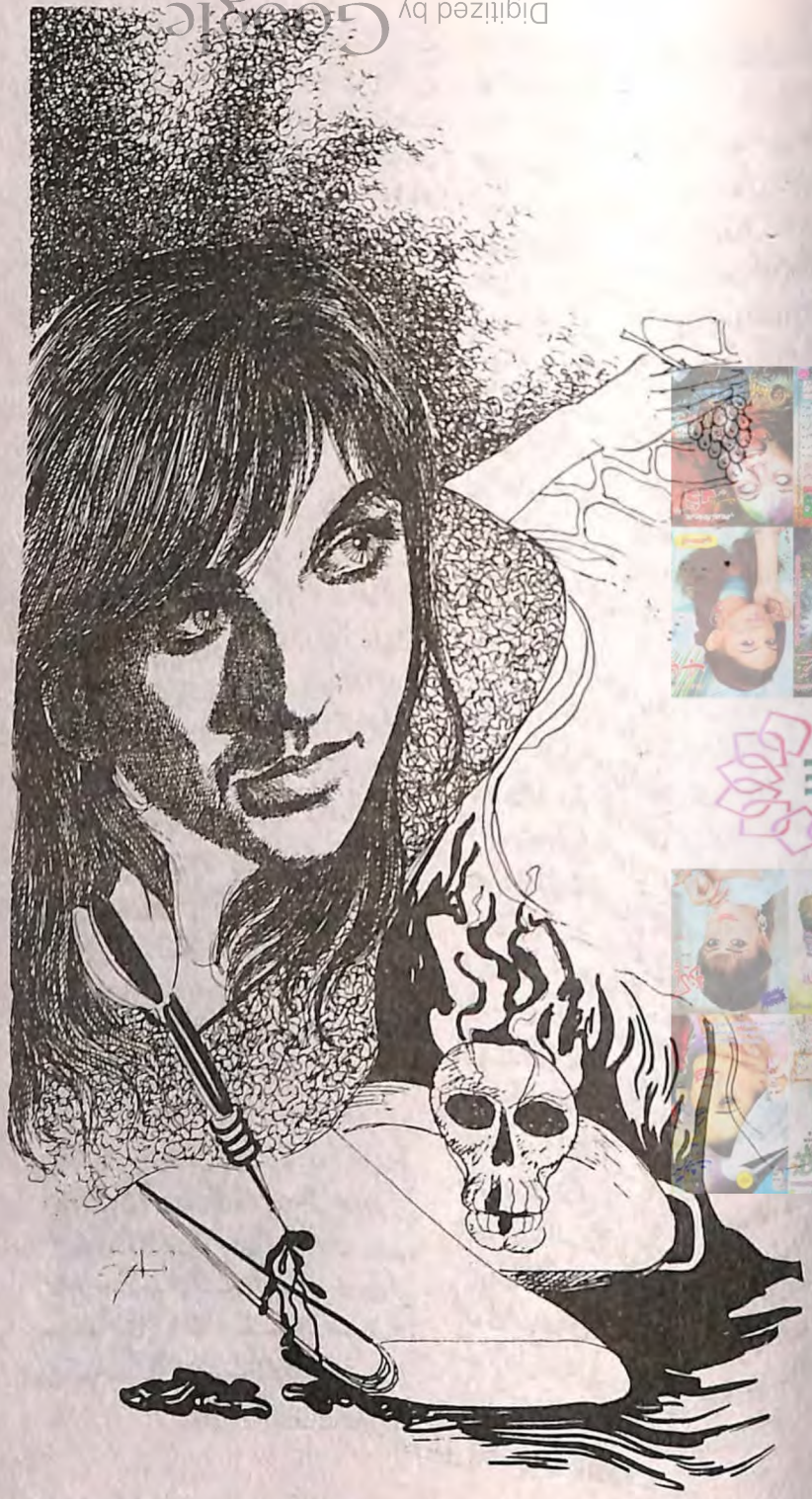

سفید

ثناء-لاہور

اچانک رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک ہیولہ نمودار ہوا، پھر وہ ٹکٹکی باندھے سامنے کھڑکی میں دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں یاس و محرومی تھی، کیا کوئی زندہ انسان ایسا کرسکتا ہے مگر پھر.....

خودغرضی مطلب پرستی کی ایک ناقابل فراموش دل دہلاتی.....اچھوتی اور حقیقی روداد

اندرون شہر میں قائم لڑکیوں کے اکلوتے گورنمنٹ اسکول کی چھٹی کا وقت تھا۔ اسکول کی مین روڈ سے لے کر گرد و نواح کے سب گلی محلے سفید یونیفارم میں ملبوس چھوٹی بڑی عمر کی لڑکیوں سے بھر گئے تھے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ دسویں جماعت میں چند ہی دن پہلے پروموٹ ہوئی تھی۔ اس کا نام مسکان تھا، اس کا گھر علاقے کے سب سے آخری محلے میں تھا اس کی گلی اور آگے پیچھے والی گلی کی کئی لڑکیاں اسی اسکول میں پڑھتی تھیں جن لڑکیوں کا گھر اسکول سے پانچ سے دس منٹ کی مسافت پر تھا، مسکان ان پر رشک کرتی اور اپنے گھر سے اسکول تک کے فاصلے پر افسوس کرتی۔ اسے گھر سے اسکول اور اسکول سے گھر پیدل پہنچنے پر پینتالیس سے پچاس منٹ لگ جاتے تھے یوں تو کئی سالوں سے وہ اس سفر کی عادی تھی پر نوعمری میں قدم رکھنے کے بعد سے دھان پان سی اس لڑکی کو یہ مسافت کھلنے لگی تھی وہ اس آنے جانے میں بہت تھک جاتی تھی جس کی کئی وجوہات میں سے کم آمدنی والے گھرانے کا حصہ ہونے کی بنا پر خوراک کی کمی، دو بہنوں کے بعد پیدا ہونے والی تیسری بدقسمت بہن ہونے پر دن رات کی لعنت ملامت، گھر کے کاموں کی وجہ سے پڑھائی کے لیے نا کافی وقت کا دباؤ اور ان سب سے بڑھ کر سر ابھارتا ایک نیا مسئلہ۔۔۔

راستے میں جا بجا کھڑے گزرتے اور آوازیں کستے ہوئے لوفر لڑکے۔۔۔ ایک دو سال پہلے تک اس نے کبھی ان لڑکوں کی موجودگی محسوس نہ کی تھی، نہ جانے کب یہ گلی محلے کی نکڑ پر کھڑے ہونا شروع ہوئے یا پہلے بھی ہوتے ہوں گے اور اس نے کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔۔۔ ایک دو سال پہلے بچی سی تو تھی۔ اس سے پہلے اسے نہ تو کبھی کسی نے احساس دلایا اپنی موجودگی کا اس لیے نہ ہی وہ پہلے کبھی بھی اس جنسی مسافت سے گھبرائی۔۔۔ پر اب تو جیسے روز ایک انجانا سا ڈر پھن پھیلائے اسے اپنا منتظر ملتا۔۔۔ ان سب مسائل سے نہ صرف اس کی پڑھائی بلکہ صحت بھی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ ایک اچھی سٹوڈنٹ تھی۔ کلاس میں پہلی نہ سہی تو دوسری، تیسری پوزیشن تو لے ہی آتی تھی مگر ایک دو سال میں ہی اس کے تیزی سے نکلتے قد نے اس کے غریب ماں باپ کے ماتھے کی شکنوں میں مزید اضافہ کر دیا تھا اور اسے ان کے رویہ میں اپنے لیے پہلے سے زیادہ بے رخی اور بے حسی نظر آنے لگی تھی۔۔۔

وہ بھی چاہتی تھی کہ جیسے بہت سی لڑکیوں کو ان

کے باپ بھائی موٹر سائیکلوں پر اسکول لانے لیجانے آتے تھے اسی طرح اس کا باپ بھی اسے اپنی سائیکل پر اسکول چھوڑنے اور لینے آئے۔۔۔ یا پھر اسکول سے زیادہ فاصلے پر رہنے والی دوسری لڑکیوں کی طرح کوئی اسکول وین یا تانگہ ہی اسے لگوا دیا جائے جو کہ اسے مشکل ہی لگتا تھا۔۔۔ کسی نئی کاپی اور قلم کے پیسوں کے لیے ہی اسے والدین کی خون کھولتی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو بھلا وہ اس کے لیے سواری کا انتظام کیونکر کرتے۔ وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگیں۔

یوں تو اسے راستے میں کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ اپنی گلی کی لڑکیوں کے ساتھ آتی جاتی تھی مگر کچھ دن سے وہ نوٹ کر رہی تھی کہ اس کی گلی سے چند گلیوں پہلے آوارہ لڑکوں کا ایک ٹولا کھڑا ہونے لگا ہے، چار پانچ لڑکوں کا یہ ٹولا پہلے پہل تو خاموشی سے لڑکیوں کو تاڑتا تھا مگر مسکان کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی۔۔۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا شمار ان لڑکیوں میں ہو جو راستے بھر میں آتے جاتے لڑکوں سے خط و کتابت اور تحفے تحائف کے تبادلے جیسے کاموں میں پڑ کر گھر والوں کی عزت داؤ پہ لگا دیتی ہیں اور اپنی بھی۔ اسکول میں ایسی لڑکیوں کو بہت برا سمجھا جاتا تھا اور اگر اسکول میں کسی لڑکی کے راہ چلتے کسی لڑکے کے ساتھ مراسم کی بات کھل جائے تو اس لڑکی کے کردار کا تذکرہ اس کے محلے میں بھی ہونے لگتا اور یوں وہ لڑکی سچی ہو یا جھوٹی، بدکردار ہو یا باکردار، اس پہ بدنامی کا ایسا ٹھپا لگتا کے کئی بار اسے خود بھی خبر نہ ہوتی کی لوگ اس کی پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں کیا کیا باتیں گھڑتے ہیں اور جھوٹی سچی، وقتی، یا پائیدار، ان کچی عمر کی محبتیں ان لڑکوں کا تو کچھ نہ بگاڑتیں مگر ان بیوقوفیوں میں پڑنے والی لڑکیوں کو گلی محلے کے باقی لڑکوں میں بھی بدنام کر دیتیں اور دوسرے لڑکے بھی ایسی لڑکیوں کو آسان ہدف سمجھ کر ان سے راہ و رسم بڑھانے کی سعی کرتے جو پہلے سے ان کے کسی دوست، کزن یا جاننے والے کے نام سے جڑ چکی ہوتیں۔۔۔ کسی معصوم لڑکی کی کم عمری کی محبت کسی لوفر لڑکے سمیت اس سے منسلک سبھی لڑکوں کے لیے تفریح کا باعث بن جاتی۔۔۔

مسکان ان باتوں کو سمجھتی اور محسوس کرتی تھی اور اس بات کی نزاکت سے بھی واقف تھی کہ لڑکی کی عزت اس کی بدکرداری سے نہیں بلکہ اس کی ان لڑکوں میں شہرت سے جڑی ہوتی ہے۔ وہ ان لڑکیوں کی اچھائی سے بھی واقف تھی جو محض اسکول کی چار دیواری میں بال کھول لینے یا بنا سر ڈھکے سڑک پر چلنے سے بھی لوگوں کی نظر میں برے کردار کی مالک سمجھی جاتی تھیں۔۔۔ اس کے برخلاف ان لڑکیوں کی حقیقت سے بھی واقف تھی جو راستے میں نقاب کر کے آتی تھیں اور بریک ٹائم اپنے تحفے اور خطوط اپنی چند مخصوص ہم خیال لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر کھولتیں اور پڑھتی تھیں اور پاس سے کسی جانے والے کا گزر ہو جانے پر یہ سب چھپانے کی کوشش میں لگ جاتی تھیں۔۔۔

☆......☆......☆

اس روز گرمیوں کی آگ برساتی دوپہر میں وہ سڑک پہ سینکڑوں لڑکیوں کے ہجوم میں بھی اکیلی تھی۔ آج اس کے محلے کی تینوں لڑکیوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہ تھی۔ دو تو سگی بہنیں تھیں جو دوسرے شہر اپنے کسی قریبی رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے باعث اسکول سے ہفتہ بھر کی چھٹیوں پر تھیں اور تیسری لڑکی نے مسکان کے ساتھ بوریت سے بھرپور لمبا سفر کرنے سے بہتر اپنے بڑے بھائی کو موٹر سائیکل پر لانے لیجانے کی ذمہ داری عائد کر دی، بنا یہ سوچے کی اس کے بچپن کی سہیلی کے لیے اس کے بغیر اکیلے آنا جانا کتنا مشکل ہو گا۔۔۔ مگر اسے مسکان کی پرواہ کیوں ہوتی، سہیلی تو مسکان اس کی تھی پر وہ مسکان کی سہیلی نہ تھی۔ یوں بھی اسے مسکان سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی وجہ اس کے غریب خانے سے دن رات آنے والے لڑائی جھگڑے کی آوازیں، اس کے کپڑوں، جوتوں اور پھٹے ہوئے اسکول بیگ سے جھلکتی اس کی غربت تھی۔۔۔ جبکہ ثمینہ اور تہمینہ دونوں بہنوں کے خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نازیہ ان کی دوستی میں زیادہ دلچسپی لیتی تھی۔۔۔

عام طور پہ لڑکیوں کو یہ نصیحت کی جاتی تھی کہ وہ اکیلی ہوں تو پر ہجوم جگہ کو بطور راستہ اپنائیں اور سنسان راستوں سے نہ گزریں کیونکہ وہ ان کے لیے غیر محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کی اس احتیاطی تدبیر سے واقف تو تھی پر اس کے ساتھ الٹا معاملہ تھا وہ رش والے پر رونق راستوں پہ گھبرا جاتی اسے لگتا جیسے سڑک پہ چلنے والا ہر انسان اسے ہی دیکھ رہا ہے اس کے برعکس جیسے ہی مین روڈ کے بعد گلیوں کا ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا وہ پرسکون ہو جاتی اور بدقسمتی سے اس کے گھر سے کبھی کسی نے اسے پر ہجوم جگہ کی سیفٹی کے بارے میں کبھی سمجھایا ہی نا تھا، نہ ہی اکیلے سنسان گلیوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے آگاہی دی تھی اسلیے وہ آج اکیلے لڑکیوں سے بھری یہ رش والی سڑک جلدی جلدی پار کرنا چاہتی تھی اور جیسے ہی گلیوں کا سلسلہ شروع ہوا وہ پرسکون ہو گئی مگر اس کا یہ سکون جلد ہی پھر سے گھبراہٹ میں بدل گیا جب اس نے اپنے گھر سے کچھ گلیاں پہلے ایک موڑ کاٹتے ہوئے گلی کی نکڑ پر چند لوفر لڑکوں کو کھڑے پایا اور تب پہلی بار اسے معلوم ہوا کہ ہجوم والے راستے کے محفوظ اور سنسان راستے کے غیر محفوظ ہونے کا فرق کیا تھا۔۔۔ مگر گلیوں کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد پہلی، دوسری یا تیسری کسی بھی گلی کو اپنا راستہ بنایا جائے وہ سب دوپہر کو زیادہ تر سنسان ہی ہوتی تھیں اور یہ گلی اس کے گھر کا سب سے قریبی اور قدرے آسان راستہ تھی۔

وہ نظر جھکائے جیسے ہی ان لڑکوں کے سامنے سے گزری، ان میں سے کسی ایک نے سیٹی بجائی، اس نے حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ گردن موڑی تو اسے ان لڑکوں کے چہروں پر عیارانہ مسکراہٹ نظر آئی وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ سیٹی بجانے والا لڑکا کونسا تھا بس اس نے اپنی رفتار تیز کر دی ان لڑکوں کے سیٹی بجنے کی آواز گلی کے آخری موڑ تک اس کا پیچھا کرتی رہی اس نے موڑ کاٹتے ہی ایک لمبی اور گہری سانس لی تھی۔۔۔ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔۔۔

لڑکیوں کے ہجوم میں چلتے ہوئے اس نے کبھی کسی آواز پر کان نہ دھرے تھے اور ایسی گھبراہٹ بھی کبھی محسوس نہ کی تھی جو آج پہلی بار اسے اکیلے راستہ طے کرنے میں ہوئی تھی۔۔۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ اس کے محلے میں سے تو کسی نے نہیں دیکھا ورنہ نہ جانے کیا سوچتا۔۔۔ اگلے روز اسے اسکول سے دیر ہو گئی تھی۔ جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس نے جونہی تیسری گلی میں قدم رکھا، کچھ گز کے فاصلے پر ایک لڑکے کو کھڑے پایا۔۔۔ صبح کے وقت یہاں یہ لڑکے نہیں ہوتے تھے پر آج ایک لڑکا بے فکری سے اس کے راستے میں کھڑا دکھائی دیا، کئی سالوں سے اسی محلے میں مقیم ہونے کی وجہ سے اسے اس گلی میں رہنے والے لڑکوں کی پہچان تھی مگر یہ کوئی نیا ہی چہرہ تھا یہ کل بھی ان لڑکوں میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

مسکان اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے جلدی جلدی اس کے سامنے سے گزرنے لگی اور اس کے ساتھ ہی کل والی سیٹی کی آواز نے اس کے قدم اور تیز کر دیے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کل بھی سیٹی بجانے والا یہی لوفر تھا ورنہ اس سے پہلے اس محلے کے لڑکے جن مرضی لڑکیوں کو چھیڑتے ہوں اپنے آس پاس کے محلے کی لڑکیوں کے معاملے میں احتیاط ہی برتتے تھے یقیناً یہ یہاں کا نہیں تھا۔ یا تو یہ محلے میں نیا آیا ہے یا شاید کسی کے گھر مہمان ہو گا، تبھی اتنی جرأت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔۔۔

مسکان نے سوچا کہ اس پہ توجہ نہ دینے سے خود ہی باز آ جائے گا اور چند روز میں شاید چلا بھی جائے۔۔۔ اس نے آج دیر ہو جانے کی وجہ سے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور تیز تیز چل کے آج اس نے گھر سے اسکول تک کا فاصلہ تقریباً آدھے وقت میں طے کر لیا تھا۔

اسکول پہنچتے ہی وہ نڈھال سی ہو کر کلاس روم کے بینچ پر ڈھے گئی۔۔۔ کلاس روم خالی تھا، سبھی لڑکیاں اسمبلی میں تھیں۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ اسمبلی کی آواز تو سن سکتی تھی پر اٹینڈ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اسمبلی کی آواز دھندلا گئی اور اس کے کانوں میں سیٹی کی آواز گونجنے لگی۔۔۔ وہ واپسی کے لیے خوفزدہ تھی اس گلی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

سے نہیں گزرنا چاہتی تھی پر اپنی گلی میں پہنچنے کے لیے اس گلی سے گزرنا بھی ضروری تھا ورنہ دوسری صورت میں ایک بہت لمبا راستہ تھا جو اس کے گھر کی طرف ایک دوسری جانب سے نکلتا تھا اس کے لیے اسے اپنے اسکول سے نکلتے ہی ایک لمبا روٹ لینا ہوگا جو آگے جاکر مخالف سمت سے اس کے گھر کی طرف پہنچتا ہے۔۔۔وہ بہت لمبا راستہ تھا اس کے لیے اسے کم از کم پچیس سے تیس منٹ اور پیدل چلنا ہوگا۔۔۔

اسکول سے واپسی پہ اسے یاد نہ رہا کہ اس نے تو دوسرا راستہ لینا تھا اب آدھا راستہ طے ہو چکا تھا واپسی کے لیے دیر ہو چکی تھی، وہ ان لوفر لڑکوں کا سوچ سوچ کر گھبرا رہی تھی اور پھر وہ گلی آ گئی وہ سب وہیں کھڑے تھے مکاری مسکراہٹ ان کے چہروں پر عیاں تھی۔ وہ جیسے ہی ان کے سامنے سے گزری ایک سیٹی پھر دوسری اور گلی کے آخر تک وہ سیٹیاں ہی بجاتے رہے اور اس کے قدموں کی رفتار اس کی دھڑکنوں کی رفتار سے مقابلے پر اتر آئی، اس نے گھر پہنچتے ہی اپنے حواس بحال کیے۔۔۔

اگلی صبح وہ اسکول جانا نہیں چاہتی تھی پر ماں کی گھورتی نظروں نے اسے کوئی بھی بہانہ بنانے کی ہمت نہ کرنے دی۔۔۔وہ تیار ہوئی ناشتے کے نام پہ رات کی روٹی اور چائے گلے سے نیچے اتاری اور گھر سے نکل پڑی، اسکول لگنے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ صبح کے وقت اسکول کے لیے مخالف سمت کا روٹ لینا اس کے لیے ممکن نہ تھا اس نے سوچا کہ کاش آج کوئی نہ ہو اور دل ہی دل میں وہ یہ دعا کرتی اس گلی میں پہنچی تو خالی گلی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اس نے سوچا کہ ان لڑکوں کا دو دن کا شوق تھا پورا ہو چکا ہوگا، اب شاید دوبارہ ایسا نہ ہو اور یہی سوچ کر اسکول سے واپسی پہ بھی اس نے یہی راستہ لے لیا اس امید کے ساتھ کہ شاید اب بھی کوئی نہ ہو، پر اس گلی میں قدم رکھتے ہی اس نے سامنے دیکھا تو کچھ دور وہی لوفر لڑکے کھڑے تھے اور اس بار اس کے گلی میں قدم رکھتے ہی ایک دو تین اور کچھ کچھ سیکنڈز کے بعد سیٹی بجتی رہی۔

پہلے جی میں آیا کہ وہ یہیں سے واپس پلٹے اور بھاگنا شروع کر دے پر اسے لگا کہ اس طرح تو وہ لڑکے اس کے ڈر سے فائدہ اٹھا کے اسے مزید تنگ کر سکتے ہیں ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہر سیٹی پہ گھبرا کر اس کی آنکھیں بند ہو جاتیں اور وہ لڑکے اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے سیٹی پہ سیٹی بجا کر ہنستے رہے۔۔۔یہاں تک کہ وہ گلی سے نکل گئی۔۔۔

یہ تو روز کا معمول بن چکا تھا تین دن سے وہ لڑکے یہی سب کر رہے تھے اور اسے مزید کچھ دن اکیلے ہی جانا تھا۔۔۔اس میں خود اعتمادی کی پہلے ہی کمی تھی اور اس پہ یہ مسئلہ، وہ یہ سب کیسے ہینڈل کرے؟ اگر یہ بات گھر تک پہنچ گئی تو اسے اسکول سے اٹھوا لیا جائے گا۔ اس کا باپ تو پہلے ہی لڑکیوں کے زیادہ پڑھنے کے حق میں نہ تھا۔ اس کی بڑی دونوں بہنوں کے میٹرک کرتے ہی اپنے جیسے دور کے رشتہ داروں میں شادیاں کردی تھیں مگر وہ آگے اور بہت آگے پڑھنا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی پڑھ لکھ کر کوئی نوکری کرے اور گھر کے حالات بدل دے اپنے والدین کے لیے کچھ کر سکے اور اس کے لیے اسے خود کو ان سب خرافات سے دور رکھنے کی ضرورت تھی کہیں ایسا نہ ہو کوئی لڑکا اس کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر تک پہنچ جائے اور محلے کا کوئی شخص اس کے والدین کو بتا دے۔۔۔وہ بنا اس کی بات سنے اس کا اسکول جانا بند کروا دیں گے۔۔۔

کس سے مشورہ مانگوں؟ بڑی بہنوں کی تو شادیاں بھی دوسرے شہر کی گئی تھیں اور ماں باپ نے شکر ادا کیا تھا اس بات پر کہ وہ دوسرے شہر میں ہیں، سسرال میں کوئی مسئلے مسائل ہوئے تو روز روز گھر آ کر نہیں بیٹھ جایا کریں گی۔ روز روز کیا وہ تو مہینوں مہینوں نہ آتی تھیں اسے یاد تھا جب پہلی بار ایک روز اس کی سب سے بڑی بہن روتے دھوتے دوسرے شہر سے اکیلی گھر آ پہنچی تھی۔ اسے اس کے شوہر نے بہت مارا پیٹا تھا۔ وہ اکثر ایسے ہی کرتا تھا اور وہاں نہ تو اس ظالم شخص کا ہاتھ پکڑنے

والا کوئی تھا نہ اس کی بہن کو بچانے والا۔ بلکہ سسرال کے باقی لوگ ہر طرح اس کے شوہر کو مزید اکساتے تھے۔

ایک سال کی مسلسل مار پیٹ اور تکلیفوں سے تنگ آ کر اس کی بہن نے ایک روز اپنے ماں باپ کے گھر آنے اور واپس نہ جانے کا فیصلہ کر لیا مگر مسکان کے ماں باپ اپنی بڑی بیٹی کے دکھ میں شریک ہونے کی بجائے اس کے گھر چلے آنے پر آگ بگولہ ہو گئے اور دو ہی دن میں یہ احساس دلا دیا کہ اب نہ تو یہ اس کا گھر ہے اور نہ ہی وہ اس کے ذمہ دار، وہ صرف اور صرف اپنے شوہر کی ذمہ داری ہے وہ اسے مارے پیٹے یا جان سے ہی کیوں نہ مار دے وہ اپنے کندھوں کا بوجھ اتار چکے ہیں اب پھر سے اس کی کفالت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس کی بہن نے بہت منت سماجت کی کہ اسے سہارا دے دیں وہ ان پر بوجھ نہیں بنے گی، کسی کے گھر کام کاج کر کے اپنا گزارا کر لے گی بلکہ ان کو بھی کما کر لا کے دے گی، بس اسے واپس جانے کے لیے مجبور نہ کیا جائے مگر اس کے باپ نے ہنستے ہوئے کہا کہ تم لڑکیاں صرف بدنامی اور رسوائی ہی کما سکتی ہو روزی روٹی نہیں، اتنی مشکلوں سے پیسے اکٹھے کر کے تم لوگوں کو اس گھر سے اس لیے دفع کیا تھا کہ تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آ جاؤ اور ہم پھر سے ایک کی بجائے دو دو بیٹیوں کو بٹھا کر کھلائیں اور پھر سے شادیوں کے خرچے اٹھائیں؟

مسکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ابھی اسے پال رہے ہیں، دیکھ اس کو، اس کے باپ نے مسکان کی طرف... کچھ نہیں آتا کہ اسے کہاں ٹھکانے لگائیں گے اور تم اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر ہمارے سروں پر پھر سے بیٹھنا چاہتی ہے۔۔۔اور تب مسکان نے پہلی بار اپنی اور اپنی بہنوں کے بیٹی ہونے کے قصور پر غور کیا اور اپنے باپ کی نظروں میں اپنی وقعت بھی دیکھ لی۔۔۔

مسکان کی بہن جو ماں باپ پہ مان کر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا سسرال چھوڑ آئی تھی اپنے باپ کی باتوں کی ذلت اس قدر دل برداشتہ ہوئی کہ اگلے ہی روز واپس چلی گئی۔۔۔اب دو سال گزر جانے کے بعد آج تک کبھی ملنے بھی نہ آئی اور نہ ہی اس کے ماں باپ نے ہی پلٹ کر اس کی کوئی خبر لی کہ وہ زندہ بھی ہے یا کہیں اس کے شوہر نے اسکو واقعی مار تو نہیں ڈالا۔۔۔

ایسے حالات میں مسکان ماں باپ سے بھی ڈر کے اس بارے میں بات نہ کر سکی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے پڑھائی چھوڑنی پڑے اور اس کی بھی شادی کر دی جائے اور جو کچھ اس کی بہنوں کے ساتھ ہوا اس کے ساتھ بھی ہو۔

اگلی صبح گلی میں کوئی نہیں تھا پر اسے اندازہ تھا کہ وہ دوپہر کو واپسی پہ وہیں ہوں گے اس نے سوچ رکھا تھا کتنی بھی دیر ہو جائے آج وہ واپسی پہ مخالف سمت والے لمبے راستے سے گھر جائے گی۔۔۔اور پھر اس نے یہی کیا اس کے اسکول کی بڑی سڑک کے شروع ہوتے ہی ایک اور سڑک اگلے کسی علاقے سے ملحقہ تھی۔ اسے اسی سڑک پر چلنا تھا، سورج سر پہ تھا، وہ اس راستے میں آنے والی ایک ایسی گلی سے گزر رہی تھی جس میں کئی پرانے مکانات تھے۔ اس گلی میں ایک گھر جو سب سے بڑا اور پرانا تھا اسے بہت خوفناک لگا، اس کی حالت سے لگتا تھا جیسے اس میں کوئی نہ رہتا ہو شاید وہ گھر برسوں سے غیر آباد تھا۔ تقریباً آدھی گلی کی لمبائی تک پھیلے اس دو منزلہ گھر کے اڑے اڑے ہلکے پیلے رنگ کے در و دیوار جو موسم کی ستم ظریفیوں کا شکار ہو کر کہیں کہیں سے کالے پڑ چکے تھے، براؤن رنگ کے لکڑی کے دروازے اور کھڑکیاں جن کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اس کے اجڑے پن کا ثبوت دیتے تھے۔ آدھی گلی پر محیط آٹھ فٹ اونچی دیوار کے اندرونی جانب کی جگہ جو شاید کسی زمانے میں لان ہوا کرتی ہوگی اب جا بجا اونچی اونچی جھاڑیوں سے اٹی ہوئی تھی جو گھر کی دیوار کے اندرونی حصے سے باہر کی طرف جھانک رہی تھیں اور مین گیٹ کے دروازے کے ساتھ انہی جھاڑیوں سے پہلے برگد کا ایک بڑا سا بے حد گھنا درخت اپنی زمین کو چھوتی داڑھی سمیت ماحول کو ہیبت ناک بنائے ہوئے تھا۔۔۔

اسے وہاں سے گزرتے ہوئے خوف آنے لگا۔

URDU TUBE
WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

پر بدنامی کا خوف اس خوف پہ غالب آ گیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے گزر گئی، وہ چلتی رہی چلتی رہی یہاں تک کہ اس کے پاؤں اور ٹانگیں دکھنے لگی تھیں لیکن گھر تھا کہ آ کے ہی نہ دے رہا تھا اور پھر جب وہ تھکی ٹوٹی گھر پہنچی تو بنا کپڑے بدلے بستر پر گر پڑی تھکن سے اس کا برا حال تھا۔ وہ اسی طرح پڑے رہنا چاہتی تھی کہ اس کی ماں کمرے میں داخل ہوئی۔۔۔ "کہاں تھی؟ چھٹی ہوئے تو ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے، بول کہاں گئی تھی؟"

"پہلے تو اس کے جی میں آیا کہ سب کچھ بتا دے پر لڑکوں کا ذکر سن کر ماں اور طیش میں آ گئی تو؟ اس کا اسکول جانا بند کر دیا گیا تو؟ اسے قصوروار ٹھہرا کر اس کی بھی فوراً شادی کر دی گئی تو؟"

نہیں نہیں مجھے خاموش ہی رہنا چاہیے پر کوئی بہانہ تو بنانا پڑے گا۔۔۔

'اماں وہ کلثوم ہے ناں میری کلاس میں وہ بیماری کی وجہ سے کئی دنوں سے اسکول نہیں آ رہی تھی میری ہوم ورک کی کاپی اس کے پاس تھی میڈم سے روز ڈانٹ پڑتی تھی مجھے، تو آج میں اس کے گھر اپنی کاپی لینے چلی گئی تھی۔۔۔"

اس کی ماں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔۔۔ "سچ بول رہی ہے ناں؟ ورنہ میں کلثوم کے گھر جا کے پتا کر لوں گی۔" اور مسکان نے اپنی ہڑبڑاہٹ پہ قابو پاتے ہوئے اپنی اسلامیات کی کاپی نکالی اور ماں کے آگے آخری کیے گئے ہوم ورک والے صفحہ کو کھول کر تاریخ پر انگلی رکھ کے دکھائی۔۔۔ "یہ دیکھ اماں! چار دن پہلے کا آخری کام ہے اس کے بعد اتنے دنوں سے میں اسکول کا کام نہیں کر سکی کیونکہ میرے پاس کوئی دوسری کاپی نہیں تھی۔۔۔" ماں نے پہلے اسے اور پھر کاپی پہ درج تاریخ کو غور سے گھورا اور کاپی بستر پر پھینک کر باہر نکل گئی۔۔۔

مسکان نے ایک لمبا گہرا سانس لیا کہ اسلامیات کا نصاب مختصر ہونے کی وجہ سے جلدی ختم کر لیا گیا تھا اور آجکل دہرائی جا رہی تھی لکھنے کا کام نہیں دیا جاتا تھا صرف یاد کرنے کو دیا جاتا تھا۔۔۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔۔۔ پر ساتھ ہی پریشان ہو گئی کہ روز تو وہ گھر دیر سے نہیں پہنچ سکتی۔۔۔ اب وہ کیا کرے؟ اس گلی سے آنے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔۔۔

اگلے تین دن تک واپسی پہ اسے روز ان آوارہ لڑکوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، سیٹیوں کی آوازیں گھر پہ اور اسکول میں بھی اس کے کانوں میں گونجتی رہتیں، وہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیتی پر آوازیں بند نہ ہوتیں، وہ آوازیں تو اس کے دماغ سے اٹھ رہی تھیں۔۔۔ اس کی پریشانی میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا، روز یہی دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں ان لڑکوں کی سیٹیاں آگے چل کر نہ جانے چھیڑ چھاڑ کا کونسا رنگ لے لیں اور کہیں وہ بدنام نہ ہو جائے۔

صبح گھر کے دروازے پہ دستک ہوئی تو سامنے اس کی گلی کی تینوں لڑکیاں کھڑی تھیں۔ "اوہ! تم لوگ واپس آ گئے؟ شکر ہے۔۔۔" اور مسکان سچ میں خوش ہو گئی، اسے امید تھی کہ وہ لڑکے جو اسے اکیلا دیکھ کر سیٹیاں بجاتے تھے اب سب لڑکیوں کے آگے کچھ تو لحاظ کریں گے مگر اس کا اندازہ اس وقت غلط ثابت ہوا جب اسکول سے واپسی پہ اسی لڑکے نے سیٹی بجائی جو ایک دن صبح کے وقت اسے اکیلا کھڑا ملا تھا اور جو غالباً اس محلے کا بھی نہیں تھا اس کی سیٹی سے سبھی لڑکیوں کی سٹی گم ہو گئی۔ اس سے پہلے ان کے محلے کے لڑکوں نے ایسا کبھی نہ کیا تھا، مین روڈ اور دوسری گلیاں جو ان کی گلی سے کافی پہلے آتی تھیں وہاں کھڑے لڑکے کبھی کبھار کوئی فقرا کہہ دیا کرتے تھے مگر اپنے ہی محلے کے لڑکے اتنے گھٹیا ہوں گے اس کا اندازہ انہیں نہیں تھا۔۔۔

اس نئے لڑکے کی سیٹی کے بعد اس کے ساتھ کھڑا ہوا لڑکا بولا۔ "ارے! آج چاروں کے لیے بجا رہا ہے؟" اور جواب میں سیٹی بجانے والا لڑکا بولا۔ "نہیں تو! وہ جو سب سے پرے چل رہی ہے، تمہاری بھابی کے لیے بجا رہا ہوں۔۔۔" اور یہ سن کر تو مسکان کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں، تینوں لڑکیوں نے اسے عجیب مشکوک نظروں سے دیکھا اور وہ اپنے دفاع

[illegible] نہ کہہ سکی۔

[illegible] کہتی تو تب جب اس سے کوئی سوال ہوتا وہ تو [illegible] نظریں تھیں جن کا خواب انہیں اس کی نظریں نہ دے [illegible] خدا حافظ۔! مسکان نے گھر کے دروازے پر [illegible] باقی تینوں لڑکیوں کو کہا تو جواب میں بڑی رکھائی [illegible] خدا حافظ کہا گیا۔۔۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔۔۔

اگلی صبح وہ وقت سے پہلے ہی دروازے پہ [illegible] ہو کے لڑکیوں کا انتظار کرنے لگی اسے ڈر تھا کہ [illegible] وہ کل کی بات سے اس سے بدگمان ہو کے آج [illegible] اسے لینے نہ آئیں تو؟ اور پھر وہ آ گئیں مگر مسکان نے [illegible] کے رویوں میں ایک واضح کھچا پن محسوس کیا۔۔۔

اسکول میں اس نے اپنی ایک سہیلی سے اس [illegible] پورے قصے کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ "تمہیں ڈرنے کی [illegible] ضرورت نہیں، وہ لڑکا تمہیں اسی لیے ستاتا ہے کہ تم [illegible] گھبراجاتی ہو اور باقی کے سب لڑکوں کو تفریح مل جاتی [illegible] اس کا سامنا کرو اپنے اندر تھوڑی خود اعتمادی پیدا [illegible] کرو اس نے سب لڑکیوں کے سامنے تمہیں بھابی کہا [illegible] تم اسے بھائی کہہ دینا۔۔۔"

[illegible] نہیں۔۔۔ اس سے بات کیوں [illegible] وہ مجھ سے ان ڈائیریکٹ بات کرتا [illegible] مسکان نے جواز پیش کیا۔۔۔

[illegible] تو ٹھیک ہے پھر کم سے کم گھبرانے کے [illegible] اگلی بار وہ سیٹی بجائے تو غصے سے ایسا گھورنا [illegible] کہ وہ بھی گھبرا جائے، تم ڈرتی ہو اس لیئے وہ تم سے [illegible] نہیں ڈرتا۔۔۔"

سارا وقت اسکول میں مسکان اپنی سہیلی کے [illegible] پر غور کرتی رہی۔ واپسی پہ محلے کی لڑکیوں کے [illegible] میں قدم رکھتے ہی اس نے ان لڑکوں پہ ایک نظر [illegible] اور آگے بڑھنے لگی، جب وہ ٹھیک انکے سامنے سے [illegible] تھیں ان میں سے اسی لڑکے نے سیٹی بجائی، اس [illegible] جانب کھڑے اس لڑکے کو غصے سے گھورا تو وہ [illegible] ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور وہ آگے بڑھ گئی، وہ [illegible] دل میں اپنی چھوٹی سی جیت پر خوش ہو رہی تھی پر

اس کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی جب اگلے دن اسکول سے واپسی پر وہ ٹھیک اس کے سامنے راستہ روکے کھڑا ہو گیا اور بے شرمی سے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "السلام علیکم جی!"

مسکان جو پہلے سے خود کو اس طرح کی کسی بھی متوقع صورتحال کے لیے تیار کر چکی تھی، بے دھڑک ہو کر بولی۔۔۔ "وعلیکم سلام بھائی!۔۔۔" اور تیزی سے آگے جاتی ہوئی لڑکیوں سے جا ملی جو اس اچانک افتاد پر ادھر ادھر ہو کر جلدی سے آگے بڑھ چکی تھیں۔ اس لڑکے کے اس طرح سامنے آ کر ان کا راستہ روکنے پر وہ سب ہی حواس باختہ تھیں۔ اور اس کا ذمہ دار دل ہی دل میں مسکان کو ٹھہرا رہی تھیں۔

پر آج مسکان قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگا کہ اس کے بھائی کہنے پر اس کے دوستوں کے سامنے اس لوفر کی اچھی خاصی بے عزتی ہوئی ہے جس کی وجہ سے نہ تو اس نے دوبارہ کوئی سیٹی بجائی اور نہ ہی کوئی فقرے بازی کی۔۔۔ امید ہے وہ دوبارہ نظر نہیں آئے گا۔ اگلے روز گلی میں کوئی نہیں تھا اس نے شکر کیا مگر جونہی وہ دو گلیاں گزار کے اپنی گلی سے پہلے ایک آخری گلی میں داخل ہوئی، اس لڑکے کو نکڑ پہ کھڑا پایا، وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔۔۔ سب لڑکیاں جلدی سے آگے بڑھ گئیں مگر وہ اس کی اس جرأت پہ ایک بار پھر سے خوفزدہ ہو گئی۔ اسے کچھ سجھائی نہ دیا کہ وہ کیا کرے؟ وہ ایک سائیڈ کو ہوتے ہوئے تقریباً بھاگتی ہوئی اپنی گلی کی لڑکیوں سے جا ملی۔۔۔ جو اس کی طرف دیکھنے سے بھی کترا رہی تھیں اور مسکان سے ہٹ کے چلنے لگیں، وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی رہی کہ ایک لڑکا اس کے پیچھے یہاں تک آ گیا۔۔۔

یہ سب کیا سوچتی ہوں گی اس کے بارے میں؟ وہ بدنام ہو رہی ہے اور آہستہ آہستہ یہ خبر اس کے گھر والوں تک پہنچ جائے گی۔۔۔ یہ سوچ کر اس کا خون خشک ہونے لگا۔۔۔ اس کا گھر آ گیا اور اس کی ساتھی لڑکیاں اس سے بنا سلام دعا کیے آگے بڑھ گئیں۔۔۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

اپنے بارے میں کوئی بھی غلط رائے قائم ہونے سے خود کو بچانے کے لیے اس نے اگلے دن اسکول میں اپنی گلی کی کسی نہ کسی لڑکی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور اس نے اس سلسلہ میں بریک کے دوران کینٹین کی طرف جاتی ثمینہ کو منتخب کیا کیونکہ وہ اس کی گلی کی باقی لڑکیوں سے زیادہ سمجھدار اور بہتر اخلاق کی مالک تھی۔

"دیکھو مسکان! میں بس اتنا جانتی ہوں کہ تمہیں اس دن اس کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے تھا، اس سے اسے اور شے ملی---" ثمینہ نے اسے بنا کسی لگی لپٹی صاف بات کر ڈالی---

"پر اس کی ہمت اتنی کیسے بڑھ گئی کہ اس نے سب کے سامنے مجھے ان لڑکوں کی بھابی کہہ دیا؟ اسی لیئے مجھے بھی اسے بھائی کہنا پڑا ورنہ میں اس کے سلام کا جواب بھلا کیوں دیتی؟" مسکان نے اپنی صفائی پیش کی---

"نہیں مسکان تم نے یہی تو غلط کیا---اس قسم کے لڑکے بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں، انہیں یہی تو چاہیے ہوتا ہے کہ لڑکی کسی طرح انکی طرف متوجہ ہو جائے، ان سے بات کرلے بس اور سلسلہ شروع ہو جائے---ان کا بہترین علاج یہی ہے کہ انہیں مکمل طور پہ ان دیکھا کردو، یہ جو مرضی کہیں ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا جائے ورنہ پھر وہی ہوتا ہے جو ہوا ان کی ہمت بڑھ جاتی ہے---"

"ثمینہ آ بھی جا---" اور وہ تہمینہ اور نازیہ کی آوازوں پر مسکان کو سوچتا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی---

مسکان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو خود کو کوسنے لگی---"صحیح کہہ رہی ہے ثمینہ، مجھے اسے جواب نہیں دینا چاہیے تھا وہ تو اس کی گلی کے پاس پہنچ گیا ہے---اب کچھ بھی ہو جائے وہ اس کی کسی بھی بات، کسی بھی حرکت کا جواب نہیں دے گی۔" اس نے سوچا، مگر اب وہ پہلے سے زیادہ ڈر گئی تھی۔ اس لڑکے کی ہمت بہت بڑھ چکی تھی وہ ٹھیک سے اس کا گھر نہیں جانتی تھی بس گلی کا پتہ تھا اور کیا معلوم وہ اسی گلی کا تھا بھی یا نہیں؟ کہیں اور سے نہ آتا ہو؟ اور اگر وہ اسی گلی میں نیا آیا ہے تب بھی اس کے گھر جا کے اس کی شکایت کرنا بھی مناسب نہیں، اس نے غصے میں کوئی اور جوابی کاروائی کر دی تو؟ اور اماں ابا تک یہ بات پہنچ گئی تو؟ ابھی تو بات اس کی کچھ ساتھی لڑکیوں تک ہی محدود ہے پر اس کے کسی بھی قسم کے اقدام سے بات ہاتھ سے نکل بھی سکتی ہے۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ چپ رہے گی۔

اب وہ لوفر لڑکا اس کی گلی سے پہلے والی گلی کی نکڑ پر ایک اور لڑکے کے ساتھ کھڑا ہونے لگ گیا، پہلے سیٹی بجاتا اور مسکان کے توجہ نہ دینے پہ کوئی نہ کوئی جملہ کستا، وہ دل ہی دل میں گھبراتی، نظریں جھکائے گزر جاتی۔ یہ روز کا معمول بن چکا تھا۔ اس کی گلی کی ساتھی لڑکیوں نے بہانے بہانے سے اس کے ساتھ جانا چھوڑ دیا۔ کبھی پہلے نکل جاتیں، کبھی دیر سے جانے کا بہانہ کرتیں اور محلے یا اسکول میں مسکان سے سامنا ہو جاتا تو کنی کترا جاتیں۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی پڑھائی بھی متاثر ہو رہی تھی۔ وہ خدانخواستہ اس بات کے کھل جانے پر اپنے ماں باپ کے انتہائی ردعمل کے خوف سے سہمی ہوئی تھی۔

"اماں! مجھے اسکول جانے کے لیے کوئی وین یا تانگہ لگوا دیں---" اس نے صبح پہلا نوالہ حلق سے نگلتے ہوئے بہت ہمت کر کے کہہ دیا اور ماں کی طرف ڈرتے ہوئے امید بھری نظروں سے دیکھنے لگی---"دماغ ٹھیک ہے تیرا؟ اتنے سالوں سے پیدل آ جا رہی ہے اب کیا معذور ہو گئی ہے؟" ماں نے دھاڑتے ہوئے پوچھا---اماں! وہ---راستہ بہت لمبا ہے، گھر پہنچتے پہنچتے دیر بھی بہت ہو جاتی ہے اور گھر پہنچ کر گھر کے کام اور پھر اسکول کا کام کرنے کی ہمت نہیں رہتی، میں بہت تھک جاتی ہوں---اور---گرمی بھی بہت ہوتی ہے اور آج کل بارشیں بھی ہو رہی ہیں گلیوں میں پانی بھر جاتا ہے کپڑے---بس ایک ٹائم واپسی کے لیے لگوا دیں---صبح کے وقت خود چلی جایا کروں گی---"

"اس نے ساری رات جاگ کر بنائے سب بہانوں کی لسٹ سامنے رکھ دی۔" نہ تو انوکھی ہے؟ گلی کی ساری لڑکیاں بھی تو پیدل آتی جاتی ہیں، اتنی ہڈ حرامی کہاں سے آ گئی؟ اور تو کونسا گھر آ کر پہاڑ توڑتی ہے جو

پڑھائی کی ہمت نہیں رہتی؟ سیدھی طرح بول کہ پڑھنا نہیں ہے، تیرا بندوبست کریں کوئی---" اس کی ماں چنگھاڑی---

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہے---اماں مجھے پڑھنا ہے اور ابھی آگے پڑھنا ہے، بس ابھی کے لیے مجھے کوئی سواری لگوا دیں---" وہ پڑھائی چھوٹ جانے کی بات سے منت پہ اتر آئی---"ساری لڑکیاں پیدل آتی ہیں تو کوئی مہارانی نہیں، اس گلی کی کونسی لڑکی ہے جسے وین یا تانگہ لگا ہو؟" اس کی ماں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا---

"اچھی ثمینہ، تہمینہ اور نازیہ کی صحت ماشاءاللہ اچھی ہیں نا، تو وہ میری طرح تھکتی نہیں، ان کے گھر میں کھانے کی بہت ہوتی ہے، وہ روز انہ اسکول اپنا لنچ بھی لے کر آتی ہیں بہت اچھا جیب خرچ بھی ملتا ہے، اسے بھی خرچ کرتی ہیں اور جب موسم خراب ہو تو ان کے پاس اتنے پیسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ رکشہ کر لیتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر ان کے ابو یا بھائی بھی انہیں چھوڑنے اور لینے آ جاتے ہیں---پر اماں! پچھلی گلی کی اور ساتھ والی گلی کی کئی لڑکیاں وین اور تانگہ پہ آتی جاتی ہیں، میں ان کے ساتھ---" اس نے جھجکتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا---

"ہاں تجھے تو جیسے کھانے کو کچھ نہیں ملتا نہ؟ کبھی بھوکی سوئی ہے؟ اپنے حصے کا بھی تجھے کھلا دیتی ہوں، پر تجھے لگتا ہی نہیں، ایسے سوکھی سڑی ہے جیسے کبھی کچھ کھایا ہی نہ ہو؟ ابھی بھی کھا تو رہی ہے اور کیا چاہیے؟" اس نے ماں کی بات پر اپنے سامنے پڑی رات کی سوکھی روٹی اور چائے کا چھوٹا سا کپ دیکھا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں---وہ سر جھکائے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ پتلی پانی اور نام دودھ والی کالی چائے کی چسکیاں گھونٹ گھونٹ پینے لگی پر اس کی ماں نے ابھی بس نہیں کی تھی---"اور یہ پچھلی گلی کی لڑکیوں کے ساتھ میل ملاپ کم کر---انہوں نے ہی تیرا دماغ خراب کیا ہے ورنہ پہلے تو تو پیدل ہی آتی تھی اور جتنے پیسے ہم تیری

پڑھائی پہ خرچ کرتے ہیں نہ اس سے گھر کے کتنے خرچے پورے ہو جاتے---مجھے تیرا باپ کوئی زیادہ رقم لا کر نہیں دیتا، تیرے جہیز کے لیے بھی روپیہ جوڑنا ہے، اب تجھے کھلائیں بھی پڑھائیں بھی اور تیری عیاشیوں پہ بھی خرچ کریں؟ یہ نواب زادیوں والا وطیرہ چھوڑ اور اوقات میں آ جا---سب کچھ کھا کہ بھی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے---" وہ جو بمشکل نوالے نگل رہی تھی ہچکیاں بھی لینے لگی---"اب اپنے کن مرے ہوؤں کو رو رہی ہے؟ کوان مر گیا ہے تیرا؟---"

اس نے بمشکل چائے کا آخری گھونٹ گلے سے اتارا اور اپنے ٹپ ٹپ بہتے آنسوؤں کے ساتھ گھر سے نکل پڑی---آسمان پر آئے بادل بھی اس کے ساتھ رو پڑے---اس کے پاس کوئی چھتری تک نہیں تھی، اچھا ہی تھا ورنہ راستے میں اسے دیکھنے والے سمجھ جاتے کہ وہ رو رہی ہے اس طرح کم از کم اس کے آنسو اور بارش کے قطروں میں کوئی فرق نہیں بتا سکے گا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا---

اس کے سارے کپڑے، اسکول بیگ اور اس میں رکھی ساری کتابوں کے بھیگ جانے کے باوجود اسے یہ بارش واقعی رحمت لگی جو صرف اس کے لیے ہی برسی ہے تا کہ وہ جی بھر کر رو سکے اور وہ روتی رہی---اس کی رفتار بہت آہستہ تھی، اسے پرواہ نہیں تھی کہ اسے اسکول سے دیر ہو رہی ہے یا اس کا حلیہ کتنا بگڑ چکا ہے۔ وہ راستہ اسے پہلی بار لمبا لگنے کی بجائے بہت چھوٹا لگا۔ اس کا جی چاہا کہ یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو، وہ چلتی جائے اور گھر سے، اس علاقے سے، اس دنیا سے کہیں دور نکل جائے---یہ راستہ، یہ بارش کبھی ختم نہ ہوں---بس وہ روتی رہے، جی بھر کے روتی رہے---

پر اسکول آ چکا تھا اسمبلی ختم ہو چکی تھی کلاس ٹائم شروع ہو چکا تھا پر ابھی ٹیچر نہیں آئی تھیں شاید چھٹی پہ ہو---خراب موسم کی وجہ سے آج لڑکیاں بھی کم تھیں۔ اسے آج کلاس میں کچھ بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ بریک ہوئی اور اسے بھوک ستانے لگی، اس نے بیگ کی جیب

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com

سے دو روپے کا نوٹ نکالا جو اسے روز ملتا تھا مگر کینٹین میں دو روپے سے ایسا کچھ نہیں خریدا جاسکتا تھا جس سے بھوک مٹائی جاسکے۔ سموسہ بھی پانچ روپے کا آتا تھا۔ جبکہ نان چنا اور چاٹ دس دس روپے کے۔۔۔ وہ تین دن تک پیسے جمع کرتی تا کہ تیسرے دن ایک روکھا سموسہ کھا سکے پر آج صبح کے واقعہ میں اس کی ماں اسے دو روپے بھی دینا بھول گئی تھی یہ دو روپے کل کے تھے۔۔۔

بارش موسلا دھار دھار ہو رہی تھی مگر کینٹین پہ لڑکیوں کا رش پھر بھی کم نہ تھا۔۔۔ "ہم کینٹین جا رہے ہیں مسکان تم نے کچھ منگوانا ہے؟ تو پیسے دے دو ہم لے آتے ہیں۔۔۔" اس کی دو کلاس فیلوز نے اسے باہر بارش کو تکتے دیکھ کے پوچھا۔۔۔ اس نے اپنے دو روپے واپس بیگ میں چھپاتے ہوئے انکار میں سر ہلا دیا۔۔۔ وہ واپس کلاس روم میں آئیں تو ان کے ہاتھ میں بوتلیں سموسے اور چاٹ تھیں جو وہ اپنے گروپ کی باقی لڑکیوں کے لیے بھی لے آئی تھیں۔۔۔ اس نے گردن جھکا لی اور سر گھٹنوں میں دے کے بیٹھ گئی۔۔۔

چھٹی کے وقت تک بارش تھم چکی تھی مگر اسکول سے منسلک روڈ پر دو دو فٹ اونچا پانی کھڑا تھا۔ اس علاقے میں شدید بارش کے بعد اکثر جگہوں پر پانی کھڑا ہو جاتا تھا اس نے اسکول ریمپ سے اترنے کی کوشش کی مگر اس کی ٹانگ ایک فٹ تک پانی میں اترتی چلی گئی اور ابھی پتا نہیں کتنا نیچے جاتی اس نے ڈر کے پاؤں باہر نکالا۔۔۔ اس نے سوچا کہ آگے کی گلیوں میں تو اس سے بھی زیادہ پانی کھڑا ہوگا، اس کے کپڑے بھی گیلے ہو جائیں گے اور آگے وہ لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر سیٹیوں کے ساتھ ساتھ فقرے بھی کسے گا۔۔۔ وہ بھوک، پریشانی اور فکر سے نڈھال تھی۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا دوسری جانب کا لمبا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور پانی میں اتر گئی اور بمشکل دو ڈھائی فٹ پانی میں سے گزر کر سڑک پار کی۔

اس کے دماغ میں صبح کی ساری باتیں تازہ ہونے لگیں۔ اس کے ماں باپ اس سے اتنا تنگ تھے؟ اس نے تو کبھی اپنے لیے ان سے کوئی فرمائش، کوئی مانگ نہیں کی تھی تین سال سے اس نے اسکول بیگ بھی نہ بدلا تھا جو کہ جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا جسے اس نے بہت سے ٹانکوں سے سی رکھا تھا اور اس کے جوتے بھی دو سال پرانے تھے جو کہ اب نہ صرف گھس چکے تھے بلکہ اس کے پاؤں کا سائز بڑھنے کی وجہ سے چھوٹے بھی ہو چکے تھے۔۔۔ اس کے پیر ان جوتوں میں دکھتے تھے مگر اس نے اپنے خاندان کی غربت دیکھتے ہوئے اس بارے میں بھی مانگ نہیں کی تھی۔۔۔ وہ اپنے ماں باپ کو تنگ نہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی تو کیا وہ اس کی پریشانی نہیں سمجھ سکتے تھے؟

آخر اس کا قصور کیا تھا جو وہ اس سے ہمیشہ ناراض اور غصہ رہتے تھے؟ اس کی آنکھیں پھر سے بہنے لگیں اور وہ سوچتی رہی کہ میں نے تو کبھی انہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ اسکول میں دو روپے کا کچھ بھی نہیں آتا۔۔۔ یہ جیب خرچ بہت کم ہے۔۔۔ نہ ہی گھر میں کبھی کچھ کھانے کی فرمائش کی۔۔۔ پھر بھی اماں نے مجھے اتنا برا بھلا بولا۔۔۔ وہ پہلے ہی اس سیٹی والے لڑکے کے ہاتھوں پریشان تھی اس پہ اس کی ماں کی باتوں نے اسے مزید بے حال کر ڈالا تھا۔ وہ سوچتی رہی، روتی رہی اور وہ پرانی گلی آ گئی جس میں وہ ہیبت ناک سا گھر تھا، جس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔

یہاں تو پانی اور بھی اونچا تھا بہت مشکل سے وہ قدم اٹھا پا رہی تھی۔۔۔ لیکن اس کی نظریں اسی سب سے بڑے اور پرانے، ویران گھر پہ ہی تھیں۔۔۔ پر آج اسے دیکھ کہ اتنا ڈر نہیں لگ رہا تھا۔۔۔ وہ لوفر لڑکا، اس کی سیٹیاں، بدنامی، ماں باپ کی رسوائی اور ان کے انجانے ردعمل کا خوف اس مکان کے خوف پر غالب آیا ہوا تھا۔۔۔ اور پھر اس کی غربت، اماں ابا کا رویہ، وہ بہت دکھی تھی۔۔۔ اس کے دل میں آیا کہ کاش وہ اس ویران گھر میں جا کہ چھپ جائے، یہاں کی ویرانی میں کتنا سکون ہے۔۔۔ یہاں کوئی نہیں رہتا، اسے کوئی دکھ دینے والا، پریشان کرنے والا نہیں ہوگا یہاں۔۔۔ نہ ہی اسے کوئی

ٹوک سکے گا۔۔۔ کاش وہ ایسا کر سکتی۔۔۔ پر ایسا ممکن نہیں تھا۔۔۔ اس زندگی سے بہتر کاش وہ مر جائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ کاش۔۔۔ کاش۔۔۔

وہ اس گھر کے برگد کے درخت کے نیچے سے گزر رہی تھی اس کی نظریں گھر کی خاموش عمارت پر تھیں اور رو رہی تھیں اپنی بے بسی پر۔۔۔ اور پھر اگلے ہی قدم وہ پانی کے نیچے چلی گئی۔۔۔ اس کی ادھوری چیخ جو اچانک اس کے منہ سے نکلی تھی، مگر اس کی چیخ کے لیے وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ ویران گلی، پرانے گھر اور ہر طرف بارش کا پانی ہی پانی۔۔۔ وہ برگد والے گھر کے عین سامنے کہیں غائب ہو چکی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

اس کے ماں باپ نے گلی محلے میں، اس کے اسکول کی سہیلیوں کے گھروں میں، ہر جگہ معلوم کیا پر اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دو دن گزر چکے تھے۔ اس کی ماں پولیس اسٹیشن جانے کا سوچ ہی رہی تھی۔۔۔ تبھی گلی میں رہنے والی نازیہ اپنی ماں کے ساتھ مسکان کے گھر آئی اور آتے ہی شروع ہو گئی۔ "مجھے تو نازیہ نے کل ہی بتایا کہ مسکان کا اس کے راستے میں کسی لڑکے کے ساتھ کوئی چکر چل رہا تھا۔۔۔ بہن تم ایویں ایسی اولاد کے لیے پریشان ہو رہی ہو، میری مانو۔۔۔ اس پہ صبر ہی کر لو وہ ضرور اسی لڑکے کے ساتھ چلی گئی ہوگی، اب نہیں آنے کی لوٹ کے۔۔۔"

اور مسکان کی ماں غیر یقینی انداز میں نازیہ کی ماں کو دیکھنے لگی۔۔۔ "جی آنٹی امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مسکان اور وہ لڑکا تو ہم سب لڑکیوں کے سامنے ہی بے دھڑک سلام دعا کرتے تھے۔ اسے تو آپ کی عزت کا ذرا بھی خیال نہ تھا پر ہمیں اپنے ماں باپ کی عزت کی بہت پرواہ تھی اسی لیے ہم نے مسکان کے ساتھ آنا جانا چھوڑ دیا تھا پر ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ایک دن یہ نوبت آ جائے گی کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ جائے گی ورنہ آپ کو پہلے ہی بتا دیتی۔۔۔" نازیہ کے خاموش ہوتے ہی اس کی ماں نے پوچھا۔ "کون ہے وہ لڑکا؟ کہاں رہتا ہے؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"آنٹی اس کے بارے میں تو ہمیں کچھ نہیں پتہ کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں رہتا ہے؟ وہ تو کبھی سڑک پہ، کبھی کسی دوکان کے آگے، کبھی کسی گلی میں، کبھی کہیں تو کبھی کہیں کھڑا ہوتا تھا اور اب تو دو دن سے وہ بھی نظر نہیں آ رہا۔۔۔" نازیہ نے اس ڈر سے کہ کہیں مسکان کی ماں اس کی بتائی گلی میں جا کر کوئی ہنگامہ نہ کر دے اور وہ لڑکے ان کی شکایت لگانے پر طیش میں آ کر انہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا دیں سو اس نے اس لڑکے کی مخصوص گلی کے بارے میں معلومات گول کر دیں۔

نازیہ کی ماں نے بھی اسے یہی نصیحت کی تھی کہ اس لڑکے کے حلیے اور پتہ کے بارے میں اپنا منہ بند ہی رکھے، ہمیں کسی کے معاملے میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بھی اپنا ہی محلہ ہے، تم لڑکیاں بھی اسی گلی سے آتی جاتی ہو، یہ نہ ہو کہ وہ لڑکے تم لوگوں کے ساتھ بھی کوئی چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں۔۔۔

"بہن نظر آئے گا بھی کیسے؟ یہاں ہوتا تو نظر آتا نا؟ وہ جس کے لیے آتا تھا، اسے لے کر بھاگ گیا۔۔۔ اب کہاں نظر آتا ہے اس نے؟ چلو تم اب فکر چھوڑ دو، جو کالک اس نے تمہارے منہ پر ملنی تھی مل دی، اب کیسا رونا؟" نازیہ کی ماں نے نازیہ کی ادھوری بات اور اپنی ادھوری تسلی پوری کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔

مسکان کی ماں حیرت اور شرمندگی میں بس اتنا کہہ سکی کہ "ہو سکے تو یہ بات محلے میں کسی سے مت۔۔۔"

"ارے بہن تمہیں یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں بھی بیٹی والی ہوں، تمہارا دکھ سمجھتی ہوں۔۔۔ کسی سے نہیں کہوں گی اور نازیہ تم بھی کسی سے یہ بات نہ کرنا سنا؟ نازیہ کی ماں مسکان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی تو نازیہ نے جواب میں کہا۔ "امی میں کیوں بتاؤں گی؟ پر یہ بات تو گلی کی سب ہی لڑکیاں جانتی ہیں، کہیں اور سے نکل گئی تو میرا کیا قصور؟"

"اچھا بہن ہم چلتے ہیں دروازہ بند کر لو، ویسے

اب رہ ہی کیا گیا ہے اس گھر سے لیجانے کو؟ تمہاری سب سے قیمتی چیز تو خود ہی چلی گئی۔۔۔" مسکان کی ماں انہیں جاتا دیکھتی رہ گئی۔۔۔ نہ ہی وہ رو سکی نہ ہی کچھ بول سکی۔۔۔ اور پولیس کے پاس جانے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

مسکان کی گلی کی تینوں لڑکیوں کے والدین نے انہیں اس واقعہ کے بعد وین لگوادی جو کہ دوسری جانب کی لڑکیوں کو اسکول لاتی لے جاتی تھی۔ لہٰذا ان لڑکوں کی گلی سے اب ان کا گزر نہیں ہوتا تھا اور یوں اس محلے سے مسکان کا قصہ بھی بظاہر ختم ہوگیا لیکن دوسری طرف ایک نیا قصہ شروع ہوچکا تھا۔۔۔

جس دن مسکان لاپتہ ہوئی، اسی روز وہ سیٹی بجانے والا لڑکا جو کچھ دنوں کے لیے اپنے ماموں کے گھر رہنے آیا ہوا تھا اپنے باپ کی موت کی اطلاع پر اپنے شہر روانہ ہوچکا تھا اس بات سے بے خبر کہ جس لڑکی کو وہ تنگ کرتا تھا وہ بھی جا چکی ہے۔۔۔

"بھائی! کاشف کے باپ نے اسے آپ کے پاس اسی لیے یہاں بھیجا تھا کہ شاید اسے یہاں کوئی نوکری مل جائے۔۔۔ یہاں تو یہ نہ پڑھتا ہے اور نہ کوئی کام کرتا ہے۔ کتنا سمجھاتا تھا اس کا بیمار باپ اسے کہ میرے مرنے سے پہلے اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جا مگر وہاں جا کر بھی اس نے کوئی کام نہ ڈھونڈا۔۔۔ میرے سسرال والے تو میرے بیمار شوہر کی زندگی میں ہی ہمیں اس گھر میں رہنے نہیں دیتے تھے، ان کے بعد کیا لحاظ کرتے؟ میرے شوہر کو مرے دو دن بھی پورے نہیں گزرے اور آج یہ دبے لفظوں میں مجھے یہاں سے چلے جانے کو کہہ چکے ہیں۔۔۔ اب ہم دونوں کا آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں، ہم اس شہر میں اکیلے رہ گئے ہیں۔۔۔" اس کی ماں جنازے کے اگلے روز اپنے بھائی کے ساتھ اپنا دکھ بانٹتے ہوئے رو پڑی۔۔۔

"تم فکر نہ کرو نگہت! تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے، تم لوگ میرے ساتھ چلو۔۔۔ اس شہر میں رہ کے اب کرو گے بھی کیا؟ میں نے پہلے بھی کوشش کی تھی کہ کاشف کو وہاں کوئی نوکری مل جائے مگر ایک تو ایف اے پاس کو کوئی نوکری مشکل سے ہی ملتی ہے اور اس کی تعلیم کے اعتبار سے میں اس کی نوکری کی کہیں بات کرتا تھا تو یا تو وہ انٹرویو دینے جاتا ہی نہ تھا اور جاتا تو انکار کر کے آ جاتا۔۔۔ مگر اب حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اسے اپنے طور طریقے بدلنے ہوں گے، تم بھی اسے سمجھانا۔۔۔" کاشف کے ماموں نے بہن کو تسلی اور نصیحت ایک ساتھ کی۔

"مگر بھائی ! آپ کے گھر میں تو پہلے ہی کافی مسئلے مسائل اور لڑائی جھگڑے رہتے ہیں چھوٹے بھائی کے ساتھ، اوپر سے بیوہ بہن بھی اس گھر میں آکر رہنے لگ جائے، یہ بھی مناسب نہیں لگتا۔۔۔ اگر آپ وہاں ہمارے لیئے علیحدہ مکان تلاش کردیں تو پھر مجھے اپنے آبائی شہر آنے میں کوئی اعتراض نہیں۔۔۔" نگہت نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے بھائی سے درخواست کی۔

اپنی خوددار اور سمجھدار بہن کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے وہ بولے۔۔۔ "ٹھیک ہے نگہت! تم لوگ یہ گھر چھوڑنے کی تیاری کرو۔۔۔ میں واپس جاکر تم لوگوں کے لیے کوئی مکان ڈھونڈتا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ ہمارے ہی علاقے میں کوئی مکان مل جائے تاکہ کاشف پہ نظر رکھنے والا بھی کوئی ہو اور پھر تم بھی خود کو ہم سے دور محسوس نہ کرو۔۔۔"

نگہت نے تشکر بھری نگاہوں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا جسے اپنی بہن اور بھانجے کے حال اور مستقبل کی فکر تھی ورنہ اس کے سسرال والے تو اس کے شوہر کی زندگی میں ہی اسے اور اس کے نکمے بیٹے کو اپنے گھر میں برداشت نہ کرتے تھے اور نہ ہی اب شوہر کے جانے کے بعد وراثت میں کوئی حصہ ملنے کی امید تھی۔ اس کے لیے اپنے بھائی کے ساتھ جانے میں ہی بہتری تھی۔ اور پھر چند ہی روز میں نگہت کے بھائی نے اپنی بہن اور بھانجے کے لیے کرائے کا ایک مکان کا تلاش کرلیا اور کاشف اپنی ماں کو لے کر ایک بار پھر سے اسی شہر، اسی علاقے میں واپس آ گیا جہاں اس نے [illegible] کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ بس اب گلی اس کے ماموں کے گھر کی گلی نہیں تھی جہاں وہ اپنے کزن اور اس کے دوستوں کے ساتھ آتے جاتے مسکان کو پریشان کرتا تھا۔۔۔ یہ گلی سڑک کے دوسرے جانب کے ایک پرانے سے علاقے کی گلی تھی جہاں کئی پرانے مکان تھے ان مکانات کے سامنے ایک بہت بڑا اور سب سے پرانا مکان تھا جس میں برگد کا ایک بہت بڑا اور پرانا درخت تھا۔ کاشف نے یہ جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کا مکان اس بڑے مکان کے بالکل سامنے تھا اس گلی میں پہلی بار داخل ہوتے ہوئے کاشف نے عجیب سی گھبراہٹ محسوس کی۔۔۔ یوں تو اس گلی کے زیادہ تر مکانات پرانے تھے مگر اس کے گھر کے سامنے والا یہ مکان تو اسے بہت بھیانک لگا۔۔۔ اسے یہ جگہ بالکل پسند نہ آئی۔۔۔ امی ماموں کو ہمارے رہنے کے لیے یہی جگہ ملی تھی؟ خود وہ کتنے اچھے مکان میں رہتے ہیں اور ہمارے لیے یہ ڈھونڈا ہے؟ آخر کو کرایہ تو ہم ہی نے دینا ہے تو پھر مکان تو کم سے کم ہماری پسند کا ہونا چاہیے۔۔۔ کاشف اس طرح سے بات نہیں کرتے اپنے ماموں کے لیے۔۔۔ یہ تو ان کا احسان ہے کہ انہوں نے اتنا بھی کردیا ہے ابھی نہ تو تمہارے پاس کوئی نوکری ہے اور نہ میرے پاس کسی بہتر جگہ رہنے کے لیے پیسے ہیں۔۔۔ جو جمع پونجی ہے بس کچھ ہی مہینوں میں ختم ہو جائے گی۔۔۔ دیکھو! تم اب میرا واحد سہارا ہو، ہمارے حال اور اپنے مستقبل کے بارے میں سنجیدہ ہو جاؤ، اس طرح تو پھر میں بھی تمہارے باپ کے پاس چلی جاؤں گی۔۔۔" نگہت جذباتی ہوگئی اور وہ بے چین۔۔۔

"اچھا امی! ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب پلیز یہ رونا بند کریں۔۔۔" اس نے اپنے باپ کی زندگی میں کبھی کسی چیز کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا اس کے لیے ہر چیز ہنسی مذاق اور کھیل کود تھی۔ نہ ہی اس نے کبھی کسی کی عزت کی تھی نہ اپنے مستقبل کی فکر۔ آوارہ دوستوں کی صحبت میں اس نے پڑھائی بھی ادھوری چھوڑ دی تھی اور باپ کی علالت کے بعد نوکری کرنے سے بھی انکاری تھا مگر باپ کی وفات نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ اب اسے اپنے حالات کی سنگینی کا کسی قدر اندازہ ہو رہا تھا اور ماں کے آنسوؤں پہ دل بے چین ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

"یار کاشف! تجھے پتہ ہے؟ وہ تیری والی کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔۔۔" کاشف کے کزن نے اس کے آنے پر اسے سب سے پہلے یہی خبر دی۔۔۔

"کیا؟ ارے یہ کیا کہہ رہا ہے؟" کاشف نے حیرت سے اپنے کزن کو دیکھا۔۔۔ "ارے میری جان، تیری قسم! اس کی گلی میں رہنے والا فیروز ہے ناں وہ جگر ہے اپنا۔۔۔ اسی نے بتایا کہ ایک روز خراب موسم کا فائدہ اٹھا کہ وہ کسی کے ساتھ نکل گئی اور آج تک واپس نہیں آئی۔۔۔ میں تو بڑا شریف سمجھتا تھا اپنی بھابی کو۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔۔۔

"اچھا تو کسی اور کو پھانس رکھا تھا اس نے تبھی تو مجھے لفٹ نہیں کرواتی تھی۔۔۔ ہوگا کوئی پیسے والا۔۔۔ کھلاتا پلاتا ہوگا۔۔۔ میرے سامنے تو بڑے نخرے دکھا کے گزر جاتی تھی۔۔۔ پورا مہینہ اس کے پیچھے ضائع کیا۔۔۔ نہ انٹرویو پہ جاتا تھا نہ تیرے ساتھ کہیں، جب تو کالج گیا ہوتا تھا تب بھی میں اتنی گرمی میں روز دوپہر اکیلا کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرتا تھا کہ کبھی تو دھیان دے گی پر وہ تو کسی اور سے چکر چلا رہی تھی۔۔۔" کاشف نے ماتھے پہ بل ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو اس کا کزن اس کا بگڑتا موڈ بہتر کرنے کے لیے جھٹ سے بول پڑا۔ "ارے چھوڑ یار! میرے بھائی کو لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟ ہیرو ہے ہیرو اپنا بھائی۔۔۔ اور بہت مل جائیں گی۔۔۔" اور اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، کاشف بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے مسکرانے لگا۔

ماموں کے گھر سے واپس آتے آتے شام ڈھلنے لگی تھی۔ باتوں باتوں میں وقت کا اندازہ نہ ہوا۔۔۔ اپنی گلی میں قدم رکھتے ہوئے گہرے سناٹے نے اس کا استقبال کیا۔ دائیں طرف چھوٹے مکانات میں سے ایک اس کا مکان تھا اور بائیں طرف تقریباً آدھی گلی کی

Digitized by Google

لمبائی پر مشتمل وہ برگد کے درخت والا بڑا سا پرانا مکان تھا۔۔۔ اندھیرے کی طرف تیزی سے بڑھتی شام کی پرچھائی نے اس مکان کی وحشت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔۔۔ وہ دائیں طرف اپنے مکان کی سائیڈ پر چل رہا تھا پر اس کی نظریں اس بڑے مکان کی ہولناکیوں پر تھیں۔ وہ نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔۔۔ شاید یہ گھر خالی تھا کیونکہ ایک بڑا سا تالہ مین گیٹ پر پڑا تھا اور یہ مکان اپنی بوسیدہ اور اجاڑ حالت سے کسی بھی طرح آباد نظر نہیں آتا تھا۔۔۔

وہ مکان کی حالت پہ غور کر رہا تھا کہ اچانک ایک تیز سیٹی کی آواز سے اچھل پڑا۔۔۔

اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے کہیں بھی کسی کو نہ پا کے وہ حیران تھا اسے لگا آواز مکان کی جانب سے آئی تھی پر وہاں تو ویرانی ہی ویرانی تھی۔ اس نے سنا ان سنا کر کے قدم آگے بڑھا دیے اور گھر پہنچ گیا۔ وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے اور دروازہ بند کرنے تک بھی اسی مکان کو دیکھے جا رہا تھا۔۔۔ اور ایک عجیب سی وحشت اس کو گھیرے جا رہی تھی۔۔۔

نگہت جو اس کے انتظار میں بیٹھی تھی اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ "بیٹا! کہاں رہ گئے تھے؟ ماں کی عدت کا ہی خیال کر لو، میں یہاں اکیلی ہوتی ہوں۔۔۔ مجھے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔۔۔"

"امی وہ میں ماموں کی طرف تھا۔۔۔"

اس نے جواب دیا۔ "چلو آؤ جا کھانا کھاتے ہیں۔۔۔" نگہت نے بیٹے کے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

"جی امی! آپ کھانا نکالیں، میں ہاتھ منہ دھو کر آتا ہوں۔ وہ دوسری منزل کی کھڑکی میں کھڑا سامنے گھر کی طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔۔۔

رات بہت بے چین گزری، سوتے میں کئی بار اس کی آنکھ کھلی۔ اسے لگتا جیسے وہاں کوئی ہے۔۔۔ پر کمرے میں اس کے سوا کوئی نہ تھا۔۔۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے سامنے والا گھر نظر آیا وہ پھر سے کروٹ بدل کے سونے کی کوشش کرنے لگا اور پھر اسے نیند آ ہی گئی۔

اگلے روز دن چڑھے سوتا رہا، آنکھ کھلی تو کھڑکی سے نظر آتے آسمان پر گھنے بادل دیکھ کے وہ چہل قدمی کی نیت سے باہر نکل آیا۔ اس کے گھر کے سامنے سے گزرتی کچھ لڑکیوں کو دیکھ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ وہ گلی کے اختتام تک انہیں تاڑتا رہا، یہاں تک کہ وہ چلی گئیں اور پھر ایک تیز سیٹی کی آواز نے اس کا دھیان بانٹ دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔ اسے لگا کہ گلی میں رہنے والے شرارتی لڑکے چھپ کے اسے تنگ کر رہے ہونگے یا شاید کوئی پڑوس کی لڑکی اپنے اس نئے ہمسائے کو چھیڑنے کی کوشش میں ہو گی۔۔۔ اس سوچ نے اس کو دل ہی دل میں خوش کر دیا۔۔۔ "چلو کبھی تو سامنے آئے گی۔۔۔" وہ مسکراتا ہوا آگے چلنے لگا۔۔۔

بارش ہونے لگی تھی وہ تیزی سے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ پھر سے سیٹی کی آواز نے اسے رکنے پہ مجبور کر دیا۔۔۔ اور اس نے چاروں اور جائزہ لے کر اونچی آواز میں کہا۔ "ارے بھائی کون ہے؟ اگر کوئی لڑکا ہے تو مار تارہ سیٹیاں اور اگر کوئی لڑکی ہے تو سامنے آ کے دیدار کروا دے۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے اس کی شکایت نہیں کرونگا۔۔۔" جواب میں صرف خاموشی تھی۔ وہ ہنستا ہوا اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس کی رہائش اوپر کی منزل پہ تھی۔ وہ چائے کا کپ تھامے اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اور اس خوشگوار موسم میں بھی سامنے والا ویران مکان اپنے اجاڑ در و دیوار، ٹوٹی کھڑکیوں، جا بجا اگی جھاڑیوں اور برگد کے گھنے ترین درخت کے ساتھ ماحول کو ہیبت ناک بنانے پہ تلا ہوا تھا۔۔۔

"اس موسم میں بھی اس خوفناک مکان کے سامنے بیٹھے اس کی اجاڑ شکل دیکھنی پڑ رہی ہے۔۔۔ اس گھر میں کوئی حسین لڑکی ہوتی تو بات بھی تھی۔۔۔"

اس نے سوچا اور پھر اچانک سے کچھ سوچتے ہوئے ماں کی طرف پلٹا۔۔۔ نگہت قرآن پڑھ کے اٹھنے لگی کہ کاشف بول اٹھا۔۔۔ "امی! آپ کو پتہ ہے اس محلے

یہاں کون کون رہتا ہے؟ کسی سے جان پہچان ہوئی؟ کوئی پسند آیا؟"

"نہیں بیٹا! ابھی آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں ہمیں؟ عدت ختم ہو تو پھر میں خود ملنے جاؤں گی پڑوس محلے۔۔۔" "امی! آپ ایک کام کیوں نہیں کرتیں؟ آپ کل ہی کوئی میٹھا بنائیں اور میں محلے میں بانٹ دونگا۔۔۔"

اب بے چین تھا اس سیٹی والی کو دیکھنے کے لیے۔۔۔ اسے یقین تھا کہ وہ پڑوس کی کوئی لڑکی ہی ہے ورنہ کسی لڑکے کو کیا ضرورت پڑی تھی اسے چھیڑنے کی؟ اور اس گلی میں اس نے کسی لڑکے کو ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ کوئی لڑکا ہوتا تو باہر آتے جاتے نظر آتا یا کھڑا ہوتا، ملتا۔۔۔ ضرور یہ کوئی لڑکی ہی ہوگی جو گھر میں پڑے رہ کر بوریت مٹانے کے لیے مجھے مشغلہ سمجھ کر پیچھے پڑ گئی ہے۔

"ارے واہ! تمہیں پڑوسیوں کا خیال کب سے ہونے لگا؟ یہاں تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اسلیئے بور ہو رہے ہو؟ ایک کزن ہے مگر وہ تھوڑی دور رہتا ہے، میں سمجھتی ہوں۔۔۔ نئی جگہ ہے، تم وہاں کبھی اکیلے نہیں رہتے تھے نا! اس لیے دوست بنانا چاہ رہے ہو؟ چلو ٹھیک ہے۔۔۔ بنا دونگی میٹھا۔۔۔" اگلے روز نگہت نے میٹھا بنایا اور کاشف نے گھر گھر جا کر بانٹی۔۔۔ اسے یقین تھا کہ جو کوئی اسے چھپ کے چھیڑتی ہے، دروازہ کھولنے کے بہانے ضرور اس کے سامنے آئے گی۔۔۔ اس لیے وہ جس گھر کے دروازے پہ دستک دیتا اپنے تعارف میں یہ ضرور کہتا۔۔۔ "جی میں کاشف ہوں آپ کا نیا پڑوسی!" مگر اسے مایوسی ہوئی یہ دیکھ کے کہ اس گلی میں کوئی نوجوان لڑکی نہیں تھی۔۔۔ جو تھیں وہ بہت چھوٹی تھیں جنہیں ابھی ٹھیک سے سیٹی بجانی بھی نہیں آتی ہوگی اور جہاں جوان لڑکیاں تھیں بھی ہوں گی تو شاید بیاہی گئی تھیں۔۔۔

اس نے ایک دو محلے کی ملنسار آنٹیوں سے یہ معلومات بھی اکٹھی کر لی تھی کہ کیا یہاں اس کا کوئی ہم عمر ہے؟ مگر یہ جان کر بھی اسے مایوسی ہی ہوئی تھی کہ ان گھروں میں جو لڑکے ہیں ان میں سے ایک یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ہے جو یونیورسٹی سے ہی ٹیوشن پڑھانے چلا جاتا ہے اور رات گئے لوٹتا ہے۔۔۔ اور دوسرا ایک پرائیویٹ ادارے میں نوکری کرتا ہے۔۔۔ نہیں! ان دونوں کے پاس تو اپنے لیے وقت نہیں۔۔۔ اس کو تنگ کرنے میں کیا برباد کریں گے؟ "تو آخر وہ ہے کون؟" وہ سوچتا رہا مگر کسی نتیجے پہ نہ پہنچ سکا۔۔۔

اب یہ سیٹیاں روز کا معمول تھیں۔ وہ روزانہ شام کو اپنے کزن سے ملنے جاتا اور گلی میں نکلتے ہی ایک سیٹی اس کا استقبال کرتی اور جب وہ واپس آتا، دن یا رات کے کسی بھی پہر باہر نکلتا تب بھی سیٹی کی آواز لازمی تھی۔۔۔ اب وہ چڑنے لگا تھا۔۔۔ اسے شک تھا کہ سامنے والے بڑے اور ویران گھر میں ضرور چور اچکوں نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے کیونکہ رات کے تاریک سناٹے میں جب وہ اپنی کھڑکی کے پاس سے گزرتا تو برگد کے درخت کے نیچے سے اسے ایسا سنائی دیتا جیسے کچھ لوگ قدرے نیچی آواز میں باتیں کر رہے ہوں۔۔۔ اس گھر کے گیٹ پہ دن رات ایک بڑا سا تالا پڑا رہتا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا۔۔۔ تو پھر یہ لوگ دیوار پھلانگ کر اندر جاتے ہوں گے۔۔۔ اسے یاد آتا کہ یہاں آنے سے پہلے اس کے شہر میں اس کے آوارہ دوست بھی کسی ایسی ہی عمارت کی تلاش میں رہتے تھے جہاں کوئی نہ رہتا ہو تا کہ وہ اسے اپنے جوئے اور نشے کا اڈا بنا سکیں۔۔۔ اور کئی ایسی جگہوں پر اس کا آنا جانا بھی تھا جن میں سے ایک جگہ پر لوگوں کے شک کرنے کی وجہ سے انہیں اس عمارت کو آسیب زدہ بھی مشہور کرنا پڑا۔۔۔ اسے لگا یہاں بھی یہی کیس ہوگا۔۔۔ وہ سیٹیاں بھی اسے اس عمارت سے دور رکھنے کے لیے بجائی جاتی ہوں گی یا پھر اس لئے کہ تنگ آ کر وہ اپنا مکان ہی چھوڑ جائیں اور ان کے معمولات کی کسی کو بھنک نہ پڑے۔۔۔

وہ ایک شام برگد کے درخت سے آتی سیٹی کی جانب کھڑا دیکھتا رہا اور زیر لب بڑبڑایا۔۔۔ "آج تو تم لوگوں کو بے نقاب کر کے چھوڑوں گا۔۔۔" وہ پرانے، ویران مکان کی طرف بڑھا اور دیوار پھلانگی، اندر ہو کا

عالم تھا۔۔۔ جتنا ویران یہ مکان باہر سے نظر آتا تھا اس سے کئی گنا وحشتناک اندر سے تھا۔ اندھیرا ہونے لگا تھا۔ ایسے میں اس گھر کی وحشت میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔۔۔ ریڑھ کی ہڈی تک میں اترتا سناٹا تھا اور خاموشی اس قدر گہری تھی کہ جیسے یہ مکان کسی گلی میں نہیں بلکہ کسی دور دراز میلوں پر پھیلے میدان میں اکیلا مکان ہو۔۔۔ اس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

برگد کا وہ گھنا درخت جیسے دنیا جہان کا اندھیرا اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا اور لان کے پرے، گھر کا ویران برآمدہ اور اس کے پیچھے بنے کمروں کے بند دروازے جیسے چیخ چیخ کے اسے وہاں سے بھاگ جانے کو کہہ رہے تھے۔۔۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس مکان کا چل پھر کر اور جائزہ لے یا الٹے قدموں لوٹ جائے؟ کہ اس کے عین پیچھے سے اسے سیٹی کی وہی آواز سنائی دی۔۔۔ پر پیچھے صرف ویرانی تھی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔۔۔

وہ گرتا پڑتا دیوار کی جانب بھاگا اور جیسے تیسے دیوار پھلانگ کے باہر آ گیا اور بھاگتا ہوا گھر پہنچا۔۔۔ جلدی سے دروازہ بند کیا اور سانس بحال کرنے لگا۔

ایک ہفتے تک اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ راتوں کو کئی بار آنکھ کھلنے پر کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا اور آنکھ کھلنے پر کسی کے نہ ہونے پر وہ ڈر جاتا۔۔۔

اب تو گلی میں نکلتے ہی اسے یوں لگتا کہ اس کے پیچھے پیچھے کوئی چل رہا ہو پر پیچھے مڑنے پر وہ کسی کو نہ پاتا۔۔۔

اس دن وہ بہت دنوں کے بعد اپنے کزن سے ملنے جا رہا تھا اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سنسان دوپہر میں اپنے ماموں کی گلی پہنچنے تک اپنے پیچھے کسی ان دیکھے وجود کو چلتا محسوس کرتا رہا اور جیسے ہی ماموں کی گلی میں پہنچا ایک تیز سیٹی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔۔۔ جیسے کسی نے اس کے کان کے بہت قریب آ کر سیٹی بجائی ہو۔

وہ خوف سے اچھل پڑا۔۔۔ وہ گھر اکیلا واپس جانے کو قطعی تیار نہ تھا۔ اس کا کزن اس کی حالت سے بہت پریشان تھا اور کاشف کی زبانی سنی وہ ساری باتوں سے اس نتیجے پہ پہنچا تھا کہ اس کے سامنے والا مکان آسیب زدہ ہے اور اس نے اس مکان میں اکیلے جا کر وہاں رہنے والے آسیب کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔

شام کو اس کے ماموں گھر آئے تو انہیں بھی بیٹے نے کاشف کی حالت کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کاشف کو موٹر سائیکل پر گھر چھوڑا اور اپنی بہن کو بھی اس کا خیال رکھنے اور اس پر دم کرنے کی تاکید کی، مگر تفصیل سے آگاہ نہ کیا۔۔۔

اگلے کئی روز تک اس کی یہی حالت رہی نگہت روز اپنے بیٹے پر دم کرتی وہ کچھ لمحوں کے لیے سکون میں آتا اور اکیلے میں پھر سے ڈرنے لگتا۔۔۔ اس کے ماموں اور کزن روز اس سے ملنے اس کا حال احوال جاننے آ جاتے۔۔۔ کچھ دن میں اس کی حالت ذرا سنبھلی تو وہ اپنے کزن کے ساتھ باہر آنے جانے لگا۔۔۔

ایک روز اس کا کزن اسے گھر چھوڑنے آیا تو اس کے جانے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے کاشف کی نظریں سامنے مکان کی جانب اٹھ گئیں۔۔۔ شام کے دھندلکے میں اس نے بالائی منزل کی کھڑکی میں کسی کو کھڑے دیکھا! پر وہ کوئی چور یا ڈاکو نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔

وہ تو کوئی لڑکی تھی۔۔۔ اس کا چہرہ واضح نہیں تھا لیکن ٹوٹی کھڑکی سے اس کے کھلے کالے بال اور سفید دوپٹہ ہوا میں لہراتے صاف نظر آ رہے تھے۔۔۔ پہلی بار اسے کسی لڑکی کے وجود سے ڈر لگا۔ کسی اس کی جگہ کوئی چور اچکا اس گھر میں مقیم ہوتا یا یہ مکان کسی ڈاکو کا ہی اڈا کیوں نہ ہوتا، اسے اتنا خوف نہ آتا جتنا اس لڑکی کو اس گھر میں دیکھ کر آیا۔۔۔ اور جب دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے غائب ہو گئی تو اس کی حالت مزید خراب ہونے لگی۔۔۔

"امی! امی!" اس کی آواز بمشکل اس کے حلق سے نکلی تھی۔ دروازہ بند کرنے کی بھی ہمت نہیں ہو

Digitized by Google

[illegible] تھی۔۔۔ نگہت جس کے کان نیچے اپنے بھانجے کی موٹر سائیکل کے آنے اور جانے کی آوازوں پر ہی لگے تھے بچے کی آواز سن کر بھاگی ہوئی آئی۔۔۔ گلی میں [illegible] دیکھا اور دروازہ بند کر کے بیٹے کو سنبھالنے لگی۔۔۔

☆......☆......☆

"بھائی جان! آپ اسے مسجد کے امام صاحب کے پاس لے جائیں، انہیں سب بتائیں۔ اور ان سے دم کروائیں۔" کاشف کے ماموں اور کزن اسی کے کہنے پر اسے امام صاحب کے پاس لے آئے۔۔۔ "امام صاحب! بچوں کا خیال ہے کہ اس گھر میں کچھ ہے۔۔۔ آپ تو یہاں کافی عرصے سے رہ رہے ہیں۔۔۔ کیا اس سے پہلے بھی کبھی کچھ سنا ہے آپ نے اس ویران گھر کے بارے میں یا یہ صرف بچوں کا وہم ہے؟" کاشف کے ماموں نے سوال کیا تو امام صاحب نے کہا۔۔۔

"دیکھو میاں! وہ گھر تو کئی سالوں سے ویران ہے اور ویران جگہوں پر ان دیکھی مخلوق بسیرا بھی کر لیتی ہے۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آج سے پہلے ہم نے کبھی کسی شخص پر اس قسم کے اثرات نہیں دیکھے نہ تو اس سے پہلے محلے کے کسی شخص نے کچھ دیکھا نہ سنا، نہ ہی کبھی کسی کو کوئی نقصان پہنچا۔۔۔"

"پر امام صاحب وہ لڑکی بھی تو مری تھی۔۔۔" پندرہ سولہ سال کا ایک لڑکا جو اس محلے کی مسجد میں امام صاحب سے قرآن حفظ کرنے آتا تھا، اتنی سی [illegible] اور پھر چپ نہ رہ سکا۔۔۔

امام صاحب نے کچھ خفگی سے اسے دیکھا اور [illegible] "ارے وہ تو مین ہول کا ڈھکنا نہیں تھا۔۔۔ [illegible] پانی کھڑا تھا۔۔۔ اسے نظر نہیں آیا ہوگا اور وہ [illegible] میں گر کے مر گئی۔۔۔ اب اس میں اس [illegible] کیا ذکر۔"

نوجوان کی بات پر وہ تینوں ایک ساتھ چونکے [illegible] امام صاحب کی اپنے شاگرد سے جراح کے بعد [illegible] بولا۔۔۔ "تو اس کا مطلب! پہلے بھی کسی کو نقصان پہنچا ہے اس گلی میں؟ کہاں اور کب کی بات ہے یہ امام صاحب؟"

"ارے بیٹا! جب نشے کے عادی چور کسی گٹر کا ڈھکنا بھی چرا لے جائیں گے تو وہ تو سب کے لیے ہی نقصان دہ ہے، کوئی بھی مر سکتا ہے۔۔۔ نقصان تو کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ کوئی تین ماہ مہینے پہلے کی بات ہے جب اس گلی میں بارش کا پانی دو روز تک کھڑا رہا۔۔۔ وہ تو علاقے کے کونسلر نے پانی نکالنے کے لیے گاڑی منگوائی تو اس بڑے گھر کے گیٹ کے سامنے کے مین ہول کا ڈھکنا غائب تھا اور وہیں سے کسی چودہ، پندرہ سالہ لڑکی کی لاش برآمد ہوئی۔۔۔ ہم نے مسجد میں اعلان بھی کروایا تھا پر اس کا کوئی وارث سامنے نہیں آیا، شاید وہ اس محلے کی نہیں تھی۔۔۔ میں نے پولیس والوں کو کہا کہ آس پاس کے علاقوں سے پتا کریں، اس محلے کی تو کوئی لڑکی لاپتہ نہیں تھی۔۔۔ اور آس پاس کے [illegible] اب پتہ نہیں کیا بنا؟ اس کے وارث ملے یا اسے لاوارث ہی کہیں دفنا دیا گیا؟ پر جو بھی ہوا، وہ تو اس چور کی کارستانی تھی، جو وہ بیچاری جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔۔۔"

"جی امام صاحب! صحیح فرمایا آپ نے یہ تو کئی بار ہوتا ہے کہ مین ہول کے ڈھکن غائب ہونے پر بہت سے لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔۔۔" ماموں نے امام صاحب سے اتفاق کیا۔

کاشف کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔۔۔ بارش کا ہی موسم تھا، جگہ جگہ پانی کھڑا تھا، جس روز وہ باپ کی موت کی اطلاع پر اپنے شہر واپس جانے کے لیے نکلا تھا اور مسکان بھی اسی روز سے غائب تھی۔۔۔ وہ مسکان جسے وہ سیٹی بجا کر روزانہ تنگ کرتا تھا۔۔۔ اور اب جب سے وہ یہاں شفٹ ہوا تھا اسے بھی سیٹی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ "کہیں اس روز اس گھر کے سامنے مرنے والی لڑکی مسکان تو نہیں تھی۔۔۔" نہ جانے وہ آج کیسے اسے یاد آ گئی؟ کاشف اور اس کے کزن نے ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی حیرانی

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutube.com

اور شک کو بھانپ لیا تھا۔ کاشف کا کزن اور ماموں تو اسے گھر پہنچا کر اپنے گھر جا چکے تھے۔ مگر اس کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔۔۔

اس روز رات کو اسے کمرے میں پھر سے کسی کے ہونے کا احساس ہوا تو وہ اٹھ بیٹھا اور اندھیرے میں نظریں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگا۔۔۔ جبھی اسے گلی سے سیٹی کی آواز آئی تو وہ بھاگ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔۔۔

گلی سنسان پڑی تھی اور سامنے برگد کے درخت والا گھر بھی۔۔۔ اسے اس طرف دیکھتے خوف آنے لگا، وہ کھڑکی بند کر رہا تھا کہ اسے لگا جیسے کہ گلی میں کوئی داخل ہوا ہے۔۔۔ کاشف اسے دیکھ رہا تھا مگر رات کے اندھیرے میں ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ نووارد کون ہے؟ وہ جو کوئی بھی تھا بہت تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔۔۔

غور کرنے پر پتہ چلا وہ کوئی خاتون تھی۔۔۔ جیسے جیسے وہ اس کے گھر کے قریب ہوتی گئی اس کا وجود واضح ہوتا گیا۔۔۔ اس کے کندھوں پہ کچھ لدا ہوا تھا جو اور قریب آنے پر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اب صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے کندھوں پہ اسکول بیگ تھا شاید اور وہ اسکول یونیفارم پہنے کوئی لڑکی ہی تھی۔۔۔

رات کے اس وقت اسکول یونیفارم میں ملبوس اکیلی لڑکی اس سنسان گلی میں کیا کر رہی ہے؟ وہ حیرانی سے اس پہ نظریں لگائے ہوئے تھا جب وہ اس کے گھر کے عین سامنے پہنچی تو اس نے سر اٹھا کے کاشف کو دیکھا۔۔۔ کاشف کو اس کی شکل بہت جانی پہچانی لگی۔۔۔ وہ غور کرنے لگا۔۔۔ ”اوہ! یہ تو مسکان ہے۔۔۔“

وہ حیرت، خوف اور تجسس کے ملے جلے تاثرات میں گھرا ابھی اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔۔۔

کاشف نے گھبرا کے جھٹ سے کھڑکی بند کی ہی تھی کہ اسے پھر سے سیٹی کی آواز سنائی دی پر اس بار وہ آواز اس کے اپنے کمرے سے، اپنے پلنگ کے پاس سے آئی تھی پر سامنے کوئی نہیں تھا۔۔۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی اور پیر پتھر کے ہو گئے تھے۔ وہ ماں کو آواز دینا چاہتا تھا مگر خوف سے اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

وہ نہ جانے کتنی دیر وہیں بت بنا کھڑا رہا، کسی نئی انہونی کے انتظار میں مگر کمرے میں سکوت بدستور قائم تھا کہ اس کے عقب میں موجود کھڑکی کی جانب سے سیٹی کی آواز آئی۔۔۔

وہ پلٹا تو کھڑکی کے باہر مسکان کا شفاف وجود اس کے سامنے ہوا میں معلق تھا۔۔۔ جس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔۔۔

کاشف نے بے انتہا چیخنا شروع کر دیا۔۔۔

نگہت جو ساتھ والے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی، کاشف کی مسلسل چیخوں سے جاگ گئی، وہ بھاگ کر اس کے کمرے میں پہنچی تو وہ وہیں کھڑا چلائے جا رہا تھا۔

نگہت نے کمرے کی لائیٹ آن کی، بیٹے کو سنبھالا اور اسے بستر پر لٹا دیا مگر وہ خوف سے کانپ رہا تھا نگہت اس کے لیے پانی لانے کو اٹھی تو وہ ماں کے بازو سے لپٹ گیا۔۔۔ وہ اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ ”مجھے اس کمرے میں نہیں رہنا امی! میں یہاں نہیں سوؤں گا۔۔۔ میں آپ کے کمرے میں رہوں گا۔۔۔“ اور نگہت اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

وہ ساری رات جاگتا رہا اور نگہت بھی بیٹے پر دم کر کے پھونکتی رہی۔

صبح ہونے تک وہ پرسکون ہو چکا تھا۔ اس کا دماغ تھک چکا تھا۔ وہ سونے کے لیے آنکھیں بند کرتا تو اس کے سامنے مسکان کا چہرہ آ جاتا۔۔۔

آدھی رات کو اس کے گھر کے سامنے گلی میں کھڑے ہو کر مسکان نے اسے سر اٹھا کے دیکھا تھا اور پھر غائب ہو گئی۔۔۔ کوئی زندہ انسان کیسے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو سکتا ہے؟ اور پھر کھڑکی کے باہر اس کا ٹرانسپیرنٹ وجود ہوا میں کیسے معلق ہو سکتا ہے؟ تو کیا وہ مر چکی ہے؟ یقیناً ان سیٹیوں کا تعلق بھی اسی سے ہے۔۔۔ یہ سب۔۔۔ کیسے ممکن ہے؟ کوئی مر کر کیسے کسی

Digitized by Google

[illegible] آسکتا ہے؟ کیا یہ روح، بدروح سب سچ ہوتا ہے؟ وہ آج سے پہلے ان سب کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اپنے شہر میں دوستوں کے ساتھ مل کر اس نے خود ویران [illegible] کو آسیب زدہ مشہور کرنے کے لیے کہانیاں [illegible] تھیں اور آج وہ خود ایسی ہی کہانی کا حصہ تھا جسے تسلیم کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ اس کی سچائی سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

رات اس نے اپنی آنکھوں سے مسکان کو دیکھا تھا۔۔۔ [illegible] سے دہل گیا تھا۔۔۔ اس نے جو کچھ مسکان کے ساتھ کیا وہ بھی تو ٹھیک نہیں تھا مگر اس کی موت سے اس کا کیا تعلق؟ اور وہ گھر سے اتنی دور کہیں مجھ سے بچنے کے لیے تو اس راستے پر نہیں آئی تھی؟ پر یہ تو بہت لمبا راستہ ہے۔۔۔ اس نے مجھ سے تنگ آ کر یہ راستہ [illegible] ہوگا۔۔۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔ کیا پتا مجھ سے جان چھڑانے کے لیے ہی اس نے یہ راستہ اپنایا ہو اور اس دن بھی وہ یہیں سے گزری ہو۔۔۔ اور۔۔۔ وہ ساری کڑیاں جوڑنے لگا۔۔۔

اسے امام صاحب کا بتایا قصہ یاد آنے لگا۔۔۔

”اوہ! میں نے کیا کر دیا؟ میں نے اس کی زندگی اتنی دوبھر کر رکھی تھی؟“ وہ سوچتا رہا اور سب کچھ صاف ہوتا گیا۔۔۔ اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔۔۔ وہ تو اس چھیڑ چھاڑ کو محض ایک مذاق اور تفریح کی طرح لیتا تھا۔ اسے اپنی اس حرکت کی سنگینی کا اندازہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ وقتی اور سستی تفریح کے نام پہ اس نے کسی معصوم لڑکی کو موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا۔ وہ اس [illegible] کہ اتنی گرمی میں اس نے اتنا لمبا راستہ [illegible] ترجیح دی؟ اس نے مسکان کو اتنا مجبور کر دیا تھا؟ [illegible] کے ساتھ ساتھ بے چینی اور بے سکونی نے بھی اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔۔۔ وہ سارا دن بھی [illegible] رہا۔۔۔

☆......☆......☆

”[illegible] بھائی جان! میں یہ گھر بدلنا چاہتی ہوں۔۔۔ [illegible] گیا یا اس گھر میں کچھ ہے۔۔۔ آپ نے رات کاشف کی حالت نہیں دیکھی، میں نے اس سے پہلے اسے اس طرح چیختے چلاتے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تو رات سے اپنے کمرے میں بھی واپس نہیں گیا نہ جانے اس نے ایسا کیا دیکھ لیا؟ وہ اپنے بستر پہ ہوتا تو میں خود کو تسلی دے لیتی کہ اس نے کوئی ڈراونا خواب دیکھا ہوگا مگر وہ تو اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑا چیخ رہا تھا۔۔۔ باہر تو سامنے والا ویران گھر ہے پر نہ جانے اسے کیا نظر آیا؟ میں نے تو صبح بھی اس سے کچھ نہیں پوچھا کہ کہیں وہ رات کا سوچ کر پھر سے نہ ڈر جائے۔۔۔“ نگہت نے بھائی کے آگے رات کا قصہ بیان کر دیا۔۔۔ ”اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟“ کاشف کے ماموں نے پوچھا۔۔۔

”ساری رات اس نے مجھے اپنے سرہانے سے ایک منٹ کے لیے اٹھنے نہیں دیا، جاگتا رہا ہے، صبح جا کر سویا ہے۔۔۔“ کاشف کے کانوں میں ماں کی آواز پڑ رہی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ تو اب بھی نہیں سویا تھا۔ وہ جاگ رہا تھا۔۔۔ ”آج میری عدت ختم ہوئی ہے پر مشکلات نہیں۔۔۔ مرحوم شوہر کے غم اور جوان بیٹے کی حالت نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔۔۔ شوہر کے بعد اب خدانخواستہ اپنی اکلوتی اولاد کو بھی کھو دیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی؟ پلیز بھائی صاحب! کچھ کریں۔۔۔ یہ جگہ بدلنے میں میری مدد کریں۔۔۔ میں کاشف کو لے کر کسی اور گھر میں رہنا چاہتی ہوں، جہاں میرا بیٹا محفوظ محسوس کرے۔۔۔“ اور نگہت زار و قطار رو پڑی۔۔۔

”میرے بڑھاپے کا وہ واحد سہارا ہے، اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔۔۔“ نگہت کی آوازیں کاشف کے کانوں میں بدستور پڑ رہی تھیں وہ ماں کو اپنے لیے اس قدر روتا دیکھ کر ندامت سے گڑ گیا۔۔۔ وہ ماں جس آوارہ اور نکمے بیٹے کی تکلیف پر تڑپ رہی تھی، نہیں جانتی تھی کہ اس کے بیٹے نے کیسے ایک شریف لڑکی کی زندگی اجیرن کی تھی۔۔۔ اور اب جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔

”ٹھیک ہے! میں کوشش کرتا ہوں کوئی اور گھر

URDU TUBE ENTERTAINMENT

ڈھونڈنے کی، تم تسلی رکھو، میں پھر چکر لگاؤں گا۔۔۔
اس کے ماموں کے جاتے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اور ماں کے سامنے جاکے بولا۔۔۔ ''امی گھر بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ وہ وہاں بھی آ جائے گی۔۔۔ میں جہاں جاؤں گا وہ پہنچ جائے گی۔۔۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔۔۔ وہ مجھے ماردے گی۔۔۔''

''کون مارے گی بیٹا؟ میں اپنے بیٹے کو کچھ نہیں ہونے دوں گی۔۔۔ مجھے بتا کیا بات ہے؟'' نگہت مزید پریشان ہوگئی۔۔۔

''امی! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔۔۔ امی مجھے بچالیں پلیز!'' وہ ماں کے قدموں میں بیٹھا رونے لگا۔۔۔ پھر اس نے مسکان کو تنگ کرنے سے لے کر باپ کے مرنے تک کی ساری کہانی اور امام صاحب سے سنا واقعہ ماں کے گوش گزار کردیا۔۔۔ نگہت اسے تکے جا رہی تھی۔۔۔ اسے اپنے بیٹے سے اس آوارگی کی امید نہیں تھی۔۔۔ جی میں آیا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کردے مگر اکلوتے جوان بیٹے پہ ہاتھ اٹھانے کا حوصلہ نہ پڑا صرف اتنا کہہ سکی۔۔۔ ''تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔۔۔'' اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔۔۔

☆......☆......☆

دروازے پہ دستک ہونے پہ مسکان کی ماں نے دروازہ کھولا تو اپنے سامنے سادہ مگر باوقار سی عورت اور ایک انیس بیس سال کے جوان لڑکے کو اپنے سامنے پایا۔۔۔ السلام وعلیکم! جی میرا نام نگہت ہے اور یہ میرا بیٹا ہے۔۔۔ میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آئی ہوں۔۔۔ کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟'' اور مسکان کی ماں نے دروازہ مکمل کھول کے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔۔۔ ''کس بارے میں بات کرنی ہے آپ کو؟'' اس نے پوچھا۔۔۔

''آپ کی بیٹی مسکان کے بارے میں۔۔۔'' نگہت کے جواب پہ وہ چونکی۔۔۔ ''آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟'' کون ہیں آپ لوگ؟ وہ پریشان ہوگئی۔۔۔

''کیا ہم بیٹھ کے بات کرسکتے ہیں؟'' نگہت نے درخواست کی۔۔۔ وہ انہیں صحن میں موجود کرسیوں پر بٹھا چکی تھی اور خود سامنے پڑی کھاٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔۔۔ ''جس کے بارے میں آپ بات کرنے آئی ہیں وہ اب یہاں نہیں رہتی۔۔۔ آپ اسے جانتی ہیں تو پھر یہ بھی جانتی ہوں گی کہ وہ ہمارے سروں پہ خاک ڈال کے جاچکی ہے۔۔۔ کسی کے ساتھ بھاگ گئی وہ۔۔۔ اب اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔۔۔ مرگئی وہ ہمارے لیے۔۔۔ ہمیں نہ تو اس کے بارے میں کچھ جاننا ہے نہ کچھ سننا ہے۔۔۔ کاش وہ پیدا ہوتے ہی مرجاتی۔۔۔ یوں ہماری عزت کا جنازہ تو نہ نکلتا۔۔۔ بے شرم! بے غیرت!'' وہ بیٹی کے ذکر پر بے قابو ہوگئی۔۔۔

نگہت نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔۔۔ ''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ وہ کسی کے ساتھ؟ مطلب کیا آپ نے اپنی بیٹی یا اس لڑکے کو کبھی ساتھ میں دیکھا تھا؟''

''اس کے ساتھ آنے جانے والی گلی کی سب لڑکیوں نے اسے دیکھا تھا۔۔۔ نہ جانے کون تھا؟ اس کے راستے میں کھڑا ہوتا تھا۔۔۔ بات چیت بھی ہوتی تھی دونوں میں، پتہ نہیں کب سے چل رہا تھا یہ سب؟ پتہ ہوتا تو ٹانگیں توڑ کے گھر بیٹھا دیتی۔۔۔ پر مجھے خبر ہونے سے پہلے ہی وہ اسے لے اڑا۔۔۔'' مسکان کی ماں کو نازیہ کی زبانی جو کچھ معلوم ہوتھا زبان پر آگیا۔۔۔

''آپ کو ایسا کس نے کہا کہ وہ اسی لڑکے کے ساتھ گئی ہے؟''

''ارے سارا محلہ کہتا ہے، گلی کی لڑکیاں گواہ ہیں کہ جس دن سے مسکان گئی، اس دن کے بعد سے اس لڑکے کو بھی دوبارہ کسی نے نہیں دیکھا۔۔۔ ستیاناس ہو اس خبیث کا، برباد ہوجائے وہ۔۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس کی بیٹی کے راستہ میں کھڑے ہونے والے اس ان دیکھے لڑکے کو مزید بددعائیں دیتی۔۔۔

نگہت بول پڑی۔۔۔ ''افسوس اس بات کا ہے کہ آپ آج بھی بے خبر ہی ہیں۔۔۔ اس لڑکے کو دوبارہ کسی نے اس لئے نہیں دیکھا کہ وہ اس دن اپنے

اپنی کا میت کو کندھا دینے اپنے شہر چلا گیا تھا۔۔۔''

''تم لوگ ہو کون؟ اور کیوں میرے زخموں پہ نمک چھڑکنے آئے ہو؟ کہیں تم لوگوں کو مسکان نے تو نہیں بھیجا؟ کہاں ہے وہ؟ اس منحوس کو تو میں جان سے مار ڈالوں گی۔۔۔ بدکردار کہیں کی۔۔۔'' وہ دھاڑی۔۔۔

''آپ اسے کیسے ماریں گی؟ وہ تو پہلے ہی اپنی جان گنوا چکی ہے۔۔۔'' نگہت نے بم پھوڑا!!

''کیا مطلب؟'' یکا یک اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔۔۔

''جی! آپ کی بیٹی نہ تو بدکردار تھی اور نہ ہی وہ کسی لڑکے کے ساتھ بھاگی تھی۔۔۔ لوگ تو کسی بھی ذرا سی بات کو پکڑ کر بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔۔۔ کسی بھی شریف لڑکی پہ تہمت لگاتے ہوئے نہیں ڈرتے۔۔۔ پر آپ اپنی بیٹی کی بجائے ان لوگوں کی گواہیوں پہ یقین کرنے کی بجائے اس کی شرافت پہ یقین رکھتیں تو اس سے اتنا بدگمان نہ ہوتیں۔۔۔ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتیں اور آج اسے بددعائیں دینے کے بجائے اس کی مغفرت کی دعائیں مانگ رہی ہوتیں۔۔۔'' نگہت نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔۔۔ وہ نگہت کو ہونقوں کی طرح دیکھتے ہوئے بمشکل بولی۔۔۔

''آپ مسکان اور اس لڑکے کے بارے میں سب کیسے جانتی ہیں؟ آپ ہیں کون؟'' نگہت نے بیٹے کی جانب دیکھا۔۔۔

''کیونکہ وہ لڑکا میں ہی ہوں۔۔۔'' نگہت کی بجائے اب وہ مسکان کی ماں سے مخاطب تھا۔۔۔ وہ سر جھکائے بولتا رہا۔۔۔ اس نے سب بتایا کہ کیسے اس نے مسکان کو تنگ کر رکھا تھا اور روز اس کا راستہ روکے کھڑا ہوجاتا تھا۔۔۔ وہ بولتا گیا اور وہ حیرت سے سنتی رہی۔۔۔ اس کی آنکھوں کے آگے وہ منظر گھوم گیا جب مسکان نے اس سے اپنے لیے کسی سواری کا بندوبست کرنے کو کہا تھا اور وہ مسکان پر چڑھ دوڑی تھی کیا کچھ نہ کہہ ڈالا تھا اس نے اپنی معصوم سی بیٹی کو۔۔۔ وہ چپ چاپ روتی ہوئی گھر سے نکل گئی

تھی۔۔۔ وہ اس کا اس گھر میں آخری دن تھا۔۔۔
''ہائے میری بیٹی!'' اس کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔
وہ اٹھی اور پہ درپہ کاشف کے چہرے پہ تھپڑوں
کی بارش کردی۔۔۔ نگہت جوان بیٹے کو یوں مار کھاتا
دیکھ کر تڑپ اٹھی، اسے چھڑوانا چاہتی تھی۔۔۔ پر آگے
نہ بڑھی۔۔۔ جوان بیٹے کی غلطی پر جو تھپڑ وہ اسے نہ مار
سکی وہ مسکان کی ماں کو مارتا دیکھ کر یہ سوچ کر خاموش
رہی کہ آخر کو قصوروار تو اس کا بیٹا ہی تھا۔۔۔ وہ مسکان کا
مجرم تھا۔ اس کی ماں کو حق تھا اس شخص کو سزا دینے کا جو ان
کی بدنامی کا باعث بنا تھا۔۔۔ وہ بھی اس ردعمل کے
لیے تیار ہوکر آیا تھا سو تھپڑ کھاتا رہا۔۔۔ ''تمہاری ہمت
کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی؟'' وہ اسے مارتے تھک
گئی تو اس کا گریبان پکڑ کے بولی۔۔۔ ''تم نے میری
بیٹی کو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پر اس بات کا
کیا ثبوت ہے کہ وہاں مرنے والی لڑکی مسکان تھی؟''
وہ جو پتھر کا بنا کھڑا تھپڑ کھا رہا تھا دھیرے سے
اس نے جیب سے ایک صفحہ نکال کے مسکان کی ماں کے
آگے کردیا۔۔۔ ''یہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ ہے۔ پولیس نے
مسکان کی لاش کے وارثوں کا پتہ کرنے کے لیے
جلدبازی میں صرف اسی علاقے کی بڑی مسجد میں
اعلان کروایا تھا، نہ تو آس پاس کے علاقوں کی باقی
مسجدوں میں اعلان کروایا اور نہ ہی اس جگہ کے علاوہ
دوسرے علاقوں میں پوچھ گچھ کی۔۔۔ یوں تو اس لڑکی
کی لاش پہچان کے قابل نہیں رہی تھی مگر ابتدائی تحقیقات
میں اس کے کپڑوں اور جوتوں سے اس بات کی تصدیق
ہوئی تھی کی وہ لڑکی یونیفارم میں تھی بارش کے دنوں میں
کئی لڑکیاں اسکول سے غیر حاضر تھیں اور اسکول کی
انتظامیہ کو کسی طالبہ کے گھر سے گمشدگی کی کوئی اطلاع
نہیں ملی تھی اور بقول پولیس کے، ان کے پاس بھی کسی
لڑکی کی گمشدگی کی کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی۔۔۔ اور
کچھ دن بعد اسکول میں گرمیوں کی چھٹیاں ہوجانے کی
باعث اسکول کی انتظامیہ بھی کسی طالبہ کے لاپتہ ہونے
کے بارے میں لاعلم رہی۔۔۔

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT

سو پولیس نے لاش کو لاوارث قرار دے کر دفنا دیا تھا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد میں اپنی ماں کے ساتھ اس شہر میں واپس آ گیا اور اتفاق سے ہمیں جو گھر کرائے پر ملا وہ اسی گلی میں تھا جہاں مسکان اس روز۔۔۔ اس شہر میں واپس آنے کے بعد مسکان کے کسی کے ساتھ بھاگ جانے کی خبر مجھے بھی ملی تھی۔ میں حیران تھا کہ میرے علاوہ تو اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ میں نے اسکول آتے جاتے اکثر اس کا پیچھا کیا تھا مگر اسے کبھی کسی لڑکے سے ملتے یا بات کرتے نہیں دیکھا تھا وہ تو کسی کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتی تھی۔۔۔ اور پھر میں نے اسے متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر میں ناکام رہا۔۔۔ وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں تھی پھر بھی اس کے کسی کے ساتھ بھاگ جانے کی افواہ پہ میں نے بھی یقین کر لیا۔۔۔ اس بات سے بے خبر کہ جس کے ساتھ اس کا نام جوڑا جا رہا ہے وہ میں ہی ہوں۔۔۔ وہ میری ہی وجہ سے بدنام ہو رہی تھی۔۔۔ میں ہی تھا جو اس کی سہیلیوں کے سامنے اس کا راستہ روکے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی رسوائی سے بے پرواہ اس کو تنگ کرتا رہا۔۔۔ میری ہی وجہ سے وہ راستہ بدلنے پر مجبور ہوئی اور اس روز اس گلی میں اتنا پانی ہونے کے باوجود اس نے وہاں سے گزرنا گوارا کر لیا صرف میری وجہ سے۔۔۔ یہاں آنے کے بعد دو ماہ کے اس عرصے میں نے اپنے آس پاس کسی ان دیکھے وجود کی موجودگی محسوس کی اور پھر بہت کچھ ہوا میرے ساتھ۔۔۔" اس نے سیٹیاں سنائی دینے اور کسی ان دیکھے وجود کے ساتھ ساتھ چلنے کے سارے واقعات سنا ڈالے۔۔۔

مسجد کے امام صاحب کی زبانی تین ماہ پہلے وہاں حادثاتی طور پر کسی لڑکی کے جاں بحق ہونے کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا تھا۔۔۔ مزید بولا۔۔۔

"اور پھر! اس رات وہ نہ دکھائی دینے والا وجود میرے سامنے آ گیا۔۔۔ وہ مسکان تھی۔۔۔ صرف اور صرف مسکان۔۔۔ مگر وہ زندہ نہیں تھی۔۔۔" اور پھر اس نے مسکان کے ہوا میں معلق ہونے والا واقعہ بھی سنا ڈالا۔۔۔ "میرے لیے اس بات کی تصدیق ضروری تھی کہ مرنے والی وہ لڑکی مسکان ہی ہے یا کوئی اور۔۔۔ تو میں نے امی کے مشورے سے اپنے ماموں کی مدد لے کر پولیس سے یہ سب معلومات حاصل کیں۔۔۔ اسکول کی چھٹیاں بھی ختم ہو چکی ہیں لہٰذا اسکول کے ریکارڈز سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسکان کے علاوہ اور کوئی لڑکی اتنے لمبے عرصے سے اسکول سے غیر حاضر نہیں ہے اور یہاں لڑکیوں کا کوئی دوسرا اسکول بھی نہیں۔۔۔ وہ مسکان ہی تھی۔۔۔ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔۔۔ اپنے کیے پہ بہت نادم ہوں۔۔۔ اس کی بدنامی کی اور شاید موت کی وجہ بھی میں ہی ہوں۔۔۔ آپ مجھے جو سزا دیں گی، مجھے قبول ہوگی۔۔۔" وہ روتا ہوا اس کے پیروں میں گر گیا۔۔۔

نگہت آبدیدہ تھی۔۔۔ اس نے اپنے بیٹے کو معاف کرنے کے حق کو مسکان کی ماں کی معافی سے مشروط کیا تھا۔ مسکان کی ماں کچھ سمجھنے بوجھنے سے قاصر تھی۔۔۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ڈیتھ سرٹیفکیٹ کو دیکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔۔۔ وہ بنا آنسوؤں کے رو رہی تھی۔۔۔ خاموش، بے آواز، خون کے آنسو جسے وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔۔۔

"نہیں! آپ جب تک مجھے معاف نہیں کریں گی میں نہیں جاؤں گا۔۔۔"

وہ گہرا سانس لیے بولی۔ "تمہیں تو میں معاف کر دوں گی پر میں کس سے معافی مانگوں؟ مجھے جس سے معافی مانگنی ہے، وہ اب اس دنیا میں ہی نہیں۔۔۔" مسکان کی ماں ایک دم سے برسوں کی بیمار نظر آنے لگی۔۔۔ نگہت کو اس پہ بہت ترس آیا۔۔۔ "بہن! میں بھی ایک ماں ہوں۔۔۔ آپ کا درد بہ خوبی سمجھ سکتی ہوں۔۔۔ برائے مہربانی میرے بیٹے کو معاف کر دیں۔۔۔ آپ اسے معاف نہیں کریں گی تو میں بھی اسے معاف نہیں کروں گی۔۔۔ یہ دنیا میں میرا واحد سہارا ہے، اسے معاف کر دیں۔۔۔" نگہت گڑگڑائی۔۔۔

اور مسکان کی ماں جواب میں صرف سر ہلا سکی۔۔۔ وہ تو اس سب کا قصوروار خود کو گردان رہی تھی تو [illegible] لڑکے کو کیا سزا دیتی؟ اس کی نگاہیں ان ماں بیٹے [illegible] اس کی سوچیں کسی اور ہی دنیا کے گشت میں [illegible]۔۔۔ "تو آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟" [illegible] نے پھر سے یقین دہانی چاہی اور اس نے پھر [illegible] خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے سر ہلا کر [illegible] کی۔۔۔ "بہت شکریہ! بہت شکریہ آپ [illegible]" کاشف ندامت اور پشیمانی سے روئے جا رہا [illegible] "میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔۔۔" [illegible] آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا اور بیٹے کو اٹھایا، [illegible] اور گھر سے نکلتے ہوئے اس نے ایک ہاری [illegible] ماں کو آخری بار مڑ کر دیکھا اور باہر نکل گئی۔

[illegible] نازیہ اپنی ماں کے ساتھ بازار سے آ رہی [illegible] اس لڑکے کو مسکان کے گھر سے نکلتا دیکھ کے [illegible] "امی! امی یہ تو وہی لڑکا ہے جس کے ساتھ مسکان بھاگی تھی۔۔۔؟"

"تو یہ کیا کرنے آیا یہاں؟ ضرور شادی کر لی ہو [illegible] دونوں نے۔۔۔ یا کرنے والے ہوں گے۔۔۔ [illegible] ماں کو صلح صفائی کے لیے لے کر آیا ہوگا۔۔۔ چل آ [illegible] ماجرا کیا ہے؟" اور نازیہ کی ماں اسے کھینچتے [illegible] مسکان کے گھر کے کھلے ہوئے دروازے سے [illegible] داخل ہوئی جسے بند کرنے کا ہوش مسکان کی ماں کو تھا [illegible]۔۔۔ "اے بہن! یہ تو وہی لڑکا تھا نا۔۔۔ جس [illegible] مسکان بھاگی تھی؟"

"نہیں [illegible] بھاگی۔۔۔ میری بیٹی کسی کے ساتھ نہیں [illegible] وہ مر چکی ہے۔۔۔ یہ دیکھو! یہ دیکھو! اس [illegible] لکھا ہے وہ مر چکی ہے۔۔۔ وہ اس بارش میں، گٹر میں [illegible] مر گئی۔۔۔ تم سب نے میری بیٹی پہ کتنا گند [illegible]۔۔۔ تم لوگوں کی یہ ذہنیتیں گٹر ہیں۔۔۔ تم لوگوں [illegible] گٹر ہے۔۔۔ میری بیٹی پاک تھی۔۔۔ وہ [illegible] تھی۔۔۔ وہ مر گئی۔۔۔ وہ نہیں بھاگی۔۔۔"

مسکان کی ماں کو جیسے کسی نے جھنجھوڑ دیا تھا۔۔۔ اس [illegible] چلا چلا کر سارا محلہ جمع کر لیا تھا اور اسی بھیڑ میں اس [illegible] جگہ بناتا آگے آیا۔ وہ کام سے لوٹا تو بیوی کی زبانی یہ سب سن کر سکتے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

نگہت نے گھر بدل لیا تھا اور کاشف نے اپنا چال چلن۔۔۔ اس نے ایک ریسٹورانٹ میں ویٹر کی نوکری کر لی تھی ہر ماہ تنخواہ ملنے پر وہ مسکان کے ایصال ثواب کے لیے مدرسے میں قرآن خوانی کرواتا اور غریبوں میں کھانا تقسیم کرتا۔۔۔ اسے اب سیٹیوں کی آوازیں نہیں آتی تھیں نہ ہی اب کسی کی موجودگی کا احساس ڈراتا تھا۔ مسکان اسے پھر کبھی نظر نہیں آئی۔۔۔ وہ ہر نماز میں خدا سے معافی مانگتا اور خود کے لیے بہتر انسان بننے کی دعائیں کرتا۔۔۔ پر مسکان کی ماں احساس جرم سے نکل نہیں پائی تھی۔ وہ بس یہی سوچتی کہ کاش اس نے وقت رہتے اپنی بیٹی کی تکلیف سمجھی ہوتی۔۔۔ اسے تحفظ فراہم کیا ہوتا تو شاید آج وہ زندہ ہوتی۔۔۔ کاش وہ لوگوں کی باتوں میں آ کے اپنی بیٹی سے بدگمان نہ ہوئی ہوتی۔۔۔ کاش وہ پولیس میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھواتی تو اس کی بیٹی بدنام ہونے سے بچ جاتی۔۔۔ موت کے بعد اس پہ تہمت لگتی، نہ ان کی عزت خاک میں ملتی۔۔۔

مسکان کی موت نے اسے بدل دیا تھا۔۔۔ اب اس کے مزاج میں پہلے والا غصہ نہ رہا تھا۔۔۔ وہ اپنی دونوں شادی شدہ بیٹیوں کے احوال سے واقف رہنے لگی تھی۔ ان کی فکر کرنے لگی تھی۔ ویسی بن چکی تھی جیسی ماں کی ضرورت مسکان کو تھی اور اس نے کبھی مسکان کو ویسی ماں بن کے نہ دکھایا تھا۔۔۔ اور آج جب وہ بدل گئی تھی تو اس کی بیٹی اس کے پاس نہیں تھی۔۔۔ مگر اس کی آوازیں اسے آج بھی سنائی دیتی تھیں۔۔۔ اسے بے چین کر دیتی تھیں۔۔۔ اسے لگتا کہ مسکان ہر طرف سے اسے پکار رہی ہے۔۔۔ "امی! مجھے اسکول جانے کے لیے کوئی ویگن یا تانگہ لگوا دیں۔۔۔ میں بہت تھک جاتی ہوں۔۔۔ امی مجھے پڑھنا ہے اور بھی آگے پڑھنا ہے۔"

URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

عفریت

ملک این اے کاوش-سلانوالی سرگودھا

قسط نمبر 6

خوف و ہراس کی وادی میں تھلکہ مچاتی اور جسم و جاں کو لرزہ براندام کرتی دہشت ناک، وحشت ناک، ہولناک اور خوفناک، ناقابل فراموش دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی لرزیدہ لرزیدہ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو ٹرکے شکنجے میں جکڑلے گی۔

ایک خونی عفریت کی دل دہلاتی اور کرب واذیت سے دوچار کرتی.....دلخراش کہانی

میں اپنی بات عمل کرنے کے بعد چپ ہوگیا۔اور سوالیہ نگاہوں سے آصف ملو کو تکنے لگا۔جب آصف میلو نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا تو میں ایک بار پھر دوبارہ گویا ہوا۔

''اب تم بتاؤ کہ میرا قصور کیا ہے؟''

''ہمہ تن گوش ہوکر میری بات سنو عفان۔'' آصف میلو دانت پیستے ہوئے بولا۔

''فرسٹ آف آل تو ان لوگوں کی موجودگی سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے تھے کہ یہ وہاں کیوں موجود تھے۔یہ ایک راز ہے جو وقت آنے پر تمہارے اوپر عیاں ہوجائے گا۔اگر ہم میں سے کوئی یہ راز کھول بھی دے تو فوراً سے بھی پیشتر اس کی موت واقع ہوجائے۔

باقی رہی بات شامین کی وہ مرگئی لیکن تم تسلیم کروگے کہ وہ تمہارے ہی ہاتھوں مری۔ایک ماں اپنی بیٹی کی موت کیسے برداشت کرسکتی ہے۔شانتری کو نہ تو تم سے عشق ہے اور نہ ہی وہ تمہاری گرویدہ ہے کیونکہ تم اس کی بیٹی کے دشمن ہو۔بس وہ صرف اپنی بیٹی کے شریر میں داخل ہوکر اسے زندہ کرنا چاہتی ہے جوان کے اپنے معاملات ہیں۔لیکن چونکہ تم شامین کے مطلوب تھے۔اور وہ حقیقت میں تم پر مرمٹی تھی۔اس لیے یہ مجبوری سمجھو یا ضروری کہ اگر تم شانتری سے شادی کرلو تو پھر وہ شامین کے جسم میں داخل ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔

اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ تم ہی شانتری کی دختر کے قاتل ہو۔اور تمہیں یہ کام کرنا ہے۔اگر تم اس کام سے متواتر انکاری رہے تو شانتری اپنی دختر کا انتقام تم سے لے گی۔مطلب وہ تمہیں ابدی نیند سلا دے گی۔فی الوقت وہ تمہیں اس لیے نقصان نہیں پہنچا رہی کہ اسے امید ہے کہ تم جلد یا بدیر اس کی بات ماننے پر مجبور ہوجاؤ گے ورنہ تم جیسے کو مارنا اس کی چٹکی بھر کا کھیل ہے۔''

''اور اگر میں ساری زندگی انکاری رہا تو؟'' میں نے سوالیہ آنکھوں سے دونوں کو تکتے ہوئے پوچھا۔میری بات پر آصف میلو تقریباً چڑ سا گیا۔

''تو جو کچھ تمہارے ساتھ ہوگا تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔'' آصف میلو نے جواب دیا۔

''تمہاری یہ بے خوفی عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔''

''اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ باقی معاملات کیا ہیں۔فی الحال شانتری کو پس پشت ڈالیے۔شانزیب صاحب کے گھر کی حویلی اور اس حویلی کی حقیقت کیا ہے؟'' میں نے آصف میلو کے مزید بولنے سے قبل پوچھا۔

جواباً اس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا جیسے

Digitized by Google

اسے میرے سوال نشتر کی مانند چبھے تھے۔
"ہاں اچھی بات ہے کہ تم تھوڑی بہت تفصیل سمجھ لو۔" آصف میلو ہونٹ بھینچتے ہوئے بولا۔
"اس کے بعد جو کچھ ہو سمجھ داری کے عالم میں ہو۔ وگرنہ تم بہت زیادہ نقصان اٹھاؤ گے جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔"
"وہ تھوڑی سی تفصیل کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "ممکن ہے حقیقت جاننے کے بعد میں ان حقائق سے متفق ہوجاؤں۔"
چوکی پر براجمان دونوں کے چہروں پر خشونت کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ دونوں نے بھرپور نگاہوں سے مجھے گھورا۔ جیسے انہیں یقین نہیں ہورہا تھا کہ حقائق سے آگاہی کے بعد میں واقعی ان کی بات مان لوں گا لیکن میرے لیے ہر لحظہ حقائق سے آگہی بہت ضروری تھی۔
"یہ ایک باقاعدہ آبادی ہے۔" اس نے شانتری اور اس کے قبیلے کے بارے میں بتانا شروع کیا۔
"اس آبادی میں دو الگ الگ خیالات رکھنے والے طبقے آباد ہیں۔ بابا صاحب سفید پوشوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کے عقائد بھی مختلف ہیں۔ ان کو جس نے بھیجا ہے وہ الگ مسئلہ ہے اور انوسہ کا ان کے لیے ایک الگ کردار ہے۔ وہ میں بتا نہیں سکتا۔ ان کے درمیان اکثر چھوٹے موٹے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔
اور یہ ان کا حل بھی آپس میں تلاش کرلیتے ہیں۔ لیکن تمہاری وجہ سے ایک بڑا تنازعہ پہلی بار پیدا ہوا ہے۔ اس کا حل ضروری ہے۔"
آصف میلو یقیناً میرے جھانسے میں آگیا تھا۔ اس نے یہی سمجھا تھا کہ میں موم کے جیسے پگھل رہا ہوں۔ آہستہ آہستہ ان کی باتوں میں آرہا ہوں اور ان سے متفق ہوتا جارہا ہوں لیکن یہ صرف اس کی خام خیالی تھی۔
"لیکن تم کیسے اس مخلوق میں شامل ہوگئے ہو کیونکہ مجھے جہاں تک شک پڑتا ہے۔ تمہارا تعلق انسانوں سے ہے؟" میں نے آصف میلو سے پوچھا۔
"مجھے بچپن سے ہی پراسرار علوم میں بہت دل چسپی تھی۔" آصف میلو نے بتایا۔
"اس شوق کی تکمیل کے لیے میں نے نجانے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے اس عقیدے کا پیروکار بننا پڑ گیا۔ یہ عقیدہ بہت عیاش عقیدہ ہے۔ جب ایک انسان اس عقیدے کا پیروکار بنتا ہے تو دنیا کی ہر راحت اس کو میسر آجاتی ہے۔ میں نے اپنے علوم اور اس عقیدے کا سہارا لے کر بہت کچھ حاصل کیا ہے۔
اس شہر کے اندر ہر کس و ناکس کی نظروں میں میری بہت عزت ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم شانتری سے شادی کرلو اور انوسہ کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ بھول جاؤ اسے کیونکہ وہ......"
آصف میلو بولتا بولتا چپ ہوگیا۔ یوں لگا جیسے وہ بولنا چاہتا تھا لیکن کسی نے اس کی بولتی بند کردی تھی۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہا اور پھر گویا ہوا:
"پھر تم اس کے بعد دیکھنا تمہیں شانتری کی سے شادی کے بعد جو کچھ ملے گا اس کے بارے میں تم تخیل میں بھی نہیں سوچ سکتے۔ تم براہ راست ان لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ اور اگر تم ان لوگوں میں شامل ہوگئے تو تم یہ سمجھ لو ہمارے درمیان کے سارے اختلافات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ تم بھی ہم میں سے ایک ہوجاؤ گے اور شانتری یقیناً ہر طرح سے تمہاری مدد کرے گی کیونکہ وہ تمہاری بیوی ہوگی۔
عفان! تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہیں کیا کچھ مل جائے گا۔ بہت وقت لگایا تم نے بڑے بڑے گھاٹے کے سودے کیے لیکن جب انسان کو عقل آجائے تو دیر کس بات کی۔
صبح کا بھولا اگر شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے عفان۔ اب دیر مت کرو اور شانتری کو نوید سنادو جسے سننے کے لیے اس کے کان ترس گئے ہیں۔"
آصف میلو نے مجھے ہر طرح سے لالچ دے کر اور اپنی طرف سے سمجھا بجھا کر شانتری کی طرف اشارہ کیا لیکن میں اس قصے کو یہیں پر ختم نہیں کرنا

چاہتا تھا۔ مجھے بڑا مزہ آرہا تھا اس کی باتوں سے۔ میں نے سوچا کہ اس معاملے کو تھوڑا مزید طویل کرنا چاہیے۔
"مجھے کیا کرنا ہوگا آصف میلو؟" میں نے آصف میلو سے پوچھا۔
"آجاؤ اس حصار کے اندر۔" آصف میلو نے اشارہ کرکے کہا۔
"پکڑلو ہاتھ شانتری کا اور اسے سنادو خوش خبری کہ اسے اپنا جیون ساتھی ماننے کے لیے تیار ہوگئے ہو۔"
مجھے ان جادوں ٹونوں کے بارے میں کوئی انفارمیشن نہ تھی۔ میں تو ایک بدمست بیل کی مانند تھا۔ جو کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور بے خوفی سے اپنے کام کرلیا تھا۔ پہلے تو میں اس حصار میں داخل نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب دل میں قہقہے مچل رہے تھے۔ میں آصف میلو کو اپنا کھیل دکھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اس حصار کی طرف بڑھا۔
میرے آگے بڑھنے کی دیر تھی کہ سفید سانپ جن کے پروں پر دیئے جل رہے تھے۔ گھبرا کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگے۔ شانتری کی ہوں ہوں رک گئی اور وہ مبہوت زدہ مجھے تکے جارہی تھی۔ جیسے اسے ابھی تک یقین نہیں ہورہا تھا کہ میں وہی ہوں یا کوئی اور ہوں۔ ایسی ہی کچھ حیرت مجھے آصف میلو کی آنکھوں میں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ اس بات سے قطعی ناآشنا تھے کہ میرے آگے بڑھنے سے کیا کچھ ہوسکتا تھا۔ ان کے اندر بے شک لڈو پھوٹ رہے تھے لیکن حقیقت سے ابھی تک انہیں آشنائی نہیں ہوئی تھی۔
میں نے جیسے ہی دائرے میں قدم رکھا شانتری نے [illegible] اٹھنا چاہا لیکن اسی وقت میرا دایاں پاؤں حرکت میں آیا اور سیدھا اس کی پسلیوں سے جا ٹکرایا۔ شانتری [illegible] سے باہر قلابازی کھا کر گری۔ اس کی گردن جسے اس نے شانوں پر سجا رکھا تھا۔ اس کے شانوں سے [illegible] فٹ بال کی طرح لڑھک کر دور جا کر دیوار سے ٹکرائی۔ شانتری زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر شانتری کا ہاتھ تھاما۔
"آؤ تمہیں تمہارے اصل مقام کی سیر کرواؤں۔" میں نے شانتری کا ہاتھ تھام کر کہا۔
میرے ہاتھ تھامنے کی دیر تھی کہ دور پڑے شانتری کے سر نے ایک ساعت شکن چیخ ماری اور دوسرے ہی لمحے شانتری نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اور اندھوں کی طرح اٹھ کر ایک طرف بھاگی۔ دوسرے ہی لمحے وہ چوکی پر مبہوت زدہ آصف میلو سے ٹکرائی۔ اور آصف میلو کے حلق سے بھی ایک چیخ نکلی۔ شانتری کا وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے آصف میلو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اسی کے ساتھ چوکی سے نیچے لڑھک گیا۔
"اسے روکیے آصف میلو۔" میں نے چلا کر آصف میلو کو کہا۔
"اسے روکیے پلیز میں اسے بڑی خوشخبری دینا چاہتا ہوں۔"
میں آگے بڑھا لیکن جب تک وہ دونوں کھڑے ہوچکے تھے۔ آصف میلو بھی مارے حیرت کے مجھے گھورے جارہا تھا۔ شاید اسے بھی مجھ سے اس سب کی توقع نہ تھی۔ اس نے شانتری کو ایک طرف دھکا دیا اور شانتری توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی وجہ سے دیوار سے ٹکرا کر فرش پر آن گری۔ اس کے منہ سے ایک دردناک آواز نکلی۔ آصف میلو کا چہرہ انگارے کی طرح چمک رہا تھا۔
"اگر تیرے پاس یہ تعویذ نہ ہوتا تو تیرا وہ حشر کرتا کہ تو یاد رکھتا۔" آصف میلو دانت پیستے ہوئے بولا۔
"تیرے پورے شریر پر کوڑھ ابھر آتا اور تین دن اس کوڑھ میں آگ لگا دیتا۔ تجھے اس آگ کی اذیت ساری زندگی جھیلنی پڑتی۔"
آصف میلو کی بات سن کر پہلی بار میں نے اپنے گلے پہ ہاتھ ڈالا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔ وہ تعویذ میرے گلے میں ہی تھا جو مجھے مولوی ندیم کی قبر کے اوپر سے ملا تھا۔ الطاف نے اس کا موم جامہ کرا کے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

بڑی عقیدت سے میرے گلے میں ڈال دیا تھا۔ یہ تعویذ گویا میرے لیے آج کارگر ثابت ہوا تھا۔ میں نے خواب بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ تعویذ میرے لیے اتنا اہم ہوسکتا ہے۔

"مگر آصف میلو میں تو آپ کی ہدایت پر یہ سب کچھ کررہا ہوں۔" میں نے آصف کو مزید غصہ دلاتے ہوئے کہا۔

میں آگے بڑھا تو آصف میلو اچھل کر ایک طرف ہوگیا اور غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے بولا:

"پیچھے ہٹ جاؤ زیادہ چالاک بننے کی سعی مت کرو۔ دیکھ لوں گا میں تجھے اور تیرے ہمدردوں کو۔ تجھے جلد اندازہ ہوجائے گا کہ تو نے بھیڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال کر کتنی بڑی غلطی سرزد کی ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم آصف میلو؟" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"میں تو آپ کا دوست ہوں۔ مجھے ابھی اور کچھ باتیں بھی تم سے معلوم کرنی ہے۔ بتاؤ مجھے مولوی ندیم کی موت کیسے ہوئی؟ اس مخلوق کا شانزیب صاحب کے گھر میں کیا کام ہے؟ اور کیوں تم لوگ بار بار انوسہ کو تکلیف کررہے ہو؟"

"میں کہتا ہوں پیچھے ہٹ جاؤ اور باہر دفع ہوجا وگرنہ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔" آصف میلو غصے سے دھاڑا۔

لیکن مجھ پر اس کی گیدڑ بھبکیوں کا کوئی اثر ہونے والا نہیں تھا۔ میں اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔ تبھی اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ عین اسی وقت پھن پھیلائے سانپ منتشر ہوکر ادھر ادھر بھاگے۔ جیسے ان پر آگ برسادی گئی ہو۔ شانتری اندھوں کی طرح دوڑتی ہوئی ایک بار پھر دیوار سے جاٹکرائی لیکن اب کی بار وہ اسی میں ہی سما گئی۔ یہی کیفیت اس کے کٹے ہوئے سر کی بھی ہوئی۔ شانتری کے غائب ہوتے ساتھ ہی اس کا سر بھی غائب ہوگیا۔

عین اسی وقت پورے تہہ خانے میں اندھیرے کی دبیز چادر چھا گئی۔ چراغ یک لخت بجھ گئے اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔ جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ وہاں کسی انسانی زندگی کے آثار موجود نہیں ہیں۔ گویا دونوں مجھ سے ڈر کر نو دو گیارہ ہوگئے تھے۔ میرے سوال ادھورے رہ گئے تھے۔ لیکن ہار ماننے والا میں بھی نہیں تھا۔ تعویذ کی وجہ سے میرا ہمت کچھ مزید بڑھ چکی تھی۔ مجھے کچھ کچھ حوصلہ مل چکا تھا۔

کچھ دیر میں وہیں کھڑا گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ دل ودماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ بہت کچھ ذہن میں آرہا تھا لیکن اب اس تہہ خانے میں کھڑا رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ ویسے بھی ان عفریتوں کو پس پشت وار کرنے کی عادت تھی۔ اگر انہوں نے اس تہہ خانے کو نیست ونابود کردیا تو میرا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ساتھ ہی میں سرعت سے اس شگاف کی طرف بڑھا۔ کمرے میں ابھی تک رسی لٹک رہی تھی۔ ان سب باتوں سے بے نیاز میں کمرے سے باہر نکلا اور مین انٹرس سے باہر آگیا۔

الطاف پریشان کن حالت میں گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے میرے قریب آیا۔

"واپس چلیں کیا؟" میرے قریب آکر الطاف نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

الطاف مزید کوئی بات کرنے کی بجائے گاڑی میں بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کیا۔ میں نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل ایک نگاہ آصف میلو کی گاڑی کو دیکھا وہ ابھی تک کھڑی تھی۔ گویا وہ ڈرپوک ابھی تک اندر ہی کہیں چھپا ہوا تھا۔

میں سارے راستے میں تہہ خانے میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ یکبارگی میرے ذہن میں اس تعویذ کا خیال آیا جو مولوی ندیم کی طرف سے مجھے ملا تھا۔

"الطاف قبرستان کی طرف گاڑی موڑو۔" میں نے الطاف کو مخاطب کرکے کہا تو اس نے سوالیہ آنکھوں سے مجھے گھورا۔

"میں ان کا بہت مشکور ہوں الطاف کہ آج ان کی وجہ سے ایک بار پھر میں ان عفریتوں کے چنگل سے بچ نکلا ہوں۔ وگرنہ تم سوچ نہیں سکتے کہ میرے کیسے حالات سے دوچار ہوکر آرہا ہوں۔"

"ایسا بھی کیا ہوا تھا عفان وہاں؟" الطاف نے ہارن لیتے ہوئے پوچھا۔

جواباً میں نے اسے حویلی کے اندر پیش آنے والے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ جنہیں سن کر الطاف حیرت کے سمندر میں غوطہ زن رہ گیا۔ جلد ہی ہم دونوں قبرستان پہنچ گئے۔ معمول کے مطابق راستے میں ہی ہم نے کچھ پھول اور ایک اگربتی کا پیکٹ خرید لیا تھا۔ ساتھ ہی ایک ماچس بھی خرید لی۔ وہاں جاکر پہلے ہم نے مولوی ندیم کی قبر تھوڑی درست کی۔ پھر الطاف پانی لایا جو میں نے قبر کے اوپر چھڑکاؤ کیا۔ اس کے بعد مولوی ندیم کی قبر کو پھولوں سے رنگین کردیا۔ پھر ایک قبر پر اگربتیاں لگادیں۔ ہم دونوں نے مل کر فاتحہ پڑھی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد میں نے دل ہی دل میں مولوی ندیم کو مخاطب کیا۔

"میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ پردہ پوشی فرمانے کے بعد بھی متواتر میری پشت پناہی فرمارہے ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ اس قدر قدم بقدم میری راہنمائی فرماسکتے ہیں۔ بس ایک اور خصوصی مہربانی فرمایئے گا کہ میری انوسہ اور شانزیب صاحب کو ان عفریتوں کے چنگل سے بچائے رکھیے گا۔"

اس کے بعد دیر تک میں ان کی قبر کے سرہانے کھڑا مختلف سوچوں میں گم رہا۔ شاید میں اس بات کا منتظر تھا کہ ممکن ہے کوئی اور تعویذ مجھے مولوی ندیم کی قبر سے مل جائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں نے الوداعی فاتحہ پڑھی اور الطاف کے ساتھ واپس چل دیا۔ ابھی ہم قبرستان کے گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر تھے کہ میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا اور میں رک گیا۔ مجھے رکتا دیکھ کر الطاف بھی رک گیا۔

"خیریت تو ہے؟" الطاف نے مجھے گھورا۔

"آصف میلو کی کوٹھی کی طرف چلو۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آج خیریت تو ہے ناں عفان؟" الطاف حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر بولا۔

"آخر ایسی کون سی کھچڑی آپ کے دماغ میں پک رہی ہے جس کی مجھے سمجھ نہیں آرہی۔ کبھی آپ آصف میلو کے گھر جارہے ہیں تو کبھی شانزیب کے؟"

"بس یار تو دیکھتا جا۔" میں نے زیرلب مسکرا کر جواب دیا تو کاشف نے بس بھنویں اچکا کر مجھے دیکھا لیکن منہ سے بولا کچھ نہیں۔

ایک بار پھر ہماری گاڑی آصف میلو کے گھر کی طرف جارہی تھی۔ جلد ہی ہم آصف میلو کی کوٹھی کے سامنے تھے۔ گاڑی آصف میلو کے گھر کے سامنے رکنے کی دیر تھی کہ اس کا واچ مین دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا۔

"آصف میلو آیا ہے کہ نہیں؟" میں نے اب کی بار چنداں سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی صاحب آچکے ہیں۔" واچ مین نے جواب دیا۔

پھر میں نے اسے گیٹ کھولنے کا حکم دیا۔ اس نے سرعت سے گیٹ کھولا اور ہم گاڑی لے کر اندر داخل ہوگئے۔ آصف میلو کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی بلک جھپکتے میں آگیا لیکن مجھے یا الطاف کو حیرت نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ میری طرح وہ بھی ان باتوں کا عادی سا ہوگیا تھا۔ میں نے الطاف کو گاڑی میں ہی رکنے کا حکم دیا اور خود ابھی آصف میلو کی کوٹھی کے مین انٹرس کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ ایک ملازمہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آن پہنچی۔

"آصف میلو کہاں ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔ "اس سے کہنا کہ عفان آیا ہے اس سے ملنے کے لیے۔"

"صاحب آصف میلو صاحب ڈرائنگ روم میں براجمان ہیں آپ وہاں ہی تشریف لے آئیں۔" ملازمہ

Digitized by Google

نے دست بستہ ہوکر جواب دیا۔
میں نے ہاں میں سر ہلایا اور ملازمہ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ میں جانتا تھا کہ اپنی شکست پر آصف میلو آگ بگولا ہو چکا ہوگا لیکن میں اس حسین منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی کرنوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے کے خدوخال سے اس کے اندرونی خوف کو جانچنا چاہتا تھا۔
میں جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا آصف میلو نے فوراً میری طرف دیکھا۔ وہ بالکل ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ کوئی واقعہ رونما ہی نہ ہوا ہو۔ مجھے واقعی وہ منظر دیکھ کر کافی حیرت ہوئی۔ تھوڑی دیر قبل جو میں نے اس کا روپ دیکھا تھا۔ اگر کوئی اجنبی ان دونوں شکلوں کا موازنہ کرتا تو خواب میں بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ تھوری دیر پہلے کی وہ مکروہ شکل اس وقت خوش شکل میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ اس کے لبوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ جلوہ گر تھی۔
آصف میلو منہ سے تو گویا نہ ہوا لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔ میں بنا کچھ کہے چپ چاپ بیٹھ گیا۔
''کیسے آنا ہوا عفان؟'' آصف میلو نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''کچھ پوچھنا چاہتا ہوں تم سے آصف میلو؟'' میں نے اجازت طلب لہجے میں کہا تو وہ ہمہ تن گوش ہوگیا۔
''ہوں۔'' اس نے اجازت دی۔
''مجھے بتایئے کہ شانتری اور میری اگر شادی ہوجاتی ہے تو......'' اتنا کہہ کر میں چپ ہوگیا تو میں نے دیکھا کہ آصف میلو کی آنکھوں میں ایک بار پھر حیرت کے بادل منڈلانے لگے۔ اس کی حیرت کو پس پشت ڈال کر میں دوبارہ گویا ہوا۔
''تو شانتری سے ہونے والی ہماری اولاد کا کیا مقام ہوگا؟''
آصف میلو مجھے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین ہوگیا تھا کہ میں آہستہ آہستہ ان کے لالچ میں پھنستا جا رہا ہوں۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس کے لبوں میں جنبش پیدا ہوئی۔
''بعض چیزوں کے بارے میں میرا علم ابھی نامکمل ہے عفان۔ پھر بھی کچھ باتوں کا تجزیہ کرکے میں نتیجہ نکال لیتا ہوں۔''
''مثلاً۔'' میں نے پوچھا۔
''مثلاً یہی کہ شانتری کے بارے میں جو تمہیں بار بار مشورہ دے رہا ہوں۔ وہ تمہارے مفاد میں کئی درجے بہتر ہے۔'' آصف میلو گویا ہوا۔
''اچھا ایک اور بات بتایئے؟'' میں نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
''تھوڑی دیر قبل تم کہاں تھے آصف میلو؟''
میرے سوال پر آصف میلو کی بھنویں تن گئیں۔
''کیا یہ سوال کرکے تم نے گستاخی نہیں کی ہے؟'' آصف میلو نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔
''لیکن اس سوال کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے آصف میلو۔'' میں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔
''فار یور انفارمیشن۔'' آصف میلو گویا ہوا۔
''میں صبح سے یہاں اپنے گھر پر ہی ہوں۔''
''شاید تمہارا ذہنی توازن بگڑتا جا رہا ہے آصف میلو۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا تو اس نے مجھے کھا جانے والی آنکھوں سے گھورا۔
''تھوڑی دیر پہلے تمہاری اور میری ملاقات اسی حویلی میں ہوچکی ہے جہاں تم نے مجھے بھیجا تھا۔ جسے تم نے شامین اور اس کے والدین کی حویلی کہا تھا۔ جواب غیر آباد اور ویران پڑی ہوئی تھی۔ وہاں پر تمہاری اور میری ملاقات اس حویلی کے تہہ خانے میں شانتری کی موجودگی میں ہوئی ہے۔''
بات مکمل کرنے تک میرا لہجہ چنداں سخت ہوگیا تھا لیکن آواز متواتر دھیمی ہی تھی۔ آصف میلو حیرت سے مجھے تکے جا رہا تھا۔
''عفان لگتا ہے ان واقعات سے تم بوکھلا گئے

ہو۔'' آصف میلو نے زیر لب مسکرا کر کہا۔
''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ذہنی توازن پر مجھے شک سا ہونے لگ گیا ہے۔ میری حویلی کا ہر ملازم اس بات کی گواہی دے گا کہ میں صبح سے اپنی حویلی میں ہی موجود ہوں۔''
''آف کورس۔'' میں نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے جواب دیا۔
''یہ سب اس لیے گواہی دیں گے کیونکہ وہ تمہارے ملازم ہیں۔ ملازم ہمیشہ مالک کے سامنے بے بس اور مجبور ہوتا ہے آصف میلو۔ وہ تو بس وہی کہنے کا روادار ہوتا ہے جو اس کا مالک کہہ دیتا ہے۔''
''یاد رکھنا عفان۔'' آصف میلو نے ایک لمبا سانس خارج کرتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔
''کچھ پراسرار قوتیں نہیں چاہتیں کہ میں اپنے اس علم کی تکمیل کرسکوں۔ بے شک اب میرا ابھی ان سے کافی گہرا تعلق ہو چکا ہے۔ اور انہی کے اصرار پر میں نے تمہیں شانتری سے شادی کا مشورہ دیا ہے۔ بے شک اس سے تمہیں فائدہ ہوگا لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ غیر مناسب ہے۔ اور تم نقصان اٹھانے کی کیفیت میں ہو۔''
''خوب۔ بہت خوب۔'' میں نے آصف میلو کی بات سن کر تالی بجا کر اسے داد دی۔
''میں تو خیر ایک ناتجربے کار لڑکا ہوں اور تمہارا میرا کوئی مقابلہ بھی نہیں بنتا کیونکہ تم ایک شکتی شالی انسان ہو۔ لیکن جو تم نے یہ دوہرا روپ اختیار کیا ہے۔ وہ بے مثال ہے۔ ایک طرف تم حلیہ بدل کر مجھے مشورہ دیتے ہو تو دوسری طرف تم اپنے آپ کو اس سب سے انجان ثابت کرنے کی سعی کرتے ہو لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں بھی بڑا ضدی ہوں آصف میلو۔ میں کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ اب میں تمہیں چیلنج کر رہا ہوں کہ جلد یا بدیر میں تمہیں منظر عام پر لا کر ہی رہوں گا۔
اگر میں تمہیں دل کی بات کہوں تو میں تم سے راہنمائی چاہتا ہوں ایک اچھی راہنمائی لیکن تم ہو کہ ایک بات پر ٹکنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہو۔''
''تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بدتمیزی کر رہے ہو۔'' آصف میلو نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
''جاؤ اپنے آپ کو بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔ میں بھی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں ان پراسرار عفریتوں کے چنگل سے رہائی دلوا سکوں لیکن تم مان ہی نہیں رہے۔ تم طلسم کا شکار ہو۔ ایک غلط طلسم کا اور میری پیش گوئی ہے کہ تم شدید نقصان اٹھاؤ گے۔''
''تمہارے ہوتے ہوئے بھی۔'' میں نے مسکرا کر آصف میلو کی طرف دیکھا اور کہا۔
''چرب زبان مت بنو۔'' آصف میلو متواتر کرخت لہجے میں بولا۔
''مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے پر اتر آؤں۔ تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی ابھی تک۔''
''دیکھتے ہیں وقت کس کا ساتھ دیتا ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔
''ویسے تمہارا پروگرام اچھا ہے۔ تم روپ بدل کر مجھے کتنی ہی حقیقتوں سے آشنا کرتے ہو کہ تمہارے حلقے میں شامل ہو جاؤں۔ اس حلقے میں جو شیطان کی سرکردگی میں کام کر رہا ہے۔ لیکن آصف میلو اب میں کمل کر بابا صاحب سے فرمائش کروں گا کہ وہ مجھے اپنے حلقے میں شامل کرلیں۔''
''تباہ ہو جاؤ گے برباد ہو جاؤ گے۔'' آصف میلو میری بات سن کر سیخ پا ہوگیا۔
''تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ میں ایک بار پھر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کیونکہ......''
آصف میلو نے ایک بار پھر اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تو میں نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے گھورا لیکن وہ پھر کچھ بھی نہ بولا۔ اس کی حالت پر مجھے ہنسی آگئی اور یوں ہی ہنستا ہوا میں اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ متواتر مجھے کھا جانے والی آنکھوں سے گھورے جا رہا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اب یہ عفریتیں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

ظاہری یا باطنی طور پر مجھے نقصان پہنچانے سے کترائیں گی۔ پس پشت جل دینا بھی ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ یوں ہی زیر لب مسکراتا ہوا میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ ڈرائنگ روم سے باہر نکل کر میں نے ایک گہرا سانس خارج کر دیا اور پورچ کی طرف بڑھا جہاں الطاف میرا انتظار کر رہا تھا۔

مجھے اس خونی کھیل میں لطف سا محسوس ہونے لگا تھا۔ ان عفریتوں کی بے چارگی پر میرا دل ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ لیکن میں ظاہری طور پر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا کیونکہ میری خواہش بس یہی تھی کہ کسی طرح یہ انوسہ کا پیچھا چھوڑ دیں۔

اس کے بعد ہم دونوں واپس گھر آ گئے۔ دن ایسے تیسے کر کے گزر گیا اور پتہ ہی نہ چلا رات کے گیارہ بج گئے۔ میرا دل چاہا کہ ایک بار انوسہ سے مل لوں۔ جانتا تھا کہ رات کے اس پہر یہ بات ٹھیک نہیں ہے لیکن نجانے کیوں من مچلنے لگا تھا۔ یہی سوچ کر اپنے کمرے سے باہر نکلا اور انوسہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ دھیرے سے کھول کر اندر جھانکا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ انوسہ کی خالہ کے خراٹے پورے کمرے میں گونج رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انوسہ بھی لیٹی گہری نیند کے مزے لوٹ رہی تھی۔

میں جیسے ہی کمرے کے اندر پہنچا ایک بار پھر میرے نتھنوں سے بدبو کے بھبھوکے ٹکرائے اور میں رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ بو کتنی ہی بار میں محسوس کر چکا تھا۔ اسی بو کی وجہ سے ہی تو انوسہ کی حالت اتنی زیادہ خراب ہوئی تھی۔ میں چونک پڑا۔ دوسرے ہی سمے میرے قدم تیزی سے انوسہ کے بستر کی طرف بڑھے۔ بدبو کے بھبھوکے انوسہ کے بدن سے ہی اٹھ رہے تھے۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے جھک کر قریب سے انوسہ کا چہرہ دیکھنا چاہا تو عین اس وقت جب میں اس کے اوپر جھکا اس کی آنکھیں یکبارگی کھل گئیں۔ میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں دیکھا کہ انوسہ کی آنکھوں میں چمکتے تارے گہرے سرخ تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

ابھی میں اسی کشمکش کا شکار تھا کہ پلک جھپکتے میں انوسہ کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے میری گردن پکڑ لی۔ میں ایک لمحے کے لیے تو بالکل نروس ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے اپنی گردن چھڑانے کی سعی کی تو اس کے منہ سے نہایت ہی خوفناک آواز نکلی جو انوسہ کی بالکل نہیں تھی۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے جان لو کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ میں ساری بات جان چکا تھا۔ آواز خاصی کڑک دار تھی۔ میں نے گھبرا کر خالہ کی طرف دیکھا لیکن وہ تو جیسے گھوڑے بیچ کے سو رہی تھی۔ اسی طرح میری گردن پکڑے انوسہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اپنے آپ کو اتنا آگے لے جانے کی سعی مت کرو لونڈے۔ ورنہ جو ہوگا تمہاری سوچ سے بالاتر ہوگا۔ اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

اتنا کہہ کر اس نے مجھے اتنی زور سے دھکا دیا کہ میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ میں غیض و غضب سے بھر کر رہ گیا۔ میں جان چکا تھا کہ انوسہ اپنے کنٹرول میں نہیں رہی بلکہ ایک بار پھر اس کے بدن میں کوئی بدروح داخل ہو چکی ہے۔ میں دانت پیس کر آگے بڑھا۔ اب ان عفریتوں کا خوف میرے رگ و پے سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اس وقت بھی میں قطعاً خوفزدہ نہیں تھا بلکہ مجھے انوسہ کی چنتا کھائے جا رہی تھی۔

میں نے ابھی دو چار قدم ہی بڑھا ہوں گے کہ وہ لپک کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میں بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ انوسہ راہداری میں سرعت سے بھاگے جا رہی تھی۔ میں نے اسے پکارنا مناسب نہ جانا۔ کیونکہ پکارنے سے حویلی کے ملازمین سمیت شانزیب صاحب اور انوسہ کی خالہ کے جاگ جانے کا امکان تھا۔ اور میں کوئی ایسا ویسا رسک لینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے مزید تیز دوڑنا شروع کر دیا لیکن انوسہ کسی

Digitized by Google

ہرن کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں لگا رہی تھی۔

جلد ہی وہ راہداری سے باہر والے دروازے سے باہر کود گئی۔ ایک بار پھر میں نے دیکھا کہ اس کا رخ ویران عمارت کی طرف تھا۔ جو ان عفریتوں کی رہائش تھی۔ جو اس وقت بھی تاریک پڑی تھی۔ میرا دل دھک دھک کر کے حلق کو آن لگا۔ میں سرعت سے انوسہ کو پکڑنا چاہتا تھا لیکن یہ میرے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ میں جتنی بھی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ انوسہ کی رفتار اس سے کئی گنا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انوسہ اس عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔ میرے اندر بھی اس وقت جنون بیدار ہو گیا تھا لیکن عمارت کے اندر قدم رکھتے ساتھ ہی میرے پاؤں تلے زمین سرک گئی۔

جو کچھ میں دیکھ رہا تھا۔ میری عقل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ مجھے اپنی بینائی پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اس عمارت کو میں سپرد خاک کیا تھا۔ لیکن اس وقت عمارت یوں چمک رہی تھی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو بلکہ پہلے کے جیسی جگمگ جگمگ کرتی عمارت میرے سامنے تھی۔ میں بری طرح سے کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"یک نہ شد دو شد"

مجھے اچھی طرح سے یاد تھا کہ دن کے وقت میں اتفاقیہ طور پر اس طرف آیا تھا تو اس وقت بھی اس کے اندر جلے ہوئے جھاڑ جھنکار دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن اس وقت اس کی حالت بالکل ہی بدلی ہوئی تھی۔ پہلے سے بھی زیادہ صفائی دکھائی دے رہی تھی۔ پوری حویلی کے اندر ہر جگہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے خصوصی طور پر پرقوت بلب لگائے گئے ہیں۔ جن سے روشنی اطراف میں پھیل رہی ہے۔

انوسہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یکبارگی میری نگاہ ساتھ والے کمرے کی طرف گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جس سے اس بات کا امکان ہو رہا تھا کہ ممکن ہے انوسہ اسی کمرے میں داخل ہوئی ہے۔ اپنی تمام تر ہمت مجتمع کر کے میں اس کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کے سامنے پہنچ کر میں نے انوسہ کو مخاطب کیا۔

"انوسہ کہاں ہو تم۔ یہ کیا بچگانہ حرکتیں شروع کر دی ہیں تم نے۔ دیکھو جلدی سے باہر آؤ؟"

میں نے کمرے میں قدم رکھا اور چہار سو نگاہ دوڑائی لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ اتفاق سے مجھے اس کمرے میں موجود تہہ خانے کا دروازہ کھلا دکھائی دیا تو میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ گویا انوسہ تہہ خانے میں اتر گئی تھی۔ میرا دل بری طرح سے دھک دھک دھڑک رہا تھا۔ بے شک مجھے ان عفریتوں سے ڈر نہیں لگتا تھا لیکن رات کے اس پہر بڑے سے بڑے بہادر کے بھی اندھیرے اور ویرانے میں ہوش اڑ جاتے ہیں۔ میں تو پھر بھی ایک نوجوان لڑکا تھا۔

اللہ کا نام لے کر میں نے تہہ خانے کا زینہ عبور کرنا شروع کر دیا۔ تہہ خانہ اس وقت پوری طرح سے روشن تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس تہہ خانے کے اندر سورج نکل آیا ہو۔ جیسے ہی میں زینہ عبور کر کے تہہ خانے کے فرش پر کھڑا ہوا اگلا منظر دیکھ کر میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے اٹک کر رہ گئی۔ یکبارگی نجانے کہاں سے میرے سامنے ایک قوی ہیکل انسان آن وارد ہوا۔ جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ یکدم اسے اپنے سامنے دیکھ کر میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

وہ قوی ہیکل شخص بڑی پر ہیبت شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے نقوش انسانی نقوش سے مشابہہ نہ تھے بلکہ بہت ہی بھیانک نقوش کا وہ مالک تھا۔ اوپر کو چڑھی ہوئی بھنویں، لمبی لمبی مونچھیں جنہوں نے اس کے دونوں ہونٹوں کو چھپایا ہوا تھا۔ پرانا غلیظ سا لباس، اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے مجھے گھورے جا رہا تھا۔ پھر یکبارگی اس کی خونی نگاہوں سے غرائی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"دفع ہو جا یہاں سے ورنہ کچا چبا ڈالوں گا تجھے۔"

اس کی بات سن کر میں چنداں سہم سا گیا لیکن جلد ہی میں نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ یکبارگی اسے سامنے دیکھ کر میں جس قدر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اب اس

URDU TUBE
www.urdutube.com

قدر اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ادھر ادھر نگاہ دوڑائی عین اسی وقت میری نظر ایک لکڑی پر پڑ گئی۔ میں بھاگ کر اس لکڑی کو اٹھانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ میری نظروں کے سامنے ایک نہایت ہی بھیانک منظر آ گیا۔

اس لکڑی کے دونوں سرے پھیل گئے۔ یکبارگی لکڑی کے اگلے سرے نے پھن کی صورت اختیار کر لی۔ گویا وہ ایک ناگ تھا۔ لکڑی ایک ناگ کی صورت اختیار کر رہی تھی۔ جو کچھ بھی تھا۔ میری تو سمجھ سے بالاتر تھا۔ سانپ کے پھیلے پھن سے سسکاریوں کی بازگشت گونجنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے پھن سے آگ کی چنگاریاں سی خارج ہونے لگی۔ اصولی طور پر مجھے اس سے خوفزدہ ہونا چاہیے تھا لیکن اب تک میں اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ ان عفریتوں کی کوئی نئی چال ہے۔

بجائے ڈرنے کے مجھے شدید تاؤ چڑھنے لگا۔ کیونکہ میرا وقت ضائع کیا جا رہا تھا۔ نجانے اب ان کی اگلی چال کونسی تھی لیکن مجھے پیہم انوسہ کی فکر دامن گیر تھی۔ اس سے قبل کہ وہ سانپ مجھ پر حملہ آور ہوتا میرا داہنا پاؤں حرکت میں آیا اور سانپ زور سے دیوار سے جا ٹکرایا۔ عین اسی وقت میری سماعت سے ایک مردانہ درد میں ڈوبی ہوئی چیخ سنائی دی۔ سانپ کا دیوار کے ساتھ ٹکرانا تھا کہ پورے تہہ خانے میں گویا سورج اتر آیا تھا۔ اتنی روشنی پھیل گئی کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنکھوں کو مسلنا شروع کر دیا۔

روشنی اتنی زیادہ تھی کہ آنکھوں میں چبھن کا احساس ہونے لگا تھا۔ جب میں اس روشنی میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو یہ دیکھ کر گنگ رہ گیا کہ میرے سامنے لاتعداد افراد کھڑے تھے۔ ان سب نے سیاہ لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ یہی نہیں سب کے چہرے بھی کالے کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے بوقاف کھڑا تھا لیکن اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی نقاب نہیں تھا۔

بوقاف کی بلب کی طرح چمکتی آنکھیں مجھ پر ہی مرکوز تھیں۔ اچانک تہہ خانے کی سکوت زدہ فضا میں بوقاف کی آواز گونجی جس نے باباصاحب کو مخاطب کیا تھا۔

''ہم اسے منزل اجل تک ضرور پہنچا دیں گے باباصاحب۔ ہمارے آپ کے تعلقات میں اب دراڑیں پڑتی دکھائی دے رہی ہیں۔ اب ہمیں بغاوت پر اکسایا جا رہا ہے بلکہ مجبور کر دیا گیا ہے کہ ہم آپ سے مکمل طور پر بغاوت کر کے آپ کی دشمنی مول لے لیں۔''

اتنا کہہ کر بوقاف چپ ہو گیا۔ میری حیرت زدہ نگاہیں بوقاف پر مرکوز ہو گئیں۔ جو خلا میں کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے پیہم بولے جا رہا تھا۔

''یاد رکھنا بوقاف ہم ہمیشہ اس کی پشت پناہی کریں گے۔'' ایک بار پھر تہہ خانے کی سکوت زدہ فضا میں آواز گونجی۔

یہ آواز نہ تو بوقاف کی تھی نہ ہی وہاں موجود کسی اور کی۔ میں حیرت وخوشی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا جبکہ بوقاف کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''ہم اس کا دفاع کریں گے۔ سمجھوتا ہو سکتا ہے لیکن معاملات اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی۔ اس لیے کوئی ایسا حل تلاش کرو جو کارآمد ہو ورنہ مجبوراً ہم بھی اپنا دفاع کریں گے۔''

''باباصاحب اب کوئی حل دکھائی نہیں دے رہا یہ لونڈا ایک کے بعد ایک وار کیے جا رہا ہے۔'' بوقاف بے چارگی کے عالم میں گویا ہوا۔

گویا بولنے والا جس نے میری پشت پناہی کی بات کی تھی وہ باباصاحب تھے۔ میں دل ہی دل میں باباصاحب کا شکر ادا کر رہا تھا۔

''ارے تم لوگ کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو اسے دیکھو لگتا ہے اس نے ایک اور خون کر ڈالا ہے۔'' بوقاف کو اچانک اس ناگ کا خیال آیا جسے میں دیوار میں دے مارا تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ لکڑی یا سانپ جو بھی تھا دیوار کے نیچے

Digitized by Google

گرا پڑا تھا۔ حالانکہ ہال میں تیز روشنی تھی لیکن مجھے اس سانپ کی موجودہ کیفیت نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ البتہ ان لوگوں نے اسے اٹھایا اور اس دروازے کی اور بڑھے جہاں سے کتنی ہی بار میں نے شانتری کو آتے جاتے دیکھا تھا۔ جس جگہ وہ سانپ گرا تھا۔ میں نے اس جگہ خون کے دھبے لگے دیکھ لیے تھے۔

''دیکھا باباصاحب اس نے پھر کیا کر دیا ہے؟'' بوقاف نے باباصاحب کو جو دکھائی نہیں دے رہے تھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں نے دیکھا ہے۔'' باباصاحب نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہارے اس آدمی نے اس کے ساتھ پہل کی تھی۔ اس نے سخت لہجے میں اسے تہہ خانے سے نکل جانے کا حکم دیا جبکہ تم بھی جانتے ہو کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ سارا کیا دھرا تم لوگوں کا ہی ہے۔ اور اس نے لکڑی سمجھ کر اسے اٹھانا چاہا تاکہ تمہارا آدمی اگر اس کے ساتھ سخت گیری کرتا ہے تو یہ اپنی حفاظت کر سکے۔ لیکن آگے سے بدلتے منظر کو دیکھ کر اس نے گھبراہٹ میں اس سانپ کو دیوار پر دے مارا۔''

''آخر اسے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' بوقاف گلا پھاڑ کر چلایا۔

''وہی تو میں بھی سمجھا رہا ہوں۔'' باباصاحب کی آواز ایک بار پھر گونجی۔ ''تم کتنی ہی دفعہ اس معصوم بچی کو نشانہ بنا چکے ہو۔ کان کھول کر سن لو۔ اگر آج کے بعد انوسہ یا انوسہ کی نسل میں سے کسی کو کوئی ایذاء بھی پہنچی تو پھر ہمارے درمیان ایک معرکہ خیز جنگ ہوگی۔''

''حالات تو دھیرے دھیرے رینگتے ہوئے اسی طرف ہی جا رہے ہیں باباصاحب۔'' بوقاف نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''باباصاحب آپ نے یہ پابندیاں خود ختم کی ہیں۔''

''بوقاف اس سے پہلے کبھی تو اتنا بے باک نہیں تھا۔'' باباصاحب کی سخت آواز گونجی۔

''نہ ہی تیری زبان کبھی ایسے چلی تھی۔ نتیجہ جانتے ہوناں۔''

''چیونٹی بھی پاؤں تلے آجائے تو باباصاحب کاٹ لیتی ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' بوقاف نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر یاد رکھنا بوقاف ہم نے ابھی تک مفاہمت سے کام لیا ہے۔'' باباصاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اگر تو نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو پھر اپنے انجام کے ذمہ دار تم خود ہی ہوؤ گے۔''

''تو پھر آپ اسے کیوں نہیں سمجھاتے باباصاحب؟'' بوقاف نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بچی کہاں ہے؟'' باباصاحب نے پوچھا لیکن بوقاف نے کوئی جواب نہ دیا۔

اچانک ہی ہال میں گھپ اندھیرا پھیل گیا لیکن میں اس سفید سائے کو دیکھ سکتا تھا۔ جو ایک طرف کھڑا تھا۔

''میں اس عمارت کو نیست و نابود کر کے رکھ دوں گا چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔'' میں نے اس سائے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا اور پھر وہ سفید سایہ بھی میری نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب وہاں کوئی بھی ذی روح نہیں ہے۔ میں نے ایک بار پھر انوسہ کو آواز دی۔

''انوسہ تم جہاں بھی ہو مجھے آواز دو پلیز۔ سامنے آؤ۔''

کتنی ہی دیر تک میں اسی جگہ کھڑا انتظار کرتا رہا کہ ممکن ہے انوسہ کی آواز یا کوئی سرسراہٹ کسی طرف سے سنائی دے لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں سیڑھیوں کی اور بڑھا۔ غصے سے پیچ و تاب کھاتا میں اوپر چڑھنے لگا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں ابھی کے ابھی پوری عمارت کو نیست و نابود کر دوں۔ میں بری طرح سے پریشان تھا کہ پتہ نہیں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

ان عفریتوں نے انوسہ کے ساتھ کیا کیا ہے۔ لیکن اچانک ہی ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے میرے ذہن میں کوندا۔

میں سرعت سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا۔ اس کے بعد میرے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی تیزی سے عمارت سے باہر نکلنے لگے۔ باہر نکل کر میں انوسہ کے کمرے کی اور بڑھا اور وہاں پہنچ کر یہ دیکھ کر میں نے سکھ کا سانس لیا کہ انوسہ اپنے بستر پر پرسکون لیٹی ہوئی تھی۔ میں بنا آواز پیدا کیے انوسہ کے قریب پہنچا اور اسے سونگا لیکن اس کے پاس کے پاس سے کوئی ایسی بدبو نہیں آ رہی تھی کہ جس سے میں یہ اندازہ لگاتا کہ وہ ابھی تک ان عفریتوں کے چنگل میں ہے یا نہیں۔

میں اسی طرح دبے قدموں انوسہ کے کمرے سے باہر نکل آیا اور آ کر اپنے بیڈ پر ڈھے سا گیا۔ کتنی ہی دیر تک میں بیتے حالات و واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ میں یہاں آیا نہیں تھا بلکہ اسپیشلی لایا گیا تھا۔ اس سب کے پیچھے کیا راز کارفرماں تھا۔ یہ تو میں ابھی تک نہیں جان سکا تھا۔ لیکن اتنا سمجھ گیا تھا کہ اس سب سے میرا بہت قریبی تعلق ہے۔ میرا یہاں آنا اور اتفاقیہ طور پر شامین کا میرے ہاتھوں ابدی نیند سونا پھر ان عفریتوں کا ڈائریکٹ میرے گلے پڑنا۔ خاص کر شانتری منحوس جس نے میرا جینا ہی محال کر کے رکھ دیا تھا۔ انہی سوچوں میں گم نجانے کب نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہو گئی۔

☆......☆......☆

صبح میں تھوڑا لیٹ اٹھا۔ شانزیب صاحب جا چکے تھے۔ مجھے کسی نے نہیں اٹھایا تھا یا شاید اٹھایا بھی ہو تو یاد نہیں تھا۔ نہا دھو کر میں سیدھا الطاف کی طرف چل پڑا۔ ناشتہ کرنے کو من نہیں چاہ رہا تھا۔ الطاف سے کہہ کے میں نے صرف ایک گلاس پانی پیا۔ اس کے کہنے کے باوجود بھی میں نے چائے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ نجانے کیوں آج کچھ بھی کھانے پینے کو من نہیں چاہ رہا تھا۔

"عفان یار تم سے کچھ کہنا ہے؟" الطاف نے میرے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کہو کیا بات ہے؟" میں نے الطاف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے جیب سے ایک ملفوف لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔

"پرسوں رات مولوی ندیم مجھے خواب میں ملے اور اپنی قبر پر حاضری دینے کا حکم صادر فرمایا۔" الطاف نے بتانا شروع کیا۔

"میں وہاں گیا تو ان کی قبر سے یہ ملفوف لفافہ ملا جسے اٹھا کر میں یہاں لے آیا۔ آج رات پھر مولوی ندیم کی زیارت ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ اس کے اندر دو تعویذ ہیں۔ اس میں سے ایک میرے لیے اور ایک آپ کے لیے ہے۔ مولوی ندیم نے مزید یہ بھی بتایا کہ یہ اس تعویذ کی برکت سے آپ کے بہت سے کام سدھرتے چلے جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تعویذ آپ کو وہ کام دے گا جو آپ پہلے کرنا چاہتے ہو۔ آپ اس تعویذ کو اس کے سامنے جلا دینا جو آپ کے قریب آنے کا متمنی ہے۔"

اتنا کہہ کر الطاف چپ ہو گیا اور میرے ذہن میں اسی وقت شانتری کا خیال آیا۔ میں اپنی کیفیات سے الطاف کو آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک تعویذ اس کی طرف بڑھایا اور دوسرا اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میں جانتا تھا کہ مولوی ندیم نے الطاف کو واضح طور پر کیوں نہیں کہا کہ یہ تعویذ کس کے سامنے جلاؤں بلکہ شاید مولوی ندیم بھی اس بات کو راز میں رکھوانے کے متمنی ہیں۔

"جو تعویذ آپ نے مجھے دیا ہے یہ بھی آپ کے لیے ہی ہے۔" الطاف نے مجھے دوبارہ مخاطب کر کے کہا تو میں نے حیرت سے بھنویں اچکاتے ہوئے اسے گھورا۔

"لیکن مولوی ندیم کا حکم تھا کہ میں فی الوقت ایک تعویذ تمہارے سپرد کروں۔ دوسرا تعویذ مجھے کب

Digitized by Google

آپ کے حوالے کرنا ہے۔ مجھے مولوی ندیم خود اشارہ دیں گے تو یہ بھی آپ کے سپرد کر دوں گا۔"

"جس کے سامنے اس تعویذ کو جلانے کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ اسے میں نے خود ہی بلانا ہے کیا؟" میں نے الطاف کو متواتر بھرپور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"واللہ! مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ جو کچھ مولوی ندیم نے کہا میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔"

"بہرحال الطاف بھائی مجھے مولوی ندیم سے بہت عقیدت ہے۔" میں نے الطاف کی بات سن کر جواب دیا۔

"مولوی ندیم نے ہر جگہ میری پشت پناہی کی ہے۔ پچھلی بار بھی انہوں نے مجھے یہ تعویذ عطا فرمائے تھے لیکن مجھ سے غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ مولوی ندیم نے میری خاطر اپنی زندگی تک داؤ پر لگا دی۔ میں ان کا یہ احسان دم آخر تک نہیں فراموش کر پاؤں گا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں ہماری زندگی میں الطاف جن کے احسانات کا بوجھ میں کبھی بھی اپنے کندھوں سے نہیں اتار پاؤں گا۔"

مولوی ندیم سے معمولی شناسائی ہونے کے باوجود انہوں نے مجھے کتنا بڑا امان دیا تھا۔ بہرحال اس بارے میں کافی دیر تک ہمارے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر میں الطاف کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کام کرنے کو من نہیں چاہ رہا تھا لیکن کرنا تھا کیونکہ شانزیب صاحب نے اسپیشل پیغام بھجوایا تھا کہ پینٹنگز جلد سے جلد تیار کی جائیں۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو کرتے ہوئے مجھے ٹائم کا گمان تک نہ رہتا تھا۔ ٹائم اتنی سرعت سے گزرتا تھا جیسے پلک جھپکنے والی بات ہو۔

رات کا کھانا میں نے شانزیب صاحب اور ان کی فیملی کے ساتھ ہی کھایا۔ شانزیب صاحب سے اس بارے میں کافی دیر تک ڈسکس بھی ہوتی رہی۔ شانزیب صاحب میری حالت کو بھانپتے ہوئے بار بار میری پریشانی کا سبب دریافت کرتے رہے لیکن ان پر اپنی کیفیت کو عیاں کرنا مجھے بہتر محسوس نہ ہوا۔

نجانے کیوں آج مجھے حد سے زیادہ تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انگ انگ میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہوں۔ میں پورے دن میں کوئی خاص کام نہیں کیا تھا۔ لیکن تھکاوٹ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت وزنی کام پورا دن کرنا پڑا ہو۔ نیند کی دیوی مہربان ہونے لگی تو کام کو وہیں چھوڑ کر اپنے بیڈ کی اور بڑھا۔ بس لیٹنے کی دیر تھی اور آن کی آن میں خوبصورت وادیوں کی سیر کرنے لگ گیا۔

رات سوا ایک بجے کا ٹائم تھا۔ جب کھٹکے کی آواز سے یکبارگی میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں پیہم آہٹیں محسوس ہو رہی تھیں۔ جن کی بازگشت میری قوت سماعت سے پیہم ٹکرا رہی تھی۔ میری نگاہیں کمرے میں چہار سو گھومنے لگی۔ تبھی میری نگاہیں کمرے میں لگے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے وجود پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ کوئی عورت تھی جو میرے کمرے میں کھڑے ہو کر بال سنوار رہی تھی۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ میرا حلق سوکھ گیا۔ شاید تھکاوٹ کی زیادتی تھی کہ خوف نے پلک جھپکتے میں مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

"اوہ سوری۔" آئینے کے سامنے کھڑی عورت نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"لگتا ہے میری وجہ سے جناب کی نیند اڑ گئی ہے۔ میں نے تمہیں جھنجھوڑ کر اٹھانا مناسب نہیں گردانا اس لیے تھوڑا کھٹکا پیدا کیا تا کہ تمہیں احساس ہو کہ تمہارے علاوہ بھی کوئی اس کمرے میں موجود ہے۔"

میں اس چالاک و عیار عورت کو پہچان چکا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ شانتری ہی تھی۔ جس نے ابھی تک میری طرف گردن گھما کر دیکھا تک نہیں تھا۔ میرا خوف مفقود پڑ چکا تھا لیکن غم و غصے پر میں نے قابو پا لیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ شانتری سوائے میں تنگ کرنے کے مزید کچھ نہیں کر سکتی۔

"اب تم کس مقصد کے تحت میرے کمرے میں آئی ہو؟" میں نے چنداں کرخت لہجے میں پوچھا۔

پہلی بار شانتری نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔ اس کے بھدے ہونٹوں نے پھیلنا شروع کردیا۔ گویا وہ میری بات پر مسکرا رہی تھی۔ چند قدم چل کر وہ میرے بیڈ کے قریب آکر کھڑی ہوگئی۔

"تمہارے کمرے میں میں جس وقت آؤں۔ میرے خیال میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" شانتری نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

اس کا یہ انداز میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں نے سر کو جھٹکا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے اپنا لو کیونکہ اسی میں تمہاری بھی بہتری ہے اور میری بھی۔ مجھے بہر صورت اپنی بیٹی کو زندہ کرنا ہے۔ اگر تم نہ مانے تو تمہارا خون پی جاؤں گی۔"

شانتری کا لہجہ ایک دم سخت ہوگیا تھا۔ لیکن میں اس کی گیدڑ بھبکیوں کا عادی ہوچکا تھا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور جاچکی تھی۔ شانتری کی بات سن کر میں زیرلب مسکرادیا۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ جب انسان ہر ممکن سعی کرنے کے بعد میں بھی کامیاب نہیں ہو پاتا تو اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے گیدڑ بھبکیاں مارنا شروع کردیتا ہے۔ جس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا سوائے دل کو تشفی دینے کے۔

میں جانتا تھا کہ شانتری میری جان چھوڑنے والی نہیں ہے۔ تبھی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ شانتری کو تنگ کرنے اور ذلیل کرنے میں اب مجھے بھی اتنا ہی سکون میسر آتا تھا۔ جتنا ان لوگوں کو مجھے ذلیل کرنے میں آتا تھا۔

"دیکھو شانتری یہ بات تو تم بھی بخوبی جانتی ہو کہ تمہاری بیٹی میرے ہاتھوں انجانے میں لقمۂ اجل ہوئی ہے۔" میں بولا تو شانتری ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"لیکن جب میں نے تمہاری بیٹی شاہین کو اس دن اس پرانے کھنڈر نما مکان میں جسے تم لوگوں نے اپنے جادو کے بل بوتے پر محل بنادیا تھا دیکھا تو یقین مانو میں اس کے حسن کا دیوانہ ہوگیا تھا۔ اتنی حسین و جمیل دوشیزہ میری آنکھوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں تم لوگوں سے اس خواہش کا اظہار کرنا چاہتا تھا لیکن تم لوگ میری بات پر کان تک نہیں دھرتے اور الٹا مجھے ہمہ وقت نقصان پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہو۔ آج تمہیں اپنے دل کی بات بتاؤں تو میں دل ہی دل میں تمہاری دختر پر فریفتہ ہوگیا ہوں۔ اس سے حقیقت میں محبت کرنے لگا ہوں۔ میں تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ تم سے شادی کرنے کے لیے بھی تیار ہوں لیکن اس شرط پر کہ کل کو جب تمہاری دختر زندہ ہوجائے گی تو تم مجھ سے علیحدہ ہوجاؤ گی اور میں تمہاری دختر سے شادی کروں گا۔"

میرے پھینکے جال میں شانتری بری طرح سے پھنس چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں مجھے تکے جارہی تھی۔ لیکن اس کی کیفیت بتارہی تھی کہ اس کے من میں خوشی سے لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ شاید اسے میری باتوں پر یقین نہیں ہورہا تھا۔

"تم بہت شاطر ہو عفان!" شانتری نے بے یقینی کے عالم میں مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک بار پھر میں تم پر وشواس کرلوں؟"

"اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو تمہاری مرضی لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب حقیقت پر مبنی ہے اور تمہیں میری باتوں پر غور و خوض لازمی کرنا پڑے گا۔" میں نے اس پر اپنا اعتماد بھرپور طریقے سے جماتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔" شانتری زیرلب مسکرا کر بولی۔

گویا اب وہ مکمل طور پر میرے کنٹرول میں آچکی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ بھی اپنی جگہ آتش کی پرکالی ہے لیکن اب میں بھی ان عفریتوں کا عادی ہوچکا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ میں بھی ان عفریتوں کا حصہ بن چکا تھا تو میرے خیال میں بجا ہی ہوگا۔

"آؤ مل کر باہر گھومیں عفان۔ دیکھو کتنا دل موہ لینے والا منظر ہے۔"

شانتری کی بات پر میں زیرلب مسکرادیا۔

"تم ایسا کرو شانتری کہ سامنے ویرانے کی طرف

Digitized by Google

... اسے بھی ہوشتر تمہارے پیچھے آیا۔" میں نے ... کو مخاطب کرکے کہا۔

... ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کروں گی ... شانتری اتنا کہہ کر کمرے کی دیوار سے یوں ... گویا کسی کھلے دروازے سے گزری ہو۔

... لیکن اب یہ جادوئی کھیل مجھے اتنا زیادہ حیرت ... میں ڈال سکتے تھے نہ ہی میں ان کی وجہ سے ڈرتا ... کی واقعی میں حیرت اور ... اس کی وجہ کیا تھی میں بھی ... ان عفریتوں اور ان کی ...

... کے بعد میرا دل دھکا دھک ... آرہی تھی کہ کروں ... عمل کر بہر صورت کرنا ... لیے میں صحیح وقت کا منتظر ... وقت ہو بھی نہیں سکتا۔ میں ... کھڑا ہوگیا۔ منہ ہاتھ دھویا ... خود کو دیکھنے لگا۔ میرے سامنے ... رہا تھا کہ اس سے بہتر وقت ... کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی ... اگر شانتری کی موت آئی ہے ... آئی ہے۔ میں غسل خانے ... سیف الماری میں سے وہ ... نے دیا تھا۔ میں نے اس ... ساتھ رکھی ماچس بھی اٹھالی ... کے بعد اس ویران حصے کی طرف چل دیا جہاں ... کھڑی میرا انتظار کررہی تھی۔

... میں جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا میرے دل کی ... بے ترتیب ہوتی جارہی تھیں۔ مجھے اپنی اس ... پر انتہائی حیرانگی ہورہی تھی لیکن باوجود سعی کے میں ... اس کیفیت پر قابو پانے میں یکسر ناکام تھا۔ اس خونی ... کے کھنڈر کے سامنے کھڑا میں کتنی ہی دیر تک ... یاں دیکھتا رہا اور بالآخر میں نے خالقِ کائنات

کو یاد کرتے ہوئے اس حویلی کے پھاٹک سے اندر قدم رکھا۔ عین اسی وقت ٹھنڈی ہوا کے ایک شریر جھونکے نے میرے کانوں میں سرگوشی کی جسے میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ میرے قدم خود بخود آگے بڑھتے جارہے تھے۔ شانتری ایک کمرے میں دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔ اسے شاید میری موجودگی کا احساس ہوگیا تھا۔ میرے اندر داخل ہوتے ساتھ ہی وہ مڑی اور میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ اس کی دلبرانہ مسکراہٹ سے تو مجھے شروع سے ہی نفرت تھی۔ جب وہ مسکراتی تھی تو پہلے سے بھی زیادہ بھدی معلوم ہوتی تھی۔ میری طرف بغور دیکھنے کے بعد اس نے دائیں ہاتھ سے ایک طرف رکھے موڑھے کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھو عفان!"

میں چپ چاپ بیٹھ گیا۔ وہ بھی میرے سامنے ایک طرف رکھے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

"عفان آخر تم مجھ سے منسوب ہونے کے لیے کتنا وقت لوگے۔ تمہارا طریق کار کیا ہوگا؟"

شانتری کی بات پر میں دل ہی دل میں ہنسے ... مجبور ہوگیا تھا۔ اسے کیا پتا تھا کہ وہ مور کھ ایک بار پھر میرے جال میں پھنس چکی ہے۔

"شانتری۔" میں نے اسے مخاطب کیا تو اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے دیکھا۔

"مجھے اس بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں ہے۔ کیوں نہ اس بارے میں آصف میلوے صلاح کرلی جائے؟" میں نے کہا تو شانتری نے سر ہلا کر میری بات سے اتفاق کیا۔

"وہی کوٹھی ہمارا گھر ہوگی۔ تمہیں وہاں میرے ساتھ رہنا ہوگا۔" شانتری بولی۔

"اس کا طریق کار بھی تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ تم اگر یہی رہنا چاہو گے تو مجھے پھر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ پورا دن تم ان لوگوں کے ساتھ وقت بتا سکتے ہو۔ رات کو جب تم بستر پر سونے کے لیے لیٹو گے تو میں تمہیں آواز دے لیا کروں۔ بس پھر تم پلک

جھپکتے میں میرے پاس ہوؤ گے۔ مجھ سے منسوب ہونے کے بعد تمہیں بے شمار شکتیاں ملیں گی عفان۔ ایسی شکتیاں جن کے بارے میں تم تخیل میں بھی نہیں سوچ سکتے۔"

"آہ شانتری تم نے مجھے بے خود کردیا ہے۔" میں نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میں کمرے میں جلتی اس روشنی کو گل کردوں؟"

شانتری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لیکن یہ تعویذ اتارنے کے بعد۔" شانتری گویا ہوئی۔

"عفان اس تعویذ کو ہمیشہ کے لیے اتار کر دور پھینک دو۔ یہ تعویذ ہمارے درمیان ایک دیوار کی مانند ہے۔"

میں نے شانتری کی بات سن کر سر ہلایا اور کارنس پر رکھی موم بتی کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی جانب بڑھ گیا۔ بجلی کا بورڈ بھی اتفاق سے اسی کے قریب لگا ہوا تھا۔ میں نے روشنی گل کی۔ پھر جیب سے ماچس نکال کر موم بتی جلائی لیکن میں نے پھرتی سے ماچس کے ساتھ تعویذ بھی نکال لیا تھا۔ جو الطاف نے مجھے دیا تھا۔ اسے بڑے طریقے سے میں نے رول کیا اور موم بتی کی روشنی میں شانتری کی طرف دیکھنے لگا۔

"شانتری میں آج تمہاری بیٹی شامین کی محبت میں اس تعویذ کو ہمیشہ کے لیے جلا رہا ہوں۔" میں نے شانتری کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ جلوہ گر ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک بے یقینی کے تاثرات عیاں تھے۔

"یہ تعویذ اگر ہمارے درمیان ایک دیوار بنا ہوا ہے تو آج میں ہمیشہ کے لیے اس دیوار کو گرانے کا مصمم ارادہ کرچکا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تعویذ کو موم بتی سے لگادیا۔ تعویذ نے فوراً ہی آگ پکڑلی۔ تعویذ کو آگ کیا لگی۔ شانتری کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے ذبح ہونے والے جانور کے منہ سے نکلتی ہے۔

"عفان یہ...... عفان یہ۔"

شانتری نے درد کی شدت کے باعث بڑی مشکل سے کہا لیکن میں نے تعویذ کو نیچے جھکایا تاکہ پورا تعویذ جل کر خاکستر ہوجائے اور آج یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے۔ تعویذ تیزی سے جل رہا تھا۔ ساتھ ہی شانتری کی دلخراش چیخوں نے پورے کمرے میں ہلچل مچا کر رکھ دی۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے اور دروازے کی طرف بھاگنے کی سعی کی لیکن اس کے پاؤں اٹھ نہیں پا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے پاؤں کسی نے آہنی زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیے ہوں۔ پھر میں نے بٹن دبایا اور پورا کمرہ ایک بار پھر منور ہوگیا۔ شانتری ابھی تک چیخ رہی تھی۔

"یہ...... یہ کیا کر رہے ہو عفان؟" شانتری نے درد سے کلبلاتے ہوئے پوچھا۔

خود کو اس کیفیت سے نجات دلانے کے لیے وہ اپنی جگہ سے بمشکل تمام اٹھی اور ایک دو قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ دھڑام سے زمین پر آگری۔ اب اس نے زمین پر لوٹنا شروع کردیا تھا۔ اس کے حلق سے متواتر کربناک چیخیں نکل رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی اس نے سکڑنا شروع کردیا۔ اس کا بدن سکڑ کر چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ میرے سامنے ایک نہایت ہی بھیانک شکل میں موجود تھی۔ یہ اس کا اصل روپ تھا۔ شامین کا چہرہ غائب ہوچکا تھا۔ وہ زمین پر پڑی پاؤں رگڑ رہی تھی۔ اس کی حالت ماہی بے آب کی سی ہوچلی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر مجھے قلبی سکون میسر آرہا تھا۔ شانتری بار بار اٹھنے کی ناممکن سعی کررہی تھی لیکن شاید اب یہ اس کے بس کا روگ نہیں رہا تھا۔ شانتری ایک بار پھر چیختے ہوئے بولی:

"عفان تم نے ایک بار پھر...... میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس کی ...... سزا تو تمہیں...... بہر صورت

Digitized by Google

ملے گی۔ وہ ...... وہ ضرور آئے گا اور...... تمہیں...... لے جائے گا انوسہ...... انوسہ کو۔ اور تم بھی...... اس سے مح...... روم ہوجاؤ گے...... وہ...... وہ ضرور آئے گا۔"

یہ کہہ کر شانتری کی آواز جیسے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ وہ پہلے سے زیادہ تڑپنے لگی تھی جبکہ میں بڑی دلیری کے ساتھ یہ بھیانک منظر پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا قد سکڑ کر ایک نکتے کے قریب رہ گیا۔ پھر اس کا قد مزید چھوٹا ہوگیا کہ آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔ یہ منظر ایسا تھا کہ عام انسان یا تو بےہوش ہوجاتا۔ ممکن ہے اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہوجاتیں یا بے ترتیب ہوجاتیں۔ ان کے درمیان رہتے میں بہت کچھ دیکھنے اور سہنے کا عادی ہوچکا تھا۔

پورے کمرے میں ایک عجیب سا سناٹا چھا چکا تھا۔ شانتری کی خوشبو نے پورے کمرے کی فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ماحول سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جلتے ہوئے تعویذ کے آخری سرے نے جب میری انگلیوں کو چھوا اور مجھے جلن کا احساس ہوا تو میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ میں نے آسمان کی طرف منہ کرکے آنکھیں بند کرکے مولوی ندیم کو مخاطب کیا۔

"اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اگر شانتری نہ مری تو میری امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے کمرے سے باہر قدم نکالے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے قلب و ذہن کو سکون بخشا۔ کتنی دیر میں وہیں کھڑا آنکھیں موندھے میں اس ماحول سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

مجھے کھڑے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ میری سماعت سے کچھ عجیب سی سنسناہٹیں ٹکرانے لگیں۔ میں نے فٹ سے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر دیکھنا شروع کردیا۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ سائے میرے پاس سے گزر رہے ہوں۔ میں نے بہت اچھی طرح سے محسوس کیا کہ ان سایوں کی ہوا میرے جسم کو چھو رہی تھی۔ ان میں سے کسی کا بھی رخ اس مکان کی طرف نہیں تھا۔ بس وہ ادھر ادھر بے ڈھنگے انداز میں دوڑتے جا رہے تھے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ کوئی بھی میرے قریب بھٹکنے کی سعی نہیں کر رہا تھا۔ جب تھوڑی دیر کھڑے رہ کر مجھے یقین کامل ہوگیا کہ یہ سائے مجھے نقصان پہنچانے کی سکت نہیں رکھتے تو میں نے قدم بڑھائے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے بھی متواتر ایسی ہی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جیسے کوئی بغیر آواز کے دوڑنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن پھر بھی اس کے بھاگنے کی آواز پیدا ہورہی ہو۔ کئی بار تو مجھے یوں لگا جیسے ان کے لباس میرے جسم سے ٹکرائے ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے کسی نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ راہداری عبور کرکے میں پھاٹک سے باہر نکلا اور سیدھا اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے بعد میں بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے سامنے روشندان سے ایک ساتھ بہت ساری آنکھیں اندر جھانک رہی ہوں۔ ان آنکھوں میں نفرت کا طوفان ہچکولے مار رہا ہو۔ مدہم مدہم آوازیں بھی سماعت سے ٹکرانے لگی تھیں۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر مجھے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔" روشندان کی طرف منہ کرکے میں نے کہا۔ "نہ تو میں تم سے خوفزدہ ہونے والا ہوں اور نہ ہی تمہارے آگے ہتھیار ڈالنے ہیں۔ کہو تو ایک بار پھر باہر تمہارے ہی مسکن میں آجاتا ہوں۔ اگر اتنی ہمت ہو تو میرا بال بھی بیکا کرکے دکھا دینا۔"

اتنا کہہ کر میں بیڈ سے کھڑا ہوگیا۔ عین اسی وقت مجھے یوں لگا جیسے باہر بھگدڑ رک گئی ہو۔ میں دروازے پر آیا۔ پھر چند قدم آگے بڑھا۔ جانے ایک دم جیسے سمٹ گئے تھے۔ میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ اور اس کے بعد پھر واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ کمرے میں آکر میں نے ایک بار پھر روشندان کی طرف منہ کرکے انہیں للکارا۔

"میں جانتا ہوں یہ دروازہ تمہارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی میں دروازہ کھلا چھوڑ رہا ہوں۔ یاد رکھنا میں اپنے اور تمہارے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ چاہتا ہوں۔ تم میں سے کسی سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ یہ بات بھی اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ تم میں سے کوئی بھی میرا بال بیکا کرنے کی جسارت نہیں رکھتا۔"

میں نہیں جانتا تھا کہ میرے اندر اتنی ہمت کہاں سے پیدا ہوگئی تھی۔ حالانکہ جب بھی اس روشندان سے مجھے خونی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں میرا انگ انگ وائبریٹ کرنے لگتا تھا۔ خوف پوری طرح سے مجھ پر مسلط ہوجاتا تھا۔ نجانے رات کے کس پہر میری آنکھ لگ گئی۔ صبح جب آنکھ کھلی تو کافی پرسکون تھا۔ خود کو کافی حد تک ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت بڑا بوجھ میرے سر سے اتر گیا ہو۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ شانتری سے بڑا بوجھ اور عذاب میرے لیے ہو ہی کیا سکتا تھا۔ میں اپنی اس خوشی کو الطاف کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہتا تھا کہ مولوی ندیم کے دیئے تعویذ کی بدولت میں نے اس منحوس بھدی شانتری کا قلع قمع کرکے رکھ دیا ہے۔ جس وقت میں الطاف کے پاس پہنچا۔ الطاف اس وقت دروازے کے باہر کھڑا مسواک کررہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ زیر لب مسکرایا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو منہ سے لگایا اور کلی کی۔ اس کے بعد اندر آگیا۔

"کیسے ہو عفان بھائی؟" الطاف نے اپنے چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا اور ہم دونوں ہی ایک ساتھ ہی اندر داخل ہوئے۔

"شکر ہے مالک کا۔" میں نے لمبی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے آج تم بڑے خوش دکھائی دے رہے ہو؟" الطاف نے پوچھا۔

"بات ہی خوشی کی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تم سنو گے تو خوشی سے پاگل ہوجاؤ گے۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"

"ایسی بھی کیا بات ہے؟" الطاف نے پوچھا۔ اور میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اچھا ایک منٹ معذرت آپ کی بات شروع ہونے سے پہلے آپ کی امانت آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر کاشف اٹھا اور دیوار کے ساتھ بنی الماری میں سے کچھ نکال کر میری طرف بڑھا۔

"رات میرے خواب میں مولوی ندیم صاحب آئے تھے۔"

الطاف کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا تو میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"انہوں نے حکم صادر فرمایا تھا کہ تم جب میرے پاس آؤ تو یہ تعویذ بھی تمہارے سپرد کردوں۔ اور تمہیں اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتادوں اور یقیناً اس کا استعمال بھی صحیح وقت پر ہی ہونا ضروری ہوگا۔"

میں نے بڑی عقیدت سے الطاف کے ہاتھوں سے وہ تعویذ تھام لیا اور اسے اپنے لباس میں محفوظ کر لیا۔ میں نے پہلے تعویذ کا رد عمل دیکھ لیا تھا۔ تعویذ تو مولوی ندیم سے مجھے پہلے بھی ملے تھے۔ لیکن انہیں جلاتے سے بوقاف درمیان میں ہڈی میں کباب بن گیا اور سارا کام چوپٹ ہوگیا تھا۔ لیکن یہ تو شکر ہے کہ اب کی بار کوئی بھی میری راہ میں حائل نہیں ہو پایا۔ پھر الطاف نے مجھے اس تعویذ کے استعمال کا طریقہ بھی بتادیا۔

الطاف کی بات مکمل ہونے کے بعد جب میں نے اسے شانتری کی ناکامی اور اس کی موت کے بارے میں بتایا تو وہ گنگ رہ گیا۔ اسے شاید میری بات پر یقین نہیں ہورہا تھا۔ کیونکہ وہ پچھلی بار دیکھ چکا تھا کہ میں نے کتنی مہارت سے شانتری کی گردن تن سے جدا کی تھی لیکن وہ خبیث پھر بھی نہیں مری تھی لیکن اب کی بار مجھے پورا یقین تھا کہ شانتری مرچکی تھی۔ الطاف کے

Digitized by Google

[...] کے باوجود بھی آج میں نے اس سے چائے نہ پی [...] شانزیب صاحب اور انوسہ کے ساتھ ناشتہ [...] ہا تھا۔

[در]اصل میرے ذہن میں یہ بات ہتھوڑے کی [...] رہی تھی کہ آخر وہ کون ہے جس کا شانتری [...] تھا کہ وہ ضرور آئے گا اور انوسہ کو ہمیشہ کے لیے [...] چھین کرلے جائے گا۔ یہ سوال میرے ذہن [...] گردش کررہا تھا۔ میں اب انوسہ کو زیادہ وقت [...]

ابھی میں کاشف کے پاس سے باہر نکلا بھی تھا کہ [...] موبائل کی رنگ ٹون نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے [...] سے موبائل نکالا اور سکرین پر آتے [...] حیران و ششدر رہ گیا۔ [...] موبائل کی سکرین پر آصف میلو کا نمبر چل [...] میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ ایک گہری سانس [...] موبائل کان کے ساتھ لگایا۔

"[...] میلو کیسے یاد کیا؟" میں نے موبائل [...] پوچھا۔

"[...] تم سے ملنا چاہتا ہوں عفان۔" آصف [...] جواب دیا۔

"[...]؟" میں نے [...] انداز میں پوچھا۔

"جب چاہو [...]" آصف میلو۔

"[...] اپنے گھر میں تمہارا بے صبری سے انتظار [...] ہوں۔" آصف میلو نے جواب دیا۔

[...] بھی زوروں کی لگی ہوئی تھی۔ ناشتہ [...] آؤں گا۔" میں نے آصف میلو کی بات سن [...]

"[...] جتنا جلدی ہو سکے آجانا۔" آصف میلو نے [...] منقطع [...] اور اس کے بعد رابطہ منقطع ہوگیا۔

[...] ایک عجیب سی الجھن محسوس ہونے لگی۔ میرا من [...] کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یوں لگ [...] کچھ ہونے والا ہے۔ غائب تو رب اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ لیکن میرا دل مجھے انجانے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں جہاں کھڑا تھا وہیں سے واپس الطاف کی طرف مڑا۔ الطاف مجھے واپس آتا دیکھ کر حیرت سے گھورنے لگا۔

"کیا بات ہے عفان بھائی؟" الطاف نے پوچھا۔

"تم نے ناشتے میں کچھ بنایا ہے یا اندر سے منگوایا ہے کہ نہیں؟" میں نے الطاف سے پوچھا۔

"ناشتہ تو ابھی اندر سے نہیں آیا لیکن کچھ لوازمات موجود ہیں۔" الطاف نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ایسا کرو کہ چائے تیار کرو۔ جلدی سے ناشتہ کرکے آصف میلو سے ملنے جانا ہے۔" میں نے کہا تو الطاف نے بھرپور نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیا یہ بہتر رہے گا؟" الطاف نے پوچھا تو میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا کہ ایسے حالات میں جب تمہارے ہاتھوں شانتری کی ہلاکت ہوچکی ہے آصف میلو سے ملنا بہتر رہے گا۔"

"تم چنتا مت کرو الطاف ہمارا مالک ہماری مدد کرے گا۔" میں نے الطاف کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

الطاف کے ساتھ بیٹھ کر میں نے بس جو کچھ کھا سکتا تھا کھالیا۔ شانزیب صاحب نے آج لیٹ جانا تھا۔ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ انہیں ایک ضروری کام کا بتا کر الطاف اور میں دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکلے۔ گاڑی الطاف ہی چلا رہا تھا۔ ہم دونوں جس وقت آصف میلو کے ہاں پہنچے اس وقت وہ باہر اپنی گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا کافی انتظار کررہا تھا۔ ہمیں آتا دیکھ کر وہ کچھ مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"ڈرائیور کو واپس بھیج دو عفان۔" آصف میلو نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ کچھ ضروری ڈسکس کرنی ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" میں نے آصف میلو کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

میں نے الطاف کو واپس جانے کے لیے کہا تو اس نے پہلے انکار کیا لیکن پھر میں نے اسے تسلی دی کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں بہت جلد واپس آجاؤں گا۔ بڑی مشکل سے الطاف کو واپس بھیجا اور میں خود آصف میلو کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ساتھ ہی آصف میلو نے گاڑی کو گیئر میں ڈال دیا۔

"بہت اچھی ڈرائیونگ کرلیتے ہو آصف میلو۔" میں نے تعریفانہ لہجے میں کہا۔

میری بات جیسے آصف میلو نے سنی ان سنی کردی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد آصف میلو کی گاڑی اسی کوٹھی کے سامنے پہنچ چکی تھی۔ جہاں شامین اور اس کے والدین کے آسیب نے ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے قبل میں سمجھ گیا تھا کہ آصف میلو مجھے اسی آسیب زدہ حویلی میں لے کر آئے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

کچھ نامعلوم ہاتھوں نے گیٹ کھولا جو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ گیٹ کھلنے کے بعد آصف میلو گاڑی کو اندر لے گیا۔ آج ایک بار پھر میں یہ دیکھ کر گنگ رہ گیا کہ حویلی اس دن کی طرح چمک دمک رہی تھی۔ پورے راستے میں میں نے صرف ایک ہی بات محسوس کی کہ آصف میلو جس حد تک ممکن تھا مجھ سے مس ہونے سے کترا رہا تھا۔ ایک بار گیئر بدلتے ہوئے اس کا ہاتھ میرے بازو کو مس کرنے لگا لیکن اس نے گیئر چھوڑ دیا۔ میں زیرلب مسکرادیا۔ میں اس کی اس کیفیت کی وجہ سے بخوبی آشنا تھا۔ میں نے ہاتھ گود میں رکھ لیا تھا۔

ہم دونوں اکٹھے ہی حویلی میں داخل ہوئے۔ حویلی کے اندر دیدہ زیب فرنیچر، قیمتی ریشمی قالین اور پردے اس حویلی کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ حویلی آج پہلے سے بھی زیادہ سجی ہوئی تھی۔ اس کی سجاوٹ دل موہ لینے والی تھی۔

بعض اوقات انسان دنیا کی ظاہری باتوں پر خاصا غور و فکر کرتا ہے لیکن خود اپنی ذات کو وہ یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے۔ میں جن بھیانک واقعات سے گزر چکا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے کیا تھا۔ میں یکسر فراموش کیے ہوئے تھا۔ میں دل ہی دل میں خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا کہ میرے ہاتھوں شانتری ابدی نیند سو چکی ہے لیکن اس گھر کے اندر قدم رکھتے ساتھ ہی نجانے کیوں میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرے اندر قدم رکھتے ساتھ ہی سامنے سے شانتری آکر مجھ پر ہلہ بول دے گی۔ میرا دل دھک دھک دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن میں اپنی حالت آصف میلو پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے بنا کوئی بات کیے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ بوقاف اور آصف میلو شانتری کے سب سے زیادہ حمایتی ہیں۔ انہی کی وجہ سے شانتری کے اندر اتنی شکتیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ انہی کی حمایت کے بل بوتے پر ہی شانتری نے مجھے ذلیل و خوار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کر رکھا تھا۔ آصف میلو کے چہرے پر میں شانتری کی موت کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ اس قدر مطمئن تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

دو باتوں میں سے ایک بات تو لازمی تھی کہ یا تو شانتری منحوس زندہ ہے یا پھر آصف میلو کو اس کی موت کے بارے میں کوئی آشنائی نہیں ہے۔ میں دل ہی دل میں خدائے ذوالجلال کو یاد کر رہا تھا۔ میں اس منحوس گھڑی کو دیکھنے کا متمنی نہیں تھا کہ شانتری میرے سامنے آئے۔ بلکہ میں اس نوید کو سننے کے لیے بے تاب تھا کہ یہ لوگ مجھے خوشخبری سنائیں کہ شانتری

قصہ اجل ہو چکی ہے۔

آصف میلو اور میں دونوں سیدھے ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ڈرائنگ روم اس دن کی بدولت آج کچھ زیادہ ہی جگمگ کر رہا تھا۔ میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ اتنی شاندار سیٹنگ ان لوگوں نے کیسے کرلی لیکن جلد ہی ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں انسانوں کے نہیں بلکہ عفریتوں کے درمیان میں ہوں اور ان کے لیے کوئی بھی کام وقت طلب نہیں ہوتا۔ بس پلک جھپکتے میں یہ ریت کے ذروں کو تل کی شکل دینے کی شکتی کے حامل ہوتے ہیں۔

"آصف میلو میں نے اس کوٹھی کے کئی روپ دیکھے ہیں۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ساتھ ہی آصف میلو کو مخاطب کیا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"دیکھو اس کوٹھی کی خوبصورتی سے یوں لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی بہت ہی امیر کبیر فیملی رہتی ہو۔ پہلے بھی میں ایک بار تمہارے کہنے پر آیا تو اس وقت بھی یہ کوٹھی دیدہ زیب منظر پیش کر رہی تھی۔ یقین مانو اس وقت بھی میں نے اس کوٹھی کی تعریف میں کچھ کمی سے کام نہیں لیا تھا۔ لیکن پھر جب یہاں آیا تو یوں لگا جیسے کسی کھنڈر میں آگیا ہوں۔ کمال ہو تم لوگ بھی آصف میلو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہی رہتے ہو۔"

آصف میلو نے میری بات مکمل ہونے کے بعد ایک بھرپور نگاہ میرے سراپے پر ڈالی پھر نجانے کیا سوچ کر وہ زیرلب مسکرادیا اور بولا:

"لیکن اب یہ اسی روپ میں رہے گی۔ اور تمہارے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ اب یہ تمہاری ملکیت بننے جا رہی ہے۔"

آصف میلو بات کرتے کرتے تقریباً کھل اٹھا تھا۔ اس کی کھلی باچھیں انجانے خطرے سے آگاہ کر رہی تھیں۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو آصف میلو؟" میں نے بدگمان بدگماں آنکھوں سے آصف میلو کو تکتے ہوئے پوچھا۔

"آج میں نے ایک فیصلہ کیا ہے عفان!" آصف میلو گویا ہوا۔

اتنی بات کہہ کر آصف میلو چند لمحوں کے لیے چپ ہو گیا۔ میں منہ سے تو کچھ نہ بولا لیکن میری سوالیہ نگاہیں آصف میلو کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ آج شامین کو تم سے منسوب کر ہی دوں۔"

آصف میلو کی بات سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میری زندگی کا فیصلہ کرنے والا یہ کون ہوتا ہے؟ لیکن مجھے معلوم تھا کہ مجھے پرسکون رہنا ہے۔ حالات پہلے کافی دگرگوں ہیں۔ اگر اب کوئی مزید ڈسٹربنگ پیدا کی تو یہ لوگ بھی کوئی کمی نہیں برتیں گے۔ بجائے جذبات کے صبر سے کام لینے میں ہی بہتری تھی۔

"ایک بات پوچھوں آصف میلو۔" میں نے اپنی طرف بغور دیکھتے آصف میلو کو مخاطب کیا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں مسلمان ہوں اگر تم شامین کو میرے ساتھ منسلک کرنے کے روادار ہو تو لازمی امر ہے کہ شامین کو مسلمان ہونا پڑے گا۔ اب تم بتاؤ کہ شامین کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے؟"

میری بات پر پہلے تو آصف میلو چند ثانیے مضطرب ہوا لیکن جلد ہی اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا شاید وہ مجھ پر اپنے اندرونی تاثرات عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم اس بات کی چنتا مت کرو جو کچھ بھی میں کروں گا بہتر ہی کروں گا۔" آصف میلو زیرلب مسکرا کر بولا۔

قبل اس کے کہ ہم میں سے مزید کوئی گفتگو کے اس سلسلے کو طول دیتا اچانک کچھ سرسراہٹیں ہماری بازگشت سے ٹکرائیں۔ عین اسی وقت جس جگہ آصف میلو براجمان تھا۔ اس کے پیچھے سے بوقاف نمودار ہوا اس کی آمد کی خبر شاید آصف میلو کو بھی ہو چکی تھی۔ بوقاف

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

نے جھک کر آصف میلو کے کان میں کانہ پھوسی کرنا شروع کردی۔ وہ جیسے جیسے بول رہا تھا آصف میلو کی آنکھوں میں ویسے ویسے غصے کے تاثرات عیاں ہوتے جارہے تھے۔ میں سب کچھ جان چکا تھا کہ بوقاف اس سے کیا کہہ رہا تھا۔ میں آنے والے حالات کے لیے خالقِ کل کائنات سے اپنے لیے مدد طلب کرنے لگ گیا تھا۔ کیونکہ میں جان چکا تھا کہ اب حالات یک لخت سنجیدہ ہونے والے ہیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے یہ بات تو عیاں ہوگئی ہے کہ پہلے آصف میلو اس سے آشنا نہ تھا لیکن اب وہ آشنا ہو چکا ہے۔ اب اس کا اگلا قدم کیا ہوگا یہ ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا۔ تھوڑی دیر کانا پھوسی کرنے کے بعد بالآخر بوقاف جیسے آیا تھا ویسے ہی گدھے کے سر سے سینگ کے جیسے غائب ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد آصف میلو نے ہونٹ بھینچتے ہوئے غصے سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے مجھے گھورا۔

''اے مکار منش!'' آصف میلو غصے کی زیادتی کے باعث تھرتھراتی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

''بالآخر تو نے شاہین کی طرح شانتری کو بھی مار دیا ہے۔ ٹھہر اور دیکھ کہ اب میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں۔''

آصف میلو کے الفاظ ابھی اس کے منہ میں ہی تھے کہ ایک بار پھر باہر کچھ آہٹیں سنائی دینے لگے۔ آصف میلو اور میری ہم دونوں کی نگاہیں دروازے کی اور لگ گئیں۔ عین اسی وقت کسی نے زبردست ٹھوکر مار کر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور دوسرے ہی لمحے آنے والے انسان کو دیکھ کر میں گنگ رہ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں میرا ہمراز میرا جگری دوست الطاف تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آصف میلو کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''تم اور یہاں؟'' آصف میلو نے الطاف کو کھا جانے والی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں اور یہاں۔'' الطاف نے اس کے فقرے کو دہرایا۔

''جس وقت تم نے مجھے واپس جانے کے لیے کہا میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اسی وقت میں نے اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا اور اب تمہارے سامنے ہیں۔ تاکہ تمہاری تکہ بوٹی ایک کرسکیں اور تمہیں بتاسکیں کہ عفان اکیلا نہیں ہے۔ اگر تم سب مل کر اس کے خلاف چال چل سکتے ہو تو عفان کی مدد کرنے والے بھی بہت ہیں۔

تم نے صرف غور نہیں کیا تھا وگرنہ تمہارے گھر سے ہی میں نے تمہارا پیچھا کرنا شروع کردیا تھا اور جب تم عفان کو لے کر اس حویلی میں داخل ہوئے تو مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ میں باہر رک گیا اور جیسے ہی میرے دوست پہنچے ہم اندر کود آئے تاکہ اپنے دوست کی مدد کرسکیں۔''

قبل اس کے کہ الطاف یا اس کا کوئی دوست آصف میلو پر حملہ آور ہوتا اس نے ایک دم صوفے سے الٹی قلابازی کھائی اور پیچھے کی دیوار سے جا ٹکرایا دوسرے ہی لمحے وہ دیوار میں یوں ضم ہوگیا جیسے سامنے کوئی دیوار تھی ہی نہیں۔ الطاف اور اس کے ساتھی حیرت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ آصف میلو کتنا شریر اور عیار انسان ہے۔ اگر وہ اس طرح بھاگنے میں کامیاب ہوگیا تو میرے ساتھ الطاف اور اس کے ساتھیوں کی بھی شامت آجائے گی۔ وہ ایک ایک کو چن کر سزا دے گا۔

دوسرے ہی لمحے میرے دماغ کے تاریک گوشوں میں روشنی پھوٹی اور مجھے اس تہہ خانے کا خیال آیا۔ جس میں ایک بار آصف میلو اور میری ملاقات ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ شانتری بھی اس وقت موجود تھی۔ ایک حصار کے اندر بیٹھ کر وہ کوئی عمل کررہا تھا لیکن اس کے اس عمل میں میں حائل ہوگیا تھا۔

''جلدی آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے کہا تو الطاف اور اس کے ساتھی میرے پیچھے ہولیے۔

(جاری ہے)

تلاش

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

گلاب خان سولنگی-لاہور

اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی گونج سے پورا علاقہ تھرا اٹھا۔ لوگ حواس باختہ ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے خون کا دریا بہنے لگا اور پھر چشم زدن میں مجرم انجام کو پہنچا۔

قدم قدم پر.....خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی.....ایک عجیب لرزا دینے والی کہانی

وہ کسی بھی اینگل سے بھکاری نہیں لگتا تھا۔ پچاس کے قریب ہوگی لیکن وہ کسی ایڈونچر فلم کا ہیرو دکھائی دے رہا تھا۔ کیلی فورنیا شہر کے ایک مصروف بس اسٹاپ پر ایک کونے میں بیٹھا وہ شخص بڑا ہی عجیب تھا۔ شاید نابینہ تھا کیونکہ نہایت گہرا سیاہ چشمہ آنکھوں کے اوپر لگائے رکھتا تھا۔ دوسرے بھکاریوں کی طرح بول کر بھیک نہیں مانگتا تھا بلکہ اس نے اپنی مخصوص کیپ اپنے سامنے رکھی تھی اور خود خاموش جیسے گہرے سیاہ چشمے کے اندر لوگوں کو تکتا رہتا تھا یا شاید یہ میری خیال آرائی ہے۔ کئی لوگ اس کے کیپ میں رقم ڈالتے جاتے تھے۔ میں جب بھی وہاں سے گزرا اس کو ویسا ہی پایا۔ اس سے ملنے کا اشتیاق بڑھتا جارہا تھا۔

مجھے کارل واٹسن ولیم کہتے ہیں۔ میں ایک اہم ادارے کا ایجنٹ ہوں ویسے تو کافی سینئر ہوں لیکن اپنی اصول پسندی، ایمانداری اور صاف گوئی کی وجہ سے ہر دفعہ نظر انداز کردیا جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ سے کافی جونیئرز کا پروموشن ہوجاتا ہے اور میں اپنے اندر ہی اندر احتجاج کرتا رہتا ہوں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ محکمے میں میری کوئی عزت

Digitized by Google

نہیں ہے، بڑے بڑے مشکل کیس میں نے حل کیے ہیں اور عزت شہرت دونوں حاصل کی ہیں۔ دولت کی بھی کمی نہیں ہے۔ عمر کی چالیس بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ فیملی میں ایک بیوی اور بچی شامل ہے لیکن وہ لوگ دوسرے شہر میں رہتے ہیں۔ ملازمت کے دوران کافی خانہ بدوشی کا سامنا کرنا پڑا، کبھی کدھر کبھی کدھر، کبھی اس شہر کبھی اس شہر، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر اب کیلی فورنیا شہر کی سڑکوں پر بھٹکتا پھرتا ہوں۔ میں ہر وقت انڈر کور رہتا ہوں اور اب کی بار ایک بےروزگار کا روپ دھارا ہے۔ مختلف فائلیں ہاتھ میں لے کر پورے شہر کے دفتروں کے چکر لگاتا رہتا ہوں اور شام کو دفتر میں رپورٹ کرتا ہوں۔ اور پورے دن کی کارستانی سناتا ہوں۔ کبھی کبھارات کو بھی دفتر والے بلاتے ہیں۔ میرے کام کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے۔ میں بیس منزلہ فلیٹ میں سب سے اوپر والے فلیٹ میں اکیلا رہتا ہوں۔ ہمیں اپنی پہچان چھپانی پڑتی ہے سو وہاں بھی لوگ مجھے بےروزگار سمجھتے ہیں۔ یہ تھا میرا مختصر ترین تعارف، تو اب آتے ہیں اس اندھے بھکاری کی طرف جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

مسافروں کی بھیڑ جیسے ہی کم ہوئی میں سیدھا اس کے قریب آیا۔ وہ میرے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا سڑک پر گاڑیاں بدستور چل رہی تھیں لیکن بس اسٹاپ پر کوئی بھی نہیں تھا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس ڈالر کا نوٹ نکال کر اس کے ہیٹ میں ڈال دیا جو ہر وقت اس کے سامنے پڑا رہتا تھا۔

میں خاموش کھڑا رہا اور اس کے حلیے کا جائزہ لینے لگا۔ دوسرے بھکاریوں کے برعکس اس نے اچھے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔ سیاہ چشمے میں اس کی آنکھیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے اپنے ہاتھ لہرائے لیکن اس نے کوئی بھی حرکت نہیں کی۔ پتا نہیں کیوں پہلے دن سے ہی مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اندھے پن کی ایکٹنگ کررہا ہے۔

میں نے ایک اور حربہ آزمایا، گردن دائیں بائیں گھمائی اور اطمینان سے اس کے ہیٹ سے ڈالر چرانے لگا لیکن وہ اب بھی بت بنا بیٹھا رہا۔ اسے خاموش دیکھ کر میں نے دوبارہ اس کے ڈالر واپس رکھ دیے۔ ایک بس رکی اور دوبارہ لوگوں کا رش بڑھ گیا تھا۔

میں نے مزید وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے اسی بس میں سوار ہوگیا۔

"آجکل تنگ آگیا ہوں بےروزگاری سے۔" ایک بوڑھا جو میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا بار بار مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہمدردی دکھائی اور مجھے روزگار کی دعا دینے لگا۔ میں زیرلب مسکرا رہا تھا۔ کتنی عجیب اور دلچسپ زندگی ہوتی ہے ایک بےروزگار کی اور وہ بھی امریکہ میں۔ بس فراٹے بھرتی ہوئی جارہی تھی۔

☆......☆......☆

میری بیوی ویلری یونگن کا فون تھا۔ ہیلو مسٹر فل ٹائم وہ ہمیشہ مجھے اس نام سے پکارتی تھی۔ اس کے پیچھے معقول وجہ بھی تھی۔ میں فل ٹائم نوکری کی وجہ سے اپنی فیملی کو وقت نہیں دے پاتا تھا۔ "میری تو مانو گے نہیں، یہ لو اپنی بیٹی سے بات کرلو۔" اس نے فون بچی کو تھما دی۔ "ہیلو پاپا کیسے ہیں آپ؟ اور اب تو تین ماہ سے اوپر کا عرصہ ہوگیا ہے، آپ گھر کب آئیں گے؟ سوچ کر بتائیں پھر کوئی بہانا نہیں چلے گا...... پاپا اب تو میری ڈول بھی ٹوٹ گئی ہے، واپسی پر بے بی ڈول ضرور لیتے آنا اور مٹھائی بھی۔"

میں پیار سے بچوں کی طرح بولتے ہوئے "بیٹیاں پریشان نہیں ہوتے اور اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔ بہت جلد میں چھٹی لے کر آرہا ہوں اور اپنی گڑیا کے لیے بہت ساری گڑیائیں اور کھلونے بھی لے کر آؤں گا اور مٹھائی تو آپ کی پسند کی لاؤں گا۔ پھر مما کو مٹھائی نہیں کھلانا ان کے دانت خراب ہوجائیں گے۔" میری بات پر وہ خوب ہنسی اور خوش ہوگئی۔

ویلری دوبارہ لائن پر تھی۔ "اور سناؤ ڈیئر! آج کل کیا ہورہا ہے؟ محکمے والے تم سے کون سا کام لے رہے ہیں؟"

سچ پوچھو تو ہم ایجنٹ لوگ اپنے گھر والوں سے بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ کیا کریں؟ ایسا کرنا پڑتا ہے نوکری ہی حساس قسم کی ہے، ہر وقت راز کے پردے میں رہنا پڑتا ہے اسی لیے بھی میں دفتر کے معاملات گھر پر ڈسکس نہیں کرتا تھا سو اسے بھی ٹال دیا۔

"ڈارلنگ! باس کی بیوی اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہے اس لیے آجکل اسے ڈھونڈنے کی ڈیوٹی ہمیں ملی ہوئی ہے۔" میں نے خوش طبعی کی تو وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کہیں وہ آپ کے ساتھ تو نہیں بھاگی؟ میرا مطلب ہے۔۔۔" میں اس کی شرارت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"یار تم عورتیں بھی نا، ہر وقت شک کے دائرے میں رہتی ہو۔ تمہارا خاوند شریف لوگوں کی طرح گھر سے دفتر اور دفتر سے سیدھا گھر آتا ہے۔ اور اس کا ثبوت ہے میرا سیل فون جس میں باس اور بیوی کے علاوہ اور کسی کا نمبر سیو نہیں ہے اور تمہیں تو پتا ہے کہ تمہارے علاوہ اور کوئی بھی عورت میری زندگی میں نہیں ہے اور نہ ہوگی۔ ہاں کبھی کبھار دل لگی کی خاطر ساتھ والی لیڈی ایجنٹ سے صرف زبانی چھیڑ چھاڑ..." وہ بیچ میں بول پڑی۔

"دیکھو زبانی چھیڑ چھاڑ کہیں ہاتھ کی چھیڑ چھاڑ میں نہ تبدیل ہوجائے۔" اسے یوں جلتا دیکھ کر مجھے مزہ آرہا تھا۔

"ڈیئر کچھ رقم منی آرڈر کردینا۔" رقم کا سن کر میرا موڈ بدل گیا۔

"ابھی پچھلے ہفتے تو منی آرڈر بھیجا تھا۔" وہ "مہنگائی اتنی زیادہ ہوگئی ہے کیا کروں...... کبھی خود آکر گھر کا خرچہ چلاؤ تو مانوں۔" میرے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا، کافی پیتا رہا اور باتیں بھی کرتا رہا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا، گھر کے سارے کھڑکی دروازے بند کر دیے تھے۔ ہسٹری کا ایک بک اٹھایا اور گھنٹہ بھر اسٹڈی کرتا رہا۔ نیند آرہی تھی اور میں نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

آج ایک اہم میٹنگ تھی۔ دفتر کے سبھی چھوٹے بڑے ایجنٹس اپنے اپنے عہدے کے حساب سے کرسیوں پر براجمان تھے۔ وہ سارے مختلف گیٹ اپ میں تھے کوئی بھکاری، ڈاکٹر، صحافی، ڈرائیور، سویپر، نائی، موچی، سیاست دان، لیڈی سیکس ورکرز، رائیٹرز وغیرہ کے روپ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں بےروزگار بنا پھرتا تھا۔ آفیسر کے آنے پر سب کھڑے ہوگئے۔

"ساتھیو! آج سب کو یہاں بلانے کا مقصد صرف ایک ایجنڈا ہے اور وہ ہے ہیومن ٹریفکنگ (انسانی اسمگلنگ)، ہائی کمان سے بہت سخت ہدایات آئی ہیں۔ یہ کوئی گروہ ہے جو بڑے منظم طریقے سے امریکہ سمیت دوسرے یورپی اور ایشیائی ممالک سے لڑکیوں کو اغوا یا ان کی مجبوری خرید کر جسم فروشی کے اڈوں پر سپلائی کرتے ہیں۔ اور اس گھناؤنا کام میں مزید تیزی آرہی ہے۔ کچھ ہائی پروفائل کی لڑکیاں بھی غائب ہیں۔ ہمیں کھوج لگانی ہے ایسے اڈوں کی اور اڈے چلانے والے مالکان کی۔ کام بہت حساس ہے۔ ہر ایجنٹ کو اپنا اپنا ٹاسک تحریری طور پر مل جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے سرانجام دیں گے اور آخر میں یاد رہے معلومات رازدانہ ہونی چاہیے کیوں کہ راز ہی میں زندگی پنہاں ہے۔" بعد ازاں سب کو ایک ایک سیل بند لفافہ ملا۔

مجھے بھی ایک لفافہ موصول ہوا جس کے اوپر درج تھا سیکریٹ، میں نے وہ فائل میں ڈالا اور عمارت سے باہر آگیا۔ میٹنگ کافی طویل تھی۔

باہر موسم کے تیور بدل چکے تھے۔ لگتا ہے طوفانی بارش آنے والی تھی۔ آسمان کالے بادلوں سے چھا گیا تھا اور ہوا کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میں نے ایک اسٹال سے چھتری خرید لی۔ چلتے چلتے شہر کے مرکزی چوک میں پہنچ گیا۔ بارش شروع ہوگئی بڑی سخت طوفانی بارش تھی، بازار میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ ہر کوئی بارش سے بچنے کے لیے محفوظ مقام کی تلاش میں تھا۔

اچانک میری نظر سامنے چوک میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے اسی اندھے فقیر پر پڑی جو ایسی سخت بارش میں بھی چوک میں بیٹھا بھیگ رہا تھا، میں نے چھتری کھولی اور بھاگتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور چھتری اس کے اوپر کردی۔ اس کے ہیٹ میں پانی پڑ چکا تھا جس سے سارے نوٹ بھیگ چکے تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور ہیٹ بھی پکڑا۔ "ارے آپ تو مکمل بھیگ چکے ہیں، آئیں میرے ساتھ۔" میں اسے سہارا دے کر ایک شاپنگ مال کے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

برآمدے میں لے کر آگیا۔ اس نے سیاہ چشمہ پہن رکھا تھا۔ اب ہم بارش سے محفوظ تھے۔ برابر میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ میں نے اس کو ساتھ لیا اور ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ ہوٹل آدھا بھرا ہوا تھا اور کافی کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے کرسی پر اسے بٹھایا اور خود بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ویٹر آیا تو اسے میں نے دو آدمیوں کے کھانے کا آرڈر دیا۔

باہر بارش اب بھی جاری تھی۔ وہ پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوا "تم مرد ہو یا عورت جو بھی ہو، آپ کا بہت شکریہ جو ایک نابینہ فقیر کی اتنی مدد کی۔" اس کی آواز میں عجیب کرب تھا۔

"مجھے کارل واٹسن ولیم کہتے ہیں۔ میں ایک بے روزگار ہوں اور نوکری کی تلاش میں ہوں۔ آپ کو پہلے بس اسٹاپ پر دیکھا تھا اور اب یہاں؟" وہ زیرِ لب مسکرایا "دوست! فقیروں کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ کبھی کسی گلی کبھی کسی نگر۔ لیکن آج کل کے جدید دور میں بغیر مقصد کے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ آپ پہلے فرد ہو جس نے اس طرح میری مدد کی ہے۔ اس کے لیے ایک مرتبہ پھر آپ کا بہت شکریہ۔"

کھانا آگیا تھا۔ کھانے کے دوران میں نے ایک بات ضرور نوٹ کی۔ وہ کھانا اس طرح کھا رہا تھا جس طرح کوئی دیکھ کر کھانا کھاتا ہے۔ کھانے کی پلیٹوں کے ساتھ پڑی سلاد کی پلیٹ پر بار بار اس کا ہاتھ جا رہا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کی خاطر سلاد کی پلیٹ اٹھا کر دوسری طرف رکھ دی۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ وہ دوسری طرف سے بھی سلاد اٹھا کر کھا رہا ہے۔

اسے کیسے پتہ چلا کہ میں نے سلاد دوسری طرف رکھ دی ہے۔ خیر لوگ دیکھ رہے تھے اور میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ "لگتا ہے آپ کافی دنوں کے بھوکے ہیں۔" میرے سوال پر اس نے پہلے تو میرا شکریہ ادا کیا اور پھر مجھ سے ہی سوال کر ڈالا۔ "دوست اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

میں کافی دیر تک جواب سوچتا رہا۔ "کچھ کام بغیر مطلب کے ہوتے ہیں۔"

وہ بولا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

میں نے سمجھانے والے انداز میں بولا "ایک باغبان پودے لگاتا ہے اور پوری زندگی ان پودوں کی خدمت کرتا ہے، انہیں پانی دیتا ہے، اور جب ان پودوں پر پھل نکل آتا ہے تو باغبان وہ پھل کھانے تک زندہ نہیں رہتا، لیکن اس کے بچے ضرور وہ پھل کھاتے ہیں، تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ باغبان نے وہ پودے بغیر مقصد کے لگائے؟" میری فلسفیانہ باتیں سن کر وہ خاموش ہوگیا۔ بارش بدستور جاری تھی۔

طویل خاموشی کے بعد اس نے سیاہ چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ میرا اندازہ درست تھا اس کی آنکھیں نارمل انسان کی طرح تھیں، مجھے حیرت زدہ دیکھ کر وہ سامنے پڑا گلاس اٹھا کر پانی پینے لگا۔ پانی پی کر گلاس ایک طرف رکھ دیا اور ویٹر کو آواز دی "دو کافی پلیز" ویٹر کافی لینے چلا گیا۔

مسٹر کارل واٹسن ولیم! بہت پہلے میں نے کہاوت سنی تھی کہ اپنے محسن سے جھوٹ نہیں بولتے، سچی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں اور یہ بھی سچ ہے کہ آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ ایک رحم دل اور ہمدرد انسان ہیں۔ میرے خیال میں یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ باقی باتیں آپ کے فلیٹ میں کرتے ہیں۔ اور یہ چشمہ تو میں شوقیہ پہنتا ہوں۔"

یہ میری زندگی کا انوکھا ترین واقعہ تھا ایک ہی پل میں کوئی اندھا یکسر دیکھ پائے۔ لیکن جو کچھ بھی تھا وہ کمال کا آدمی تھا۔ اس کی صاف گوئی مجھے بے حد پسند آئی ورنہ امریکہ جیسے معاشرے میں اپنے مفاد کی خاطر جھوٹ بولنا تو کلچر بن گیا تھا۔ سب سے زیادہ جھوٹ تو ہم سراغ رساں بولتے ہیں۔ میں نے بل ادا کیا اور اسے ساتھ لے کر اپنے فلیٹ میں آگیا۔

بارش رک چکی تھی، میں نے بجلی کی انگیٹھی جلائی، ہم دونوں کرسیوں پر براجمان ہوگئے۔ اب تک مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ کل تک نظر آنے والا ایک اندھا بھکاری

Digitized by Google

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

اب سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور وہ میرے سامنے بیٹھا ہے، بالکل کسی خواب کی مانند کسی ہالی ووڈ جاسوسی فلم کی طرح۔ اس بھکاری کا کردار میری آنکھوں کے سامنے تھا اور میں ہنوز حیرت زدہ اسے تک رہا تھا۔

سردی میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا۔ اس نے میری کیفیت جان لی۔ "میرے دوست! ویسے تو میری کہانی طویل ہے مگر میں مختصراً بیان کروں گا......" میرا نام اسٹیفن کنگ ہے اور میں کیلی فورنیا کے جنگلات میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میری بھی آپ کی طرح ایک بیوی اور بیٹی تھی۔ میری بیٹی ایجنسی میڈ کالج میں پڑھتی تھی جبکہ میری بیوی شیلی زولا ایک گھریلو خاتون تھی۔ میں ان سے بے حد پیار کرتا تھا۔ میں امریکی آرمی میں میجر کے رینک پر فائز تھا۔ ان دنوں میری نئی نئی پروموشن ہوئی تھی ہم ایک مہم پر فائز تھے۔ چند دہشت گرد ایک مقامی گھر میں جا چھپے تھے۔ وہ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ انہوں نے بچوں اور عورتوں کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ پہلے انفرادی طور پر ہم نے انہیں پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ خطرناک ترین دہشت گرد تھے ان کی فائرنگ سے ہمارے چند اہلکار مارے گئے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔

آخرکار ایک سینئر آفیسر نے مجھے آرڈر دیا کہ "پورے مکان کو گرنیڈ سے اڑا دو۔" یہ آرڈر میرے لیے تکلیف دہ تھا کیوں کہ اس طرح وہ معصوم بچے اور عورتیں بھی ماری جائیں گی۔ میں نے اپنے سینئر آفیسر سے کافی بحث کیا کہ ہم کوئی اور طریقہ اپناتے ہیں لیکن اس نے انکار کر دیا۔ مجھے اپنے بچوں کی طرح سارے بچے عزیز تھے۔ میں نے اس کا آرڈر نہیں مانا اور سائیڈ پر ہو گیا۔ وہ باز نہیں آیا اور اپنے ماتحتوں کو آرڈر دیا کہ پورے گھر کو اڑا دو۔ دھماکے سے پورا گھر زمین بوس ہوگیا اور سب کچھ جل کر خاک ہوگیا۔

میرے آفیسر نے مجھے معاف کر دیا لیکن میرے ضمیر نے مجھے معاف نہیں کیا۔ ایک بوجھ تھا دل پر جو اتار دیا اور میں ریزائین دے کر واپس اپنے گاؤں آگیا۔ میرے فیصلے پر میری بیوی نے بھرپور ساتھ دیا۔ میری بیٹی جوان ہو چکی تھی اور ہم اس کا رشتہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک دن اس نے انکشاف کیا کہ وہ کالج کے کسی لڑکے کو پسند کرتی ہے اور شادی کرے گی تو صرف اس سے۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ ہمیں سنا دیا تھا۔

فی الحال تو ہم خاموش ہوگئے لیکن میں لڑکے کی نگرانی کرتا رہا۔ اب تک جو مجھے اس کے بارے میں پتا چلا تھا اس کے مطابق وہ شمر کیلی فورنیا سے یہاں کالج میں داخلہ لے رکھا تھا۔ وہ اکیلا رہتا تھا۔ اس کا نام کرسٹوفر تھا۔ ہماری خاموشی دیکھ کر میری بیٹی کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ اس رشتے کے لیے ہم راضی ہوگئے ہیں۔

ایک دن میں نے اپنی بیٹی سے کرسٹوفر کی فوٹو لانے کو کہا۔ وہ کالج سے واپسی پر اس کی تصویر بھی ساتھ لائی تھی۔ اس نے تصویر مجھے تھما دی "آئی ہوپ پاپا آپ کو بھی کرسٹوفر پسند آئے گا۔" میں تصویر کو کافی غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا نوجوان تھا جس کی آنکھوں سے عیاری صاف ظاہر تھی اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ میری بیوی کو بھی وہ تصویر پسند نہیں آئی۔ میں نے وہ تصویر اپنی الماری میں سنبھال کر رکھ دی۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا، ایک دن میں کسی ضروری کام سے نیویارک سٹی آگیا۔ وہاں کچھ دن قیام کے دوران ایک رات فون پر قیامت خیز اطلاع ملی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ فون پر مجھے گاؤں سے اطلاع ملی کہ "آپ جلدی واپس آجائیے! آپ کی بیٹی کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور آپ کی بیوی شدید زخمی حالت میں اسپتال میں پڑی ہے۔"

مسٹر کارل واٹسن ولیم! کاش کسی بھی انسان کو ایسا صدمہ نہ ملے۔ میرا بس چلتا تو اڑ کر کیلی فورنیا اپنے گاؤں پہنچتا۔ میں صدمے میں نڈھال بدحواسی کے عالم میں ایئر پورٹ پہنچا اور پہلا کیلی فورنیا کا ہوائی جہاز مل ہی گیا۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے میں اپنے گھر میں موجود تھا۔ بیٹی کی لاش سامنے تھی۔ پولیس آفیسر نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق آپ کی بیٹی کو زیادتی کے بعد گلا دبا کر قتل کیا گیا ہے۔ مجھ

سے اب وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

میں بھاگا اور مقامی اسپتال کا رخ کیا جہاں میری بیوی زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی۔ میرے پہنچنے پر اس کو ہوش آچکا تھا، ڈاکٹر نے ملاقات کی اجازت دی۔

میں اندر داخل ہوا جہاں زخموں سے چور میری بیوی بیڈ پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ آبدیدہ ہوگئی۔ "سوری ڈیئر میں تمہاری بیٹی کو نہیں بچا سکی۔ اس درندے نے ہمیں گھر میں اکیلا پا کر رات کی تاریکی میں دھاوا بول دیا۔ پہلے مجھے شدید زخمی کیا اور پھر ہماری بیٹی کو اندر کمرے میں بند کر کے زیادتی کر کے مار دیا۔ میں چیختے چلاتے بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو خود کو یہاں اسپتال میں پایا۔"

میں نے اس کے آنسو پونچھے جبکہ خود بھی آبدیدہ تھا، میں نے اس سے ایک ہی سوال پوچھا۔ "کون تھا وہ؟"

اس نے جواب دیا کرسٹوفر۔ یہ کہتے ہی اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی اور وہ بھی مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔ اب اس بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں تھا۔ میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف کرسٹوفر کو تلاش کرنا تھا۔ اور اسی طرح وہ دن اور آج کا دن در در گلی گلی شہر شہر اس کو تلاش کرتا رہا۔ جانے کتنے روپ بدلے۔ کتنے دھکے کھائے لیکن کرسٹوفر نہیں ملا۔ اندھے بھکاری کا روپ بدل کر ہر بس اسٹاپ، پبلک پلیس پر ڈیرہ جمایا لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔

اس دن پہلی مرتبہ آپ مجھے غور سے دیکھ رہے تھے تبھی میں سمجھ گیا تھا کہ آپ میری جاسوسی کر رہے ہیں۔ معاف کرنا دوست تھوڑی جاسوسی ہم نے بھی کی اور اپنا ایک آدمی آپ کے پیچھے لگا دیا۔ بس یوں سمجھو ایک جاسوس کی جاسوسی ہو رہی تھی۔ جب مجھے پتا چلا کہ آپ سرکاری ایجنٹ ہیں تب میں تھوڑا محتاط ہوگیا اور اپنا ٹھکانا بدل ڈالا لیکن میرے دوست آپ نے نئی جگہ بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا..... شاید قدرت والا آپ سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے جو یوں بار بار ہمیں ملاتا ہے۔"

اس کی کہانی ختم ہو چکی تھی اور میرے آنسو شروع ہوگئے تھے۔ اس کی درد بھری کہانی سن کر میں رو پڑا۔ اس کے کندھے تھپکاتے ہوئے کہا۔ میرا یہ وعدہ رہا آخری سانس تک تمہاری مدد کروں گا اور دشمن کی تلاش میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اب یہ جنگ ہماری ہے۔ وہ کافی خوش ہوا۔ تھوڑے توقف کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ "کرسٹوفر کی تصویر اب بھی اس کے پاس ہے کیا؟" اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے کرسٹوفر کی تصویر نکالی اور مجھے تھمادی۔

میں نے جونہی تصویر پر نظر ڈالی تو حیرت کا شدید جھٹکا مجھے لگا۔ میں بے اختیار بول پڑا۔ "اس کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔"

پھر تو اسٹیفن کنگ کی حالت دیدنی تھی وہ میرے پاؤں میں گر گیا فار گاڈ سیک مجھے اس کا پتہ بتادو، میں پوری زندگی تمہارے پاؤں دھو کر پیوں گا..... میں تمہیں دولت سے مالا مال کردوں گا.....!" وہ بولتا گیا۔

مجھے اس کی بے چینی دیکھی نہیں جا رہی تھی، وہ شدید اضطرابی حالت میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے کرسٹوفر کو کہاں دیکھا تھا۔ مسئلہ تو یہی تھا کہ مجھے یاد نہیں آرہا تھا۔ اپنے ذہن پر زور دیتا رہا مگر مجھے یاد کیوں نہیں آرہا تھا۔

"ٹھہرو مجھے کچھ سوچنے دو۔" وہ خاموش لیکن اندر ہی اندر وہ کسی لاوے کی طرح پک رہا تھا کسی آتش فشاں پہاڑ کی طرح۔ میں بار بار تصویر کو دیکھ رہا تھا..... ادھر ادھر ٹہل رہا تھا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا کہاں دیکھا ہے..... کہاں دیکھا ہے۔ کافی دیر آنکھیں موندے سوچتا رہا۔

"یاد آگیا، ہاں مجھے سب کچھ یاد آگیا۔" میں نے آنکھیں کھول لیں۔

میری آنکھوں کی چمک اور لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر پہلی مرتبہ اسٹیفن کنگ کو اتنا خوش اور مسرور دیکھا تھا۔ "تم عظیم آدمی ہو، بتاؤ اس درندے کو کہاں دیکھا۔"

"جیل میں" میرا جواب سن کر وہ حیرت میں پڑ گیا۔

"کیا کہا..... جیل میں، مگر کس جیل میں؟ کس جرم میں؟" "وہ تو مجھے پتا نہیں مگر یہ مجھے کیلی فورنیا سٹی کے جیل میں قید ملا تھا۔ میں وہاں کسی سرکاری کام سے گیا تھا۔" اس نے میرا بازو پکڑا "آؤ میرے ساتھ۔" آدھی رات کا وقت تھا، ہم دونوں نے ٹیکسی لی اور سیدھا سینٹرل جیل کی

طرف روانہ ہوگئے۔

جیلر مجھے جانتا تھا۔ میں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اس نے تصویر لے کر کہا۔ "صحیح موقع پر آئے ہو۔ کل کرسٹوفر رہا ہو رہا ہے، وہ کسی معمولی مقدمے میں اندر آیا تھا۔ جیل کے باہر جو چاہو اس کے ساتھ کرو مگر جیل کے اندر میری ذمہ داری ہے۔ میں آپ کی اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ اس کی رہائی کا صحیح وقت آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی وہ کل ٹھیک 9 بجے رہا ہو رہا ہے۔"

اسٹیفن کنگ نے بڑی مشکل سے خود کو کنٹرول کیا ہوا تھا، اس کا بس چلتا تو جیل توڑ کر اس درندے کا کام تمام کرتا مگر میرے سمجھانے پر وہ خاموش رہا وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا اور تاؤ پیچ کھا رہا تھا۔ جیلر میرا پرانا واقف کار تھا اس نے اتنی مدد کی اور ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جیل سے باہر آگئے۔

جدھر اتنا انتظار کیا ہے وہاں صرف آج کی رات ہم صبر کرتے ہیں۔ اسٹیفن کنگ کے بے حد اسرار پر میں اس بات پر راضی ہوا کہ ہم گھر نہیں جا رہے بلکہ یہیں کہیں بیٹھ کر بقیہ رات گزاریں گے اور صبح ہونے کا انتظار کریں گے۔

سامنے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک بینچ پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ وہاں سے سینٹرل جیل کا مرکزی دروازہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ہم پلان بنا رہے تھے کہ کس طرح کرسٹوفر کا پیچھا کیا جائے۔ میں نے اپنے ایک دوست جو ٹیکسی ڈرائیور تھا، فون کیا اور صبح 8 بجے یہاں آنے کو کہا۔ بقیہ رات باہمی منصوبہ بندی میں گزری۔

مجھے اونگھ آگئی تھی لیکن اسٹیفن بدستور جاگ رہا تھا۔ مجھے اس کی حالت کا اندازہ تھا۔ کل والا لفافہ میں اپنی جیب میں رکھ کر بھول گیا تھا۔ میں نے فوراً لفافہ کھولا اندر درج تھا۔ "گھائل شیر جنگل کو چلا" یہ ایک کوڈ ورڈ تھا جو صرف سراغ رساں ہی سمجھ سکتا ہے۔ آپ کو بھی اس کا مطلب بتا دیتا ہوں۔

کیا یاد کرو گے قارئین۔ اس کوڈ ورڈ کا مطلب ہے کہ "اب میں خطرناک غنڈے کے روپ میں نوکری کروں گا اور یہاں جنگل کا مطلب شہر ہے۔ میں اپنا ٹاسک سمجھ گیا تھا۔ نیچے مزید لکھا تھا کہ خطرے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کرنا ہے اور اس کا کوڈ ہے "اس وقت ملک کا صدر کیا کر رہا ہے۔"

دوسری طرف سے اگر یہ جواب ملے کہ "باتھ روم گیا ہے۔" تب آپ نے اس سے مدد طلب کرنی ہے، وہ آپ کو ہر چیز دے گا۔"

آخر میں ادارے کے چیف کے دستخط تھے۔ "کیا لکھا ہے لفافے میں؟" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "لاٹری لگ گئی ہے۔" اس کا تجسس اور بڑھ گیا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ "دوست! کافی خطرناک مشن ہے۔ سمجھو کہ ہتھیاروں اور گاڑی کا بندوبست ہوگیا۔"

بعد ازاں میں نے اسے سب سمجھا دیا۔ میں نے موبائل پر وہی نمبر ملایا دوسری طرف سے بھاری بھرکم آواز میں جواب موصول ہوا "کون؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اس وقت ملک کا صدر کیا کر رہا ہے؟"

"باتھ روم گیا ہے۔" کوڈ ورڈ درست تھا، میں نے اس سے مطلب کی بات اور فون رکھ دیا۔ اسٹیفن کنگ خاموشی سے سب سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد ایک لال کلر کی کار آکر ہمارے پاس رکی۔ ڈرائیور کے ساتھ والا دروازہ کھلا۔ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آدمی مجھے گاڑی کی چابی دے کر کار سے اترا اور ایک طرف کو چلا گیا۔ کار کی چابی میرے ہاتھ میں تھی کار کے شیشے سیاہ رنگ کے تھے اور باہر سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اسٹیفن کو آواز دی۔ وہ بھی سائیڈ والی سیٹ پر آبیٹھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر جدید سے جدید ہتھیار اور گولہ بارود دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ "کیا بات ہے، دوست، بھئی ماننا پڑے گا تمہارے محکمے کو مگر میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہو اور نوکری الگ سے۔ کیا اب بھی دنیا میں تم جیسے لوگ موجود ہیں؟" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا۔ "صرف انسانیت کی خاطر۔"

کرسٹوفر جس کار میں سوار تھا وہ اب شہر کی حدود سے باہر نکل چکی تھی۔ ہماری کار برابر اس کے تعاقب میں تھی۔ میں نے جان بوجھ کر کار کا فاصلہ کچھ زیادہ رکھا تھا تاکہ ان

URDU TUBE OF ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

لوگوں کو شک نہ ہو کہ کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ کافی طویل ڈرائیونگ کی تھی لیکن اسٹیفن کنگ کا جذبہ دیکھ کر ذرا بھر بھی تھکن کا احساس نہیں ہوا۔ اب شام کے سائے بڑھ گئے تھے۔ اسٹیفن اور میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے اور پلان بھی بناتے جا رہے تھے۔ ہماری کاریں پکی سڑک سے ہٹ کر کیلی فورنیا کے جنگلات میں داخل ہو چکی تھیں۔ جنگل کے کچے راستے سے ہماری کار برابر اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ بڑا شاطر مجرم تھا کرسٹوفر، اپنے جرم کی داستان جنگل میں رقم کر رہا تھا۔ میں نے کار کو اچانک بریک لگائی۔ ہمارے سامنے ایک محل نما بنگلہ تھا جو کہ جنگل کے بیچوں بیچ تعمیر کیا گیا تھا۔ کرسٹوفر کی کار بنگلے میں داخل ہو گئی۔

ہم نے کار کو گہری جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ ہم نے اردگرد ماحول کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا ایک سفید کلر کی کار میں کچھ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ ان کے ہمراہ دو مسلح افراد بھی تھے وہ کار بھی اس بنگلے کے اندر داخل ہو گئی۔

میرا سراغ رساں ذہن چیخ چیخ کے کہہ رہا تھا کہ باس کی بات ٹھیک تھی۔ انسانی اسمگلر پورے ملک سے لڑکیاں جمع کر کے بدکاری کے اڈوں پر بیچتے ہیں اور آج ان کا اڈہ دیکھ بھی لیا۔ ”تو کرسٹوفر ہی اس گینگ کا سرغنہ ہے۔“ اسٹیفن نے میری بات کی تائید کی۔ اگر میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو اس کی اطلاع کر دوں گا تو وہ چھاپہ مار کر کرسٹوفر کو زندہ پکڑ لے گی اور وہ پیسے دے کر کچھ ہی عرصے میں جیل سے باہر ہو گا۔ اس طرح اسٹیفن کنگ کا بدلہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اگر یہ واقعہ یہ میری بیوی بچی کے ساتھ پیش آتا تو کیا میں.....؟“

ہم دونوں ہتھیار چلانے کے ماسٹر تھے۔ اسٹیفن نے ایک مشین گن اپنے کندھے پر رکھی اور گولیوں کا لمبا پٹا اپنے دوسرے کندھے پر لٹکا لیا۔ میں نے بھی پسٹل اور گرنیڈ سمیت چھوٹے موٹے ہتھیار لیے۔ مغرب ہو گئی تھی ہم نے تھوڑا توقف کیا تاکہ رات کے اندھیرے میں دشمن بے خوف ہو جائے اور ان پر سستی چھا جائے۔ گیٹ پر دو مسلح افراد پہرہ دے رہے تھے۔ رات کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔ اندر بنگلے میں رقص و موسیقی جاری تھی۔ شراب کے دور چل رہے تھے۔ اسٹیفن نے کہا میرے دوست حملے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں آپ کو کور کروں گا۔ آپ میرے پیچھے رہنا۔ یہ کہتے ہی اس نے اپنی مرحوم بیوی اور بیٹی کا نام لیا اور آگے بڑھ کر مشین گن کا فائر کھول دیا۔

باہر کھڑے دونوں مسلح افراد بنگلے کی بیرونی دیواروں کے ساتھ لگ کر نمودار ہوئے، میں نے بھی پسٹل کی گولیوں سے نشانہ لیا۔ تھوڑے مقابلے کے بعد چاروں افراد مارے گئے۔ اسٹیفن نے بیرونی دروازے کو لات ماری جس سے وہ کھل گیا۔ اندر عجیب منظر تھا، جگہ جگہ کرسٹوفر کے غنڈے کھڑے تھے، ہم نے اندر داخل ہوتے ہی فوراً آڑے ہاتھ لیا۔ میں نے سرعت سے گرنیڈ پھینکا جس کے دھماکے سے بنگلے کی در و دیوار تک ہل گئی اور کرسٹوفر کے چیلوں کے چیتھڑے اڑ گئے دائیں بائیں بکھر گئے۔ اسٹیفن کھڑا ہو گیا اور مشین گن سے گولیوں کی بارش کر دی۔ دائیں بائیں چھپے ہوئے غنڈے چیخنے لگے۔ میں بھی ادھر ادھر گولیاں چلا رہا تھا۔ ہمارا رستہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔

ہم دونوں اندر کمرے میں داخل ہو گئے جہاں تھوڑی دیر تک کرسٹوفر کے باڈی گارڈز سے مڈبھیڑ ہوئی اور ان کا کام تمام کر کے ہم نے آخر کار کرسٹوفر کو ڈھونڈ ہی نکالا جو ایک ٹیبل کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اسٹیفن نے اس کو کالر سے پکڑ کر باہر نکالا۔ وہ شدید خوف زدہ تھا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا موت اس کے سر پر تھی۔

اسٹیفن کنگ نے وقت ضائع نہیں کیا اور اسے اپنی بیوی اور بیٹی کا نام بتا کر اپنا تعارف کرایا..... ”کرسٹوفر“۔

اور پھر اسٹیفن نے کرسٹوفر پر مشین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کافی دیر تک اسٹیفن گولیاں چلاتا رہا۔ ”بس میرے دوست تمہارا بدلہ پورا ہو گیا۔“

بنگلے سے اغوا کی گئی کافی ساری لڑکیاں بھی برآمد ہوئیں۔ بعد ازاں سرکار نے خوش ہو کر میرے کارنامے پر رکی ہوئی پروموشن بھی کر دی۔

کالا عمل

فاطمہ خان۔ علی پور مظفر گڑھ

رات کے گھٹاپ ٹوپ اندھیرے میں ایک عجیب الخلقت مخلوق دندناتی پھر رہی تھی اور اس کی خرخراتی ہوئی آوازیں لوگوں کے دلوں پر دہشت پیدا کر رہی تھیں

دل و دماغ پر لرزہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی خوفناک، وحشت ناک، دہشت ناک کہانی

ان دنوں اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ ”ڈر“ میں کہانی لکھنے کے لئے موضوع کی تلاش میں تھی کہ ذہن میں بات آئی کیوں ناں حقیقی زندگی سے جڑے ہوئے چند حقیقی واقعات کو صفحہ قرطاس پر اتاروں ”ڈر“ سے وابستگی کچھ یوں ہی نہیں بلکہ حقیقی زندگی سے وابستہ کچھ ایسے واقعات ہیں جو اس ڈائجسٹ کی جانب مجھے کھینچ لاتے ہیں۔

جی ہاں بالکل حقیقی واقعات جن کو جب بھی دہرایا جائے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے ہی نانوں اور آنٹیوں کے ساتھ بیٹھی تھی کہ ان دیکھی مخلوق کے بارے میں باتیں ہونے لگیں، جس پر نانوں کہنے لگیں کہ ”رب کی یہ مخلوق تو ہر جگہ پر ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں انسانوں کو تنگ کرتی ہیں، تو کہیں خاموشی سے رہ رہی ہیں۔“ پھر وہ کہنے لگیں، کہ ”پرانے وقتوں میں جب ہم سب چھوٹے ہوتے تھے تو ہمارے

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

گھر ایک بوڑھی خاتون آیا کرتی تھی، اس کے بارے میں سنا تھا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گزر بسر کرتی تھی۔ مگر پھر اس کے ساتھ کچھ ایسا حادثہ پیش آیا کہ پاگل سی ہو گئی اور لوگ اس پر ترس کھا کر اسے خیرات دینے لگے۔

اس نے خود ہی بتایا کہ وہ ایک نہر کے پاس سے گزر رہی تھی کہ ایک بچے کو کیچڑ میں کھیلتے ہوئے دیکھا تو اس نے جا کر بچے کو اٹھا لیا اور اسے نہلانے لگی مگر وہ بچہ انسانی بچہ نہیں تھا بلکہ جنات کا بچہ تھا۔ آہستہ آہستہ خوفناک ہوتا گیا جس پر اس نے بچے کو چھوڑ دیا اور بھاگ کھڑی ہوئی۔

اس واقعے کے بعد وہ جب بھی کسی کے گھر جاتی تو غسل خانے میں گھس جاتی اور صابن سے ہاتھ دھوتے ہوئے با آواز بلند "کلمہ طیبہ" کا ورد کرتی، اتنی دیر تک ہاتھ دھوتی کہ صابن ختم ہو جاتا، مگر اسے ہوش نہ رہتا کیونکہ اس واقعہ نے اس کے ذہن پر بہت برا اثر چھوڑا تھا اور وہ سمجھنے لگی تھی کہ اس کے ہاتھ ناپاک ہو چکے ہیں۔"

صرف اتنا ہی نہیں نانوں یہ بھی بتا گئیں کہ شادی کے بعد وہ جس گھر میں رہتی تھیں اس کے ساتھ ہی ایک باغ تھا جو کہ آسیبی باغ مشہور تھا۔ باغ کے ساتھ والے کمرے میں ایک نلکا ہوا کرتا تھا۔ وہ جب بھی سوتیں تو رات کے پچھلے پہر ایسی آواز آتی جیسے کوئی نلکا چلا رہا ہو کہنے لگیں کہ "ایک رات تو میں دیکھتی ہی رہی کہ اس کمرے سے کوئی تو باہر آئے گا جو نلکا چلا رہا ہے مگر فجر کا وقت ہو گیا اور کوئی باہر نہ آیا اور فجر کے وقت ہی نلکا چلانے کی آواز بند ہوئی۔"

وہ مزید بتانے لگیں کہ "اس دور میں سب گھر سے باہر چارپائیاں بچھا کر گھر کے صحن میں ہی سویا کرتے تھے اس گھر میں بہت کچھ عجیب تھا کہ رات کو اکثر صحن سے بہت سارے لوگوں کے چلنے کی آوازیں آیا کرتی تھیں جیسے کوئی قافلہ جانوروں سمیت جا رہا ہو اور یہ آوازیں بھی باغ والی سائیڈ پر جا کر دور کہیں غائب ہوتی محسوس ہوتی تھیں۔"

واقعات کا یہ لامتناہی سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ایسے بے شمار واقعات اور ہیں جو انسان کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں۔

نانوں جان بتانے لگیں کہ "اس گھر میں جنات کا بسیرا تھا یہ بات وہ مکمل طور پر جان چکی تھیں اکثر جب گھر والے رات کو سوتے اور صبح بیدار ہوتے تو ان کی جوتیاں خون سے تر ہوتیں جو ایک لمحہ کے لئے تو ذہن کو چونکا دیتیں اور ہم سب خوف سے تھر تھر کانپنے لگتے، آیا یہ اتنا سارا خون کہاں سے آیا۔"

نانوں نے بتایا کہ "ایک رات تو ان کو محسوس ہوا کہ ان کے سرہانے کوئی کھڑا ہے۔ گردن اٹھا کر دیکھا تو چاند کی چودھویں کی روشنی میں مٹی کا ایک مبہم سا مجسمہ نظر آیا۔ جس کے نقوش تک واضح نہ تھے پھر میں نے آنکھوں کو مسل کر دوبارہ دیکھا تو کوئی نہ تھا۔"

خوفناک واقعات کا اختتام یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ میرے ابو جان کی زندگی سے بھی ایسے کئی واقعات جڑے ہوئے ہیں۔ ایک دن بتانے لگے کہ "ہم سب یعنی میں آپ کے ماموں اور چاچو زمینوں والی سائیڈ پر نکل پڑے، وہاں پہنچ کر کھانا کھایا، رات ہو چکی تھی ہم نے مزارعوں کے گھر سے چارپائیاں اٹھوائیں اور کھلے آسمان تلے ڈال کر سب سو گئے۔

(میرے ابو جان سگریٹ پینے کے بہت شوقین ہیں) اور میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لی، ماچس کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اندھیرے میں ایک جلتی ہوئی ماچس کی تیلی عین میرے سامنے آ گئی۔ (انسان چاہے جتنا بھی دلیر کیوں نہ ہو مگر ایسے دل دہلا دینے والے واقعات کسی کو بھی ہلا سکتے ہیں۔)

یہ دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے میرا دماغ ماؤف ہو گیا مگر دوسرے ہی لمحے میں نے آیت الکرسی کا ورد کرنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سگریٹ کے آگے سے جلتی ہوئی ماچس کی تیلی غائب ہو گئی۔"

ابو جان نے مزید بتایا کہ "ایک اور رات کی بات ہے کہ ہم زمینوں پر ہی تھے، رات کا وقت تھا اور سب سو رہے تھے کہ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی آدم خور میری چارپائی کے گرد تیزی سے چکر کاٹ رہا ہے، میں اُٹھ بیٹھا اور آیت الکرسی کا ورد کرنے لگا مگر ساری رات نیند نہ آئی۔"

ایک مرتبہ تو یوں ہوا کہ زمینوں سے واپسی پر ہم سب تانگے میں آ رہے تھے۔ راستے میں ایک قبرستان پڑتا تھا۔ چاند کی چودھویں تھی، میں نے دیکھا کہ ایک قبر کے قریب تین آدمی سفید لباس میں رکوع کی سی حالت میں ہیں۔ میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی تھا جو میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور یہ سب وہ بھی دیکھ چکا تھا۔ میرے پاس ہی ٹارچ پڑی تھی میں نے ٹارچ اٹھائی اور جلانے ہی والا تھا کہ دوست نے ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ آواز میں بولا۔ "نہ خان یہ کچھ اور چیز ہے آج ٹارچ چلا دیتے تو ضرور بدک جاتا اور ہم سب نیچے ہوتے۔" دوست نے مجھے غلطی کرنے سے تو روک دیا۔

مگر اگلی صبح نہ جانے کیوں میں شدید بخار میں تپنے لگا شاید اسی واقعہ کا ہی اثر تھا۔

کالا جادو (Black Magic) کا تو آپ سب نے نام سنا ہی ہوگا، ہماری فیملی میں ہم سب بخوبی آگاہ ہیں اس سے، اور رب ذوالجلال کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس گندی چیز سے ہمیں بچا لیا ورنہ ہم کافی عرصہ تک اس سے نبرد آزما رہے۔ زیادہ تو یاد نہیں مگر ماضی کے پردے پر چند مبہم سی یادیں ابھی تک تازہ ہیں۔

میں چھوٹی تھی جب ہم لوگ نئے گھر میں شفٹ ہوئے شروع شروع میں تو سب ٹھیک رہا مگر پھر آہستہ آہستہ پریشانیاں پیدا ہونے لگیں۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک روز گھر کی دیوار پر سفید رنگ کا ایک کبوتر آ بیٹھا جو بار بار پنجہ مار کر اپنی چونچ سے کچھ نکالنے کی کوشش کرتا امی جان نے یہ سب دیکھا تو ابو جان کو بلا لائیں وہ گئے اور مولوی صاحب کو ساتھ لے آئے۔

کبوتر کو دیوار سے اتارا گیا دیکھا گیا تو اس کے چونچ میں تعویذ پھنسا تھا مولوی صاحب نے پوچھا کہ خان صاحب آپ کی اہلیہ کا نام کیا ہے ابو جان نے نام بتایا تو کہنے لگے آپ کی اہلیہ کے نام کے حروف لکھے ہیں اور ان کے نام کا تعویذ ہے۔"

اس واقعہ کے بعد امی جان کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہر جگہ سے علاج کروایا مگر بے سود یہاں تک کہ بات آپریشن تک پہنچ گئی اور آپریشن کروایا گیا پھر بھی امی جان کی طبیعت میں زیادہ بہتری نہ آ سکی۔ خیر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق کافی تگ و دو، اور بھاگ دوڑ کے بعد ایک اللہ والے مل ہی گئے۔ ان سے رابطہ ہوا تو بزرگ نے بتایا کہ ایک ہمارے رشتہ دار ہیں۔ جن کی یہ کارستانی ہے، جگہ زمین کے چکر میں، خیر بزرگ نے امی جان کو روحانی علاج سے ٹھیک کر دیا۔ صرف اتنا ہی نہیں اپنے اس گھر میں ہم نے بہت چیزوں اور آزمائشوں کا سامنا کیا۔

کبھی دروازے کے سامنے چاول اور کچے گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوتے تو کبھی خون کے بڑے بڑے دھبے نظر آتے۔ ان سب کے برے اثرات سے بچنے کے لئے ہم نے نماز اور درود کا سہارا لیا اور ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ ان پریشانیوں میں کمی آتی گئی اور سب کچھ معمول پر آنے لگا۔

مگر ہم نے وہ گھر چھوڑ دیا کہ جہاں اتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے وہاں پر دل نہیں لگتا۔"

اس بات سے تو محض میرا رب ہی واقف ہے کہ کالے کرتوت کرنے والے لوگ مخلوقِ خدا کو اذیت دے کر خوش ہوتے ہیں اور مخلوقِ خدا کا جینا اجیرن کر دیتے ہیں۔ اور خود اپنے انجام سے بے خبر رہتے ہیں، لیکن ایک وقت آتا ہے کہ اللہ کی رسی انہیں جکڑ لیتی ہے تو وہ یعنی کالے عمل کرنے والے دل دہلاتی اذیت و تکلیف سے دوچار ہو جاتے ہیں، بربادی انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے، اور پورا گھرانہ عبرت کا نشان بن جاتا ہے، بس اپنے رب سے میری یہی دعا ہے کہ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور راہِ راست پر لے آئے نیز ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین)

Digitized by Google

پریم کہانی

حسنین حیدر شاہین-لالیاں

اچانک ایک خوفناک منظر رونما ہوا ایک طرف سے آگ کا گولا آیا اور خوبرو حسینہ کے جسم سے ٹکرایا تو حسینہ کے جسم میں آگ بھڑک اٹھی، پھر آواز گونجی میں پھر آئوں گی کسی بھی روپ میں میرا انتظار کرنا اور پھر......

عقل کو حیران اور تجسس کے سمندر میں غوطہ زن کرتی انوکھی دل فگار حیرت ناک کہانی

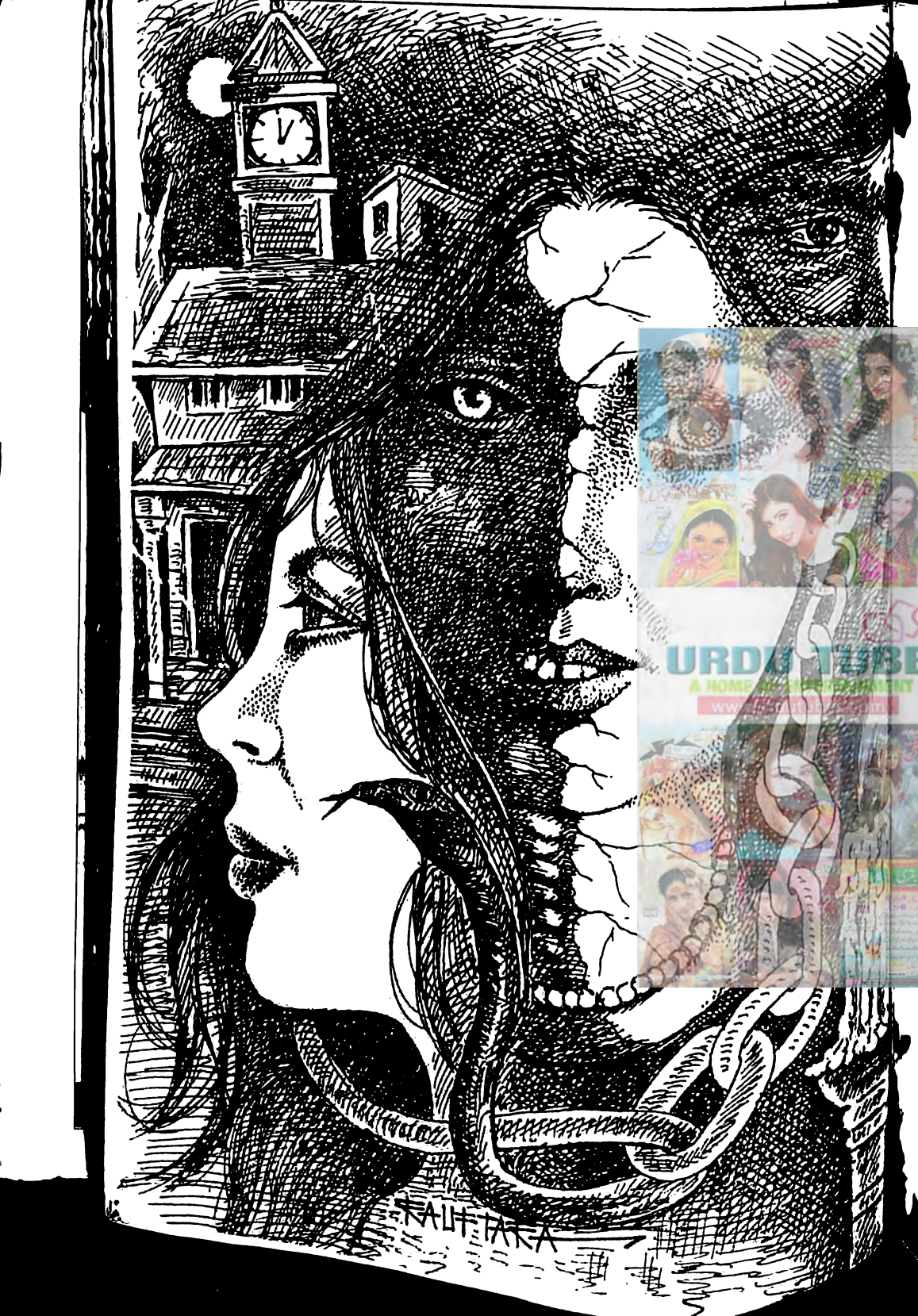

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب پاک و ہند کی تقسیم ہوئی۔ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ رہے تھے اور پاکستان سے ہندوؤں نے بھارت کی طرف جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

ہر طرف سے نقل مکانی جاری تھی۔ جس طرف سے بھی کوئی کوچ کرتا۔ اپنی تمام تر یادیں اور سارا سامان چھوڑ جاتا۔ اسی طرح زمین کے بٹوارے کے ساتھ ساتھ فوجی انتظامات بھی تقسیم ہوئے۔ میں ان دنوں انگریزوں کی کی فوج میں نیا نیا شامل ہوا تھا۔ جب فوج کی تقسیم ہونے لگی تو مجھے بھی مسلمان ہونے کے ناطے پاکستان کی فوج میں شامل کر دیا گیا۔ میں نے ہندوستان سے سب کچھ سمیٹا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ پاکستان آ گیا۔

پاکستان آتے ہی میری پوسٹنگ راولپنڈی کی تحصیل مری کے علاقے میں ہو گئی۔ میں اپنی فیملی کے ساتھ مری آ گیا۔ میری اس وقت عمر 24 سال تھی اور میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔

مری میں شفٹ ہونے کے بعد میں فوجی کاموں میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت نازک حالات تھے۔ اس لیے فوج الرٹ ہو کر ہر طرح کے حالات کو سنبھالنے کی کوشش میں رہتی تھی۔ مجھے بھی پانچ ساتھیوں سمیت مری کے چھوٹے سے علاقے باڑیاں کے جنگل میں شمال کی طرف تعینات کر دیا گیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ماں کی دعائیں لے کر باڑیاں کے خوفناک جنگل کے شمال میں پہنچ گیا۔ جنگل بہت ہی خوفناک اور وحشت زدہ تھا۔

خاص طور پر جدھر ہمیں بھیجا گیا وہاں تو "رات تو رات" دن میں بھی خوف آتا تھا۔ اور سونے پہ سہاگہ کہ وہاں پر کوئی قریب قریب آبادی بھی نہیں تھی۔

اس جگہ کے بارے میں مشہور تھا کہ اس جگہ پر کوئی قدیم دور کی شہزادی کی روح رہتی ہے۔ جو وہاں پر کسی بھی بھولے بھٹکے مسافروں کو زندہ نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ ان کے جسم میں خون کا قطرہ تک نہیں رہنے دیتی۔

لیکن میں نے جب یہ سنا تو میں بہت ہنسا اور بے وقوف تجزیہ کاروں کو برا بھلا کہا کہ آج کے دور میں روحیں کدھر سے آ گئیں۔ میں ان تمام چیزوں کو بکواس سمجھتا تھا۔ میں جن، بھوت اور روحوں پر یقین رکھنے والا نہیں تھا۔ میری نظروں میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ میں لوگوں کی باتیں سن کر بہت انجوائے کرتا تھا کہ کیسے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

Digitized by Google

بے وقوف لوگوں کی بے وقوفانہ باتیں ہیں۔

اچھا تو میں بات کر رہا تھا کہ جب میں پانچ ساتھیوں سمیت اس خوفناک جنگل میں پہنچا تو جس جگہ پر ہم نے مورچہ بنانا تھا۔ وہاں پر گہرا سکوت اور دہشت پھیلی ہوئی تھی۔

ایک بات میں نے وہاں نوٹ کی، وہ یہ کہ پورے جنگل میں ہر طرف پرندوں اور مختلف قسم کے جانوروں کی بہتات تھی۔ لیکن جنگل کے جس حصے میں ہم موجود تھے۔ وہاں جانور تو جانور ایک کیڑا تک نہیں دکھائی دیتا تھا۔ خیر ہم جس وقت جنگل کے اس حصے میں پہنچے تھے جہاں ہمیں مورچہ بنانا تھا۔ اس وقت دوپہر کے 12 بجے تھے۔ سو ہم اسی وقت سامان گاڑی سے اتار کر مورچہ بنانے میں مگن ہوگئے۔ میرے ساتھ جو ساتھی تھے ان میں تین تو میرے گہرے دوست تھے جو ہندوستان سے میرے ساتھ ہی آئے تھے جبکہ باقی دو مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے تھے۔

علی حمزہ، عبدالہادی اور فیض الحسن میرے دوست تھے جبکہ دوسرے دونوں عدنان اور ذیشان مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے تھے۔

خیر دن گزر گیا ہم رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے بستروں لیٹ گئے۔ رات کا جانے کونسا پہر تھا۔ جب میری کسی کھٹکے کی وجہ سے آنکھ کھلی۔ خیمے کے باہر مجھے روشنی سی محسوس ہوئی اور ساتھ ہی پائل کی جھنکار سنائی دی۔

میں نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرف نظر دوڑائی تو وہ بے خبر خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ میں بہت حیران ہوا کہ اس وحشت زدہ جنگل میں روشنی اور پائل کی آواز، کہاں سے آرہی اور پھر پائل کی آواز پہلے سے تیز ہوگئی۔

میں جلدی سے اٹھا اور باہر کی طرف لپکا۔ جب میں نے باہر جھانکا تو ایک حیران کن اور دلفریب منظر میرے سامنے تھا۔

میں کیا دیکھتا ہوں۔ باہر چاند روشنی سے جنگل ایک دلنشین نظارہ پیش کر رہا ہے۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی دکھائی دے رہی ہے اور ایک انسانی وجود کو دیکھ کر میں حیرت کے سمندر میں ڈوبنے لگا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک حسینہ کا وجود دکھائی دیا۔ جس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ اس کے سر پر کوئی تاج سا رکھا ہوا محسوس ہو رہا تھا اس کے بال گھٹنوں تک اور لباس کسی پرانے طرز کی شہزادیوں کی طرح کا تھا۔ اس کی پیٹھ میری طرف ہونے کی وجہ سے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔

وہ دھیرے سے چل کر مجھ سے دور جارہی تھی۔ اس کے پاؤں میں پائل تھی جس کی چھن چھن کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے مجھ سے دور ہوتی جارہی تھی۔

میں ایک دم ہوش میں آگیا اور مارے تجسس کے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ میں اس حسینہ کی نظروں سے بچ کر اس کے تعاقب میں تھا۔ ایک اور حیران کن بات یہ تھی کہ جس جگہ پر بھی اس حسینہ کا پاؤں پڑتا وہ جگہ موتیوں کی طرح چمکنے لگ جاتی تھی اور وہاں سے ہلکا سا دھواں اٹھتا تھا۔

میں حیرت میں ڈوبا ہوا اور اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے اس حسینہ سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔

اچانک اس حسینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میں بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا۔ میں فوراً دوسرے سائیڈ پر موجود ایک درخت کی اوٹ میں ہوگیا۔ بوکھلاہٹ کی وجہ سے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں اس درخت کی اوٹ سے سر نکال کے دیکھا تو وہ حسینہ وہاں سے غائب تھی۔ پھر میں ادھر کی طرف بھاگا جس جگہ پر وہ حسینہ کچھ دیر پہلے موجود تھی۔ لیکن میں نے بہت تلاش کیا۔ مجھے وہ نہیں ملی۔ میں حیران و پریشان تھا کہ اس کو آسمان نگل گیا ہے یا زمین نے اپنے اندر چھپالیا ہے۔ آخر گئی تو گئی کہاں۔

میں تھوڑا آگے گیا تو ایک اور منظر دل کو دہلا دینے والا تھا۔ مجھ سے کچھ دور ایک عالیشان محل موجود تھا

جو مختلف روشنیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ محل اپنے پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

اس جیسا محل میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اچانک مجھے پیچھے سے پھنکار کی آواز سنائی دی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو مارے خوف و دہشت سے میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میرے پیچھے ایک خوفناک قسم کا اژدھا موجود تھا۔ جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ میری اس حرکت سے مجھے وہ زندہ دبوچنے والا تھا۔ اچانک اس اژدھے نے حرکت کی اور منہ کھول کر میری طرف لپکا۔ میں مارے دہشت کے زور سے کانپ اٹھا۔ میرے ہوش و حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں اس اژدھے کے پیٹ میں اس کی خوراک بن کے چلا گیا ہوں۔

☆......☆......☆

اچانک مجھے کسی نے جھنجھوڑا اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میرے سامنے علی حمزہ اور عبدالہادی کھڑے تھے اور مجھے کہیں دور سے اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں اپنے خیمے میں موجود تھا اور میرا پورا جسم پسینے میں تر تھا۔

"کیا ہوا سر آپ کانپ کیوں رہے تھے اور اتنی سردی میں پسینہ کیوں" علی حمزہ نے فکر مندی کے لہجے میں کہا۔

"میں ادھر کیسے آگیا، میں تو محل کے پاس تھا۔" میں نے ادھر ادھر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کونسا محل سر، آپ تو سوئے ہوئے تھے۔" عبدالہادی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

من و عن اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ان کو سنا دیا۔

"سر لگتا ہے آپ نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔"

"میں آپ کے لیے پانی لے کر آتا ہوں۔" علی حمزہ نے جلدی سے پیچھے مڑتے ہوئے کہا۔

صبح کے 8 بج چکے تھے۔ میں جلدی سے اٹھا اور نہانے کے لیے خیمے سے باہر نکلا۔ باہر میرے ساتھی ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور سیلوٹ کیا۔

میں نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "آج کے بعد مجھے کوئی سیلوٹ وغیرہ نہیں کرنا۔ ہم آج سے ایک جیسے ہیں بھائیوں کی طرح؟ OK" میں نے نرم لہجے سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر، جیسا آپ کا حکم۔" حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں کوئی پانی وغیرہ کا انتظام بھی ہے کہ نہیں؟" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی تھوڑا سا آگے ایک ندی بہہ رہی ہے۔" حمزہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نہانے کے ارادے سے اس طرف کو جانے لگا، جس طرف حمزہ نے اشارہ دیا تھا۔ تھوڑا سا آگے جانے پر مجھے ندی نظر آگئی۔ میں نے ندی کے پانی کو غور سے دیکھا، صاف شفاف شیشے کی مانند پانی مجھے بہت بھلا لگا۔ ندی کے اردگرد مختلف درختوں کے جھنڈ تھے۔ میں نے کپڑے اتارے اور ندی میں کود گیا۔

ندی میں کودتے ہی مجھے عجیب سا محسوس ہوا۔ جیسے مجھے کوئی دیکھ رہا ہو۔ لیکن میں نے اسے اپنا وہم سمجھا۔ میں نہا کر باہر نکلا اور کپڑے پہننے کے لیے کپڑوں کی طرف بڑھا۔ جب میں کپڑے پہننے لگا تو میں نے اپنے پاؤں کی طرف انجانے میں دیکھا ایک گلاب کا پھول میرے قدموں میں پڑا تھا اور ایک لفافہ بھی تھا۔

میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ شاید کہیں گلاب کا پودا وغیرہ تو نہیں ہے جس سے پھول ٹوٹ کر گرا ہو۔ لیکن دور دور تک گلاب تو کیا کسی بھی پھول کے پودے کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

پھر مجھے اس لفافے کا خیال آیا جو پھول کے پاس تھا۔ لفافہ میں نے اٹھایا اور اسے پڑھنے کی غرض سے کھولنے لگا۔

لفافے پر بڑے لفظوں میں لکھا ہوا تھا۔

URDU TUBE A WORLD OF ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

"خوش آمدید میرے شہزادے"

میں یہ پڑھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ کس شہزادے کو اتنی آؤ بھگت کے ساتھ خوش آمدید کہا جارہا ہے۔ اور مجھے اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ لگی کہ "خوش آمدید کہنے والا کون ہے۔"

میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ اس جنگل میں ضرور کوئی نہ کوئی ہے۔ پھر مجھے وہ رات والا خوفناک خواب یاد آ گیا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس سے پہلے تو مجھے کوئی ایسا ڈراؤنا خواب نہیں آیا۔ آخر اس جنگل میں آ کر مجھ پر پرانے دور کا وحشت زدہ خواب آیا۔ آخر اس جنگل میں کوئی نہ کوئی راز ضرور ہے۔

☆.....☆.....☆

"کیپٹن اشفاق کیا حال ہے۔ ایڈجسٹنگ ہو گئی ہے؟"

وائرلیس سیٹ سے میجر جنید کی سنسناتی آواز ابھری۔

جی سر، اللہ کا شکر ہے سب اللہ کے کرم سے ٹھیک ٹھاک جارہا ہے کوئی بھی پریشانی نہیں ہے۔" میں نے باادب طریقے سے کہا۔

"Good" مجھے تم سے یہی امید تھی اور ہاں کمانڈنٹ صاحب کا حکم ہے کہ اگر کوئی بھی پریشانی ہوتی ہے تو بلا جھجک بتانا ہے۔"

میجر جنید کی تجسس بھری آواز آئی۔

"ٹھیک ہے سر، جب بھی ضرورت ہو گی آپ کو ضرور انفارم کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"OK، اپنا خیال رکھنا ہمیں تم جیسے آفیسر پر فخر ہے۔" میجر جنید نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا۔

"تھینک یو سر، آل از اوور۔" میں نے الوداعی لہجے میں جواب دیا اور وائرلیس سیٹ کو آف کر دیا۔

"سر کیا بات ہے کیا کوئی نیا حکم آیا ہے۔" عدنان نے پوچھا۔

"نہیں، وہ میجر صاحب سے رابطہ ہوا ہے حالات کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"سر جی آپ بہت خوش لگ رہے ہیں۔ کیا کوئی خاص بات ہے۔" عدنان نے ہلکی سی مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

"بس، آج پتا نہیں کیوں میرا دل خوش ہے۔ میں خود اپنے آپ پہ حیران ہوں۔" میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

کوئی انجانی بات ہے سر جو آپ پر عیاں ہونے والی ہے۔" عدنان آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے بولا۔

ویسے میں یہ بتاتا چلوں کہ ہمارے گروپ میں عدنان اور علی حمزہ بہت بہادر قسم کے اور سپنس سے بھرے ہوئے جوان تھے جبکہ عبدالہادی اور فیض الحسن ہر وقت کھانے پینے میں مصروف رہتے تھے لیکن فرض کے معاملے میں وہ بھی محب وطن تھے۔ وطن کے لیے جان تک دینے کو تیار تھے۔ اور ان سب سے برعکس ذیشان خاموش طبیعت کا سپاہی تھا۔ ہمیشہ اور ہر وقت اپنی ہی سوچوں میں گم رہتا تھا۔ ہم سے بات بھی بہت کم کرتا تھا۔ اور تھا بھی بہت ڈرپوک۔ بلی جیسے جانور سے بھی ڈر جاتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہمیں آج جنگل میں آئے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ پرسکون حالت میں وقت گزر رہا تھا۔ ہم تمام گروپ والے ایکدوسرے سے کھل مل گئے تھے۔ یہ جنگل کا جو حصہ ہمیں خوف و وحشت کا ثبوت دیتا تھا۔ حقیقت میں بہت ہی پرسکون جگہ تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ جو خاص طور پر تنہائی پسند بندے کے لیے ایک جنت کا منظر پیش کرتا تھا۔ اور سونے پہ سہاگہ میں تنہائی کو بہت پسند کرتا ہوں۔ سو میرے لیے یہ جگہ تو جنت تھی۔

آج ہم تمام ساتھی مل کے بیٹھے ہوئے تھے اور گپ شپ کر رہے تھے۔ سب نے اپنے بارے میں بتا دیا تھا اور میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

"سر پلیز! اپنے بارے میں کبھی ہمیں کچھ بتائیں نا۔" عدنان منت آمیز لہجے میں بولا۔

"OK، تو سنو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے چار بھائی اور ایک پیاری سی بہن ہے، جس سے ہم تمام بھائی جان سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ امی اور ابو بھی ہمارے دنیا کے بہت اچھے والدین ہیں۔

میں شروع سے ہی والدین کی نظروں کا مرکز رہا ہوں۔ مجھے بڑا ہونے کے ناطے بہت پیار کرتے تھے میرے والدین اور اس کے علاوہ میری چھوٹی بہن تو ہمیں بہت ہی لاڈلی ہے۔ سب اس کو بڑے ناز سے رکھتے ہیں۔ اور مجھے تو وہ بہت ہی لاڈلی ہے۔ ہمیشہ مجھ سے کہتی ہے۔ "بھیا آپ ہمارے پاس ہی رہا کریں۔ چھوڑ دیں اس فوج کو۔" لیکن میں اسے ہر بار کہتا ہوں کہ پگلی تجھے فخر ہونا چاہیے کہ تیرا بھائی وطن کے لیے جان دینے والا بھائی ہے۔" والدین بھی اسے ڈانٹ دیتے ہیں۔ "مقدس بھائی کو تنگ مت کیا کرو۔"

میں نے بات کو طول دیتے ہوئے کہا۔

دو بھائی میٹرک کر رہے ہیں جبکہ دو فارغ رہتے ہیں جبکہ میری چھوٹی بہن مقدس نویں کے Exam دینے والی ہے جب میں ادھر آیا ہوں۔ اس وقت تو یہ حالات تھے لیکن ابھی تو رابطہ نہیں ہوا۔ پتا نہیں کیا حالات ہیں۔ میں نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"سر آپ بہت اچھے ہیں لیکن بہت چالاک بھی ہیں۔ بات بہت گول کرتے ہیں۔" ہادی نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنے گھر والوں کے بارے میں تو بتا دیا لیکن اس کے بارے میں نہیں بتایا۔ آج تک آپ نے ہمیں اس کے بارے میں پوچھنے پر پاگل ہی بنائے رکھا لیکن آج نہیں، آج آپ کو بتانا ہی پڑے گا۔" ہادی نے مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے کہا۔

"کون، میں نے کتنی ہی دفعہ تم لوگوں کو بتایا ہے کہ ابھی تک میری وہ نہیں ہے۔" میں ہادی کو آنکھیں دکھاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"سر ویسے وہ ہندوستان میں تو نہیں ہے۔" ہادی نے پھر ٹوکا۔

"ارے بھائی میری وہ کہیں بھی نہیں۔"

"تو سر آپ رات کو خواب میں ایک ہندو نام کی لڑکی کا نام کیوں لیتے رہتے ہیں۔" ہادی جھٹ سے بولا۔

"کونسا نام، مجھے تو نہیں پتا۔" میں نے حیرت زدہ ہو کے کہا۔

"اچانک کہیں سے چیخ کی آواز گونجی۔" اور ہم سب ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"سر یہ اس جنگل میں انسانی چیخ کدھر سے آئی۔"

"پتہ نہیں جلدی سے اپنی اپنی رائفل اٹھاؤ۔" میں نے ایک دم چیختے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ہم سب دو دو کر کے اس جانب لپکے جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی جبکہ فیض الحسن کو ادھر مورچہ پر ہی کھڑا کر دیا۔ اس وقت رات ہونے ہی والی تھی جب ہم نے یہ دلدوز چیخ سنی تھی۔ ہم نے بہت تلاش کیا لیکن ہم نے جدھر چیخ کی آواز سنی تھی ادھر کسی بھی انسانی تو کیا حیوانی وجود بھی نہیں تھا۔ ہم سب حیران تھے کہ یہ چیخ کی آواز آئی تو آئی کدھر سے۔

آخر ہم تھک ہار کر واپس اپنے مورچہ کے پاس آ گئے۔ اس دن ہم سب نے یہ ہی سمجھا کہ ادھر اس جگہ پر کہیں نہ کہیں دشمن ملک کے کارندوں کا کوئی نہ کوئی ٹھکانا ہے۔ جن کو ہمارے بارے میں معلومات مل گئی ہوں گی۔ کیونکہ جس مقصد کے لیے ہمیں یہاں بھیجا گیا تھا وہ یہ تھا کہ اس جنگل میں دشمن کہیں سے بھی حملہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس جنگل کے اس حصے کے ساتھ ہی کشمیر کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہم اور بھی محتاط ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

پیاس کی وجہ سے جانے کونسا وقت تھا جب میری آنکھ کھلی۔ میں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھا۔ میں نے ٹارچ جلائی اور پانی کی بوتل تلاش کرنے لگا۔ میں اپنے ساتھ سوئے ہوئے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو فیض الحسن

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

اپنے بستر سے غائب تھا میں نے گھڑی پہ ٹائم دیکھا تو اس وقت رات کا ڈیڑھ بجا ہوا تھا۔ میں بہت حیران ہوا کہ رات کے اس ٹائم فیض الحسن کہاں گیا ہوگا۔

میں نے ٹارچ سنبھالی اور اسے ڈھونڈنے کی غرض سے خیمے سے باہر نکل آیا۔ باہر گھپ اندھیرا تھا اور ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن کہیں بھی فیض الحسن کا نام ونشان نہیں تھا۔

اچانک کہیں دور سے ایک مردانہ چیخ گونجی تو چیخ سن کر میں بغیر سوچے سمجھے ہتھیار سنبھال کے اس طرف بھاگ پڑا جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی۔ ایک بار پھر وہ ہولناک چیخ گونجی۔ اب پہلے کی نسبت مجھے نزدیک سے سنائی دی۔

میرا دل بے کرب مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میرے جسم پہ موجود کپڑے جھاڑیوں کی وجہ سے پھٹ گئے تھے اور جسم پر کئی زخم بھی لگ چکے تھے۔ لیکن اب میں ہوش وحواس میں زخموں کی پروا کیے بغیر ٹارچ جلا کر تلاش کرنے لگا کہ یہ ہولناک چیخ ہے کس کی اور کدھر سے آئی ہے۔

اچانک مجھ سے کچھ قدم دور کراہ اور سسکی کی آواز آئی۔ میں نے فوراً ٹارچ کی روشنی اس طرف ڈالی۔ تو میرے سامنے ایک انسانی وجود پڑا تھا۔ میں بھاگ کے اس وجود کے پاس گیا۔

میں نے ٹارچ اس کے چہرے پر ماری تو اچانک ایک دردناک اور دل کو دہلا دینے والا منظر میرے سامنے تھا۔

میرے سامنے فیض الحسن نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور درد کی وجہ سے کراہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اور اس کا ایک کان اس کے جسم سے غائب تھا۔ میں مارے غم و غصے سے کانپ رہا تھا۔ لیکن ......؟ "سر وہ و......وہ آ...... آپ کی راجکماری۔" اور فیض الحسن ہوش میں آتے ہی اپنے کانپتے ہونٹوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

پانچویں روز فیض ہوش میں آتے ہی مجھے دیکھتے ہوئے کچھ بتانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں فوراً اس کی طرف بھاگا۔ اور اسے پانی کا گلاس بھر کے اس کے منہ سے لگا دیا جسے وہ گھونٹ گھونٹ پی گیا۔ پھر میں پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ اور اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"عدنان؟" میں نے عدنان کو آواز دیتے ہوئے پکارا۔

"جی سر!" عدنان بھاگتے ہوئے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"جاؤ فیض کے لیے کھانا اور مشروب لے کر آؤ۔" میں نے نرم لہجے سے عدنان کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"رائٹ سر!" عدنان نے خوشی سے کہا۔ اسے فیض الحسن کے ہوش میں آنے کی خوشی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے 12 بجے چکے تھے اور میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں ویٹنگ کرسی پر بیٹھ کر اپنی سوچوں میں مگن تھا۔ میں نے سنتری کو یہ کہہ کر سلا دیا تھا کہ جب مجھے نیند آئے گی تو میں اٹھا دوں گا۔

میرے بائیں سائیڈ پر فیض الحسن سویا ہوا تھا۔ میں اس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ اچانک میرا موڈ بنا باہر چہل قدمی کرنے کا نارمل موسم تھا۔ میں نے اپنے ساتھ پڑی ہوئی رائفل اٹھائی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ باہر آج چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق چاند کی جو چودہ تاریخ تھی۔ اس لیے چاند کی روشنی جنگل میں عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں اپنے ہی مگن میں چہل قدمی کرنے لگا۔

اچانک کہیں دور سے گنگنانے کی آواز میرے کانوں پر پڑی۔ آواز مدھم تھی۔ مجھے صحیح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس طرف لپکا جدھر سے آواز آرہی تھی۔ تھوڑا سا آگے جانے پر مجھے آواز بالکل صاف سنائی دی۔ آواز بہت ہی خوبصورت

اور پرترنم تھی اور لگتی بھی کسی لڑکی کی تھی۔

میں نے الفاظ پر غور کرنے کی کوشش کی کہ کیا گایا جارہا ہے۔ تو مجھے الفاظ سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

آیئے تمہارا انتظار تھا۔ آیئے تمہارا انتظار تھا۔
دیر لگی آنے میں تم کو۔
شکر ہے پھر بھی آئے تو۔
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا۔
ویسے ہی ہم گھبرائے تو۔
آیئے آپ کا انتظار تھا۔
آیئے آپ کا انتظار تھا۔

میں اس آواز کے تعاقب میں آگے بڑھنے لگا۔ اور درختوں کے پتوں کو روند کر میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب آواز مجھ سے کچھ ہی دور سنائی دے رہی تھی۔ میں کچھ ہی قدم آگے گیا تو درختوں کے درمیان میں ایک چھوٹا سا میدان مجھے نظر آیا۔ اس میدان میں چاند کی روشنی چھن چھن کرتی گر رہی تھی اور وہاں ایسا لگتا تھا کہ یہاں پر روشنی کی دیوی خود اتری ہوئی ہے۔

میدان کے درمیان میں ایک لڑکی نظر آئی جس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ یہ لڑکی مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ میں نے تھوڑا سا ذہن پر زور دیا کہ کہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔

پھر میں اچانک چونک پڑا۔ حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میرا ذہن اس بات کا انکار تھا لیکن ثبوت میرے سامنے تھا۔ ذہن کہتا یہ وہ نہیں ہے، لیکن حالات کہہ رہے تھے کہ یہ وہی ہے جسے تم نے پہلی رات خواب میں دیکھا تھا۔

اچانک اس شہزادی کے روپ میں لڑکی نے پیچھے مڑ کے دیکھا اور اس کے منہ سے نکلا:

تم جو نہ آتے ہم تو مر جاتے
کب تک اکیلے زندہ رہتے
آج ہمارے دل پر تم گھٹا بن کے چھائے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا
ویسے ہی ہم گھبرائے تو

میں اس شہزادی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ میرے جسم سے ایسا لگتا تھا کہ کسی نے روح کھینچ لی ہو۔ میں اس روپ پری کے حسن میں کھو کر رہ گیا۔

میں نے 24 بہاروں میں بہت سی لڑکیاں دیکھی تھیں لیکن اس جیسی بالکل بھی نہیں۔ گلاب کے پھول کی پنکھڑیوں جیسے گال اور ان پر چمکتی لالی، کالی گھٹا جیسی آنکھیں اور آنکھوں میں غضب کا چھپا ہوا خمار۔ اماوس کی رات کی طرح گھٹنوں تک پھیلی ہوئی زلفیں ایسا لگتا تھا کہ دن کے وقت اگر یہ زلفیں دنیا پر پھیلا دی جائیں تو ہر طرف اندھیرا چھا جائے۔

اس وقت وہ جنت کی حور کی طرح ایسا غضب ڈھا رہی تھی کہ چاند بھی شرم کے مارے اس کے سامنے ماند پڑ رہا تھا۔

"خوش آمدید راج کمار" اچانک مجھے اس کی آواز سے لگا اور میں حسن کے سمندر سے ساحل کی طرف لوٹ آیا۔

"راج کمار ہم تمہارے لیے کتنی بار جئے اور کتنی بار مرے۔ کیا ہماری پریم داتا میں کمی آ گئی تھی کیا۔ تم نے تو ہمارے ساتھ مرنے جینے کا وچن لیا تھا۔ پھر یہ دھان اور مان چھوڑ کر ہمارے پریم کو ٹھوکر مار کر پرلوک میں کیوں چلے گئے۔

ہم صدیوں سے آپ کی تلاش میں بھٹکتے رہے ہیں۔ ایسا کیوں کیا آپ نے۔ ہمارے سر پر تو کالی ماتا کا آشرباد تھا۔ ہمارا پریم تو امر تھا۔ پھر یہ اچانک کیا ہوا۔ بولو راج کمار کچھ تو بول۔" وہ روپ پری اپنی خوبصورت آنکھوں سے برسات برساتے ہوئے درد بھری آواز میں باتیں کر رہی تھی۔

"کون ہو تم اور کس سے باتیں کر رہی ہو۔" میں نے بارعب آواز میں پوچھا۔

"بھول گئے ہمیں۔ کیا اتنا ہی پیار تھا آپ کا۔ میں آپ کی راجکماری ہوں۔" ان نے سسکتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا بول رہی ہیں، مجھے آپ کی کوئی بات

URDU TUBE
Digitized by Google

سمجھ نہیں آ رہی۔" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔
اب مجھے اس لڑکی پہ ترس آنے لگا تھا۔ میں نے یہ سوچا کہ یہ کسی قریبی علاقے سے بھٹک کر اس جنگل میں آ گئی ہوگی۔
"راج کمار میں کل اسی جگہ پر آپ کو ملوں گی۔ اب میرے جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ راجکمار آپ کو کالی ماتا کی سوگند کل ضرور آنا۔" پھر اچانک وہ درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہوگئی۔
میں جلدی سے اس درخت کی طرف بڑھا تو درخت کی دوسری سائیڈ پر ایک اور منظر میرے سامنے تھا۔ وہی محل مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا جسے میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔ اور وہ لڑکی اس محل میں داخل ہوگئی۔
لیکن میرے خواب کے برعکس محل اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اس وقت روشنی کی ایک کرن بھی نہیں تھی۔ چاند بھی بادلوں کی اوٹ میں غائب ہوگیا تھا۔ میں حیران و پریشان مختلف سوچوں میں گم تھا اور بہت سے سوالات میرے ذہن میں چھلانگیں مار رہے تھے۔ لیکن اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ بالکل بھی نہیں......؟

☆......☆......☆

"سر ابھی تو وہ دونوں ندی پر فریش ہونے گئے ہیں۔"
ہادی نے کہا۔
میں نے ہادی سے عدنان اور علی حمزہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ درصل جب میں واپس آیا تھا تو ہمارا بہادر ساتھی فیض الحسن انتقال کرچکا تھا پھر ہم نے خیمے کے قریب ہی سپرد خاک کردیا ہم سب اس کے غم میں نڈھال غم سے چور تھے۔ میرا خود کا برا حال تھا۔ فیض الحسن ہمارا بہت ہی بہادر سپاہی تھا۔ میرا ساتھی ہونے کے علاوہ بہترین دوست بھی تھا۔ لیکن ان حالات میں ہم نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔
اچانک خیمے کے دروازے پر دستک ہوئی۔
ہادی نے جا کر دروازہ کھولا اور خیمے کے دروازے پر دستک دینے والے کو سیلوٹ کیا۔ میں دم بخود رہ گیا کہ یہ کس کو سیلوٹ کررہا ہے۔
ہادی دروازے کے ایک سائیڈ پر ہوا تو دروازے سے داخل ہونے والی شخصیت کو دیکھ کر میں بھی سیلوٹ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور شدت غم سے میں اس کے گلے لگ گیا۔ اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ اس شخصیت نے مجھے پیار سے تھپکی لگائی اور حوصلے کی تلقین کی اور میں آپ کو اس کا نام بتانا بھول گیا۔ وہ شخصیت؟......؟

☆......☆......☆

آج فیض الحسن کو ہم سے جدا ہوئے دس دن گزر گئے تھے۔
پہلے کی نسبت ہم سب کا غم کچھ ہلکا ہوا تھا۔ آج سب نے مل کے ناشتہ کیا تھا۔ میں نے سر سے اجازت لی کہ میں تھوڑی سی چہل قدمی کرکے آتا ہوں تو میجر جنید صاحب نے مجھے مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔
اس دن آنے والی یہ ہی شخصیت تھی۔
میجر جنید کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم تھی۔ میجر جنید آرمی کی ایک شان تھے وہ قوم وملک کے لیے جان کی بازی لگانے والے تھے۔ ملک کی خاطر انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی وطن کے لیے قربان کردیا تھا۔
دہشت گرد تنظیموں نے ان کے گھر والوں کو بے دردی سے شہید کردیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے آٹھ ماہ کے بچے تک کو نہیں چھوڑا لیکن اس عظیم ہستی کے پھر بھی ملک کے خلاف قدم نہیں ڈگمگائے۔ اسی لیے آرمی میں ان کی جنرل چیف تک عزت تھی۔ اور سونے پہ سہاگہ یہ بھی تھا کہ یہ آرمی کے بہترین کمانڈو تھے۔ اس جنگل میں انہیں بھی مشن میں شامل کرکے بھیجا گیا تھا۔ یہاں پر آتے ہی میں نے اس مشن کی کمانڈ ان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔
میں نے سر سے اجازت لینے کے بعد ڈریس تبدیل کیا اور جنگل کی طرف نکل پڑا۔ ایک جگہ پر کچھ خالی میدان بنا ہوا تھا۔ میں ادھر ہی چہل قدمی کرنے لگا۔
اچانک میں چونک پڑا اور زور سے اپنے سر پہ

تھپکی ماری۔ "اوشٹ" میں نے تو اس رات اس لڑکی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن فیض الحسن کی موت نے ہمارے ذہن کو مفلوج کردیا تھا۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس جگہ کی تلاش میں چل پڑا جس جگہ پر اس شہزادی سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں اس جگہ کو تلاش کرتا کرتا آخر پہنچ ہی گیا۔ وہی میدان تھا۔ وہی کشش تھی لیکن اس جگہ پر یہ چھائی ہوئی ویرانی اور خاموشی ڈر و خوف میں مبتلا کررہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ لیکن جس کی مجھے تلاش تھی وہ قاتل دل ادھر نہیں تھی۔ میں ادھر ہی بیٹھ کے اس کا انتظار کرنے لگا کہ وہ آئے گی۔
لیکن کافی انتظار کے باوجود بھی وہ نہیں آئی۔
میرے ذہن میں اچانک اس محل کا خیال آیا کہ اس محل میں جا کر اسے تلاش کیا جائے۔ لیکن میں نے سوچا ابھی رات ہوگئی ہے۔ لہٰذا واپس چلنا چاہیے۔ ساتھی بھی پریشان ہوں گے۔
لیکن ایک عجیب سی کشش مجھے اس محل میں جانے کے لیے مجبور کررہی تھی۔ جیسے کوئی انجانی قوت مجھے محل کی جانب کھینچ رہی ہو۔ میں بغیر سوچے سمجھے اس محل کی تلاش میں چل پڑا۔ اس میدان کے دوسری طرف مجھے وہ محل نظر آ گیا۔
لیکن محل کو دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ اس رات کے برعکس محل روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ اور محل دنیاوی وقت جنت کا منظر پیش کررہا تھا۔
میں ابھی محل کے دروازے سے کچھ ہی فاصلے پر حیران و پریشان کھڑا تھا کہ ایک گرجدار آواز گونجی۔
"شہزادہ راج کمار بدھار رہے ہیں۔" اس آواز کے ختم ہوتے ہی ڈھول بجنا شروع ہوگیا اور میرے قدم خود بخود آگے کی طرف بڑھنا شروع ہوگئے۔ جیسے ہی میں محل کے دروازے کے پاس پہنچا تو دروازے کے بڑے بڑے کواڑ خود بخود کھل گئے تو ایک اور روح فرسا منظر آیا۔
ایک بہت بڑا وسیع ہال تھا۔ اور ہال میں بہت کی لاتعداد کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ جس پر اپنے اپنے عہدے پر فائز لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔
سامنے ایک بڑے چبوترے پر تین تخت لگے ہوئے تھے درمیان والا تخت دوسرے دونوں تختوں سے بڑا تھا۔ اس درمیان والے تخت پر ایک جاہ وجلال والا بادشاہ نما بوڑھا بیٹھا تھا جس کی بڑی بڑی مونچھیں اور چھوٹی سی داڑی اس کے جلال کو نمایاں کررہی تھی۔ اس کے بائیں جانب ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی۔ جس کے سر پر چھوٹا سا تاج بھی تھا جبکہ بادشاہ کے دائیں طرف مجھے وہ ہی قاتل جان حسینہ نظر آئی اور میرے ساتھ ہی دائیں بائیں بہت سی خوبصورت لڑکیاں ہندو طرز کا لباس پہنے اور ہاتھوں میں بڑے بڑے تھال جس میں گلاب اور مختلف قسم کے پھول موجود تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بادشاہ، ملکہ اور وہ شہزادی اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ آیئے شہزادے راج کمار، ہم آج آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" بادشاہ کی بھاری اور بارعب آواز گونجی۔
میرے قدم خود بخود آگے کی طرف بڑھنے لگے اور جیسے ہی میں آگے کی طرف بڑھا تو میرے اردگرد کھڑی لڑکیاں مجھ پر پھولوں کی برسات کرنے لگیں۔
میں اس وقت حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ ذہن میں اٹھتے ہوئے عجیب و غریب سوالات میری پریشانی کا باعث بن رہے تھے جن کا جواب میرے پاس نہ تھا۔
جب میں تخت کے قریب پہنچا تو ملکہ اپنی کرسی چھوڑ کر ایک دوسری کرسی پر جا بیٹھی۔
" آیئے شہزادے آیئے۔" بادشاہ کی گرجدار آواز پھر سنائی دی۔
میں آگے کی طرف بڑھنا شروع کردیا، بادشاہ مجھے اپنے ساتھ والے تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنے تخت پر براجمان ہوگیا۔
سب درباری بادشاہ کے بیٹھتے ہی اپنی اپنی کرسیوں پر دوبارہ بیٹھ گئے۔
ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ گویا یہاں کوئی ذی روح کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ اچانک

بادشاہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

''راج کمار مجھ کو پتا ہے کہ اس وقت آپ کا ذہن مختلف سوالات کے درمیان الجھا ہوا ہے۔ لیکن ابھی آپ کو ان سوالوں کا جواب مل جائے گا لہٰذا اپنے آپ کو تھوڑا پرسکون حالت میں لائیں۔''

اور میں نے الجھن میں شہزادی کی طرف دیکھا تو شہزادی نے مجھے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بھی آگے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور خود کو تھوڑا پرسکون حالت میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

''بھائی صاحب آپ جس طرح ٹھیک سمجھتے ہیں اسی طرح ہی بہتر ہوگا۔ آپ کی اچھا میری اچھا ہے۔ راج کمار آپ کا ہی بیٹا ہے اور میں بھی شہزادی پھول متی کو اپنی بہو بنانے کی بڑی مدت سے خواہش مند تھی۔ آپ کے منہ سے یہ بات سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا ہے۔ اس سے زیادہ میرے لیے خوشی کی کیا بات ہوگی کہ پھول متی جیسی خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی میری بہو بنی۔'' سیتا نے اپنے بھائی رادیو کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

اصل میں ہندوستان کی چھوٹی سی ریاست کے بادشاہ رادیو بہت ہی امن پسند اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس کی چھوٹی سی ریاست بہت ہی خوبصورت اور باقی ریاستوں کی نسبت طاقتور ریاست تھی۔ بادشاہ رادیو عوام کی نظروں کا تارہ تھا۔ بادشاہ کی ہر خوشی اور غمی عوام کی خوشی اور غمی ہوتی تھی۔ بادشاہ نے اپنے دربار کا دروازہ سب کے لیے کھول رکھا تھا۔ بادشاہ رادیو اس قدر انصاف پسند بادشاہ تھا کہ ساتھ کی ریاستوں سے بھی ستائے ہوئے لوگ انصاف مانگنے کے لیے اس کے پاس آتے تھے اور بادشاہ رادیو ان ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ کر کے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاتا۔ یعنی کہ بادشاہ رادیو اپنی رحم دلی اور انصاف پسندی کی وجہ سے دور دور کی ریاستوں میں بھی مشہور تھا۔ اس کی کوئی بھی اولاد نہیں تھی۔

اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بادشاہ کے چہرے پر ہر وقت پریشانی کے آثار رہتے تھے۔ عوام بھی بادشاہ کی غم گساری کو سمجھتی تھی۔ اس لیے ہر کوئی اس نیک بادشاہ کے لیے بھگوان سے اولاد کی پرارتھنا کرتا تھا۔

آخر کار ایک دن شہزادی پھول متی کے روپ میں بیٹی بن کر بادشاہ کے بڑے سے محل میں روشنیوں کا چاند ابھرا۔ بادشاہ کو تو جیسے چار چاند لگ گئے خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے۔ اپنے خزانے کا منہ کھول دیا رعایا کے لیے۔ مہینوں تک جشن ہوتا رہا پھر زندگی دھیرے دھیرے معمول پر آ گئی۔

شہزادی پھول متی چاند کا ایک ٹکڑا تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ شہزادی جوان ہونے لگی۔ اور وقت نے شہزادی کو اتنا خوبصورت اور اس کے جسمانی نشیب و فراز کو اتنا دلکش بنایا کہ شہزادی کو دیکھنے والا کوئی بھی مرد رات میں چین سے نہیں سوتا تھا۔ لیکن شہزادی ان سب کو نظر انداز کر دیتی۔ شہزادی بچپن سے ہی اپنے کزن راج کمار کے پیار میں دیوانی تھی۔ بادشاہ کو بھی اس بات کا پتا تھا۔ اور وہ خود بھی چاہتا تھا کہ راج کمار جیسا خوبصورت اور نیک لڑکا اس کا جانشین بنے۔ اس لیے آج پرتھوی کی ماں سیتا سے بادشاہ نے خود ہی بات کر دی تھی۔ جسے سیتا نے اپنی خواہش سمجھتے ہوئے قبول کر لیا تھا۔ سو اس دن سے شہزادی پھول متی اور پرتھوی راج کمار کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

شہزادی اور پرتھوی راج کمار بے حد خوش تھے کہ ان کا پریم امر ہونے جا رہا ہے۔ وہ ایسے ہی تھے جیسے ایک روح ہو اور دو جسم ہوں۔ لیکن ان کو کیا پتا تھا کہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور ہے؟

☆.....☆.....☆

کہتے ہیں جہاں پر اچھائی ہو وہاں پر کچھ نہ کچھ برائی ضرور ہوتی ہے۔ جہاں بادشاہ نیک دل اور رحم دل تھا وہیں پر اس کا چھوٹا بھائی نریندر، انتہائی قسم کا گھٹیا، ظالم اور سڑیل مزاج کا بندہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اپنے غلاموں کا سر قلم کر دیتا تھا۔ اور اپنی بیوی تک پر ظلم

کی انتہا کرتا تھا۔ بادشاہ رادیو اور نریندر دو بھائی اور ان کی ایک بہن تھی۔ ان کے باپ نے ہی بادشاہ رادیو کو اس کی اچھی عادات کو دیکھتے ہوئے اپنا جانشین بنایا تھا اور نریندر کو ریاست کا چھوٹا سا علاقہ سونپ دیا تھا۔ نریندر اس بات کو پسند نہ کر سکا اور اپنے باپ کو خفیہ طریقے سے قتل کروا دیا۔

لیکن نریندر لاکھ کوشش کے باوجود اپنے بڑے بھائی رادیو کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ بظاہر وہ رادیو سے بہت پیار کرنے والا بھائی تھا۔ لیکن اندر ہی اندر سے سانپ تھا۔

جب شہزادی پھول متی پیدا ہوئی تو نریندر نے گھٹیا ذہن میں بادشاہت کے اصول کے لیے ایک نئی سوچ ابھری اس کا ایک بیٹا تھا شنکر ناتھ جو باپ کا عکس تھا۔ بالکل باپ کی طرح ہی گھٹیا عادات اس کے اندر پائی جاتی تھی۔

نریندر نے سوچا کہ اگر اپنے بیٹے کی شادی پھول متی سے کر دی جائے تو اس طرح نہ صرف ریاست ہمارے قبضے میں آ جائے گی بلکہ بادشاہ رادیو سے چھٹکارا بھی لیا جا سکتا ہے۔

لیکن اب شہزادی پھول متی اور پرتھوی کی شادی کے بارے میں سن کر اس کا غیض و غضب آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس کا سارا پلان چوپٹ ہوتے ہوئے نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے نئے انداز سے اس شادی کے خلاف پلان بنانا شروع کیا۔ پھر اس کے ذہن میں ایک نیا پلان ابھرا اور اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی؟

نریندر نے انتہائی مشکل سے خفیہ طریقہ کار استعمال کرتے ہوئے بادشاہ، شہزادی اور اپنی بہن سیتا کو پرتھوی سمیت راتوں رات اغوا کرا لیا۔ اور جنگل میں بنے ہوئے اپنے آبائی محل میں لے آیا۔ وہاں پر آتے ہی اس ظالم آدمی نے اپنی بہن اور بھائی کو بے ہوشی کے عالم میں ہی ان کے جسم کے کئی ٹکڑے کر دیئے جبکہ پرتھوی اور شہزادی پھول متی ابھی تک بے ہوشی میں ہی تھی۔

نریندر نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔

''ان دونوں کو ہوش میں لاؤ۔''

سپاہی آگے بڑھا اور شہزادی پھول متی اور پرتھوی راج کمار کے چہروں پر پانی چھڑکا۔ پانی چھڑکنے سے دونوں کے جسم میں تھوڑی تھوڑی حرکت ہوئی۔ پھر دھیرے دھیرے دونوں ہوش میں آ گئے۔ اور اٹھ کے بیٹھ گئے۔ اپنے اردگرد کا ماحول دیکھ کے وہ حیران ہوئے۔

اچانک ان کی نظر بادشاہ رادیو اور سیتا کی لاشوں پر پڑی۔

پرتھوی اپنی ماں اور باپ کی لاش دیکھ کر حواس کھو بیٹھا لیکن پھر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کنٹرول کیا۔

☆.....☆.....☆

کیپٹن اشفاق کو ڈھونڈتے ہوئے آج اکیس دن ہو گئے تھے۔ لیکن کیپٹن اشفاق کا کہیں پتا نہیں چل رہا تھا۔ میجر جنید نے اس کی اطلاع اوپر تک دے دی تھی۔ بہت ہی سوگ کا سماں تھا کیونکہ کیپٹن اشفاق نے آرمی میں رہتے ہوئے تھوڑے ہی عرصے میں ایسے ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیئے تھے کہ اپنے تو کیا! پرائے بھی اس کی بہادری کے گن گاتے تھے۔

چیف جنرل نے فوری طور پر انٹیلی جنس کو بھی ہائی الرٹ کر دیا کہ جلد از جلد کیپٹن اشفاق کا سراغ لگایا جائے۔

کیپٹن اشفاق کے گھر میں بھی کہرام مچا ہوا تھا۔ کیپٹن کی والدہ اور بہن کا تو بہت ہی برا حال تھا۔ کیپٹن اشفاق کی چھوٹی بہن تو پاگلوں کی طرح آہ و بکا کرتی تھی کیونکہ بھائی بہن تو جیسے ایک جان تھے۔ والدہ کو بیٹے کا دکھ تو الگ تھا اوپر سے چھوٹی بیٹی کی حالت نے مزید ان کی تکلیف میں اضافہ کر دیا تھا۔

کیپٹن کی والدہ بہت بہادر اور حالات سے مقابلہ کرنے والی خاتون تھیں۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ نہ صرف بیٹی کو کنٹرول کر رہی تھیں بلکہ ساتھ میں اپنے خاوند اور بیٹوں کو بھی تسلیاں دے رہی تھیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ وقت بھی ان جیسے عظیم ماؤں کو جھک کر سلام کرتا ہے۔ میجر جنید، کیپٹن کی ماں کو اپنی سگی

ماں سمجھتے تھے۔ کیونکہ میجر جنید کی ماں اور کیپٹن اشفاق کی ماں سگی بہنیں تھیں۔ سو میجر جنید بھی حالات سے نپٹنے کے لیے جان جھوکوں میں ڈال کر جنگل کے خطرناک سے خطرناک حصے میں بھی کیپٹن کی تلاش میں گئے لیکن کیپٹن ان کو نہ ملنا تھا اور نہ ہی ملے۔

☆.....☆.....☆

ہوم منگلم بھگوان وشنو
ہوم منگلم سواہاء

ایک پنڈت کی آواز پورے محلے میں گونج رہی تھی۔ وہ بار بار آگ میں کوئی چیز پھینکتا تھا جس سے آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ آگ کے بائیں سائیڈ پر حواس باختہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانی شہزادی پھول متی اور ساتھ میں نریندر کا بیٹا اپنے شیطانی چہرے پر مسکراہٹ سجائے دولہا کے روپ میں کھڑا تھا۔ شہزادی کے پلو کے ساتھ اس شیطان صفت انسان کا پلو بندھا ہوا تھا۔ اور پنڈت ان ہی کی شادی کی تیاری میں مگن تھا۔ جبکہ ان سے کچھ ہی فاصلے پر پرتھوی راجکمار بے چینی کی حالت میں کھڑا تھا اور ایک موٹا سا جلاد ٹائپ انسان اس کی گردن پر ایک تیز دھار تلوار رکھ کر کھڑا تھا اور ساتھ ہی نریندر بڑے غرور کے ساتھ مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

"پھول متی بھگوان کے لیے ہوش میں آؤ۔" پرتھوی راجکمار پھول متی کو بڑی بے بسی سے بلا رہا تھا۔ لیکن شہزادی کے ذہن کو باپ کی لاش کے ٹکڑوں نے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے کوئی آس پاس کی خبر نہیں تھی۔

اچانک پنڈت، شنکر ناتھ کو نریندر نے اشارہ کیا اور اشارے کے ساتھ ہی شنکر ناتھ کی مسکراہٹ میں اضافہ ہوا اور وہ آگے بڑھ کر شہزادی کا ہاتھ پکڑا اور آگ کے اردگرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔

"نہیں پھول متی رک جاؤ، بھگوان کے لیے ہوش میں آؤ۔" پرتھوی راجکمار تڑپ اٹھا یہ منظر دیکھ کے۔

"ہاہاہا.....!" نریندر کا شیطانی قہقہہ بلند ہوا۔

"پاگل بھانجے! اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا، شہزادی میرے بیٹے کے نصیب میں لکھی ہے۔" نریندر نے اپنے دانت نکال کر پرتھوی کو خبردار کیا۔

"کمینہ انسان! تو نے ماموں کے رشتے کو بدنام کیا ہے زندہ نہیں چھوڑنا۔ ورنہ تو زندہ نہیں رہے گا۔" پرتھوی نے تذبذب کی حالت میں دانت پیس کر کہا۔

"تیری یہ اچھا بھی پوری کر دوں گا میرے پیارے بھانجے، کچھ دیر شانت رہ!" نریندر نے اسی طرح دانت نکالتے ہوئے کہا۔

پانچ چکر پورے ہو چکے تھے جبکہ چھٹا چکر شروع تھا۔

اب تو شہزادہ پرتھوی کی تڑپ میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اب اسے ہی کچھ کرنا تھا۔ نہیں تو شہزادی ہزاروں جنم اسے نہیں مل پاتی۔ شہزادے نے ماحول کو بدنظر رکھتے ہوئے اچانک اپنے اوپر کھڑے ہوئے جلاد پر حملہ کر دیا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر راجکمار پھرتی سے نریندر کی طرف بڑھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی یہ پھرتی کام نہ آئی اور راجکمار کا پاؤں پھسل گیا۔ اور پاؤں کا پھسلنا ہی راجکمار سے راجکماری یعنی شہزادی پھول متی سے جدائی کا سبب بنا۔

نریندر نے دوسری طرف کھڑے ایک سپاہی کو غصے سے اشارہ کیا۔ سپاہی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنی چمکتی تلوار کو بلند کیا اور راجکمار پرتھوی کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے سینے کے آر پار اتار دی۔ راجکمار پرتھوی کی دردناک آواز پورے محل میں گونج اٹھی۔

شہزادے کی آواز کا گونجنا تھا کہ اچانک ہر طرف سے بجلیاں کوندنی شروع ہو گئیں۔ نریندر اور پنڈت چاروں طرف حیران اور پریشان نگاہوں سے دیکھنے لگے کہ یہ یا اچانک کوئی افتاد رونما ہو گئی ہے۔

راجکمار پرتھوی میں ابھی کچھ جان باقی تھی وہ ایک کی طرف گرا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بے آس آنکھوں سے ایک بار پھر شہزادی پھول متی کو دیکھا۔ جو بالکل آس پاس کے ماحول سے بے خبر کھڑی تھی۔ شادی رک چکی تھی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک طرف سے ایک روشنی کا

ایک چھوٹا سا دھبہ نما گولا محل کے اندر داخل ہوا اور وہ گولا شہزادی کے اندر داخل ہو گیا۔ شہزادی کو ایک دم ہوش آ گیا۔ آس پاس کا ماحول دیکھ کر شہزادی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اچانک شہزادی کی نظر پرتھوی راج کمار پر پڑی جو ابھی تک شہزادی کو بے بسی کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ شہزادی یہ منظر دیکھ کر چیخ اٹھی۔ اور دوڑتی ہوئی پرتھوی کے پاس پہنچ گئی۔

"ن.....ن.....نا.....نہیں.....نہیں، پرتھوی تم مجھے چھوڑ کے کہیں نہیں جا سکتے۔" شہزادی پرتھوی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر تڑپ کے کہا۔

"م.....م.....مجھے.....م....." معاف کر دینا پھول متی۔" پرتھوی راجکمار کی دم توڑتی آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی پرتھوی راجکمار کی آتما ایک چیخ کے ساتھ ہی پرلوک کی طرف پرواز کر گئی۔

"نہیں.....ں.....ں.....ں....." پرتھوری بھگوان کے لیے واپس آ جاؤ۔ نہیں پرتھوی تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" شہزادی پاگلوں کی طرح پرتھوی کی لاش کو جھنجھوڑنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے شہزادی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔

اچانک ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ محل کے اندر اچانک ایک بارعب اور باریش داڑھی والا بزرگ بجلی کی طرح نازل ہوا۔ بزرگ کے ہاتھوں سے غصے کی وجہ سے دھواں نما کوئی چیز نکل رہی تھی۔ اچانک اس نے ہاتھ بلند کیا تو اس کے ہاتھ سے آگ نکلنے لگی۔ اور آگ سیدھی جا کر نریندر، پنڈت اور ساتھ میں کھڑے سپاہیوں پر گری اور آگ چھوتے ہی سب جل کر راکھ ہو گئے۔

ابھی تک بزرگ ادھر ہی متوجہ تھا کہ ایک دم شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی اور ساتھ ہی پڑی ہوئی تلوار کو اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند کیا اور ایک سیکنڈ کے اندر ہی اندر شہزادی نے وہ تلوار اپنے ہی پیٹ میں گھونپ لیا۔ شہزادی کی ہولناک چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی شہزادی پرتھوی راجکمار کی لاش پر گر پڑی، بزرگ ایک دم شہزادی کی طرف بڑھا۔

"شہزادی صاحبہ، یہ ظلم کر دیا آپ نے" بزرگ کی کانپتی ہوئی مگر بارعب آواز گونجی۔

"محترم گرو".....ح.....ہم نے پرتھوی کے ساتھ جینے مرنے کی سوگند کھائی تھی۔ پھر ہم کیسے پرتھوی کو اکیلے چھوڑ سکتے ہیں۔

"محترم گرو" آپ سے ایک بنتی ہے۔" شہزادی نے اس بزرگ کو گرو کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اصل میں وہ بزرگ شہزادی کے خاندان کا جدی پشتی پنڈت گرو تھا۔

"بتائیں شہزادی صاحبہ" بزرگ نے بے چینی سے شہزادی سے پوچھا۔

"گرو میں اپنے پرتھوی سے دوسرے جنم میں ملنا چاہتی ہوں۔ بھگوان کے لیے میری مدد کریں۔"

"شہزادی صاحبہ" اگر آپ آتما ہتھیا نہ کرتیں تو آپ اس جنم میں ہی پرتھوی راجکمار سے مل سکتی تھیں۔ لیکن آپ نے بہت بڑا پاپ کر دیا۔ میں پرتھوی کی آتما پرلوک سے واپس بلا سکتا تھا۔ لیکن آپ کی جلد بازی نے دیوی اور دیوتاؤں کو ناراض کر دیا ہے۔ لیکن اب یہ حل ہے کہ میں آپ کی آتما کو ادھر ہی روک سکتا ہوں۔ آپ کو پرتھوی کا انتظار صدیوں کرنا ہو گا۔ کالی ماتا نے مجھے ابھی ابھی بتایا ہے کہ:

اکیسویں صدی میں اسی جگہ پر پرتھوی راجکمار ایک فوجی کی شکل میں آئے گا۔ اگر آپ نے اس کو چالیس دن اور چالیس راتیں کالی ماتا کے چرنوں کے نیچے بہتے ہوئے خون میں رکھا تو پرتھوی راجکمار ہزاروں جنم آپ کا ہو جائے گا اگر ایسا نہ ہوا؟....." بزرگ کہتے کہتے رک گیا۔

"محترم گرو میں پرتھوی کے لیے ہزاروں صدیوں انتظار کر سکتی ہوں۔ آپ اپنی شکتیوں سے میری آتما کو روکیں۔"

"ٹھیک ہے شہزادی صاحبہ" بزرگ نے اچانک اوپر کو ہاتھ بلند کیا۔ تو شہزادی کے جسم سے روشنی نما کوئی

Digitized by Google

چیز نکلی اور پورے محل میں پھیل گئی.....

☆.....☆.....☆

کیپٹن اشفاق نے اپنی آنکھ کھولتے ہی چاروں طرف ماحول کا جائزہ لیا۔ وہ اسی جگہ پر پڑا تھا۔ جہاں پر وہ محل میں داخل ہوا تھا۔ لیکن اب ماحول بدل چکا تھا۔ تخت اور تخت کے ساتھ پڑی ہوئی کرسیاں خالی پڑی تھیں جبکہ شہزادی اس کے پاس ہی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

کیپٹن کی آنکھوں سے شہزادی کے لیے بے تحاشا پیار چھلک رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور شہزادی کی طرف بڑھا۔ شہزادی کے پاس پہنچتے ہی اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا۔ شہزادی بھی کیپٹن کی بانہوں میں آنے کے لیے آگے بڑھی اور دونوں نے جب ایک دوسرے کو گلے لگانے کی کوشش کی تو کیپٹن کی بانہوں سے شہزادی ہوا کی طرح آگے گزر گئی۔

شہزادی کو جھٹکا لگا اور ایک ٹھنڈی سانس نکالتے ہوئے کیپٹن کی طرف حسرت اور پیار بھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"میرے راجکمار میں جذبات کے سمندر میں بہہ کر بھول گئی تھی کہ میں ایک آتما ہوں۔ اور آپ زندہ جسم کے مالک ہیں۔ میں نے آپ تک پہنچنے کے لیے صدیوں سے انتظار کیا ہے اور ہزاروں پرکھشا سے گزری ہو۔ اب آپ کو بھی ایک امتحان دینا ہوگا۔ پھر ہم امر ہو جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔"

"پھول متی میں تمہارے لیے ایک تو کیا لاکھوں آزمائشوں سے گزر جاؤں گا۔" کیپٹن نے شہزادی کی طرف بے چینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیپٹن اشفاق پر تو شہزادی کی آتما کا جادو چڑھ چکا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ بس اس پر شہزادی کو اپنا بنانے کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔

"مجھے آپ سے یہ ہی امید تھی میرے راجکمار" یہ کہتے ہی شہزادی آگے بڑھی اور کیپٹن کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ کیپٹن ایک عجیب سے سحر میں مبتلا تھا۔ وہ شہزادی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ دونوں اس کمرے سے نکل کر ایک راہداری میں آ گئے۔ محل پہلے کی طرح چمک رہا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ محل کے لوگ محل کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔ وہاں پر صرف شہزادی اور کیپٹن ہی موجود تھے جو اپنے پریم کو امر کرنے کے لیے بے چین تھے۔

راہداری سے گزرنے کے بعد وہ ایک اور بڑے کمرے میں داخل ہوئے اس کمرے میں دوسرے محل کی نسبت مدھم روشنی تھی۔ شہزادی اس کمرے کے ایک کونے میں جا کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ سامنے ایک بہت بڑا دروازہ خود بخود کھل گیا اور سامنے کا منظر چونکا دینے والا منظر تھا۔

سامنے ایک بہت بڑا مندر نما کمرہ تھا۔ اور اس میں آسمان کو چھوتا ہوا کالی ماتا کا بت کھڑا تھا۔ اور کالی ماتا کے چرنوں کے نیچے ایک چھوٹی سی نالی بنی ہوئی تھی۔ اور رگوں میں خون منجمد کرنے والی بات یہ تھی کہ اس نالی میں پانی نہیں بلکہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔ اور اس خون کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ آ کدھر سے رہا تھا اور جا کدھر رہا تھا۔

شہزادی اس کمرے میں داخل ہو گئی اور ساتھ ہی کیپٹن بھی اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔ شہزادی بت کے آگے جھک گئی اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگی۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف مڑی تو ایسا لگا کہ ایک بپھری ہوئی شیرنی کھڑی ہے۔

اس نے کیپٹن پر پھونک ماری تو کیپٹن خود بخود چلتا ہوا اس خون کی نالی کے قریب ہو گیا اور پھر وہ خون کی نالی میں اترتا چلا گیا کیپٹن کا وجود چھوٹا ہو چکا تھا شہزادی نے پھر کچھ پڑھ کر پھونک ماری تو شہزادی وہاں سے غائب ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

کیپٹن کو آج خون میں رکھے ہوئے آخری رات تھی۔ شہزادی کی آتما بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اور خوش بھی کیوں نہ ہوتی اس کی برسوں کی پرکھشا رنگ لا رہی تھی۔ اب اسے اس مخصوص وقت کا انتظار تھا۔ جس پل وہ کیپٹن کو خون کی نالی سے نکال کر اس کی بلی کالی ماتا

کے چرنوں میں دیتی اور خود اس کی آتما سے شادی کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتی۔ یعنی دونوں کی آتمائیں اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا میں ہی رہ جاتیں۔

ابھی شہزادی اس وقت کا انتظار ہی کر رہی تھی کہ اچانک کالی ماتا کا بت ایک دھماکے سے زمین بوس ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور ساتھ ہی پورا محل تھرتھرا اٹھا۔ پھر کالی ماتا کے چرنوں کے نیچے جو نالی نما نہر بنی تھی وہ خود بخود غائب ہو گئی اور اس میں سے کیپٹن اچھل کر باہر آن پڑا۔ کیپٹن بے ہوشی کی حالت میں تھا۔

شہزادی کی آتما اچانک یہ ہونے والا منظر دیکھ کر چیخ اٹھی۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔

"اے بدقسمت روح، میں تیری یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔" ایک خوش نما لیکن گرج دار آواز سنائی دی۔

"کون ہے تو سامنے آ، ہم اپنے سامنے آنے والی ہر رکاوٹ کو روند دیں گے۔ تو کون ہوتا ہے ہمارے پریم میں رکاوٹ بننے والا۔" شہزادی کی آتما غصے کی وجہ سے بادلی شیرنی لگ رہی تھی۔

"کس پیار کی بات کر رہی ہے تو، تو ایک روح ہے اور وہ ایک زندہ انسان۔ پھر خود کو دیکھ کہ تو ان بتوں کے سامنے جھکنے والی ساپتری ہے اور وہ ایک خدا کو ماننے والا مسلمان ہے۔ تیری یہ مراد کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔" ایک بار پھر غصہ سے بھری ہوئی گرج دار آواز گونجی۔

"تو تو کیا ہمیں اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" شہزادی غصے سے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی۔ لیکن اچانک ایک اور منظر سامنے آیا۔ ایک طرف سے ایک آگ کا گولا آیا اور وہ گولا سیدھا شہزادی پر پڑا۔ شہزادی کی آتما کو آگ لگ گئی۔ پورا محل اس کی چیخوں سے لرز اٹھا، تھوڑی دیر کے بعد اچانک ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ایک سسکتی ہوئی آواز آئی۔

"میں پھر آؤں گی کسی بھی روپ میں۔"

"میں اپنے پریم کو سچ ثابت کر کے رہوں گی۔"

"راجکمار میرا انتظار کرنا۔" آواز کے ختم ہوتے ہی محل کی دیواریں گرنا شروع ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

"اٹھو بیٹا۔ آنکھ کھولو۔ دیکھو تمہاری بہن کتنی بے چین ہے تمہاری لیے۔" میرے کانوں میں اپنی ماں کی مدھم آواز آئی۔ اور میں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ اور سامنے کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سامنے امی جان اور میجر جنید کے ساتھ گھر کے تمام افراد کھڑے تھے۔ اور میرا سر میری پیاری سی بہن مقدس کی گود میں تھا۔ اس کا چہرہ خوشی اور بے چینی کے آنسوؤں سے تر تھا۔ میرے ہوش میں آتے ہی وہ تو جیسے خوشی سے پاگل ہو گئی۔

"ام.....ا.....م.....امی، امی، امی ہو..... دیکھو بھیا ہوش میں آ گئے، دیکھو میرے بھیا ہوش میں آ گئے۔"

"ہاں ہاں صبر کرو! مبارک ہو۔" امی جان کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو آ گئے تھے۔

"میں یہاں کیسے پہنچا۔" میں نے بڑی مشکل اور حیرانگی سے پوچھا۔

میجر جنید سامنے آیا اور بڑے پیار سے میرا ماتھا چوم کر بولا۔ "بھائی تو تو بہت بڑا عاشق نکلا۔ بڑا پرانا عاشق ہے تو۔"

میں اسی طرح حیران اور پریشان نگاہوں سے میجر کے چہرے کو تکتا رہا۔

"بات یہ ہے بھائی جب تم غائب ہوئے تو اس وقت سے ہم نے تمہیں بہت تلاش کیا۔ لیکن تم ہمیں نہیں ملے۔ ایک رات میں تمہارے لیے پریشان بیٹھا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک بہت ہی پرنور شکل کے بزرگ حاضر ہوئے، بزرگ کے حاضر ہوتے ہی میں حیران پریشان رہ گیا کہ یہ کون ہیں اور اچانک کدھر سے آ گئے۔

"پریشان نہ ہو بیٹا مجھے اپنا مسیحا ہی سمجھ لو، مجھے خدا نے تم لوگوں کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔" پھر

Digitized by Google

ان بزرگ نے کیپٹن کے ساتھ ہونے والے تمام واقعہ مجھ کو سنا دیا اور بعد میں تسلی دے کر غائب ہو گئے کہ جمعہ کی رات کیپٹن تم لوگوں کے پاس ہوگا۔ سو آج تم ہمارے سامنے ہو۔"

بہر حال میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری جان بچ گئی۔ میں دلی طور پر شہزادی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میری روح تک اس کو چاہنے لگی تھی۔

خیر اس واقعہ کو چار سال گزر چکے ہیں لیکن میں نے ابھی بھی شادی نہیں کی۔ امی جان اور گھر والوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ آخر تھک ہار کر گھر والے سب خاموش ہو گئے تھے۔ میں پہلے کی نسبت خاصا بدل چکا تھا۔ بالکل خاموش طبیعت ہو گیا تھا۔ کسی کے ساتھ بات تک نہ کرتا تھا۔

ایک دن پتا چلا کہ ہماری یونٹ میں ایک نئی نئی کیپٹن بن کے لڑکی آئی ہے۔ سب کے منہ سے سنا تھا کہ وہ بہت حسین و جمیل ہے۔ اس کے حسن کے چرچے پوری یونٹ میں پھیل چکے تھے۔ مجھے یہ بھی پتا چلا تھا کہ وہ کیپٹن سے ملنے کی یعنی مجھ سے ملنے کی بہت خواہش مند ہے۔ لیکن میں کسی سے بھی بات تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس بات کو دو مہینے گزر چکے تھے۔ لیکن ابھی تک میں نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ ایک دن میجر جنید آ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا۔

"یار تو کیپٹن صائمہ سے کیوں نہیں مل رہا، وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ آج اس کے ابو ہمارے گھر رشتہ لے کر آئے ہیں اس کا۔"

"کیا؟؟؟" میں نے کیا کو زور سے لمبا کرتے ہوئے حیرانی سے میجر جنید کو دیکھ کر کہا۔

"تو آ تو سہی میرے ساتھ" میجر جنید مجھے دفتر سے کھینچتے ہوئے اس کیپٹن کے دفتر میں لے گیا۔ میجر جنید نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون" اندر سے ایک پرترنم سی آواز آئی۔ مجھے آواز سنی سنائی لگ رہی تھی۔

میجر جنید نے جواب دیئے بغیر دروازہ کھول دیا۔ اور ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ میں نے سامنے کھڑی ہوئی لڑکی کو دیکھا تو میں جیسے اچنبھے کھرا ہی رہ گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں ابھی بے ہوش ہونے والا ہوں۔ لیکن میں نے خود کو بڑی مشکل سے کنٹرول کیا۔

"ت.....تو.....تم" میں نے بڑی مشکل سے اپنی اندرونی ہمت جمع کر کے کہا۔ کیونکہ سامنے کھڑی ہوئی لڑکی کوئی اور نہیں شہزادی پھول متی کی ہم شکل تھی۔

"ہاں جی میں....." کیپٹن صائمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں بھی ایک دم ہنس پڑا تو میجر جنید نے حیرانگی اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات سے مجھے دیکھا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد آج پہلی مرتبہ میں ہنسا تھا۔

سو مختصر بات یہ کہ میں پھر سے اپنی دنیا میں لوٹ آیا تھا۔ ہم دونوں کی شادی ہو گئی اور ہمارا صدیوں کا پیار بھی مل گیا تھا۔ ہم آج بھی ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میری اور کیپٹن صائمہ کی اب عمر سو سے اوپر ہو چکی ہے لیکن آج تک میں وہ واقعہ نہیں بھول پایا۔ جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صائمہ کو بھی اس واقعہ کا پتا چل چکا تھا۔ اور وہ بھی کہتی تھی کہ مجھے بچپن سے آپ خوابوں میں نظر آتے تھے۔ اس لیے میں نے جب آپ کو دیکھا تو مجھے میرے خوابوں کا شہزادہ مل گیا۔ ہم اپنی زندگی میں مگن ہیں۔

لیکن ایک بات مجھے آج تک نہ پتا چلی کہ میرے ساتھی فیض الحسن کو کس نے زخمی کر کے مارا تھا۔ وہ کونسی بلا تھی جس نے اس کا یہ حشر کیا تھا۔ اور یہ بات کبھی بھی معلوم نہ ہو گی کیونکہ یہ راز فیض الحسن کے پاس تھا اور فیض الحسن؟.....؟

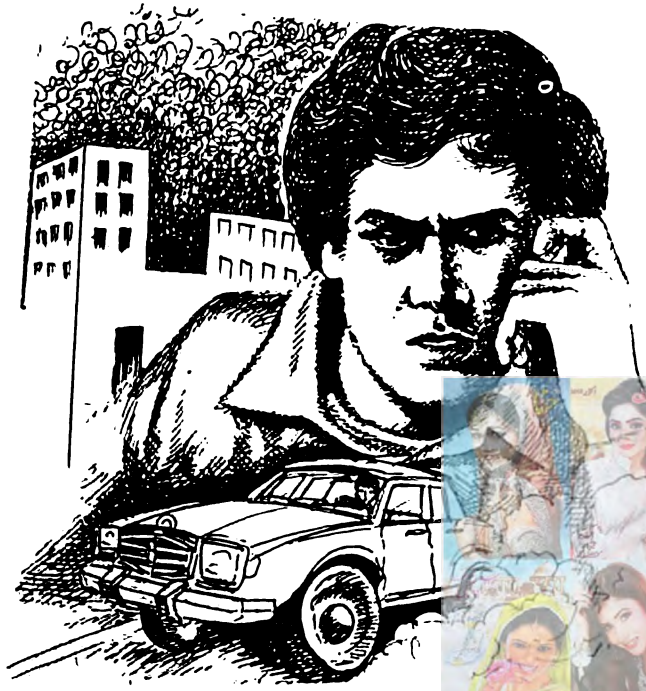

دھواں

مدثر بخاری-شہر سلطان

اچانک کمرے میں ایک باریش بزرگ نمودار ہوئے جنہیں دیکھ کر نوجوان خوف کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا اس پر کپکپی طاری ہو گئی جسے دیکھ کر بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی کہ اتنے میں.....

تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینگے

قسم جہنم کی طرف دھکیلے جا رہے ہو، میرے دوست جس راہ پر تم چل نکلے ہو وہ ذلت و رسوائی کی راہ ہے تم ذہنی مریض قرار دیئے جاؤ گے۔ تم معاشرے کا ناکارہ حصہ بن جاؤ گے.....! وہ اپنے مخصوص انداز میں شجاع کو سمجھا رہا تھا۔ اس کی آواز میں غصہ و غم کے ساتھ احساس بھی شامل تھا۔

شجاع نے سگریٹ کا ایک مرغولہ ہوا میں چھوڑا، نشہ کی لعنت میں گھرا شجاع روزانہ ہی کا شفک کی بات سنی ان سنی کر دیتا۔

"یار اس چیز کے بارے میں کوئی بات میں نہیں سننا چاہتا جب کوئی نہیں ہوتا تو یہ سگریٹ ہی میرے ساتھ ہوتی ہے۔ اکیلے دھوئیں کے ساتھ ہی میرا دماغ مکمل فریش ہو جاتا ہے۔ پریشانی ایک دم دور ہو جاتی ہے۔ تم کیا جانو اس عمدہ چیز کے کمالات کے بارے میں۔"

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

''افسوس تم ایک لعنت کو عمدہ چیز قرار دے رہے ہو۔ مذہب اور معاشرہ ایسے لوگوں کو پسند ہی نہیں کرتا۔ جانتے ہو انسان ذہنی مریض بن جاتا ہے۔

جب انسان مالی و سماجی مسائل میں الجھ جاتا ہے تو فراریت کا راستہ اپناتا ہے وہ دنیا سے دوری چاہتا ہے۔ اور تو کچھ نہیں کر سکتا تو مجبوراً محض مزے کے لئے نشہ شروع کرتا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن ناکارہ، جسم لاغر، اور چہرے زرد ہو جاتے ہیں عزم و ہمت دفن ہو جاتا ہے۔ مایوسی کا بھی نہ ختم ہونے والا بادل خوشیوں کو دبا دیتا ہے۔ آنکھوں میں خوف اور پھر لوگ معاشرہ اور سند یافتہ ماہرین انہیں نشئی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔'' وہ بولتا چلا گیا۔

''اچھا تو میں نشئی ہوں۔'' شجاع نے کہا۔

''لیکن کہلانے میں کون سی دیر لگتی ہے۔ اپنی عادتوں کو بدلو ورنہ لوگ بہت جلد تمہیں یہ لقب دینا پسند کریں گے۔''

''اچھا یار کوشش کروں گا۔'' وہ جیسے ہار مانتے لگا۔

تبھی اس کی نظر اخبار کے اس کالم پر پڑی جہاں کا ڈرگ مافیا اور ان کے مکمل نیٹ ورک کا تجزیہ کیا گیا تھا۔

فلاں ملک ایک پسماندہ ملک ہے۔ جہاں کی 80 فیصد آبادی ناخواندہ ہے۔ اس میں سے 25 لاکھ لوگ نشے کے عادی ہیں۔ لیکن نوجوانوں کی تعداد 70 فیصد ہے۔ نشہ آور دوائی بنیادی طور پر کسی مرض کے علاج یا مریض کو سکون پہنچانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر اسکا مسلسل استعمال مریض کو عادی کر دیتا ہے۔ ہیروئن، افیون کو عام طور پر ادویات کے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ افیون بہت خطرناک ہے۔ افیون کا پودا مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بیج ملتا ہے۔ بیج سے افیون، افیون سے مارفین اور مارفین سے کوکین اور پھر کوکین سے ہیروئن نکالی جاتی ہے۔ لوگ چند دنوں میں ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔

نشہ کرنے والے عموماً افراد بزدل ہوتے ہیں۔ جو زندگی کے تلخ مسائل اور حقائق کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی قوت ارادی کھو بیٹھتے ہیں اور نشہ سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

شجاع کے پاپا کی ڈیتھ ہو گئی تھی اور وہ نشے کا عادی ہو گیا۔ امی اسکول ٹیچر تھیں گھر کا گزر بسر ہو جاتا تھا۔ وہ بھی ایک الگ دن تھا جب اس نے پہلی سگریٹ پی تھی۔

وہ ٹریک پر بیٹھا تھا پاپا کی وفات نے اسے ادھورا کر دیا تھا۔ بی۔اے میں فرسٹ ڈویژن کلاس کا ذہین طالب علم بہت اچھا مضمون نگار، حاضر جواب، جنرل نالج اردو ادب اور انگریزی ادب کا دیوانہ۔ پاپا نے ہمیشہ اسے اعلیٰ تربیت دی تھی۔ اس کی کمپنی بھی بہت اچھی تھی۔ پاپا کے ہوتے ہوئے انہیں کبھی مایوسی نہ ہوئی مگر پاپا کا اچانک دنیا سے چلے جانا۔ وہ ایک دم تاریکیوں میں کھو گیا۔ ہر جگہ سی وی ارسال کی۔ انٹرویوز دیئے۔ مگر کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ تنگ آ کر وہ مایوسی کی جانب آنے لگا۔ اس کا ذہن برائی کی جانب راغب ہونے لگا۔

ٹریک پر دور دور تک ٹرین کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ جب بھی اداس ہوتا تو ٹریک پر آ بیٹھتا۔

☆.....☆.....☆

''ہوں پریشان ہو میرے دوست؟'' وہ ایک اجنبی شخص تھا۔ نوجوان کے چہرے پر فرنچ داڑھی تھی۔ گلے میں رومال۔ بلیو جینز، لیکن ہاتھ میں سگریٹ سلگائی ہوئی تھی۔

وہ شجاع کا محلہ دار تھا۔ پر اس کا شمار محلے کے آوارہ گرد لڑکوں میں ہوتا تھا۔ شجاع ہمیشہ اس سے دور رہتا تھا۔

''کیوں اداس بیٹھے ہو اور انکل کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ وہ بہت اچھے آدمی تھے۔''

''ہاں یار..... انہوں نے ہمیں ہمیشہ محبت دی۔ خوشیاں دیں۔ مگر یوں اچانک ہم سے بچھڑ گئے۔ یقین

ہی نہیں آتا۔'' وہ بولا۔

''ایسا ہی ہوتا ہے آؤ اسنوکر کھیلتے ہیں تمہارا دماغ کچھ فریش ہو جائے گا۔''

''نہیں یار..... مجھے کھیلنی نہیں آتی۔''

''میں سکھا دوں گا۔ تم ہمیشہ مجھ سے دور بھاگتے رہے جبکہ میں آج تمہاری طرف اپنا دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

وہ دن تھا اور آج کا دن اس نے سگریٹ بھی شروع کی۔ اس کمپنی میں جو مزا اور آوارہ گرد لوگ تھے۔ دھیرے دھیرے شجاع ہیروئن کا بھی عادی ہو گیا۔ اس کی رنگت زرد، آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ ہیروئن کا استعمال اسے وقتی سکون فراہم کرتا تھا۔ وہ لوٹ رہا ہوتا تھا۔ لیکن اس کا جسم کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آنکھیں چندھیانے لگتیں۔ وہ لوگوں کو مارڈالنا چاہتا تھا۔ اس کا بلڈ پریشر گرنے لگتا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ اس کا دماغ اس کے جسم کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس کا جسم دائیں بائیں لہراتا اور گر جاتا۔

☆.....☆.....☆

تبھی کاشف اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں واپس آ گیا۔ کاشف نے شجاع کی بگڑی حالت کا ذمہ دار اس کی کمپنی کو ٹھہرایا۔ غلط کمپنی کا غلط اثر ہی پڑتا ہے۔ ''آنٹی جان آپ اس کی حالت تو دیکھیں وہ دن بدن گرتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں زرد اور اندر کو دھنستی جا رہی ہیں۔ وہ اپنی جاب نہیں کرنا چاہتا انکل کے بعد وہ گھر کو سنبھالنے کی بجائے بہت غلط راستے پر چل نکلا ہے۔''

کاشف اور شجاع کزن تھے۔ لیکن ان میں دوستی کافی گہری تھی کاشف ایم، بی اے کے لئے یونیورسٹی چلا گیا جب کہ شجاع نے گریجویشن میں ایڈمیشن لیا تھا۔ اور اب وہ کافی عرصہ بعد دوبارہ ملے تھے۔ اس دوران کافی کچھ بدل گیا تھا کاشف نے شجاع کی کمپنی اور طرز زندگی

موبائل

پٹھان: دوست سے۔

آج میری جمعہ کی نماز رہ گئی۔

دوست: وہ کیسے؟

پٹھان: امام صاحب نے کہا کہ اپنے اپنے موبائل بند کر دیں۔ میرا موبائل تو گھر تھا۔ جب بند کر کے واپس پہنچا تو جماعت ہو چکی تھی۔

سوٹ

ایک لڑکا اور لڑکی پارک میں ملنے گئے۔ وہاں لڑکے کو چوٹ لگ گئی اور خون بہنے لگا۔ وہ لڑکی کو دیکھنے لگا کہ شاید وہ اپنا دوپٹہ پھاڑ کر زخم پر باندھے گی۔

لڑکی فوراً سمجھ گئی اور لڑکے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

سوچیں وی نا..... 3200 دا سوٹ اے میرا۔

(نواز شاہین۔ ملتان)

پر افسوس کا اظہار کیا۔

آنٹی اور کاشف نے شجاع پر نظر رکھنا شروع کر دیا تھا لیکن پھر کچھ عجیب ہوا۔

☆.....☆.....☆

امی کی تنخواہ کا آدھا حصہ گم ہو گیا تھا۔ اس رات شجاع کی امی نے تنخواہ دراز میں رکھی لیکن صبح آدھے روپے کم تھے۔ یہ ان کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا۔ جب ان کی پرسنل دراز سے چوری ہوئی تھی۔

انہوں نے شجاع سے یہ بات شیئر کی مگر اس نے لاعلمی کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ اسے سب علم تھا۔ بلکہ وہ

Digitized by Google

ڈائریکٹلی اس چوری میں شامل تھا۔ اس نے کالو خان کے ساڑھے گیارہ ہزار روپے دینے تھے۔ جو اس نے نشے کی غرض سے ادھار لئے تھے۔

پھر یہ سلسلہ گھر سے نکل کر باہر تک جا پہنچا۔ محلے میں ایک چوری ہوئی۔ سب ہی حیران کہ محلے میں چوری کیسے شروع ہوگئی اور چور کون ہے؟

☆......☆......☆

وہ رات خاصی سرد تھی۔ ایک سایہ بلیک کوٹ میں ملبوس روڈ سے ٹرن لے کر گلی کے نکڑ پر موجود سیٹھ د قاری کی کوٹھی میں اتر گیا تھا۔

اس کی چال ڈھال سے معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی نشہ کی حالت میں ہو۔ لیکن وہ کسی ماہرانہ انداز میں دیوار کود گیا۔ آواز کی ہلکی سی گونج بھی پیدا نہ ہوئی۔

وہ دائیں طرف موجود روشندان کی طرف مڑا۔ غالباً ان کے ہاں پینٹ کیا جا رہا تھا۔ اسی لیے اسٹینڈ رکھا ہوا تھا۔ وہ جلد سے اسٹینڈ پر چڑھ کر روشندان کے پچھلی طرف دیکھنے لگا اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ گلاسز پہن لیے۔ منظر واضح ہوگیا۔ یہ اسٹور روم تھا۔ جہاں گھریلو استعمال کی مختلف اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔

اس نے جیب سے ایک جدید ساخت کا کٹر نکالا۔ روشندان کے درمیان دو لوہے کی سلاخیں نصب تھیں۔ اندر داخل ہونے کے لئے ان دونوں لوہے کی سلاخوں کو ہٹانا لازمی تھا۔ اس نے کٹرے سے سلاخ کو سائیڈوں سے ہلکا سا کلک کیا تو دونوں تاریں کٹ گئی۔ اس نے دونوں کو ہاتھ سے موڑ کر سائیڈ پر کیا۔

ایک بہت بڑا خلا بن چکا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں روم کے اندر تھا۔ سامنے دروازہ تھا۔ اس نے آہستہ سے ہینڈل گھمایا۔ خوش فہمی کہ یہ لاک نہیں تھا۔

ایک بہت بڑی راہداری تھی۔ راہداری میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہ تیسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ جیب سے ماسٹر کی نکالی اور ہول میں انٹر کردی۔ کٹاک کی آواز کے ساتھ ہی لاک کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوگیا لیکن پھر منظر بدل گیا۔

لائٹ فوراً آ گئی۔ ایک دم روشنی نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا دل بے ترتیب دھڑکنے لگا۔ پھر کمرے میں زور سے تالی بجی۔

ایک تیز آواز ابھری۔ ”بہت خوب۔ مجھے پتہ تھا تم آؤ گے۔ میرا اندازہ درست نکلا۔“ ایک باریش بزرگ اپنی مخصوص آواز میں بولے۔ بزرگ کی بات سن کر اس کے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔

”آنکھیں کھولو۔ اور جو جی چاہے یہاں سے لے جاؤ۔“ بزرگ بولے۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بزرگ پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا کیونکہ وہ جہاں آیا تھا وہاں بزرگ کا کیا کام وہ ہکلایا...... ”جی...... جی آپ کون؟“

میاں تم مجھے نہیں جانتے۔ تم میرے لیے اجنبی ہو میں تمہیں جانتا ہوں۔ میں اللہ کا ایک ادنیٰ سا بندہ ہوں۔ تم جس راستے پر چل نکلے ہو وہ مکمل طور پر اندھیرے کا راستہ ہے تمہارے والد حسرت صاحب ایک ایماندار افسر تھے۔ وہ ہمیشہ روشنی کی جانب گامزن رہے۔ اور تم نہ جانے کن اندھی راہوں پر نکل کھڑے ہو۔“

بزرگ کی بات سن کر اس کا جسم سن ہو چکا تھا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ ابھی زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

”بیٹھو میرے بچے۔ اور غور سے میری بات سنو۔“ بزرگ نے پیار سے اسے بیڈ پر بیٹھایا۔ اور سیف سے نوٹوں کی گڈیاں لے آئے۔

”یہ سب پیسہ تمہارا ہے۔ لیکن صرف ایک شرط ہے۔“ وہ حیران رہ گیا بزرگ اسے خود ہی پیشکش کر رہے تھے کہ یہ سارے نوٹ تم لے لو۔ یہ سب تمہارا ہو سکتا ہے۔ اگر تم اپنا ایمان بیچ دو۔“

ایمان بیچنے کی بات سن کر وہ ایک دم گڑبڑا گیا۔ بزرگ اس کے ایمان سے کھیلنے لگے تھے وہ اچانک کھڑا ہوگیا۔

”نہیں میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔ میں اپنا

ایمان نہیں بیچ سکتا۔ ان چند ٹکوں کے لئے۔“

”بہت خوب آرام سے بیٹھ جاؤ بیٹا۔ کوئی بھی شخص اپنا ایمان نہیں بیچنا چاہتا۔ تم ابھی بھی صرف نشہ کرنے کی غرض سے یہ سب کچھ کر رہے ہو۔

”لوٹ آؤ اس دلدل سے آؤ میرے ساتھ۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ والے کمرے میں لے گئے لائٹ آن کی۔

بیڈ پر ایک نوجوان انتہائی نازک حالت میں پڑا تھا۔ زرد چہرہ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی انہوں نے اس کی میڈیکل رپورٹس دکھائی۔

”اسے ٹی بی ہے۔ منہ سے خون آتا ہے...... اگر اس کا علاج بروقت شروع نہ ہوتا تو ایک پھیپھڑا کاٹنا پڑتا۔“

صرف سگریٹ نے ہی اس کا یہ حشر کیا ہے۔ Toxic اثرات اندر کے تمام آرگنز اور ٹشوز کو تباہ کر دیتے ہیں۔

تم نشے کی جس بری کمپنی میں ہو وہ بھی میں سب جانتا ہوں۔ باہر روشندان کے قریب اسٹینڈ اور دروازہ بھی جان بوجھ کر اوپن رکھا گیا تھا۔ تاکہ تم باآسانی یہاں تک پہنچ سکو۔

میں چاہوں تو تم ابھی جیل جا سکتے ہو لیکن مقصد صرف تمہاری بھلائی ہے۔ تم اگر جیل چلے گئے تو ماں کا کیا بنے گا۔

باپ کا سایہ پہلے ہی اٹھ چکا۔ تم اکیلے ہی ماں کا سہارا ہو۔ خدانخواستہ تمہیں بھی اس طرح کی بیماری ہوگی اور تم معاشرے کا خطرناک پہلو جسے ہم نظر انداز اور ناکارہ پن کہتے ہیں وجود میں آجائے گا۔

تم کسی ناکارہ عضو کی طرح جسم سے الگ کر دیئے جاؤ گے اور چند ہی دنوں میں تمہاری زندگی کا باب مکمل بند ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ زندگی میں وہ خوفناک وقت آئے تم توبہ کرلو۔ ورنہ لوگ تمہیں خود سے دور کرنا شروع کردیں گے۔ تم کسی محفل میں دھبہ قرار دیئے جاسکتے ہو۔ اپنی زندگی کو سمجھو اور اس کی قدر کرو۔ زندگی ایک نعمت ہے اسے فضول میں مت ضائع کرو۔“

☆......☆......☆

”نہیں مجھے جینا ہے اور اپنی ماں کے لئے۔ میں نشہ نہیں کروں گا۔ جب نشہ ہی نہ کروں گا تو چوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

وہ رو رہا تھا۔ اور جب اس نے اپنی نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تو بزرگ غائب تھے اور وہ اپنے گھر کی گلی میں تن تنہا کھڑا تھا۔

آج وہ ایک کمپنی میں ہیلتھ آفیسر ہے۔ وہ کمپیوٹر پر نگاہیں جمائے Email کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی اس نے جھٹ کتاب پکڑی۔

”اوہ کیا خوب صورت کتاب ہے کس موضوع پر ہے؟“

”زندگی اور دھواں۔“

”کیا مطلب۔“ دوست نے پوچھا۔

”سگریٹ کا دھواں ہو یا افغانستان کے پہاڑوں پر بمباری کا دھواں۔ کراچی میں بم اٹیک کا دھواں ہو، یہ دھواں ہی بربادی، خیالات کی تباہی اور زندگی کا خاتمہ ہے۔“

”ویری گڈ...... بہت اچھا ٹاپک ہے۔ اسے پہلے میں پڑھوں گا۔“ دوست بولا۔

”ضرور...... مگر ایک وعدہ کرنا ہوگا۔“

”ضرور۔“

آئندہ کبھی بھی اپنی زندگی کو اس کالے دھوئیں میں مت اڑانا۔ ”دھواں دھواں میری زندگی۔“

دوست مسکرا دیا۔

وہ جانتا تھا زندگی میں جو محبت کرتے ہیں وہ ہر اچھی اور کڑوی بات کو مناسب طریقے سے کرنا جانتے ہیں۔

”دوست وہ جو آپ کی بھلائی کی خاطر قربانی دے اور سچ بات کہنے سے نہ گھبرائے۔“

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

زندگی کا یہ عالم ہے تیرے بغیر
شاخ سے پھول گویا جدا ہوگیا
(ایس حبیب خان......کراچی)

عشق قاتل سے بھی مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا
(نثار فاطمہ......راولپنڈی)

تجھ سے ملاقات کا امکان نہیں کوئی
بھری دنیا میں پھر اپنا مہربان نہیں کوئی
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

ہم موم کی سیڑھی پہ کھڑے سوچ رہے ہیں
سورج سے بناوٹ کا صلہ کیسے ملے گا
اب دیکھنا یہ ہے کہ رضا کچے گھڑے کو
دریا سے محبت کا صلہ کیسے ملے گا
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

وہ لوگ جو تم کو کبھی کبھی یاد آتے ہیں
اے دوست ہوسکے تو مجھے ان میں شمار کرلینا
(خورشید احمد تالپور......ڈیرہ غازی خان)

تلاش عیب سے میری ذات کو نہ کر داغدار
فقط اتنا ہی کہہ دے کہ تیرے قابل نہیں ہوں میں
(عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

اگر معلوم ہوتا کہ محبت اتنا دکھ درد دیتی ہے
تو ہم دل جوڑنے سے پہلے ہی ہاتھ جوڑ دیتے
(محمد آصف شہزاد الہ آبادی......قصور)

تجھ کو سوچوں تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو سے رنگ ملتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے
جیسے بارش میں پھول کھلتے ہیں
(عبدالجبار رومی انصاری......بورے والا)

تھکی تھکی سی فضائیں بجھے بجھے سے تارے
بڑی اداس گھڑی ہے ذرا دیر کیلئے ٹھہر جاؤ
(محمد حنیف شاکر......ننکانہ صاحب)

خوشبو کی طرح پھیلے گی یہ بات کبھی تو
بخشے گا ہمیں شرف ملاقات کبھی تو
اب تک کی تو ملاقاتیں ہیں آئندہ کی خاطر
مل جائیں گے آپس میں خیالات کبھی تو
(افتخار احمد پھلریاں......تلکونڈی قصور)

فاصلے کیوں ہیں ضابطے کیوں ہیں
ہم تجھے اتنا چاہتے کیوں ہیں
ہے مرا مسئلہ فقط اک شخص
پھر یہ اوروں سے رابطے کیوں ہیں
(محمد رمضان......قصور)

تنہائی کے زخم سجے ہیں آنکھوں میں
میں نے کیا کیا خواب بھرے ہیں آنکھوں میں
پیارے پیارے لوگ جو دنیا سے روٹھ گئے
اب تک سب کے نقش بنے ہیں آنکھوں میں
(محمد اسحاق انجم......کنگن پور)

نہ تو بدلا نہ میں بدلی، بدلی ہوا زمانے کی
یہ چار آنسو نشانی ہیں ہمارے دل لگانے کی
(ماسٹر خالد عباس......ننکانہ صاحب)

دوسرا پہلو بھی تم ذہن میں رکھ کر جانا
اس کے در سے تمہیں انکار بھی ہوسکتا ہے
(محمد عمران......پھلریاں تلکونڈی)

وہ مجھے مشورہ ترک وفا دیتے تھے
یہ محبت کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا
(افتخار احمد......پھلریاں تلکونڈی)

وہ کون ہے اس سے میں واقف بھی نہیں
جو مجھ کو کسی اور کا ہونے نہیں دیتا
(مس فوزیہ کنول......کنگن پور)

عمر بھر رات محبت کے مسافر ہی رہے
کچھ محبت کے سوا ہاتھ نہ آیا آخر
(مقصود احمد نمبردار......کنگن پور)

وفا کریں گے نبھائیں گے بات مانیں گے
تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا
(اشفاق احمد انصاری......قصور)

☆☆

غزل

ہر چوٹ ابھر سی جاتی ہے، ہر زخم ہرا ہوجاتا ہے
مدت میں کوئی جب ملتا ہے غم اور سوا ہوجاتا ہے
جب گرم جہاں میں معرکۂ تسلیم و رضا ہوجاتا ہے
منہ دیکھتی رہ جاتی ہے خرد دل بڑھ کے فدا ہوجاتا ہے
ہر چند محبت راز رہے اک نغمۂ بے آواز رہے
دنیا کو خبر ہوجاتی ہے، ہنگامہ بپا ہوجاتا ہے
افسانے محبت کے سن کر سر دھنتے ہیں دنیا والے مگر
جب کوئی محبت کرتا ہے، ہر شخص خفا ہوجاتا ہے
ملنے کو ہزار اس دنیا میں ملتے ہیں ہزاروں دوست مگر
اک مخلص تنہا غم کے سوا ہر دوست جدا ہوجاتا ہے
(ایس حبیب خان......کراچی)

میری آنکھوں سے جو میرے دل کی رمز پہچانے
کوئی تو ایسا ہو جو میری چپ سے میرے دل کی بات جانے
روکے نہ جو کبھی اڑان میری اور نہ میرے پر کاٹے
میرا ہر شوق پورا کرنا جو اپنا فرض ذات مانے
اس کی ہر سانس، ہر دعا میں میرا نام ہو اس طرح
کہ جیسے کسی دھاگے میں ہوتے ہیں تسبیح کے دانے
اس کے دل میں میری محبت کے ہوں اس قدر سمندر
کہ محبت ماپتے ماپتے ٹوٹ جائیں سب پیمانے
جس کے دل کی آنکھیں کھلیں صرف میرے دیدار کے لئے
دل کے نگر میں بجیں ہمیشہ میرے ذات کے ترانے
کتنا نادان و نا سمجھ ہے تیرا دل بھی آفرین
اسے معلوم نہیں ملتے ہیں آج کل ایسے دیوانے
(رابعہ آفرین......لاہور)

طوفان سے جو لڑنے کی تدبیر بدل جاتی
ممکن تھا سفینے کی تقدیر بدل جاتی
پہچان لیا اس کو زخموں کی صداؤں سے
ہاں سوچنا پڑتا ہے جو شمشیر بدل جاتی
دامن کو بچالینا خوابوں سے مناسب تھا
دو چار قدم چلتے تقدیر بدل جاتی
بادل تری یادوں کے چھاتے تو کبھی ایسے
بس آنکھ جھپکتی اور تصویر بدل جاتی
اک عمر ہوئی مجھ کو وہ راہ گزر چھوڑے
اب کاش ان ہاتھوں کی تحریر بدل جاتی
نظروں کے تعاقب میں رہتا ہے کوئی ورنہ
اب تک تو مری بگڑی ہوئی تقدیر بدل جاتی
جذبوں کو نوا دے کر کھویا ہے اسے امتیاز
اے کاش مرے خط کی تحریر بدل جاتی
(ایس امتیاز احمد......کراچی)

اور تو کچھ نہ ملا ہمیں پھر رسوائیاں ملیں
مانگی تھیں چاہتیں ہمیں پھر جدائیاں ملیں
رہتے تھے زمیں پہ آسمان کی تمنا میں
اونچائی کی تھی آرزو مگر گہرائیاں ملیں
محفل میں رہتے تھے ہم بجھے بجھے سے
بہت چاہا تھا کہ ہو دوست کوئی تنہائیاں ملیں
دیوانگی ہی تو ہے جو دھند لکے میں رہے برسوں
انسان کی جگہ پھر ہمیں تو پرچھائیاں ملیں
مسلے گئے کچھ اس طرح پھول پاؤں تلے
تھا جن کا ہمیں انتظار وہ پھر نہ شہنائیاں ملیں
ملنے کو تو بہت ہی ملے تھے زمانے میں جاوید
کسی میں نہ پھر وہ ہمیں رعنائیاں ملیں
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

اس راہ میں ہے جو لہو ہے بہار رنگ
ہیں کشتۂ وفا کے یہاں بے شمار رنگ
امید و بیم حزن و خوشی ظلمت و ضیاء
ہے عرصۂ حیات عجیب اضطرار رنگ
جب مجھ پہ مہربان ہوئی میری زندگی
دنیا نے دے دیئے اسے آخر ہزار رنگ
خوشبو و خوش نمائی جبلت گلوں کی ہے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Google

وہ گل مگر سرشت میں نکلے جو خار رنگ
منزل ایسی کہ صرف تمنا سے فائدہ
راہِ طلب میں جذبِ طلب کا نکھار رنگ
سوئے تو یہ چمن تھا جو جاگے تو دشت ہے
کتنا بدل گیا میرے پروردگار رنگ
واجد کھلا کہ سب وہ کرشمے تھے عمر کے
اب کان پر صدا ہے تو آنکھوں پر بار رنگ
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

عشق میں شامل تمہاری جب رضا ہوجائیگی
درد کی لذت سے الفت آشنا ہوجائیگی
بے حجابی پھر تمہارا جان من معمول ہے
بے ارادہ کوئی مجھ سے پھر خطا ہوجائیگی
اچھی نظروں سے جہاں کو دیکھ لو گر ہم نوا
ساری دنیا پھر تمہاری ہم نوا ہوجائے گی
بدلے بدلے تیوروں پر ہے زمانے کی اُڑان
محو حسرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی
ہر تمنا میرے دل کی ساتھ اپنے لے چلے
بعد ان کی زندگی یہ اک سزا ہوجائیگی
گر نظر کا حسن تجھ کو بخش دے رب العلی
ساری دنیا ہی نظر میں ماہ لقا ہوجائیگی
ماشاء اللہ پڑھ رہا ہوں دیکھ کر صورت تیری!
حسن میں شامل خدا کی یوں ثنا ہوجائیگی
آئے مرقد پہ مری وہ اتنا کہہ کر چل دیئے
اب ہے جلدی پھر کبھی آکر دعا ہوجائیگی
لے لیا شاکر جو تو نے ناؤ پہ ساحل کا نام
یوں مخالف پھر تمہارے یہ ہوا ہوجائیگی
(محمد حنیف شاکر.....نکانہ صاحب)

کچھ لکھا تھا تیری یاد میں آنسوؤں نے مٹادیا
دوستوں سے چھپائی تھی دل کی بات
میرے چہرے نے سب کچھ بتادیا
میری دوستوں کا بھی ملا صلہ مجھے
جسے ٹوٹ کے چاہا آج اسی نے مجھے بھلادیا
اک خط تھا تیرے نام
پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اسے جلادیا
گلہ کرنا میرا پیشہ نہیں تیرے دیدار کی حسرت ہے
اے دوست آکے دیکھ تیری محبت نے مجھے کیا سے کیا کردیا
(شرف الدین جیلانی.....ننڈوالہ یار)

لے کر تیری یاد کے کنول ہم کتنے پریشان ہوئے
پھولوں کے رنگ پھیکے پھیکے باغ سارے ویران ہوئے
تم جو میرے پاس تھے ٹھہرے جھرنے تھے ابشار یں تھیں
بن تیرے اس باغ دل میں رستے سارے ویران ہوگئے
پاگل پن، آوارہ گلیاں اجڑے موسم، خالی بادل
اک شاعر کے تیرے بن
کتنے ہی دیوان ہوئے خورشید
جن کی بندوقوں سے چھلنی ہوئے معصوم طفل
انسانوں کے بھیس میں لپٹے کتنے ہی حیوان ہوئے
(خورشید احمد تالپور.....ڈیرہ غازی خان)

راتوں کی سرد ہوائیں تمہیں یاد کرتی ہیں
مست موسم کی برکھائیں تمہیں یاد کرتی ہیں
جب بھی مانگتا ہوں میں اپنے رب تعالیٰ سے
میری دعا کی وہ صدائیں تمہیں یاد کرتی ہیں
وہ برکھا رت میں گاؤں کے پیڑ ندی نالے
کررہے ہیں آہ زاری بہت تمہیں یاد کرتے ہیں
گئی رتوں کی بات ہے تھام کے ہاتھ ایک دوسرے کا
پیار کرتے تھے ہم جہاں وہ جگہیں وہ فضائیں یاد کرتی ہیں
اسے کہنا کہ جا کر ہم سے وہ بھول بیٹھا ہے ہم کو یاروں
اسی کے تھے اور ہیں نادم، میری وفائیں تمہیں یاد کرتی ہیں
وہ محفل میں رو برو ہو کر بھی انجان بیٹھے رہنا
تمہیں کیسی کیسی عنایات والتفات وہ سب یاد کرتی ہیں
(محمد آصف شہزاد الہ آبادی .....قصور)

دیکھنے کی تجھ کو چاہت کم نہیں ہوتی
کیوں تو ہر لمحہ میری صنم نہیں ہوتی
چہرے پہ تیرے جو نور کی چمک ہے

چھولوں جتنا پھر بھی مدھم نہیں ہوتی
آنکھیں جو میرے پیار کا سمندر ہیں
جتنا بھی ڈوبوں گہرائی کم نہیں ہوتی
تیری محبت نے زندہ مجھ کو رکھا ایسے
ملے جتنا بھی درد یہ آنکھ نم نہیں ہوتی
خوش رہنے کی ادا بخشی ہے ایسے کہ
کوئی بھی گھڑی اب تو غم نہیں ہوتی
بہتے آبشار بھگادیتے خوشی کے
پیشانی کی سلوٹ اب صنم نہیں ہوتی
بے پناہ محبت ہے مجھے تجھ سے نینا
تیری چاہت میں ملاوٹ صنم نہیں ہوتی
(ایڈووکیٹ نینا خان.....کراچی)

(عبدالجبار رومی انصاری.....بورے والا)

گھر عاشقوں کے اکثر ویران دیکھتے ہیں
لٹ جاتے ہیں پھر بھی انہیں شادمان دیکھتے ہیں
پیتے ہیں تو کچھ سکون ملتا ہے اس کی یادوں سے
جب جام میں سب راز پنہاں دیکھتے ہیں
ہر پل کوئی نہ کوئی غم جن کو ستتا ہو
وہ کب زندگی میں خوشیوں کے سماں دیکھتے ہیں
اک بار جو لگ جائے دل کسی سے یارو!
پھر ہم کسی اور کی طرف کہاں دیکھتے ہیں
زندگی سے بے زار ہم ہوچکے ہیں کب سے ہاشم
کب آجائے بلاوا اب جانب آسماں دیکھتے ہیں
(ہاشم یعقوب ہاشم.....مٹیلہ ہرگودھا)

نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی
بڑی آرزو تھی ملاقات کی
شب ہجر تک کو یہ تشویش ہے
مسافر نے جانے کہاں رات کی
مقدر میری چشم پر آب کا
برستی ہوئی رات برسات کی
اجالوں کی پریاں نہانے لگیں
ندی گنگنائی خیالات کی
میں چپ تھا تو چلتی ہوا رک گئی
زباں سب سمجھتے ہیں جذبات کی
کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں
کہاں دن گزارا کہاں رات کی
(عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

کچھ درد ہونٹوں پر لائے نہیں جاتے
قصے اپنی رسوائی کے سنائے نہیں جاتے
تکتے رہتے ہیں گلی میں راہ اک شخص کا
اور وہ ہی کہ بھولے سے ادھر نہیں آتے
مجھے عشق کی زنجیر نے ایسا ہے باندھا
کہ اب تو ہاتھ اپنے چھڑائے نہیں جاتے
گھر گئے ہیں درد کے شعلوں میں اتنے
اب آگ کے یہ دریا بجھائے نہیں جاتے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

چھوتا ہے جب کوئی سسکی نکل جاتی ہے
ضبط اتنا ہے کہ درد بتائے نہیں جاتے
راج کچھ ایسا کرو کہ وہ ہمارے ہوجائیں
حال دل اب کسی اور کو سنانے نہیں جاتے
(سید عبادت راج کاظمی.....ڈیرہ اسماعیل خان)

چلو اس شہر میں چلتے ہیں
چلو تقدیر کو پھر سے آزماتے ہیں
ہواؤں پر لکھی سرگوشیوں کو آج سنتے ہیں
سماعت ان چھوٹی سی آہٹوں کی زد میں ہے شاید
جبھی تو دھڑکنیں چپ ہیں
جبھی تو ساعتیں چپ ہیں
چلو اس شہر میں چلتے ہیں
جہاں پر وصل کو زنجیر سے باندھا نہیں جاتا
معافی کو جہاں تحریر سے باندھا نہیں جاتا
جہاں دل کو کسی جاگیر سے باندھا نہیں جاتا
جہاں پر چاند تاروں سے حزیں رات ہوتی ہے
جہاں پر چاہتوں کی ہر برسات ہوتی ہے
جہاں دل کے سارے دشمنوں کی مات ہوتی ہے
چلو اس شہر چلتے ہیں
(انتخاب: قاسم رحمان.....ہری پور)

کیا دو گے مجھے میری وفاؤں کا صلہ تم
ممکن ہو تو کرتے ہی رہو مجھ پہ جفا تم
کب جیتا ہے دنیا میں کوئی قلب شکستہ
للہ نہ یوں دو مجھے جینے کی دعا تم
کس منہ کریں تم سے جفاؤں کی شکایت
جب ہوتے ہو اظہار تمنا پہ خفا تم
تم ظلم بھی ڈھاتے ہو تم ہم کچھ نہیں کہتے
ہم پیار بھی کرتے ہیں تو ہوتے ہو خفا تم
دنیا میں ہوا کون شریک غم دنیا
غم تم نے دیا ہے تو کرو اس کی دوا تم
شعلہ ہو کہ بجلی ہو آندھی ہو کہ طوفان تم
بھولی ہوئی یادوں کی ہو بھولی سی صدا تم
جوہر وہ یہ سن کر کہیں مغرور ہوجائے
اس دل کے صنم خانے کی مالک ہو سدا تم
(کاشف عبید کاوش.....بنگرام)

راز جب سینے سے باہر ہوگیا اپنا
ریت پر بکھرے آنسو اٹھا سکتے نہیں
آدمی کیا گزرتے وقت کی تصویر ہے
جانے والے کو صدا دے کر بلا سکتے نہیں
شہر میں رہتے ہوئے ہمیں زمانہ ہوگیا
کون کہاں رہتا ہے کچھ بتا سکتے نہیں
(سہیل ماہین ط.....سرگودھا)

آج پھر نئے سال کی خوشیاں آگئیں
باتیں سبز رتوں کی طرح
شگوفوں، کونپلوں اور برگ نمو کی صورت
سر ابھار رہی ہے
میں سوچنے لگا
پھر نیا سال آ گیا
میرے ملک بھر میں، اغوا، دھماکے، ٹارگٹ کلنگ
اور دہشت گردی نے کتنے گھروں کی
خوشیاں اجاڑ دی ہیں
مائیں اپنے لخت جگر
اور بہنیں اپنے بھائیوں کی
راہ تک رہی ہیں
میں نے سوچا اس بار
نئے سال کی آمد پر قبرستان جاؤں گا
تو کس کس کی قبر پر فاتحہ پڑھوں گا
پھر کس کس کے گھر تعزیت کرنی ہے
ایک آنسو بے کل سا ہو کر
آنکھ کی پتلی سے پھسل کر میرے
گالوں پر آ گیا
آپ سب کو نیا سال مبارک ہو
(ساحل ابڑو۔ ڈیرہ اللہ یار بلوچستان)

☆☆

خاک ہستی

اقصیٰ رباب۔فیصل آباد

اپنے انجام سے بے خبر ایک باپ نے رات کے اندھیرے میں اپنی بیٹیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا..... مگر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ رب کائنات میرے عمل سے بے خبر نہیں اور پھر عبرتناک انجام نے اسے گھیرا تو.....

حرص ولالچ کے لبادے میں لپٹی ہوئی ایک عجیب وغریب.....عبرت ناک.....کہانی

ہستی اور نیستی کے درمیان لٹکا انسان۔جسے یہ شعور بھی نہیں کہ زندگی کسے کہتے ہیں اور موت کیا ہے؟ صرف سانسوں کی آمد ورفت کا نام ہی زندگی سمجھ لیا جاتا ہے۔ اسے انسان کی کوتاہ نظری اور شعور سے لاعلمی ہی کہا جاسکتا ہے حالانکہ جب انسان کسی کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ تب اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

جب انسان دوسرے انسان کی جان لینے کا پختہ ارادہ کرلے تو اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔اسی لیے قرآن میں اعمال کا دارومدار ''نیت'' کو کہا گیا ہے۔قران کی اس آیت کو ہمارا قانون بھی بنیاد بناتا ہے اسی لیے قانون میں کسی عمل کی سزا جرم کی نیت کو مدنظر رکھ کر مقرر کی جاتی ہے۔اور کوئی عمل اس حقیقت تک جرم نہیں جب تک کہ نیت مجرمانہ نہ ہو۔

اگر انسان قانون کی نظر سے اپنی نیت چھپانے میں کامیاب ہوجائے تب قانون قدرت حرکت میں آتا ہے۔انسان دنیاوی قانون کی پکڑ سے تو شاید بچ جائے مگر اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔یہی سچی کہانی اس بات کی کھلی نشانی ہے۔

صادق ایک غریب انسان تھا۔محنت مزدوری کرکے روزی کماتا۔شادی ہوئی تو بیوی کے زائد خرچ کی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

فکر دامن گیر ہوئی۔ بھول گیا کہ "اللہ مسبب الاسباب ہے۔" روزی میں اس رازق نے برکت ڈال دی۔ گھر کا خرچ بخوبی چلنے لگا۔ وقت کا تو کام ہی گزرنا ہے۔ یہ کب رکتا ہے۔ چاہے دکھوں سے بھرا ہو یا خوشیوں سے مزین گزر جاتا ہے۔

گزرا وقت اس کے آنگن میں رحمت کی صورت 4 بیٹیوں اور برکت کی صورت 2 بیٹے کا تحفہ دے گیا۔ مگر ہائے رے انسان کی ناشکری جسے بیٹی جیسی رحمت ہمیشہ زحمت ہی لگی۔ اس کی تین بیٹیاں جسمانی معذور تھیں۔ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔ بس ایک بیٹی اور دو بیٹے ہی جسمانی لحاظ سے بالکل ٹھیک تھے۔

صادق کا سلوک اپنی بیٹیوں سے انتہائی برا تھا۔ بات بات پر ان پر ہاتھ اٹھاتا اور گالیاں دینا اب اس کا معمول بن چکا تھا۔ صادق کو ہمیشہ لگتا کہ بیٹیاں اس پر اضافی بوجھ ہیں اور ناقابل برداشت۔ وہ بھول گیا کہ ہر جان کو روزی دینا خالق کائنات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

صادق کو بیٹیوں کا کھانا پینا بھی چبھنے لگا۔ بیٹیاں ہر وقت سہمی رہتی تھیں۔ ابھی سب سے بڑی بیٹی کی عمر 9 سال اور سب سے چھوٹی بیٹی کی عمر 4 سال تھی کہ اس کے شیطانی ذہن نے ایک خود منصوبہ بنالیا۔ اپنی بیوی کو بھی اس میں شامل کرنے کی کوشش کی مگر مامتا تڑپ اٹھی۔ وہ کیسے اپنی بیٹیوں کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی۔

ماں تڑپ کر بولی۔ صادق کچھ تو خیال کر معذور ہی سہی، مگر اولاد ہے تیری۔ ارے ایسا ایک باپ کیسے سوچ سکتا ہے۔ جانور بھی اپنی اولاد کی جان بچانے کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ تو اپنی ہی اولاد کی جان کا دشمن بن گیا۔ تو نے جب چاہا ان پر ہاتھ اٹھایا۔ بلاوجہ انہیں گالیاں دیں۔ میں سہتی رہی۔ پر اتنا بڑا ظلم اپنی اولاد پر ہوتا کیسے سہہ لوں۔

صادق نے اسے گھور کر دیکھا اور تلخی سے بولا۔ تو جانتی ہے میں مزدور ہوں۔ بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی کماتا ہوں۔ اب مجھ میں پہلے سی ہمت بھی نہیں رہی۔ جلدی تھک جاتا ہوں۔ نہیں اٹھایا جاتا مجھ سے اپاہج بیٹیوں کا بھی بوجھ۔ اچھی طرح سوچ لے۔ ورنہ کل سے خود کما کر لا۔ میں کام نہیں کروں گا۔ تنگ آ گیا ہوں تم سب کے پیٹ کا دوزخ بھر بھر کے۔

اگلے دن صادق نے اپنی بات پر عمل کیا اور کہیں نہیں گیا کام پر۔ اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی باقی نہ بچا۔ اس کی بیوی نے اپنی ذہانت سے جو پس انداز کیا تھا سب ختم ہو گیا۔

آج صبح سے بچے بھوکے تھے مگر صادق کی بے حسی ختم ہونے میں نہ آئی۔ صابرہ نے ہمت ہار دی۔ مامتا مجبور ہو گئی۔ اس نے صادق سے کہا کہ وہ اس کی بات پر عمل کرنے کو تیار ہے۔ مگر وہ جائے کام کرے۔ سب بچے بھوکے ہیں۔ صادق خوش ہو کر کام پر نکل گیا۔

صادق تو مر گیا تھا۔ بس صادق کے اندر کا شیطان زندہ تھا اور صادق کے مرنے پر بہت خوش تھا۔

شام میں وہ جب گھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کا کافی سامان موجود تھا۔ بچوں کے لیے پھل بھی تھے۔ جب اس کے دونوں بیٹے کھانے کے سامان پر ٹوٹ پڑے تو آج اس کی زبان سے پہلی بار نکلا کہ "اپنی بہنوں کو بھی دو دوائے پاگلو۔" چاروں حیران رہ گئیں کہ آج ان کے باپ نے ان کی فکر کی۔ انہیں کیا پتا تھا کہ ان کا باپ اب انسان سے حیوان بن چکا ہے۔

اگلے دن سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق صابرہ دونوں بیٹوں کو لیکر اپنی ماں سے ملنے اس کے گھر چلی گئی جہاں اسے دو دن رہنا تھا۔

صادق شام میں گھر آیا تو چاروں بیٹیوں کے لیے برگر لایا تھا۔ چاروں کو ان کے باپ کو ان سے محبت ہو گئی ہے۔ باپ نے بڑی محبت سے جائے بنا کر بیٹیوں کو دی۔ وہ اپنے باپ کے انداز پر ششدر تھیں۔ انہیں یہ سب کوئی حسین خواب لگ رہا تھا۔

ایک نے سرگوشی میں دوسری بہن سے کہا۔ "مجھے پتا ہی نہیں تھا ابا ہم سے بھی پیار کرتا ہے۔ آج احساس ہوا۔"

دوسری بولی۔ "دعا کرو یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔ ہماری آنکھ کبھی نہ کھلے۔"

انہیں کیا پتا تھا ان کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے والی ہیں۔

جب نیند کی گولیوں نے اپنا اثر دکھایا اور چاروں گہری نیند میں ڈوب گئیں تو سنگدل باپ اٹھا اور تیز چھری سے چاروں بیٹیوں کے گلے کاٹ دیئے۔ 4 ننھی پریاں ایک ظالم باپ کے ظلم کا شکار ہو گئیں۔

باپ کی بانہوں کو اولاد کی سب سے محفوظ پناہ گاہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ باپ ہی معصوم کلیوں کو کاٹ چکا تھا۔ فرشتہ رحمت نے یہ ظلم برداشت سے باہر جانا اور بارگاہ خداوندی میں جا پہنچا۔ آسمان کی مخلوق ایک باپ کی درندگی پر حیران رہ گئی۔

صبح صادق نے چیخ و پکار مچادی کہ اس کے گھر میں رات کو چور گھس آئے اور کچھ نہ ملنے پر اس کی بیٹیوں کو ذبح کر ڈالا۔ سب آس پاس والے غمگین تھے معصوم بچیوں کے اس بھیانک قتل پر۔ صبح ماں بھی دونوں بیٹوں کو لے کر ننھیال سے آ گئی۔ اس کی آہ و زاری پر دل کو تڑپا دیتی۔ حتیٰ کہ پولیس جیسی سنگدل اور بے حس مخلوق بھی معذور بچیوں کی لاشیں دیکھ کر اپنے آنسو نہ روک سکی۔ میڈیا والے بھی پہنچ چکے تھے۔

حیران کن بات تھی کہ چوروں نے چاروں معذور بچیوں کو ذبح کر ڈالا مگر باپ کو کچھ نہ کہا۔ اور بچیوں کی کوئی چیخ بھی کسی آس پڑوس والے نے نہ سنی۔ بہت کم ہماری پولیس ایمانداری سے کسی کیس کی تحقیق کرتی ہے۔ اور جب ایمانداری سے کرے تو مجرم بھی پکڑ ہی لیتی ہے۔

تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ صادق قریبی میڈیکل اسٹور سے نیند کی گولیاں لے کر گیا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے بھی نیند کی گولیاں کھانا ثابت ہو گیا۔ اور خوش قسمتی سے چھری بھی مل گئی۔ پولیس کی تھوڑی سی مار بھی صادق نہ سہہ سکا اور اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔

اس کے اعتراف کے کچھ دن بعد ہی صابرہ پولیس ایکشن پہنچ گئی اور بیان دیا کہ اس نے صادق کو اپنی بیٹیوں کا قتل معاف کر دیا۔ اور صادق کو رہا کر دیا گیا۔

مگر خدائی کو جلال آ گیا۔ وہ قدرت اگر رحمان اور رحیم ہے، تو قہار بھی ہے اور اس کی سزا دنیا کی سب سزاؤں سے بڑھ کر ہے۔ وہ جب کسی کی پکڑ کرتا ہے تو کون ہے جو اس سزا سے رہائی دلا سکے۔ صادق بھی اللہ کی پکڑ میں آ گیا۔

اسے عجیب و غریب بیماری ہو گئی اس کا سارا جسم گلنے لگا اور اس میں تیز ناقابل برداشت بدبو آنے لگی۔ بیٹوں نے باپ کے ساتھ اس گھر میں رہنے سے انکار کر دیا۔ اور ننھیال چلے گئے۔ صابرہ بہت مشکل سے اپنے شوہر کو سہنے لگی، صادق کی تکلیف ناقابل بیان تھی وہ دن رات صابرہ سے التجا کرتا کہ وہ اسے مار ڈالے۔

اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا اور موت کی دعا کرتا۔ مگر یہ تو اسلام کہتا ہے کہ موت کی دعا مانگنا زندگی کو طویل کر دیتا ہے۔ گناہوں کی معافی تو گناہوں کی سزا شروع ہونے سے پہلے ملتی ہے۔ جب سزا سنا دی جائے تب تو سزا کو پورا کرنا ہی ہوتا ہے۔

گاؤں کے آس پاس والے بھی اب اس بدبو سے تنگ تھے۔ اور صابرہ کو بستی سے نکالنے کے چکروں میں تھے کہ ایک دن اچانک سب کو صادق کی موت کی خبر مل گئی۔ کسی کو اس کی موت سے دکھ نہیں ہوا۔

چاروں پریوں کی قبر کے ساتھ اس سفاک انسان کی قبر بنا دی گئی۔ چاروں بچیوں کی قبریں سب کے لیے سوالیہ نشان تھیں اور قبرستان آنے والے ہر شخص سے پوچھتیں۔ "ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟ ہمارا گناہ کیا تھا؟"

اس راز پر پردہ ہے کہ صادق اپنی طبعی موت مرا یا اسے مارا گیا۔ کیونکہ کسی کو اس کی موت سے کوئی دکھ ہی نہیں۔ اور نہ کسی کو غرض ہے کہ صادق جیسے انسان کی موت کا ماتم کرے۔ صابرہ کے دل کی کسی کو کیا خبر۔

یہی تو ہے انسان کی حقیقت اصل۔ خاک میں مل کر خاک ہو جانا۔ زندگی تو یہی ہے کہ انسان مر کر بھی نہ مرے۔ یہی تو ہے عروج آدمیت۔ اور زوال آدمیت۔ صادق جیسا انسان جو زندگی میں ہی مر جاتا ہے۔

Digitized by Google

آخری رسوم

ذیشان بن صفدر۔ کراچی

موت کے بعد کی آخری رسم کچھ دنوں بعد ڈھانچہ نما لاش کو لکڑی کے تختے پر رکھ دیا گیا اس کے بعد پھر ڈھانچے کو تھیلے میں رکھ کر دروازے پر لٹکایا گیا کہ اچانک......

عجیب و غریب رسم و رواج کی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو حیرت سے دوچار کردے گی

یوگنی کی ایک پہاڑی چٹان جو خودرو جنگلی جھاڑیوں سے گھری ہوئی تھی، اور سامنے پڑی جھلسی ہوئی انسانی کھوپڑیوں کی کھوکھلی آنکھوں نے ہمیں گھور کر دیکھا۔ یہ کھوپڑیاں جزیرہ نیوگنی کے ایک اندرونی حصے میں تکمین نامی مقام کی ایک سڑک پر پڑی ہوئی تھیں، یہ منظر کہیں اور نظر نہیں آیا تھا۔ میں اسے دیکھ کر بری طرح ٹھٹکا تو میرے دوست ایبان نے بتایا۔

''یہ کھوپڑیاں ایک مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔ ہم ان راستوں کو بڑھانا اور کشادہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کھوپڑیوں میں ایسی کوئی پوشیدہ قوت ہے جو ہمیں یہاں کچھ کرنے سے روک دیتی ہے۔ اور ہمیں اپنے ارادے کے مطابق کام کرنے کے بجائے اسے ملتوی کردینا پڑتا ہے۔''

پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے ایبان نے ایک قبائلی گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جو ہماری ہی طرف گہری تیز نظروں سے گھورتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سب ہی قبائلی اپنی ناک کے چھدے ہوئے حصے میں ہڈیوں کی بڑی بڑی نلکیاں پہنے ہوئے تھے۔ شاید وہ نلکیاں ان مردہ قبائلیوں کی ہوں گی جو ان کے قریبی عزیز یا رشتے دار رہے ہوں گے۔ ان کے مردہ جسم کی ہڈیاں عقیدت و احترام کے نظریے سے یہ قبائلی پہنے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مردہ قبائلیوں کی ہڈیوں کی طلسماتی قوت موجود ہے جو انہیں نقصان سے محفوظ رکھتی ہے۔

ایبان نے ان میں سے ایک قبائلی سے اس کی زبان میں سوال کیا کہ یہ کھوپڑیاں کہاں سے آئی ہیں......؟ اور انہیں یہاں پتھروں کے ساتھ ساتھ کیوں رکھا گیا ہے۔ اس نے جواب میں کہا یہ کھوپڑیاں طلسمی قوت اور جادوئی اثر رکھتی ہیں۔

اس موقع پر ایبان نے مجھے بتایا کہ اسی لئے اس سڑک کی تعمیر کا کام ہم آگے نہیں بڑھا سکتے۔ کیوں کہ اس کے لئے ہمیں ان کھوپڑیوں کو یہاں سے ہٹادینا پڑے گا۔ جس کے لئے قبائلی کبھی کسی صورت میں بھی تیار نہ ہوں گے۔ ان کے خیال میں کھوپڑیوں کی روحیں اس بے حرمتی کا انتقام لئے بغیر ہرگز نہیں رہیں گی۔

قبائلیوں کی اندھی عقیدت و احترام کے اس جذبے کو دیکھتے ہوئے میں نے حکومت کی گشتی چوکی کا رخ کیا۔ جہاں میرے ساتھی رہ گئے تھے۔ یہاں قبائلی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان تبدیلیوں کو دیکھ رہے تھے۔ جو یہاں کی جارہی تھیں۔ مگر انہیں قبول کرنے اور اپنانے میں وہ خوف زدہ سے تھے۔ ڈیرک اور سکینگل میرے

ساتھ تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ ان پرانے رسم و رواج اور خیالات سے ہمیں کس قسم کی معلومات حاصل ہوں گی۔ اور میں اس سلسلے کی تصاویر کو بذریعہ ڈاک نیویارک بھیجنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔

میں بیلنگڈن میں میکس ڈیرک سے ملا۔ ڈیرک کھوپڑی بوٹیاں بھی اکٹھی کرنے کا خواہشمند تھا۔ وہ اس پہاڑی راستے کا رہنما بھی تھا۔ میں ایک پیشہ ور فوٹوگرافر کی حیثیت سے ان کے رہن سہن اور رسم و رواج کے طریقے سے اپنے کیمرے کی آنکھوں میں محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ جس سے نئی دنیا کو اس دنیا کے حالات سے آگاہ کیا جاسکے۔ اور یہاں تبدیلی کی نئی لہر چلائی جاسکے۔

ہم بیلنگڈن سے طیارے کے ذریعے سڈنی پہنچے اور وہاں سے میں اپنی منگیتر باربرا سے ملا۔ وہ ہمارے اس تحقیقی سفر کے دوران ہمیں سامان پہنچانے والی ہمارے ساتھ رہی، جو سامان بھیجا جارہا تھا اس کا مقصد اجنبی قبائلیوں کو اپنا دوست، ہم خیال اور ہمنوا بنانا ہی نہیں اپنی حفاظت کو بھی یقینی بنانا تھا۔

ہم نے بھورسوائی کی بندرگاہ کی طرف پرواز کی یہ نیوگنی کا ایک چھوٹا سا ساحلی میدان تھا۔ میرا ذہن مستقبل کے بہت سے ترقی یافتہ قبائلی علاقوں کو دیکھ رہا تھا، اور میری نظر میں اس تصور کا مکمل خاکہ محفوظ تھا۔ ہم جس علاقے میں جارہے تھے وہاں کے راستے بہت ٹیڑھے اور تنگ تھے اور ہمیں وہاں پہنچ کر چار سو پچاس میل کا طویل پیدل سفر بھی کرنا تھا۔ کتنے ماہ تک ہم اس علاقے، اس خطے میں رہیں گے۔ ذہن میں یہ سوال کبھی کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا اس مشکل ترین اور طویل خطے میں پہلے صرف دو ٹیمیں ہی قدم رکھ سکی تھیں۔ 1927ء میں آسٹریلیا کی گشتی ٹیم کے سربراہ ایبان چیمپئن اور مسٹر کارلیس دو مرتبہ کی کوشش کے بعد گیارہ ماہ کے عرصے میں اس علاقے کو عبور کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اس کی مخالف سمت میں یہ کارنامہ پھر دہرایا گیا جب پانچ افراد کی ٹیم نے جاپانیوں کی قید سے محفوظ رہنے کے لئے پانچ ماہ تک اس علاقے میں پیدل سفر کیا اور کھالائی دریا کے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوا...... میں نے چیمپئن کو خط لکھا۔ اس نے اپنے جواب میں بتایا کہ انہوں نے کس طرح وحشی اور درندہ صفت آدم خور قبائلیوں کے درمیان رہ کر وہ دن گزارے تھے۔ مرے کی جھیل میں ہمیں ایسے دیہاتیوں کا ساتھ ملا جن کے نام درختوں اور پرندوں کے ناموں پر ہوتے تھے جیسے سانش، ہانی بل وغیرہ...... یہ بھی معلوم ہوا

کہ ان دیہاتیوں کے کھاتے (اکاؤنٹ) ان ہی ناموں سے نیشنل بینک آف آسٹریلیا میں موجود ہیں جبکہ بینک کی بھورسوائی برانچ میں ایک ذمہ دار رکن نے بتایا کہ ہر قبائلی اپنے لئے خود اپنی پسند کا نام منتخب کرلیتا ہے اور اسی نام سے بینک میں اس کا اکاؤنٹ کھل جاتا ہے۔ کچھ لوگ صرف ایک ڈالر اور کچھ لوگ اس سے بھی کم رقم میں اپنا اکاؤنٹ کھول لیتے ہیں۔ ہم جہاں بھی گئے وہاں تندہی آثار بھی دیکھنے میں آئے..... ہمیں وہاں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مشنری بھی نظر آئی۔

میتھیڈلس نے ہمیں ایک آرا مشین بھی دکھائی جہاں کچھ دیہاتی کام کررہے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ جھیل اس علاقے میں مچھلی کے شکار کی بہترین جگہ ہے۔ لیکن مگر مچھ انسانوں کے لئے بہترین نفع بخش ثابت ہوئے ہیں۔ یہاں کے مقامی باشندے ایک لاکھ ڈالر سالانہ ان مگرمچھوں کی مدد سے کمالیتے ہیں۔

دارن ٹن نامی علاقے میں مرے کوآپریٹو لمیٹڈ ادارے کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے مگر مچھ پکڑنے اور انہیں اکٹھا کرنے کی ایک شاندار ترکیب بتائی۔ ابڑ کے باغ لگائے اور دیہاتیوں کی ماہانہ آمدنی جمع کرنے کے لئے ایک بینک بھی قائم کیا کیسلتھ نے بتایا یہاں کے لوگ اپنے قدیم رسموں، رواجوں کو مشکل سے چھوڑنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ یہاں ہمارے مشن کے ہوتے ہوئے بھی دیہاتی ہمارے اسپتالوں میں علاج کرانے اور دوائیں لینے کے لئے نہیں آتے۔ بہت کم لوگ ان اسپتالوں سے رجوع کرتے اور ان کی دواؤں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ایسی خواتین مریضوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہورہا ہے جن کے بچوں کی پیدائش مشن اسپتال کے ڈاکٹروں کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ مگر خواتین کی ایک بڑی تعداد ان اسپتالوں کی طرف رخ کرتے ہوئے گھبراتی ہے۔

کچھ ہی دن گزرنے کے بعد ایک حادثہ رونما ہوا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکے کے پیٹ میں درد کی شدید تکلیف پیدا ہوگئی۔ انہیں مشن اسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ دوسو میل دور بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر نے ریڈیو سے یہ بتایا کہ یہ زہریلا کھانا کھالینے کا اثر ہے اور اس کا مناسب علاج تجویز کیا۔ مگر دیہاتیوں نے علاج کرنے میں کافی تاخیر کردی۔ جس کے نتیجے میں دونوں مریضوں کی موت واقع ہوگئی۔ اس دن سارے دیہاتی اس طرح چیخنے اور رونے لگے کہ سارا ماحول ان کے رونے اور چیخوں سے گونج اٹھا۔ ساری رات ان کی چیخیں ماحول میں گونجتی رہیں۔

ہم لوگ نیوگنی کے اس پار شمالی حصے میں سفر کررہے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو نقشہ دکھایا اور آنے والے خطرات سے انہیں آگاہ کیا۔ نقشوں میں بتایا گیا تھا کہ آگے ایک گھنا جنگل ہے۔

چکنی مٹی کی پھسلوان زمین ہے اور علاقے کا بڑا حصہ غیر آباد ہے۔

مرے کی جھیل سے ہم دریائے جون تک گئے اور وہاں ہم نے کنٹگا کی چوکی جانے کا فیصلہ کیا۔ اس جنگل میں درخت اس طرح قطار در قطار کھڑے تھے جیسے کسی قید خانے کی آہنی سلاخیں ہوں، جنگل سنسان اور ویران تھا کوئی پرندہ، کوئی جانور بھی دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ ایسے سنسان، ویران مناظر دیکھنے کے لئے ذہن آمادہ نہ تھا۔ جب ہم آگے بڑھے تو میں نے اپنے پیروں پر نظر ڈالی جو گیلے اور سڑے گلے ہوئے پھوس پر آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں کی جونکیں مسلسل پریشان کررہی تھیں۔ ہم بار بار انہیں اپنی کمر اور پنڈلیوں پر سے ہٹاتے مگر وہ دوبارہ وہاں پہنچ جاتیں اپنے بدن کو کھجاتے کھجاتے ہمارا حال برا ہوچکا تھا۔

دو دن بعد ہم اس مقام سے ستر میل دور مشرقی حصے میں پہنچے اور وہاں کے گشتی افسر گراہم ڈنٹ سے ملاقات کی۔ ان کے ساتھ ایک ڈچ ماہر نفسیات بھی تھے۔ ان کا نام برٹ روہوتھا۔ ڈاکٹر اس مقام کی مختلف زبانوں اور لہجوں پر تحقیق کررہے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس علاقے میں تقریباً 750 مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گراہم نے بتایا کہ دیامی اور جبوری دو قبیلے ہیں جو اس علاقے کے قدیم ترین قبیلے ہیں۔

دیامی قبیلے کے لوگ خود ہمارے پاس چلے آئے وہاں ایک اور قبیلہ سودھو ہمارے پاس لایا گیا۔ یہ بہت ہی کمزور لوگ تھے۔ انہوں نے بتایا۔ ان پر مخالفوں نے جادو کردیا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔ اس بوڑھے قبائلی کو ملیریا ہوگیا ہے۔ اسے گولیاں دیدی گئیں۔ اتفاق تھا کہ اسے آرام کرنے کے بجائے اس کی حالت اور بگڑ گئی۔ اس کے منہ سے نکلا۔ میں تو مر رہا ہوں۔ یہ سن کر اس کے ساتھیوں نے سینہ کوبی شروع کردی، ساتھ ہی رونا، چیخنا اور شور مچانا بھی۔ شاید اس لئے کہ یہ سن کر اس کی روح جسم کے پنجرے سے باہر نہ نکل سکے۔ وہ پیٹ کے بل بالکل سیدھا لیٹ گیا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی کمر اور جانگوں پر زور زور سے تھپکیاں دینی شروع کردیں۔ تاکہ وہ تکلیف سے نجات پاجائے۔ اس نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی اور بچوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ دو گھنٹے بعد اس کی روح جسم کے پنجرے سے نکل کر آزاد ہوگئی۔ اس کے مرجانے کے بعد اس کے ساتھیوں کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی۔ کیونکہ جلد ہی انہیں یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ کس نے اسے جادو کرکے مارا ہے اور اس سے وہ سدھو کی موت کا بدلہ لے لیں گے۔

پھر سدھو کی لاش کو درخت کی چھال کا کفن پہنایا گیا اور اسے ایک لٹھے سے باندھ کر آن ادبی کے جنگل میں واپس لے گئے۔

برٹ نے ہمیں بتایا کہ یہ لوگ ہمیشہ خطرات سے گھرے رہتے ہیں۔ اس لئے بہت سے لوگ مل کر اجتماعی طور پر ایک بڑے سے مکان میں قیام کرتے ہیں۔ ایک ایک گھر میں پچاس پچاس افراد قیام پذیر ہوتے ہیں۔ دن کے وقت باہر کا کوئی بھی آدمی چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوسکتا ہے۔ مگر اندر پہنچتے ہی بے بس ہوکر رہ جاتا ہے۔ رات کے وقت وہ دروازہ لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں سے محفوظ کردیا جاتا ہے۔

ایک ہفتہ بعد ہم نے سدھو کے جنازے کے کا جلوس دیکھا۔ ہم نے وہاں جو رسم و رواج دیکھے اس سے پہلے کبھی کہیں نہیں دیکھے تھے۔ میں نے اپنے کیمرے کی مدد سے ان کی تصاویر محفوظ کرلیں۔ سدھو کی لاش جھال کے اوپر تھی۔ مگر اسے پہچان لینا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بال نوچ ڈالے گئے تھے اور جسم سرخ گل گیا تھا اس کے بعد بو، ناقابل برداشت تھی۔ سدھو کے دوست اس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسے چھوتے اور کبھی خود اپنے آپ کو..... یہ اس سے ان کی محبت اور عقیدت کا اظہار تھا اور یہی ان قبائلیوں کے یہاں موت کے بعد کی آخری رسم.....

کچھ دنوں بعد لاش کو لکڑی کے ایک تختے پر رکھ دیا گیا۔ اب وہ موسمی اثرات سے بالکل سڑ گل گئی تھی۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی تختے پر نظر آرہا تھا۔ ان ہڈیوں کو ایک بڑے جالی دار تھیلے میں رکھ کر بڑے مکان کے سامنے اس طرح لٹکا دیا گیا جس طرح دوسرے مرجانے والے لوگوں کی ہڈیوں کو لٹکایا جاتا ہے۔

چار ماہ تک جنگلوں میں رہنے کے بعد ہم نے حساب لگایا تو معلوم ہوا اس مطالعاتی اور تحقیقی دورے میں ہمیں کیا حاصل ہوا۔ ڈیرک نے تقریباً اناسی دواؤں کی بوٹیاں اور پودے حاصل کیے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کارآمد ثابت ہوگئی تو اسے اس کی محنت وصول ہوجائے گی۔ میکس نے ہماری بہت اچھے انداز میں رہنمائی کی تھی اور مختلف قبائلیوں کی مختلف رسومات کی ادائیگی ان کی تقریبات اور تہذیبی سرگرمیوں کو اپنے کیمرے کی آنکھ سے دیکھ کر تصویر کی صورت میں محفوظ کرلیا تھا۔

بہرحال ہمارا یہ مشکل ترین مصائب اور مسائل سے بھرپور سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہم نے اس سفر میں کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کیا تھا۔ یہ آپ خود ہی ہماری کہانی ہمارے سفرنامے کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutube.com

Digitized by Google

موت کا راج

محمد طاہر اشتیاق۔ڈی جی خان

عامل نے جیسے ہی اپنا عمل شروع کیا تو ایک چنگاری قیدی روح کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے چنگاری روح سے لپٹ گئی کہ پھر شعلے بھڑک اٹھے اور روح جل کر خاکستر ہوگئی۔

برسہابرس سے قید ایک روح کی عجیب داستان حیرت جو کہ جسم وجاں پر سکتہ طاری کردیگی

"**قارئین** کرام! یہ کہانی جو کہ آپ سب کے سامنے ہے، یہ میری آبائی حویلی کے بارے میں ہے۔

اس حویلی کے بارے میں لوگوں میں بہت سی پراسرار کہانیاں مشہور ہیں۔ کوئی کہتا ہے رات کو ہماری حویلی سے کسی عورت کے رونے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، تو کبھی دل دہلا دینے والی پراسرار چیخیں، تو کبھی گھنگروؤں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

پہلے تو میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا کیونکہ میرے ساتھ کوئی پراسرار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن پھر بعد میں جو واقعہ پیش آیا تو آج بھی میں اسے یاد کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، پورے جسم میں لرزہ دوڑ جاتا ہے۔

کہانی شروع کرنے سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ میرا نام "شاہد" ہے اور میں جلالپور میں اپنے چاچا اور دادی کے ساتھ رہتا ہوں۔ میرے ماں باپ بچپن ہی میں فوت ہوگئے تھے، تب چاچا چاچی نے مجھے گود لیا اور مجھے سگی اولاد جیسا پیار دیا، کیونکہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ اور اب میں ملتان کے ایمرسن کالج سے بی اے کررہا ہوں۔

☆......☆......☆

موسم گرما شروع ہوتے ہی ہمارے کالج میں ڈھائی ماہ کی چھٹیاں ہوگئیں۔ میرے دوست سجاد، کاشف اور کمال نے پروگرام بنایا، کہ کیوں نہ اس مرتبہ کی گرمیوں کی چھٹیاں وہ میرے گاؤں آکر گزاریں۔ انہوں نے کہا کہ سب دوست مل کر خوب انجوائے بھی کریں گے اور ساتھ ہی گاؤں کے خالص ماحول سے بھی لطف اندوز ہوں گے۔

میں نے تھوڑی دیر سوچا کہ واقعی ہم پڑھ پڑھ کے کافی تھک چکے ہیں، اور چھٹیاں بھی کافی لمبی ہیں تو کیوں نہ اپنے دوستوں کو میرے ہاں آنے کی اجازت دے دوں۔ میں نے ہاں کہہ دیا۔

سجاد خوشی سے اچھل پڑا۔ کاشف اور کمال نے بھی میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد میں اپنے گاؤں دوستوں کو یہ ہدایت کرکے روانہ ہوگیا کہ وہ مجھے اپنے گاؤں آنے کی تاریخ خط لکھ کر بتادیں تاکہ میں انہیں لینے اسٹیشن پر آؤں۔

کچھ دن بعد مجھے ان کا خط موصول ہوا۔ جس میں ان کے آنے کی تاریخ درج تھی میں مقررہ دن صبح اپنے دوستوں کو لینے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔

جلد ہی ٹرین آگئی۔ میں اپنے دوستوں کو ٹرین سے اترتا دیکھ کر خوشی سے نہال ہوگیا۔ میرے دوست مجھ سے گلے ملے اور میں نے انہیں خوش آمدید کہا پھر میں انہیں لے کر اپنی حویلی روانہ ہوگیا۔

حویلی پہنچتے پر سجاد مسکرایا، اور بولا۔ یہ تو بہت پرانی اور پراسرار حویلی لگتی ہے۔ سجاد ذرا مسخرا قسم کا لڑکا ہے، کاشف نے اسے آنکھیں نکال کر دیکھا، کیونکہ کاشف ایک سنجیدہ مزاج لڑکا ہے۔

"کوئی بات نہیں کاشف! میں نے کہا۔ چلو جلدی اندر چلتے ہیں اور ناشتہ کرتے ہیں۔ سب دوست حویلی کے اندر آگئے۔

تینوں دوست میرے ہی کمرے میں رکے تھے۔ کیونکہ ہم نے کافی گپیں مارنی تھیں۔

"یہ حویلی کتنے سال پرانی ہے؟" کمال نے پوچھا۔

"یہی کوئی دوسو سال پرانی ہوگی۔" میں نے

جواب دیا۔

کمال کو پرانی اور تاریخی چیزیں دیکھنے کا بہت شوق تھا اس نے کہا۔

"شاہد پلیز! مجھے یہ پوری حویلی دیکھنی ہے۔" میں نے ہامی بھرلی اور کہا۔ "رات کو تم سب کو پوری حویلی ضرور دیکھاؤں گا۔"

"رات کو میں تینوں کو حویلی دکھانے لگا۔ دیواروں پر بنے مجسمے اور پرانی تصاویر کمال کو بہت پسند آئیں۔

"یہ کس کی تصویر ہے؟" کمال نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "یہ دوسو سال پرانے راجا وریندر پرتاب کی تصویر ہے۔ جو بہت ہی عیاش اور بے رحم ہوا کرتا تھا۔"

"وہ تو اس کی شکل سے ہی نظر آرہا ہے۔" کمال بولا۔

میں نے اپنے دوستوں کو اس راجا کے زمانے کا ایک قصہ بھی سنایا کہ کس طرح راجا نے اپنے دربار کی ایک رقاصہ "ودیا" کو سب کے سامنے زندہ جلاڈالا تھا۔ اور رقاصہ کے عاشق "رشی دت" کا سب کے سامنے سر قلم کردیا تھا۔

"وہ کیوں؟" تینوں دوستوں نے یکدم پوچھا۔

میں نے جواب دیا۔ "راجا ودیا سے اپنی جنسی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی ودیا کو چھوئے۔ اور جب اسے ودیا کے عاشق، رشی دت کے بارے میں پتا چلا تو راجا نے ایک چال چلی۔ اس نے دونوں کو اس حویلی کے تہہ خانے میں رقص کی ایک محفل کے بہانے بلایا۔ اور آخر میں رشی دت کا سر تن سے جدا کردیا اور ودیا سے جنسی تسکین پوری کرنے کے بعد ودیا کو زندہ جلادیا۔"

تینوں دوست بڑے غور سے میری باتیں سن رہے تھے۔ سجاد ڈر کے مارے بری طرح سہما بیٹھا تھا۔ وہ بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اب ان دونوں پریمیوں کی آتمائیں اس حویلی میں بھٹک رہی ہوں۔"

"بیٹا سجاد تم بہت ہی بیوقوف ہو۔" کاشف بولا۔ "یہ آتما، واتما، کچھ نہیں ہوتا، یہ سب انسانی دماغ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں۔"

دوستوں کو حویلی دکھانے کے بعد میں نے ان کے رات کے کھانے کا انتظام کیا۔ اور انہیں اپنے چاچا چاچی اور دادی سے ملوایا۔ ان کو میرے دوستوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ چاچا نے مجھے تاکید کی کہ میں اپنے دوستوں کا خوب خیال رکھوں اور ان کی بھرپور خدمت کروں۔"

کھانا کھانے کے بعد ہم سب دوست میرے کمرے میں سونے چلے گئے۔

"تمہاری حویلی میں کوئی تہہ خانے بھی ہے نا!" کمال نے پوچھا۔ یہ سن کر میں یکدم چونک گیا۔

"ارے کیا ہوا؟" میں نے جواب دیا۔

"کچھ نہیں بلکہ ہاں ایک تہہ خانہ ہے!" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو تم نے ہمیں وہ کیوں نہیں دکھایا؟" کمال نے کہا تو میں نے کہا۔ "تہہ خانہ کئی سالوں سے بند پڑا ہے۔ اور کسی کو اس کا دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں۔"

"ارے بھائی کیوں؟" کمال نے کہا۔

"میں نے بتایا۔" وہاں پر کسی نادیدہ قوت کا بسیرا ہے۔" اور یہ سن کر کمال قہقہہ لگانے لگا۔ کاشف اور سجاد بھی زورزور سے ہنسنے لگا۔ کمال نے اصرار کیا کہ وہ ضرور تہہ خانے دیکھنا چاہتا ہے۔ "اس کی چابی کس کے پاس ہے؟" کمال نے پوچھا۔ میں نے کہا۔

"ہمارے نوکر جلال کے پاس۔" یہ سن کر کمال نے کہا۔ "جلدی جاؤ اور چابی لاؤ۔"

مجھے مجبوراً جلال کے کمرے میں جانا پڑا۔ میں کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ جلال گہری نیند سو رہا ہے۔ میں نے آہستگی سے کمرے میں موجود الماری کھولی اور تہہ خانے کی چابی اٹھالی۔

اس کے بعد میں اپنے دوستوں کو لے کر تہہ خانے کی جانب روانہ ہوا۔

جیسے ہی میں نے چابی تالے کے اندر ڈالی تو اچانک بہت تیز بجلی کڑکی جو کہ بہت زبردست تھی جسے سنتے ہی ہمارے اوسان خطا ہوگئے۔ کیونکہ تھوڑی دیر پہلے تک تو موسم کے خراب ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے اور اب یکدم

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

"اتنی تیز بجلی۔ ضرور کچھ برا ہونے والا ہے۔" مجھے اندازہ ہو گیا۔

تہہ خانے کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔ یہاں کے ماحول میں بہت عجیب قسم کی پراسراریت قائم تھی۔

کاشف نے ٹارچ آن کی پورا تہہ خانہ جالوں سے بھرا پڑا تھا۔ ہر چیز پر گرد جمی ہوئی تھی۔

میں نے دوستوں کو بتایا کہ "یہ تہہ خانہ راجا وربیندر پرتاب" کی عیاشی کا اڈہ تھا۔ جہاں پر یہ ظالم راجا شراب وشباب کی محفلیں سجاتا تھا۔ اور اپنی کنیزوں کے ساتھ اپنی جنسی بھوک مٹاتا تھا۔"

ہم بیس منٹ تک تہہ خانے میں رہے اس کے بعد میں نے دوستوں سے کہا۔ "بس بہت ہو گیا اب واپس کمرے میں چل کر آرام کرتے ہیں۔"

☆......☆......☆

صبح میری آنکھ کھلی تو چاچا ہمارے نوکر جلال کو ڈانٹ رہے تھے۔ میں نے آکر معاملے کا پتا کیا تو چاچا نے بتایا کہ "دیکھو تہہ خانے کا تالہ کھلا ہوا ہے۔" میں یک دم چونک گیا۔ کیونکہ رات کو میں نے تالہ بند کر دیا تھا۔ تو پھر یہ کس نے کھولا؟

میں نے چاچا کے غصے کو ٹھنڈا کیا۔ کچھ دیر بعد گھر والے ناشتے کی ٹیبل پر جمع ہو گئے۔ لیکن دادی نہ آئیں۔

"شاہد تم جا کر دادی کو لے آؤ۔" چاچا نے کہا۔

چاچا کی بات سن کر میں دادی کے کمرے میں پہنچا اور دادی کے ہاتھ کو ہلایا تو مجھے دادی کا ہاتھ بے جان معلوم ہوا۔ میں نے زوردار چیخ ماری۔ اتنے میں چاچا اور باقی تمام لوگ بھاگتے ہوئے دادی کے کمرے میں پہنچے۔ میں نے روتے ہوئے کہا۔

"چاچا، دادی مر چکی ہیں۔" چاچا زاروقطار رونے لگے۔ اور کہا۔ "یہ اسی آتما کا کام ہے۔ وہ کل رات آزاد ہو چکی ہے اب اس حویلی میں بس موت کا ہی راج ہو گا۔" میں نے چاچا کو سنبھالا۔

☆......☆......☆

دادی کی تدفین کے بعد چاچا اور میرے دوست واپس حویلی آگئے۔ شام ہونے کو تھی اور سب لوگ بہت تھک چکے تھے۔ اس لئے میں اور میرے دوست کمرے میں سونے چلے گئے۔

صبح میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سجاد کمرے میں موجود نہ تھا۔ میں نے سجاد کو حویلی میں ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ میں نے کاشف اور کمال کو اٹھایا اور بتایا کہ سجاد غائب ہے تو انہوں نے کہا کہ چھت پر چل کے دیکھتے ہیں۔

اور جیسے ہی ہم لوگ چھت پر پہنچے تو ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ چھت پر سجاد کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ لاش کا سینہ چیرا ہوا تھا۔ اور دونوں آنکھیں غائب تھیں۔ ہم خوف سے کانپنے لگے۔

میں نے چاچا کو بلایا۔ چاچا بھی ورطہ حیرت میں رہ گئے۔ اور بولے۔

"میں نے کہا تھا نا کہ اب اس حویلی میں موت کا راج ہو گا۔ یہ ضرور اسی آتما کا کام ہے اس حویلی کو آتما کی نظر لگ چکی ہے۔" چاچا نے کہا۔

ہم نے سجاد کے گھر والوں کو اطلاع دے دی۔ جب گھر والے پہنچے اور انہوں نے سجاد کی لاش دیکھی تو وہ دنگ رہ گئے۔

"کیا ہوا میرے بیٹے کو؟" سجاد کی والدہ نے پوچھا۔ میں نے انہیں پورا واقعہ بتا دیا۔ سجاد کے گھر والے کافی غریب تھے۔ وہ پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ سجاد کی لاش اپنے گھر لے جا کر اس کی تدفین کر سکیں۔

میں نے کہا۔ "آنٹی آپ فکر نہ کریں ہم سجاد کو اسی گاؤں میں دفن کریں گے اور تدفین کا خرچہ بھی ہم خود ہی برداشت کریں گے۔" سجاد کے گھر والے بھی راضی ہو گئے۔

☆......☆......☆

رات کو سب بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک چھت پر لگے فانوس سے خون ٹپکنے لگا۔ میں نے اوپر دیکھا تو فانوس یکدم نیچے ٹیبل پر آ گرا۔

اتنے میں ایک کٹا ہوا سر حویلی کی فضا میں حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا۔ پھر اچانک اس کے منہ سے قہقہہ بلند ہوا۔ پھر

آواز سنائی دی۔ "میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گی۔" آوازیں پوری حویلی میں گونجنے لگیں۔ کھانے کی ٹیبل زور زور سے ہلنے لگی، یوں لگا کہ جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

سب پر کپکپی طاری تھی، میں نے زور زور سے آیت الکرسی کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ماحول پر سکون ہو گیا۔

☆......☆......☆

دونوں دوست کمرے میں سو رہے تھے کہ اچانک کمال نے مجھ سے کہا۔

"یار پیاس لگی ہے میں پانی پینے جا رہا ہوں۔" میں نے اسے منع کیا لیکن وہ نہیں مانا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے کمال کی چیخ سنائی دی۔ میں فوراً نیچے دوڑا اور صحن میں دیکھا کہ کمال ہوا میں معلق ہے۔ اور ودیا کی روح اس کے قریب کھڑی ہنس رہی ہے۔ میں نے جلدی سے آیت الکرسی پڑھی۔ جس سے اس کی چیخیں نکلنا شروع ہو گئیں اور پھر وہ غائب ہو گئی۔ اور کمال فرش پر آ گرا۔ وہ ہوش میں تھا لیکن ڈرا ہوا تھا۔

صبح اٹھ کر میں نے محمد بخش کے گھر کی راہ لی۔ محمد بخش ہمارے گاؤں کے ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ انہیں آسیب اور بھوت پریت کے بارے میں کافی علم ہے۔ میں نے تمام واقعات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ انہوں نے مجھے حوصلہ دیا اور کہا۔

"بیٹا فکر نہ کرو۔ اللہ کے کرم سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" محمد بخش ہماری حویلی میں آئے اور کہا۔ "مجھے اس تہہ خانے میں لے چلو اور اپنے سب دوستوں اور چاچا چاچی کو بھی بلا لاؤ۔ میں سب کے گرد حصار بنا کر ایک ایسا عمل کروں گا کہ وہ آتما کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔" محمد بخش کی بات سن کر میں سب کو تہہ خانے میں لے آیا۔

محمد بخش نے عمل شروع کی اور منہ ہی منہ میں قرآنی آیات پڑھنے لگ گئے تھوڑی دیر بعد نہایت ہی دلدوز چیخیں سنائی دینے لگیں پھر محمد بخش بارعب آواز میں "ودیا" اور رشی دت کی آتما کو بلایا اور پوچھا کہ "وہ کیوں حویلی والوں کے پیچھے پڑے ہیں۔"

ودیا کی آتما بولی۔ "میں نے جلتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ اس حویلی میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی، لیکن راجا وربیندر پرتاب" نے پنڈتوں کے عمل کے ذریعے میری آتما کو اس تہہ خانے میں قید کروا دیا تھا۔ لیکن اس رات ان احمقوں نے تہہ خانے کا دروازہ کھول کر ہمیں آزاد کر دیا ہے۔ اب ہم کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

رشی دت کے کٹے سر نے زبردست شیطانی قہقہہ فضا میں بلند کیا۔ محمد بخش نے یہ سن کر ایک خاص عمل شروع کیا جس سے "رشی دت" کا کٹا ہوا سر شعلوں میں گھر گیا اور پھر ایک دھماکے سے راکھ کا ڈھیر بن گیا اور ودیا کی آتما آگ میں جھلس گئی پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"میں واپس لوٹ کر ضرور آؤں گی۔" ودیا کی آتما کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔

"تھوڑی دیر بعد ماحول پر سکون ہو گیا بابا محمد بخش نے ہمیں حصار سے باہر آنے کا کہا۔ پھر وہ بولے۔ "اب کوئی خطرہ نہیں، لیکن اس تہہ خانے کو اب کبھی بھولے سے بھی نہ کھولنا۔"

ہم نے بابا کا شکریہ ادا کیا اور سکھ کا سانس لیا۔ چاچا نے کہا۔

"اب ہم اس منحوس حویلی میں نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد ہم نے وہ حویلی چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

آج ان واقعات کو گزرے کافی عرصہ بیت چکا ہے۔ سجاد کی موت آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہمیں اپنے دوست سجاد کی بہت یاد آتی ہے۔ میں اور کمال آج بھی اس لمحے کو کوستے ہیں جب کمال نے مجھ سے تہہ خانے میں جانے کی ضد کی تھی اور میں نے ہامی بھر لی تھی۔

اب اس حویلی کا حال یہ ہو چکا ہے کہ لوگ دن میں بھی اس کے پاس سے گزرنے سے ڈرتے ہیں۔ اور رات بھر اس حویلی سے کبھی ہنسنے رونے اور کبھی خوفناک چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

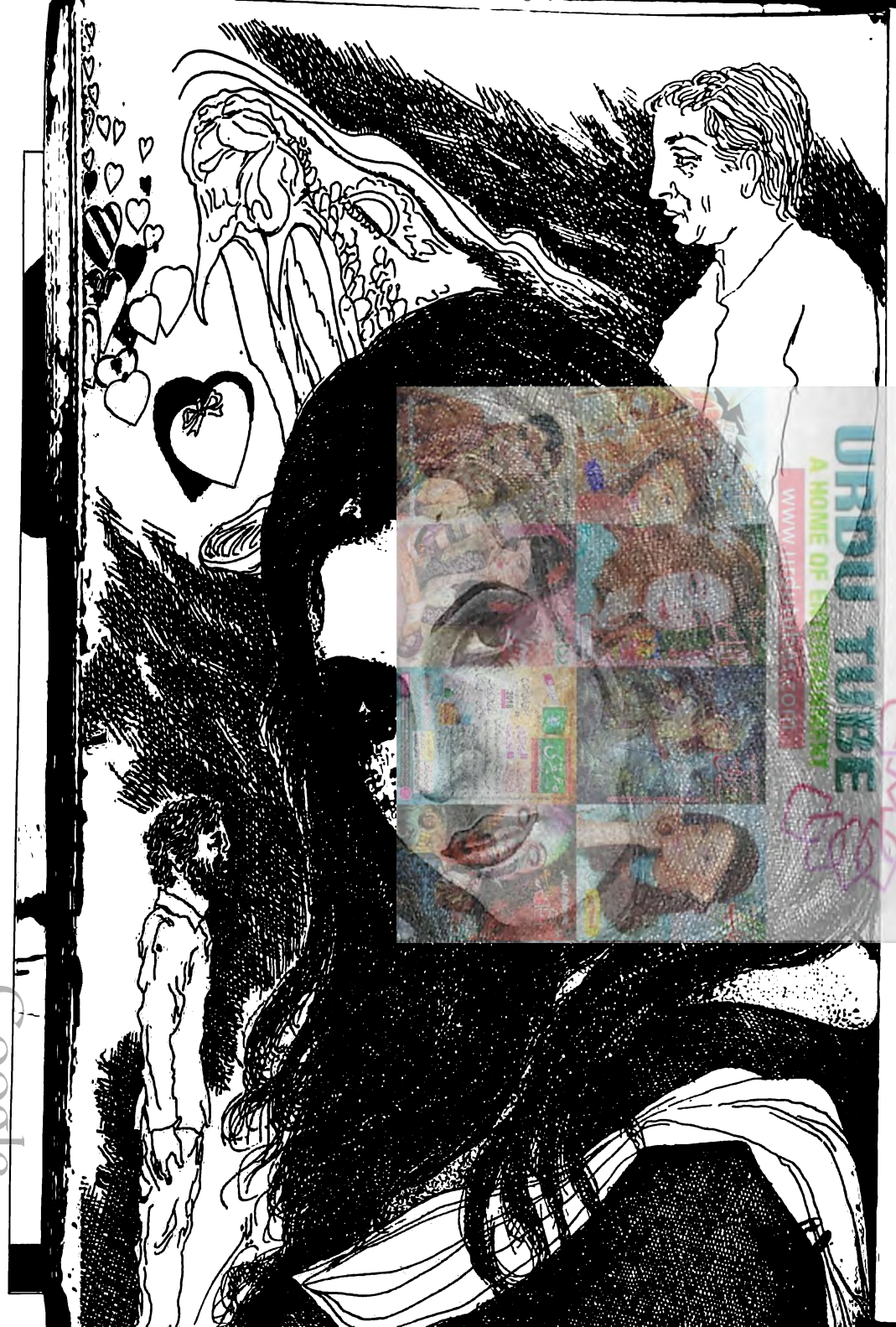

ہم شکل

عثمان غنی-پشاور

رات کے جھٹ پٹے اندھیرے میں ایک ڈراؤنی مخلوق نمودار ہوئی جسے دیکھ کر لڑکی پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں مگر وہ سب کی سن سکتی تھی۔ اس مخلوق کی آواز سنائی دی۔ "میں تمہیں اپنی دنیا میں لے جاؤں گا۔"

نادیدہ مخلوق کی عجیب وغریب حقیقت جسے عقل تسلیم نہیں کرتی، لیکن کہانی حقیقی ہے

بہت افسردہ لگتے ہیں مجھے اب پیار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں لب و رخسار کے قصے

"ذرا سوچ سمجھ کر بات کرلیا کرو۔" منال نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"کیوں سوچ سمجھ کر بات کروں۔ وہ میرا لگتا ہی کیا ہے؟" مرحا بھی حق بجانب تھی۔

"وہ تمہارا کچھ بھی نہیں لگتا، مگر کسی کے بارے میں یوں رائے نہیں دیتے۔" منال نے کن انکھیوں سے مرحا کو دیکھا، اس میں خفگی بھری تھی۔ وہ بہت حساس دل کی مالک تھی۔

"ارے منال میں تو مذاق کر رہی تھی، تم کیوں ناراض ہوتی ہو۔" مرحا نے فوراً کہا۔ اسے منال کی ناراض آنکھیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ کیونکہ وہ اسے کسی صورت ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

لیکن ہمرحا بے بی، ابھی جو تم کہہ رہی تھی، وہ مذاق ہرگز نہیں تھا۔" منال نے کہا۔ کیونکہ اس نے جو کہا تھا وہ مذاق بالکل بھی نہیں تھا۔

"میں نے کہا نا کہ وہ مذاق تھا۔" مرحا نے اس کا ہاتھ دبالیا، اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

"مجھے تو نہیں لگ رہا تھا۔ تم ابھی اسے کیا کیا خطابات دے رہی تھی۔ وہ مذاق ہو ہی نہیں سکتا، تم اسے حقیقت میں ایسا کہہ رہی تھی، اور اب اسے مذاق کا نام دے کر جان چھڑا رہی ہو۔" مرحا نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

"نہیں یار بس تم سیریس ہوگئی ہو۔ میں نے بتایا نا، کہ وہ ایک مذاق تھا۔ مگر تم بھی نا!" مرحا نے ناک سے مکھی اڑائی۔ اسے اس بات کی ذرا برابر پرواہ نہیں تھی۔

"تم اسے لچا، لفنگا، اور کیا کچھ نہیں کہہ رہی تھی، کتنا زہر تھا تمہاری باتوں میں اور اب تم کہہ رہی ہو، کہ وہ سب مذاق تھا۔"

"یار میں نے تو صرف اس کے بارے میں رائے دی تھی اور تم نے تو اس کو کشمیر کا مسئلہ ہی بنا لیا۔" مرحا نے منہ بنا کر کہا۔ وہ منال سے یہ توقع ہرگز نہیں کر رہی تھی۔

"بس آئندہ کسی اجنبی کے بارے میں اس طرح کی باتیں نہ کرنا، مجھے اچھا نہیں لگتا، یوں کسی کا مذاق اڑانا۔ کیا پتہ اللہ کتنا ناراض ہوجائے۔" منال نے دکھ سے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی اس فالتو شخص کو، اس کی وجہ سے ہم لڑ رہے ہیں، جسے ہم ٹھیک طریقے سے جانتے بھی نہیں ہیں، بس چھوڑو اس کو اور اس کی فضول باتوں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

کو، اس کے لیے ہم اپنی دوستی کیوں خراب کریں۔" مرحا نے منال کو روک دیا۔
"اب کیا ہے؟" منال نے قدرے برا منایا۔
"ہوٹل۔ مجھے اس ہوٹل کی چائے بہت پسند ہے، آؤ چائے پیتے ہیں۔" مرحا نے آنکھیں بڑی کر دیں۔
"یار مرحا تم ہمیشہ میرے پیسوں سے چائے پیتی ہو، اس بار بل تم پے کرو گی۔ ورنہ چلو!"
"تمہارے ہوتے ہوئے؟" مرحا نے الجھ کر پوچھا۔
"ہاں اس میں کیا برائی ہے؟ اس سے تو پیار بڑھتا ہے۔" منال ہنس دی۔
"بڑی بے شرم ہو یار مجھ جیسی غریبنی سے بل پے کرواتی ہو، شرم نہیں آتی۔" مرحا نے قدرے اس کو غیرت دلانی چاہی۔
"نہیں روز جو میرے پیسوں سے چائے پیتی ہو تب تو تم بڑی مسکینی نہیں ہوتی، کتنی خوشی سے اور، اور کی رٹ لگا رکھی ہوتی ہے۔" منال اور مرحا لڑتی جھگڑتی ہوٹل کے اندر چلی گئیں۔
چائے پینے کے دوران بھی ان کی نوک جھونک چلتی رہی، جب چائے پی کر دونوں ہوٹل سے باہر نکلیں، تو ایک بار پھر ان کا سامنا اسی اجنبی سے ہوا۔ وہ کھڑا، ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ مرحا اسے دیکھ کر گھن محسوس کرنے لگی۔
مگر منال کو وہ اچھا خاصا بُرا لگا، اس نے پہلی بار جب اسے دیکھا تھا تو اسے فقیر جان کر کچھ پیسے بھی دینے چاہے تھے، مگر اس نے وہ دور پھینک دیے، وہ ینگ تھا۔ مگر سر جھاڑ منہ پہاڑ حلیے میں کھڑا تھا۔ اور اسی لیے منال نے اسے فقیر سمجھا تھا۔
وہ ان دونوں کو مسلسل گھور رہا تھا۔
"یار مرحا تو ٹھیک کہتی ہے، یہ بندر پھر سے ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ دیکھو کس قدر لنگور کی طرح ہمیں دیکھے جا رہا ہے، جیسے زندگی میں کبھی لڑکیاں نہیں دیکھی ہوں۔" منال اچھا خاصہ برا مان گئی۔
"میں کہتی تھی ناں، کہ اس کی آنکھوں کی وحشت، چہرے کی اداسی، اور میلہ کچیلا روپ اسے واقعی فالتو زدہ سا انسان ثابت کر رہا ہے۔" مرحا نے ناگواری صاف ظاہر کی۔
"اچھا یہاں سے نکلنے کی کرو، ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کے تیرا دیوانہ ہے کہ میرا؟" منال کھی کھی کرتے ہوئے بولی۔
دونوں تیز، تیز چلنے لگیں۔ دونوں پکی سہیلیاں تھیں۔ اور ایک ہی محلے میں رہتی تھیں، دونوں ایک سینٹر میں کام کرتی تھیں، اور گھر کی گاڑی ان ہی کی مشترکہ کوششوں سے چل رہی تھی۔ دونوں ایک انجان لڑکے سے کافی تنگ تھیں۔ دونوں کو ایک لڑکا بازار کے چوک میں کئی دنوں سے دیکھتا تھا، مگر وہ نوجوان بہت گندا تھا اور اس کے میلے وجود سے مرحا کو گھن آتی تھی۔ جبکہ منال تھوڑی سی دل کی بری تھی۔ اس نے اسے فقیر جان کر پیسے بھی دینے چاہے تھے، مگر اس لڑکے نے وہ پھینک دیئے۔ اور کہا۔ "وہ فقیر نہیں ہے۔" اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ اس دن وہ لڑکا پہلی بار کچھ بولا تھا۔ اس کی آواز میں ایک درد تھا۔ اور منال اس دن خود کو شرمندہ سا محسوس کرنے لگی۔
اگلے دن مرحا جب منال سے ملی، تو چہک کر بولی۔ "میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔"
"کیسا منصوبہ؟" منال حیرت سے اچھل پڑی۔
"یار اس بندے کو اپنے بھائیوں سے خوب پٹواتی ہوں، تاکہ پھر وہ ہمیں گھور کر نہ دیکھے۔" مرحا نے خوشی سے دونوں ہاتھ آپس میں جمائے۔ خوشی اس کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی تھی۔
"اللہ مرحا کی بچی! اس بے چارے نے کیا کیا ہے؟، اور تم اتنی سنگ دل کب سے ہوگئی ہو کہ کسی کے دیکھنے پر بھی پابندی عائد کر دو۔ اور تم مجھے یہ بتاؤ اس نے کیا تمہارے ساتھ کوئی ایسی ویسی کوئی حرکت کی ہے؟ جو تم ایسا کام کرنے جا رہی ہوں۔" منال دکھی ہوگئی۔ حساس دل کی مالک جو تھی۔
"تو گھور گھور کر کیوں دیکھتا ہے، مجھے اس کے دیکھنے سے وحشت ہوتی ہے۔" مرحا چیخ کر بتانے لگی۔

"ارے پگلی! اللہ نے آنکھیں دی ہیں، تو کیا دیکھے گا بھی نہیں۔ اور تم اب کسی کے دیکھنے پر بھی پابندی لگاؤ گی۔ کس قانون کی کتاب میں ایسا لکھا ہے؟ مجھے ذرا وہ کتاب تو دکھاؤ۔" منال نے اس کو بازو سے گھمایا۔
"شٹ اپ۔ تم اب بکواس کر رہی ہو۔ وہ جب ہمیں ہونقوں کی طرح دیکھتا ہے، تو میرا دل کرتا ہے کہ اس کی آنکھیں نکال دوں۔" مرحا کافی غصے میں تھی۔ اور منال کو بتانے لگی۔
"اور اس شہر میں لڑکیوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے، جو وہ ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے۔" جب منال نے کچھ نہ کہا تو مرحا نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔
"تو جو کرنا ہے کرو، اسے مارنا ہے مارو، پٹوانا ہے پٹواؤ مگر یاد رکھنا کسی کو بلاوجہ مارنا بھی جرم ہے۔" منال نے قدرے غصے میں آکر اسے بتایا۔
"تم میری بات سمجھ ہی نہیں رہی ہو، آج صرف دیکھتا ہے۔ کل پیچھا کرنے لگے گا، اور پھر ایک دن ہاتھ میں پھول لے کر کہے گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" مرحا نے مستقبل کا نقشہ بڑا ہی خوبصورت کھینچ لیا۔
"ہائے۔ یار سب کچھ اپنی جگہ مگر وہ کتنا گورا ہے، تم دونوں کی جوڑی کیا خوب سجے گی۔ اور میں تو کہتی ہوں، جس دن وہ ایسا کہے فوراً مان جانا۔" منال نے مزے سے کہا۔ تو مرحا کو آگ لگ گئی۔
"تو باز نہیں آئے گی ناں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تیرے لیے وہاں کھڑا ہوتا ہو۔"
"اور اس لیے کہتی ہوں کہ کل ایسا کچھ ہو، ابھی سے ہم اس بندر سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔" مرحا نے جیسے دور کی کوڑی لائی۔
"مرحا تم اس کو مارنے کا پلان بناتی رہنا۔ میں تو گھر جا رہی ہوں۔ تم پاگل ہونے والی ہو، اور ایسا کچھ ہے بھی، تو بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اللہ کا بندہ ہے وہ۔ اللہ کا بندہ جان کر معاف کر دو اسے۔"
"تو پھر بہت پچھتائے گی۔ میں بتا رہی ہوں۔" مرحا نے اس کے پیچھے آواز لگائی۔
"بعد کی بعد میں دیکھ لیں گے۔" منال نے آنکھ داب کر کہا۔ مرحا مزید غصہ ہوگئی۔
"بعد میں، میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔" مرحا نے اسے ڈرانا چاہا۔
"کچھ نہ کرنا۔" منال نے اس کو ہاتھ سے کھینچ کر لے جانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

کیسی اداسیاں
شہر میں یہ
یہ بھی مجھ سے سوال کرتے ہو

اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اور اسے کئی جھٹکے دے دیئے، "اب پھر میرے سامنے تم آگئے، میں نے تم سے کہا تھا کہ دوبارہ میرے سامنے مت آنا۔ تمہاری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میں اب تمہاری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی۔ اور تم بار بار میرے سامنے آجاتے ہو۔" وہ چیخی اور روتی چلی گئی۔ اس نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ "تمہاری وجہ سے میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گی۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔
"تم یقین نہیں کرو گی، مگر مجھے ہمارے مسئلے کا حل مل گیا ہے، میں سب کچھ پھر سے ٹھیک کر دوں گا۔ موسم نے اس کے ہاتھ پکڑے۔ اور پھر کے آنسو پونچھ ڈالے۔ وہ بہت آس سے بتا رہا تھا۔
"نہیں موسم اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا ہم سب کچھ بگاڑ چکے ہوں۔" وہ اسی طرح رونے لگی۔
"ایمان میں تمہارے راستے کے سارے پتھروں کو ہٹانے کے لیے آگیا ہوں، اب میں پھر سے سب کچھ پہلے جیسا کر دوں گا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم دیکھنا۔" موسم نے اسے دلاسہ دیا۔
"نہیں میں نے کہا کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا، اور تم جانتے ہو، یہ سب فضول کی کوششیں ہوں گی۔ مجھے اب اپنی جان دینی ہوگی۔" ایمان نے قدرے اداسی سے کہا۔ اور اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔
"میں نے کہا ناں کہ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ اور ہاں تم سن کر حیران ہو جاؤ گی۔ کچھ دن پہلے میں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

نے ایک لڑکی کو دیکھا، اور وہی لڑکی سب کچھ ٹھیک کر سکتی ہے۔ وہ ہمارے سارے مسئلے سلجھا سکتی ہے۔

"کیوں کیا وہ لڑکی کوئی جادوگرنی ہے، جو جادو سے سب کچھ ٹھیک کر دے گی۔ جیسا تم نے سب کچھ بگاڑا۔"

"نہیں وہ کوئی جادوگرنی نہیں۔ بلکہ ایک عام سی لڑکی ہے، جو روزانہ کلاتھ سینٹر میں کام کرنے آتی ہے۔ مگر مسئلہ ہے۔ اور وہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اس کی سہیلی اس کے ساتھ ہوتی ہے، اور اس کی سہیلی کی موجودگی میں، میں اس سے بات نہیں کر سکتا، میں اکیلے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی سہیلی کافی تیز اور چالاک ہے، مگر وہ معصوم سی ہے۔" موسم نے دل سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا تم اکیلے اس سے بات کرو گے۔" ایمان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"تم غصہ نہ ہونا، وہ سب کچھ ٹھیک کر سکتی ہے۔" موسم نے ہنس کر کہا۔ وہ ہنستا ہوا پیارا لگ رہا تھا۔ ایمان کو ایک لمحے کے لیے اس پر بے پناہ پیار آیا۔

"تو وہ کوئی ساحرہ ہے۔ جو اسے ایک نظر دیکھنے کے بعد تم اس سے امیدیں باندھ بیٹھے ہو۔" ایمان نے اپنا پیار کا خیال جھٹک کر طنز مارا۔

"ایمان تم کیوں نہیں سمجھتی۔ کہ میں یہ سب کچھ ہمارے لیے کر رہا ہوں۔" موسم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مگر ایک عام لڑکی میں ایسی بھی کیا خاص بات ہے، جو تم نے اسے ایک نظر میں دیکھ کر پہچان لیا کہ وہ ہمارے کام آسکتی ہے۔" ایمان کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو حیران رہ گیا، اور تم بھی اسے دیکھو گی، تو حیران ہی رہ جاؤ گی، اگر تم اس کے سامنے جاؤ گی تو پھر تم ایسا کچھ بھی نہیں کہو گی۔ موسم نے یقین سے کہا۔

"اچھا پھر تو اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔" ایمان ہنسنے لگی۔

"اچھا دیکھو، سارے دن کی خواری الگ کی ہے بہت بھوک لگی ہے، تم نے کچھ بنایا بھی ہے یا نہیں؟" موسم نے پوچھا۔

"تم بازار سے کچھ لے کر آجاتے جیسا روز لاتے ہو، میں اسی پریشانیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کچھ بھی نہ بنا سکی۔" ایمان نے پیار سے کہا۔

"اچھا لے آتا ہوں۔" موسم تھکا تھا، مگر ایمان کو وہ ذرا بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے اس کے کہنے پر فوراً ہی گھر سے باہر چلا گیا۔ اور واقعی ایمان بہت پریشان بھی تھی۔ اور یہ سارا چکر بھی موسم کی وجہ سے تھا۔

☆.....☆.....☆

زاویہ درد محبت کا بدلتا تھا کیسے
آنکھ پتھر تھی کوئی اشک نکلتا تھا کیسے

وہ دونوں گلی میں داخل ہو گئیں۔ اور اب گلی کی نکڑ سے نکل کر سڑک کے کنارے بنے فٹ پاتھ پر چلنے لگیں، مرحا نے سفید لباس پہنا ہوا تھا، جبکہ منال بھی سادے سے لباس میں اچھی اور پیاری لگ رہی تھی۔

اب وہ بازار کے مین چوک سے گزر رہی تھیں، کہ منال نے مرحا کو کھینچا۔ "وہ دیکھو تمہارا دیوانہ!"

"شٹ اپ وہ تمہارا دیوانہ ہوگا۔ اور دیکھو تمہیں گھور کر دیکھ رہا ہے، کل کہا بھی تھا، کہ اپنے بھائیوں سے اسے پٹواؤں گی مگر تم نے۔ منع ہی کر دیا۔" مرحا نے ماتھے پر بل ڈال دیے۔

"ارے وہ تو صرف دیدار یار کرتا ہے، کبھی اس نے ہمارے ساتھ کوئی چھیڑ خوانی تو نہیں کی ناں۔" منال نے اس کے کان میں کہا۔ جیسے اس کی صفائی پیش کی ہوں۔

"مگر یہ بات تو سراسر غلط ہے، کہ سینٹر کے باہر اور راستے میں جگہ جگہ یہ ہمیں گھور گھور کر دیکھا کرے۔ اگر ایک دن اپنے بھائیوں سے اسے پٹواؤں گی تو اگلے دن پھر یہ نظر نہیں آئے گا۔ اس ایریا میں، لکھ کر رکھ لو تم میری یہ بات۔" مرحا نے مزے سے بتایا۔

"تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گی۔ کیوں ایک نیا تماشا لگانا چاہتی ہو۔ تمہارے بھائی میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟" منال نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، جو تمہارا جی چاہے وہ کرو۔" مرحا نے قدرے معصومیت دکھائی۔

دونوں اسے نظر انداز کرتی ہوئی سینٹر کے اندر چلی گئیں۔ اور جب وہ دونوں باہر نکلیں، تو بھی وہ وہی ادھر اسی جگہ کھڑا، ان کو دیکھ رہا تھا، مرحا نے تو منہ پھیر لیا۔ جبکہ منال مزے سے اسے دیکھنے لگی۔

"بڑا پیارا ہے۔ مگر غریب سا لگتا ہے۔" منال نے مزے سے کہا۔

"ہاں اور خوددار بھی، ایک دن تم نے اسے فقیر جان کر پیسے دینے چاہے تھے، مگر پھینک دیے، کہا بھیک منگا نہیں ہوں۔" مرحا نے پہلی بار منال کے ساتھ اس کے بارے میں کوئی ٹھیک بات کی۔

"مرحا پتہ نہیں تم تھوڑی سی بہادر ہو اس سے جا کر پوچھو تو سہی کہ چاہتا کیا ہے؟" منال نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔

"ناں بابا، ناں میرے بھائی مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ اور تمہارے تو بھائی نہیں ماں کی اکلوتی بیٹی ہوں، کوئی روک ٹوک تم پر ہے نہیں، تم تو یہ کام خود بھی کر سکتی ہو۔" مرحا نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ٹھیک ہے میرے کسی کام تم نہ آنا۔ اور خاموشی سے دونوں چلنے لگیں۔" گلی میں دونوں اپنے اپنے گھر کی طرف ہو لیں۔

منال جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی، اس کی بوڑھی ماں برتن دھو رہی تھی۔

"السلام علیکم! اماں اٹھیں، میں جلدی دھو دیتی ہوں۔" منال نے چادر اتار کر کھونٹی پر ٹانگی۔

"وعلیکم السلام! میں نے ہانڈی چڑھا رکھی ہے، تم وہ دیکھو بیٹا میں یہ دھو رہی ہوں۔ بس آخری دو چار ہی رہ گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اماں، پھر مل کر کھانا کھا لیتے ہیں۔" منال نے کچن کا رخ کر لیا۔

"اور ہاں ہانڈی تقریباً تیار ہی ہے۔" اماں نے آواز لگائی۔

خیر منال نے کھانا پلیٹ میں نکال دیا، اور پرات اٹھا کر کچن سے نکل گئی۔ اچانک اسے اسی لڑکے کا چہرہ یاد آگیا، اُف اس کی کتنی اداس آنکھیں ہیں، پتہ نہیں اسے کونسا غم لگا ہے، جو وہ یوں روز وہاں کھڑا ہوتا ہے، اور اس کا چہرہ کتنا پیارا ہے، اور اس کا قد بھی بہت اچھا ہے۔ وہ کتنا معصوم سا ہے، مگر وہ دیوانوں کی طرح وہاں کھڑا کیوں ہوتا ہے؟ کیا اسے مجھ سے یا مرحا سے کوئی کام ہے کیا؟ اگر ہے بھی تو کیا کام ہو سکتا ہے؟

منال ان ہی سوچوں میں غلطاں تھی، کہ اس کی ماں آگئی۔ دونوں اب دسترخوان پر بیٹھی ہوئی کھانا کھانے لگی تھیں۔ اور باتیں بھی کیے جا رہی تھیں۔ منال اسے آج سینٹر میں پیش آنے والا واقعہ بیان کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

تلاش کر اپنی کمی کو میرے دل میں
درد ہو تو سنوں رشتہ اب بھی باقی ہے

"یار موسم تمہاری ذہانت کی داد دینی پڑے گی، اور تمہارا پلان بہت ہی جاندار اور شاندار ہے۔ اس لڑکی کے بدلے مجھے چین مل سکتا ہے، ایمان سامنے سے آگئی، اور آتے ہی موسم کے گلے کا ہار بن گئی۔ اور وہ میری جگہ پھنس سکتی ہے، شکر ہے خدا کا کہ وہ لڑکی تمہاری نظروں میں آگئی۔" ایمان خوشی سے اچھل پڑی۔ جیسے کسی بچے کو گمشدہ کھلونا مل جائے۔

"ایمان جب میں نے اسے دیکھا تو میں حیران رہ گیا۔" موسم نے جیسے اپنے جذبات بیان کر دیے۔

"آج اسے دیکھ کر میں بھی بہت حیران رہ گئی۔ اور وہ جب ہمیں حیران کر سکتی ہے، تو یقین کرو وہ مجھے پچا بھی سکتی ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ہو تو سکتا ہے۔ مگر مجھے اس کی دوست کافی تیز لگتی ہے۔ موسم نے اہم بات کی طرف توجہ دلا دی۔

"تم اس کی دوست کی فکر مت کرو۔ اس کی کرو، کیونکہ تم اس کی نظروں میں آچکے ہو۔ اور وہ تو تیز بھی نہیں لگتی، بے وقوف سی ہوگی۔" ایمان نے اندازہ لگایا، جو ٹھیک لگ رہا تھا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور اب میں اسے دوستی کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے قریب جاؤں گا۔" موسم نے پلان بنایا۔

"ہاں میری جان، تم کوئی بھی سچی جھوٹی کہانی سنا کر اسے راضی کر لینا، ورنہ اگر ایسا نہ ہو سکا تو میں تو جان سے جاؤں گی، معاف تمہیں بھی نہیں کروں گی۔ کیونکہ اگر کہانی شروع ہو سکتی ہے، تو ختم بھی ہو سکتی ہے۔" ایمان نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"بالکل میں یہ بات بہتر جانتا ہوں کہ کہانی زندگی ہی تو ہوتی ہے، اس کا خاتمہ بھی ضرور ہوتا ہے۔" موسم نے اسے بانہوں میں بھینچ لیا۔ اور ایمان جھکائی دے کر مچھلی کی طرح اس کے بانہوں کے حصار سے نکل گئی۔

"دیکھو موسم ابھی مجھے یہ سب پسند نہیں۔" ایمان نے سخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تمہیں پتہ تو ہے کہ میں بھی ایسا کچھ نہیں چاہتا مگر مجھے صرف ڈر لگا رہتا ہے کہ میں تمہیں کہیں کھو نہ دوں۔" موسم نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اب میں کوئی کٹھ پتلی نہیں بنوں گی، اور نہ اپنی زندگی کسی کو دوں گی۔ تم اب یہ ڈر دل سے نکال ہی دو تو زیادہ اچھا ہوں گا۔" ایمان نے اسے یاد دلایا۔

"تم فکر مت کرو، میں سارے پتے سیٹ کر چکا ہوں، اور تم پر اب کوئی ظلم نہیں ہوگا۔" موسم نے ہونٹ آپس میں جمائے۔

"گڈ! اور ہاں میرے خیال میں ان کو شک بھی نہیں ہوگا۔ کہ ہم نے بھی کھیل شروع کر دیا ہے۔ کھیل اور شرط صرف وہ نہیں رکھ سکتا، ہم بھی رکھ سکتے ہیں۔ مگر اس کو دھوکے میں رکھ کر۔"

"وہ تو ہیں۔ جب میں اس لڑکی کو دیکھ کر دھوکہ کھا سکتا ہوں، تم حیرانگی کا شکار ہو سکتی ہو۔ تو پھر وہ بھی ہو سکتا ہے، جو تمہاری جان مانگ رہا ہے۔" ہاہاہا۔۔۔ موسم کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

"ویسے اگر تم نے اس کی ہمدردی حاصل نہیں کی تو وہ ہاتھوں میں آنے سے پہلے ہی نکل جائے گی۔" ایمان نے اس کو ڈرانا چاہا۔ کیونکہ ایمان کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

ایسا نہیں ہوگا میں تمہیں آل ریڈی بتا چکا ہوں کہ میں سارے پتے بچھا چکا ہوں، بس اب کونسا پتہ پھینکنا ہیں، یہ تم مجھ پر ہی چھوڑ دوں۔ فی الحال تو وہ لڑکی اس کھیل میں شامل بھی نہیں ہے۔

"چاہے تم تاش کھیلو یا شطرنج، مگر جیت میری ہی ہونی چاہیے، کیونکہ میں شطرنج کی اس کوئین کی طرح ہوں، جسے وہ مات دینا چاہتا ہے۔" ایمان نے آنکھیں اچھی خاصی چھوٹی کر دیں۔

"میں کھیل تو تاش ہی رہا ہوں، مگر میدان میں نے شطرنج کا بنا دیا ہے۔ کوئی بھی دھوکہ کھا لے گا۔" موسم نے اسے یقین دلایا، کہ وہ اس پر آنچ بھی نہیں آنے دے گا۔

"تمہیں پتہ تو ہے کہ ایمان میرا نام ہے، کسی کا ایمان خراب بھی کر سکتی ہوں، اور کسی کا تباہ۔ اس لیے اس کھیل میں کہیں مجھے ہی قربان نہ کر دینا۔" ایمان نے اسے جیسے آئینہ دکھایا۔

"موسم میں بھی ہوں، اپنے نام کی طرح بے ایمان، اور بے رحم، کسی بھی وقت بدل سکتا ہوں، اور کسی بھی وقت تڑپا اور جلا سکتا ہوں۔" موسم نے بھی شوخی سے کہا۔ جیسے اسے بتا رہا ہوں، کہ اگر وہ میرے تو وہ سوا میر ہے۔

"ایمان کے ساتھ کبھی بے ایمانی مت کرنا، ورنہ تو جانتے ہو۔" ایمان نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

ایمان کے ساتھ کوئی کافر ہی بے ایمانی کر سکتا ہے۔ موسم نے پیار سے اس کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

اور ایمان، ہنسنے لگی۔

یہ زندگی بھی ناں اپنی بچاؤ کے لیے کبھی کبھار دوسروں کی خراب کرنا ہی پڑتی ہے، اور اگر نہ ہو تو پھر خود کی تو ضرور خراب ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہے ناں!

☆.....☆.....☆

پل دو پل کی بات تھی زندگی بھر کا تھا قصہ
تم ہم سے ملے ایسے اور بن گئے زندگی کا تھا حصہ

وہ دونوں کلاتھ سینٹر سے باہر نکلیں، تو جیسے ہی مین چوک پہنچیں۔ وہاں مرحا اسی لڑکے کو دیکھ کر سخت اشتعال میں آ گئی۔ اس کی آنکھوں سے جیسے شرارے سے نکلنے لگے۔ جیسے ابھی اور اسی وقت اس کو جلا کر بھسم کر دینگے۔

"دیکھا منال وہ پھر سے کھڑا ہے۔"

"تو کھڑا ہو ہمیں کیا؟" منال نے اسے نظر انداز کر دیا۔

"یار تم نہیں جانتی، مجھے اس کا یوں کھڑے ہونا سخت برا لگتا ہے۔" اس کے غصے کی طرح اس کی آواز بھی اونچی تھی۔

"مجھے کونسا اس کا یوں کھڑے ہونا پسند ہے۔" منال نے ہونٹ دانتوں تلے داب لیے۔

"تو آج میں اس کے ساتھ دو، دو ہاتھ کر ہی آؤں۔" مرحا غصے سے کہا۔

"کیا تم بھی اس کی طرح پاگل ہونے والی ہو، یہ تو بازار ہے کوئی کھڑا ہوگا، کوئی آئے گا، جائے گا، ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔" منال کی بات ٹھیک بھی تھی۔ مگر مرحا کے مزاج کی تیز تھی، اس نے اس کی ایک نہ سنی اور اسی لڑکے کے پاس چلی گئی، اس کی بے عزتی کرنے۔ منال کو بھی مجبوراً اس کے پیچھے جانا پڑا۔

"اے کیوں ادھر کھڑے ہوتے ہو، اور تمہیں کوئی کام دھندہ نہیں ہے کیا، یا صرف لڑکیوں کو گھور، گھور کر دیکھنا تمہارا مشغلہ ہے۔" مرحا ترش لہجے میں اس سے پوچھنے لگی۔

"میں تمہارے لیے کھڑا تو نہیں ہوتا، اور اگر تمہیں یہ غلط فہمی ہے تو جلد سے جلد دور کر لیجیے گا۔" وہ لڑکا اسی طرح سینہ تھان کر کھڑا رہا۔ اور منال کو دیکھتا رہا۔

"اگر کھڑے ہوتے ہو تو ہمیں دیکھتے کیوں ہو، ایسے ناد یدے پن سے دیکھتے ہو، جیسے کبھی لڑکی نہ دیکھی ہو۔" مرحا نے جارحانہ انداز اپنایا۔

"کیا تمہیں یقین ہے، کہ میں تمہیں دیکھنے کے لیے یوں اس بھری دوپہر میں کھڑا ہوتا ہوں، اور خود کو جلاتا ہوں۔" اس لڑکے نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں مان لیتی ہوں کہ تم کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے، مگر تمہارا یوں دیکھنا مجھے سخت برا لگتا ہے۔ اس لیے آئندہ وہ مجھے تم اس جگہ نظر نہ آنا۔ اور ویسے بھی شریف لڑکوں کا یہ اطوار ہو نہیں سکتے۔" اس بار مرحا نے اسے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

"تم کچھ نہیں کہو گی؟" اس لڑکے نے ڈائریکٹ منال سے سوال کیا۔

"نہیں۔ میری دوست ٹھیک کہہ رہی ہے، تم کسی شریف گھرانے کے لگتے ہوں یہ چھچھوری حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہوں، مگر میں تمہارے لیے اس کھڑی دھوپ میں کھڑا ہوتا ہوں، مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے۔" لڑکے نے منال سے کہا۔ اور مرحا نے منال کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ "دیکھا میں ناں کہتی تھی۔ کہ ضرور یہ ایک دن ایسا کہے گا۔" منال کے پیروں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

میں کسی ایسے ویسے ارادے سے تم سے نہیں مل سکتی۔ چلو مرحا، تم اسے سمجھا دو کہ میرے لیے دھوپ میں نہ جلے۔ یہ اس کی بڑی مہربانی ہوگی۔

اس نے سن بھی لیا ہوگا، اور یہ سمجھ بھی لے گا، مرحا نے اسے سنایا۔ اور دونوں مڑ کر جانے لگیں۔

"میری بات تو سنیں، تم میری ایمان کی ہم شکل ہو۔ تم ایمان ہو نا، میری ایمان؟" وہ جیسے گڑگڑایا۔

"کون ایمان۔" منال نے مڑ کر کہا، اور مرحا نے اس کا ہاتھ کھینچا۔ "چلو ں منال۔" مرحا نے اسے کہا۔

"میری زندگی تھی وہ، اور وہ تمہاری ہم شکل تھی، تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر مجھے لگا کہ تم میری ایمان ہو۔ تم بالکل میری ایمان کی طرح ہو۔ اس کی ہم شکل، چہرہ قد کاٹھ، سب کچھ تمہیں میری ایمان کا ملا ہے۔" وہ گہرے لہجے میں بولنے لگا۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے، مرحا، کیا کوئی کسی کا ہم شکل بھی ہو سکتا ہے؟"

"یہ بکواس کر رہا ہے۔ اور تم نے اس کے ساتھ

Digitized by Google

کوئی بات نہیں کرنی۔" مرحا غصے سے بولی۔

"تمہیں پتہ ہے مرحا میں اکثر سوچا کرتی تھی، کہ کیا اس دنیا میں کوئی کسی کا ہم شکل بھی ہوسکتا ہے، اور اگر یہ کہہ رہا ہے، تو ہمیں اس کی بات سن لینی چاہیے۔ میری آرزو پوری ہوجائے گی۔"

"ہاں تم اب اس کی بے تکی باتیں بھی سنو گی، اور کیا تمہیں یقین ہوگا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہوگا۔"

"اس کے پاس کوئی تو ثبوت ہوگا، جو یہ اتنی گہری بات کررہا ہے۔" منال الجھ ہی گئی تھی۔

"تم دونوں میں مجھے کوئی بھی دلچسپی نہیں ہے، اگر ہے بھی تو بس وہ اتنی ہی، کہ تم ایمان کی ہمشکل ہو۔ اور میں اس بات کا ثبوت بھی پیش کرسکتا ہوں ابھی اور اسی وقت۔" اس نے پہلے دونوں کی باتیں سنیں، پھر اسی کے مطابق جواب دیا۔

"میری ایمان تمہاری جیسی تھی، شکل صورت، قد کاٹھ، اگر اس میں اور تم کوئی چیز چینج تھی، تو وہ تمہارے ہونٹ ہیں، تمہارے ہونٹ قدرے بھرے، بھرے ہیں، اور اس کے باریک تھے۔"

"وہ پندرہ دن پہلے لاپتہ ہوگئی۔ اور میں نے اسے بہت ڈھونڈا مگر کہیں بھی نہ ملی۔ تب مجھے ایک دن تم نظر آگئی۔ میں سمجھا کہ تم میری ایمان ہو مگر نہیں تم کوئی اور تھی۔ تمہاری الگ پہچان ہے۔ اپنی شناخت ہے۔"

اس کی باتیں سن کر وہ دونوں دنگ رہ گئیں۔ جبکہ منال کو تو یقین آگیا۔ مگر مرحا کو منال پر حیرت ہو رہی تھی، کہ وہ کیسے اس کی باتوں میں آگئی ہے۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔" مرحا نے اس سے پوچھا۔

اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا۔ اور ان دونوں کو تصویریں دکھانے لگا۔

وہی لڑکا منال کے ساتھ تھا، کسی پک میں اس کو کھانا کھلا رہا تھا، اور کسی میں اس کے کندھے پر سر رکھا ہوا تھا، کسی میں وہ دونوں کسی پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی میں وہ ساتھ کھڑے تھے۔ اور کسی میں اس نے اس کو پھول دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ ایک میں کسی ہوٹل میں فالودہ بھی کھا رہے تھے۔

اور کسی میں اس نے منال کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور کسی میں وہ اسے پھول دے رہا تھا۔ اور وہ لے رہی تھی۔ کسی میں وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

کہیں یہ تصویریں ایڈٹ نہ ہوں، آج کل یہ جادو فوٹو شاپ سے بھی ہوسکتا ہے، مرحا نے خدشہ ظاہر کیا۔

مگر یہ ویڈیو تو جھوٹی نہیں ہوسکتی ناں۔ اس نے جھٹ سے کہا۔

اس نے جلدی سے ایک ویڈیو پلے کی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مائی ڈیئر موسم۔ آئی لو یو۔"

منال اسی لڑکے کے ساتھ کھڑی اسے برتھ ڈے وش کر رہی تھی۔ ان دونوں کو بھی ویڈیو دیکھ کر یقین کرنا پڑا۔ مگر مرحا ابھی بھی بے یقین تھی۔ اس لیے وہ جلد از جلد اس سر پھرے سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھی۔

تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہیے، اور وہ لوگ شاید تمہارا مسئلہ حل کرلینگے! مرحا نے مفت مشورہ دیا۔

میں نے پولیس میں رپورٹ بھی درج کرائی تھی۔

مگر تاحال کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ اور تم دونوں کو میں یہی بات بتانا چاہتا تھا، لیکن ڈرتا تھا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔ مگر تھینکس ٹو یو، کہ تم نے میری مشکل آسان کردی۔ میری نیت میں کوئی بھی کھوٹ نہیں ہے، آئی سوئیر، میں تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا ہوں۔ بس تم سے صرف دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر ایمان مل گئی تو اسے بتانا چاہتا ہوں کہ کوئی تمہارا ہم شکل بھی ہے، یہ اس کے لیے خاص سرپرائز ہوگا۔ اسے ہم شکل لوگوں کو دیکھنے کا بچپن سے شوق تھا۔

ہمیں آپ سے کوئی دوستی نہیں کرنی، ہم لڑکوں سے دوستیاں کرنے والی لڑکیاں نہیں ہیں۔ مرحا نے منال کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے جانے لگی، منال بھی اس کے ساتھ کھنچنے لگی۔ حالانکہ منال کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر مرحا نے اس کو موقع ہی نہیں دیا۔ کہ وہ کہہ سکے۔ وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

میں آپ کی دوست سے مخاطب ہوں آپ سے

نہیں۔ موسم نے منال کو اشارہ کیا۔ اور مرحا کو اس کا ایسا کرنا سخت ناگوار لگا۔ وہ بڑی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگیں، ان آنکھوں میں غصہ بھرا ہوا تھا۔

مجھے ایسے لوگ زہر لگتے ہیں، جو بات نہیں سمجھتے۔ مرحا نے اس کو دیکھ کر غصے سے کہا۔

مجھے آپ کا نام بھی نہیں پتہ اور پلیز آپ مجھے بہت مہربان لگتی ہیں، میرے مطالبے پر ضرور سوچئے گا۔ اس نے چلتی منال کو پریشان کردیا۔ موسم نے منال سے کہا۔

ایسی کوئی امید بھی مت رکھنا، اور ہم دعا کریں گے، کہ تمہاری ایمان تمہیں مل جائے، تاکہ تم میری دوست کو پریشان کرنا چھوڑ دو۔ مرحا نے اسے آخری بات کہی، اور منال کو کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔ حالانکہ منال کو وہ کتنا معصوم سا لگا تھا۔ آج اتنا ہی بے بس لگ رہا تھا۔ وہ ہمدرد دل کی مالک تھی۔ اور کچھ بھی اس کے لیے کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ تو ایک عام سی لڑکی تھی، اس نے سوچا کہ وہ کیا کرسکتی ہے۔ مرحا نے اس کے ساتھ ٹھیک ہی کیا ہے۔

☆.....☆.....☆

تم سے اچھے
تو تیرے خواب ہے
جو سوتے ہوئے بھی میرے ساتھ ہے
بہت دل لگی کی تھی تم سے صنم
محبت میں ایسے یہ میرے جذبات ہے

ایمان تمہیں پتہ ہے آج میں نے اس سے بات کی، اس کی آواز تم سے ملتی ہے، مگر اس کے باتوں کا انداز زرا سا مختلف ہے۔ موسم نے بتایا۔

جوں بھی ہو، جو پلان تم نے بنایا ہے، اس پر عمل ہوسکے گا کہ نہیں، ایمان نے پوچھا۔

ہوسکے گا، مگر یہ سب اس عورت کی وجہ سے ہوا ہے، اور کاش میں اسکی بات نہ مانتا، تو آج ہمیں کسی کو دھوکہ تو نہ دینا پڑتا۔ موسم نے دکھ سے کہا۔

اگر تم چاہتے ہو کہ میں اپنی جان کی قربانی دوں تو ایسا سوچنا بھی مت، میں ایمان ہوں کوئی بکری نہیں۔ یہ مصیبت تمہاری بلائی گئی ہے، تم ہی اس ٹالوں گے۔ ایمان تلخ ہوگئی۔ جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔

میری جان پریشان کیوں ہوتی ہو، میں سب کچھ ٹھیک کردوں گا، موسم پرسکون تھا۔

اس لڑکی سے تمہاری بات ہوئی، ایمان نے اپنے مطلب کی بات کی۔

ہاں میں نے اسے کہانی سنا دی ہے، مگر اس کی دوست ایک قیامت ہے۔ موسم نے مرحا کی بات کی۔

اس نے کیا یقین کرلیا، ایمان نے بے صبری سے پوچھا۔

ہاں اسے کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ تمہاری ہی ہم شکل ہے۔ اسے میں نے شیشے میں اتھارا دیا ہے۔ اب تم دعا کرو، کہ وہ مان جائے۔ اسے ہم شکل دیکھنے کا بچپن سے ہی شوق ہے۔

ہر کام دعاؤں سے نہیں ہوسکتا، کچھ کاموں کے لیے محنت بھی کرنی پڑتی ہے، ایمان کا کہنا درست تھا۔

تم سن رہے ہو، میرا مطالبہ کب پورا کررہے ہوں، ہاہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ ہاہا، اچانک ان دونوں کے باتوں کے دوران ہی ایک وحشت میں ڈوبی آواز سنائی دینے لگی، جیسے کوئی چنگھاڑ رہا ہو۔ یہ آواز صرف سنائی دے رہی تھی۔ اور بہت زیادہ بھیانک تھی۔ اتنی بھیانک کہ ایمان نے سنی وہ تھر تھر کانپ اٹھی۔ وہ کانپتے ہوئے موسم کو دیکھنے لگی۔ اور پھر اس نے موسم کا بازو زور سے پکڑ لیا۔

مو۔۔۔ مو۔۔۔ موسم مجھے بچاؤ، وہ مجھے لینے کے لیے آگیا ہے۔ ایمان پر کپکپی طاری ہوگئی۔

اگر ایسا نہ کیا، تو میں خود وہ ادھورا کام پورا کردوں گا، اور سنو اس کے بعد تمہیں پچھتانا پڑے گا، پچھتاوا پھر تمہارا مقدر ہوگا۔ وہ آواز کافی بھیانک تھی۔ ایمان کے کانوں کے پردے جیسے پھاڑنے لگے، اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اور اس آواز کے آتے ہی اسے بری طرح سے چکر آنے لگے۔ وہ جیسے ہوش ہونے لگی۔

موسم یہ پھر سے آگیا۔ موسم یہ مجھے تم سے دور کر دے گا۔ ایمان چلائی۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

میں تمہارا مطالبہ ہر صورت پورا کروں گا۔ ابھی تم جاؤں، پورے پانچ دن ہیں میرے پاس۔ موسم چیخا۔

میں تمہیں اپنا مطالبہ یاد دلانے آیا تھا۔ وہ میری خواہش ہے، یہ نا ہو کہ پھر تمہیں پچھتاوا ہو۔ وہ کھر کھراتی ہوئی آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دینے لگی۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تمہارا مطالبہ مجھے ماننا ہی ہوگا۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے سکتا ناں۔ موسم نے بے بسی سے کہا۔ ایمان کی حالت بہت بری تھی۔ اور اچانک ایمان گر کر بے ہوش ہوگئی۔

تم جاؤ میں تمہارا کام کردوں گا۔ اور سنو جب تک میں تمہیں نہ بلاؤں تب تک تم نہ آنا، اور میں نے اگر پانچ دن کے اندر اندر تمہاری خواہش پوری نہیں کی، تو پھر تم اپنی مرضی سے چاہے جو بھی کرنا، موسم نے منت سے کہا۔ کیونکہ اسے ایمان کو بھی ہوش میں لانا تھا۔

ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں، مگر یاد رکھنا، صرف پانچ دن، وہ غیبی آواز گم ہوگئی۔ اس کے آتے ہی جیسے بھونچال آگیا تھا۔ اور وہ جیسے ہی گم ہوئی ہر طرف سکون سا ہوگیا۔

موسم ایمان پر جھکا اور اسے ہوش دلانے لگا۔ اس کے چہرے پر اس نے پانی چھڑکا تو وہ ہوش میں آگئی۔

کیا وہ منحوس آواز گم ہوگئی۔ ایمان خوف سے لرزتے ہوئے پوچھنے لگی۔

ہاں مگر تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ وہ صرف ایک آواز ہی تو ہوتی ہے۔ موسم نے اس کے ہونٹوں سے پانی کا گلاس لگایا۔

میں ان ہوائی چیزوں سے کتنا ڈرتی ہوں اور یہ میری موجودگی میں تم سے اپنی خواہش پوری کرنے کی بات کرتا ہے، مجھ پر اس کی وجہ سے لرزا طاری ہو جاتا ہے۔ ایمان کانپ رہی تھی۔ وہ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی تھی۔

دیکھو میں اپنی جان تو دے دوں گا، مگر میں تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ موسم اب سنبھل گیا تھا۔

اس کی منحوس آواز کتنی بھیانک ہے، اور اگر وہ کسی دن سامنے آگیا تو اس دن میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ ایمان نے ڈرتے ہوئے اسے کہا۔

میں اسے تمہارے سامنے کبھی نہیں لاؤں گا۔ میں جان پر کھیل جاؤں گا مگر ایسا دن کبھی نہیں آنے دوں گا۔ موسم نے اسے دلاسہ دیا۔

اگر پانچ دن کے اندر، اندر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا، تو وہ تمہارے رکنے سے بھی نہیں رکے گا، جب میں اس ہوائی مخلوق کی آواز سنتی ہوں، تو بے ہوش ہو جاتی ہوں۔ اور جس دن وہ مجھے لے جائے گا تب میرا کیا ہوگا؟ تم اس دن کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ ایمان نے اسے ڈراوا دیا۔

میں کہہ رہا ہوں ناں ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، مگر تم سمجھتی ہی نہیں ہو، ہمیں وہ لڑکی مل چکی ہے، وہ ہمارا کام کردے گی۔

مجھے تم سے کوئی امید تو نہیں ہے کہ تم ہوائی مخلوق کو دھوکہ دے دو گے۔ ایمان نے منہ بنا کر کہا۔

ایمان تمہاری خاطر تو میں پوری دنیا کو دھوکہ دے جاؤں گا۔ تم ایک بار بھروسہ تو کرو۔

اگر بھروسہ نہ ہوتا تو کیا تمہارا ساتھ دیتی، مجھے بس اور کچھ نہیں پتہ دوبارہ اس منحوس آواز سے پہلے پہلے تم اس لڑکی کو کسی بھی طریقے سے راضی کرلو۔ ورنہ مجھے تو تم کھو ہی دو گے۔

ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔ موسم نے اسے کھینچ کر اپنے قریب کرلیا۔

یہ تو وقت بتائے گا۔ ایمان نے سنبھل کر کہا۔

وقت تو ہمارا ہی ہے۔ موسم ہنسنے لگا۔

وقت کسی کا نہیں ہوتا، ایمان نے اسے جتایا۔

مگر اس بار میں تمہاری خاطر وقت سے بھی ٹکر لے لوں گا۔

تم نے اگر منصوبہ فیل کر دیا ناں تو پھر ساری زندگی مجھے روتے رہنا، وہ ہوائی وجود اپنا کام کر جائے گا۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم یقین رکھو۔ موسم اس

پر چیخا۔

او کے لٹ سی کے کیا بنتا ہے ہمارا۔ کسی ہوائی مخلوق کو دھوکہ دینا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا؟ وہ کوئی شیطانی روح ہے۔ اور تم اسے دھوکہ دینے کے چکر میں ہو۔ ایمان نے جیسے طنزاً کہا۔

میں پتے چال سے آگے بڑھا رہا ہوں، تمہیں پتہ ہے میں اس بار بازی شطرنج سمجھ کر کھیل رہا ہوں۔

ویسے تمہیں یاد بھی رکھنا چاہیے کہ اگر شطرنج میں رانی ہی مر جائے تو کھیل ناکام ہو جاتا ہے۔ ایمان نے اپنی مرضی کی بات کی۔ حالانکہ یہ ایک بار پہلے بھی اسے جتا چکی تھی۔

اور میں رانی کو مرنے کہاں دوں گا، موسم قدرے پیار سے بتانے لگا۔

ہاہا۔۔ ایمان ہنسی۔ اور موسم اسے دیکھنے لگا۔

کبھی کبھی کھیل ہار کر بھی اگر جیتا جائے تو اس بازی جیتنے والے کو بازی گر کہا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

یہ تمہارا وہم ہے کہ ہم تمہیں بھول جائیں گے

وہ تمہارا شہر ہوگا جہاں بے وفا لوگ رہتے ہیں

کیوں کیا ہوا ہے، جو تم آج سینٹر نہیں جا رہی ہو، منال نے پریشانی سے پوچھا۔

بھائی نے آج جانے سے منع کر دیا ہے، گھر میں کچھ مہمان آنے والے ہیں۔ اور تمہیں پتہ تو ہے ناں کہ اماں کتنی بیمار ہیں، مرحا نے اسے بتایا۔ حالانکہ اسے خود بھی پریشانی تھی۔

مرحا میں بھی نہیں جاتی تمہارے بغیر تو میں کبھی بھی گھر سے باہر نہیں نکلی۔ منال نے انگلیاں آپس میں چٹخائیں۔

ارے پاگل! اب تم اکیلے آنے جانے کی عادت ڈال لو کل کو اگر میری شادی ہوگئی۔ تو کیا تم میرے ساتھ رخصت ہو جاؤ گی۔ مرحا نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

مرحا میں نہیں جا سکوں گی، اور اگر اس موسم نے پھر کچھ کہا تو۔ میں تو اتنی بہادر بھی نہیں ہو کہ اسے کچھ کہہ سکوں۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔

اوہو، تم اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لینا ہی مت، اگر اس کی ایمان گم ہو چکی ہے، تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ اور ویسے بھی گم ہو جانے والی چیزیں نہیں ملا کرتی، مرحا نے اس کو سمجھایا۔

مگر وہ مجھ سے دوستی کی بات کر رہا تھا۔ منال نے ہاتھ مروڑے۔

ہرگز اس سے دوستی مت کرنا اس کی تو نیت میں کھوٹ لگتا ہے۔ اور اس سے بچ کر چلنا، اگر وہ مخاطب کرے تو جواب تک مت دینا۔ کیا ضرورت ہے، ایسا کچھ بھی کرنے کی۔

اور اگر وہ اصرار کرے تو پھر؟ منال نے معصومیت سے پوچھا۔

او بی بی! جس راستے چلنا نہیں، اس پر قدم کیا رکھنا۔ مرحا نے جیسے ہنستے ہوئے اسے بتایا۔

او کے تم مرو یہاں۔ میں جا رہی ہوں دعا کرنا اس سے سامنا نہ ہو۔ منال اٹھ گئی۔

آرام سے جانا، اور زیادہ بدحواس مت ہونا، وہ لنگور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مرحا نے جاتی منال کو آواز دی۔

مرحا کو اس نے اس کے گھر چھوڑا اور خود سینٹر جانے کے لیے نکل گئی۔ اس کا دل نہیں کر رہا تھا، وہ چاہتی تھی۔ کہ واپس گھر چلی جائے۔ مگر پھر اس کے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی گلی سے باہر جانے لگے۔ شاید یہ اس کا تجسس تھا۔

جب وہ مین بازار پہنچی تو موسم حسب معمول کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اس کے قریب آگیا۔

جی، وہ دراصل تم نے کیا سوچا۔ موسم اس سے پوچھنے لگا۔

یہی کہ میں تمہاری ایمان نہیں ہوں اور نہ میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ منال نے ہلکے انداز میں بتایا۔ تم مجھ سے کچھ زیادہ امید لگا بیٹھے ہو۔ اس نے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

بتایا اور جانے لگی۔
کیا یہ تم کہہ رہی ہو؟ تم چاہوں گی کہ ایمان مر جائے، موسم نے پریشانی سے پوچھا۔
میرے چاہنے نا چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تو ایک عام سی لڑکی ہوں۔ اور میں تمہارے لیے صرف دعا کرسکتی ہوں۔ منال نے اسے بتایا۔
اسے اغوا کیا گیا ہے، پلیز تم میری مدد کرو۔ صرف تم ہی میری مدد کرسکتی ہو۔ موسم جیسے گڑگڑانے لگا۔ اس کی التجا میں کیا کچھ نہیں تھا۔ امید، آرزو، تمنا، زندگی کی رمق۔ وہ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھنے لگی۔
مگر تم نے کل ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اگر اسے اغوا کیا ہے تو تم پولیس سے ہیلپ لے سکتے ہو۔ پولیس مجھ سے بہتر تمہاری مدد کرسکتی ہے۔ منال نے معصومیت سے کہا۔
کل تمہاری دوست تھی ناں، تو اس لیے یہ بات نہیں بتا سکا۔ اور اگر پولیس کو بیچ میں انوالڈ کیا، تو وہ لوگ ایمان کو مار دیں گے، مجھے کل ایک آدمی کا فون آیا تھا۔ وہ ایمان کے بدلے پچاس لاکھ روپے مانگ رہا ہے، اور اتنے پیسے میرے پاس نہیں، تم میری مدد کرسکتی ہو پلیز انکار مت کرنا۔ میری آخری امید تم ہو۔ موسم نے آواز میں درد سا پیدا کردیا۔
کیسی مدد، اور میں اتنی امیر نہیں ہوں کہ تمہیں لاکھوں دے سکوں گی۔ میں تو خود معمولی سی سلائی کڑھائی کا کام کرتی ہوں۔ منال کو تعجب ہوا۔ اسے سامنے کھڑے شخص پر شدید حیرت ہو رہی تھی۔
اوہ میری بات تو سنو! جب مجھے دوبارہ ان میں سے کسی کا فون ملے گا تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ تم لوگوں نے کوئی دوسری لڑکی اٹھوائی ہے، ایمان تو میرے پاس ہے۔
اچھا اور جیسے ان کو یقین آجائے گا۔ منال اسے حیرت اسے دیکھنے لگیں۔
یقین دلانا پڑے گا، موسم نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔
اور وہ کیسے؟ منال نے دونوں ابرو اٹھائے۔
تم میرے ساتھ کچھ ویڈیوز کلپس بنواؤ گی، جسے میں ان لوگوں کو بھیج دوں گا۔
تو اس سے کیا ہوگا۔ منال نے الجھن سے پوچھا۔
تمہیں پتہ ہے وہ لوگ ایمان کو چھوڑ دیں گے، اور ایمان واپس آجائے گی۔ دیکھو تم انکار مت کرنا کسی کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ موسم جیسے امید باندھنے لگا۔
اچھا مگر یہ کون لوگ ہیں؟ اور ان لوگوں کی تمہاری ایمان سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟
پتہ نہیں، مجھے یہ اسمگلرز کا کوئی گروہ لگتا ہے۔ یہ گروہ لڑکیوں کو اٹھوانے کا کام کرتا ہے۔ اور پھر ان کے گھر والوں سے پیسے مانگتے ہیں، جو لوگ پیسے نہیں دیتے، اس لڑکی کو دبئی اسمگل کیا جاتا ہے۔ اور وہاں ان کو کسی شیخ کو مہنگے داموں فروخت کیا جاتا ہے۔
اچھا ٹھیک ہے میں اس پر سوچوں گی۔ مگر ابھی میری طرف سے انکار سمجھو۔ منال نے اسے لاجواب کردیا۔ البتہ کہانی اس نے بالکل ٹھیک بنائی تھی۔
دیکھو تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم اس پر سوچو مگر اپنی دوست کو مت بتانا ورنہ، وہ تمہاری ہٹلر نما دوست تمہیں ایسا کرنے نہیں دے گی۔ وہ تمہیں روک دے گی۔ تمہیں پتہ ہے اس نے شک کا چشمہ آنکھوں پر چڑھا رکھا ہے۔ وہ ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔
اچھا ٹھیک ہے نہیں بتاؤں گی، مگر ان لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ میں ہی ایمان ہوں تو وہ لوگ مجھے بھی اٹھوا سکتے ہیں۔
نہیں پھر تم روپوش ہو جاؤ گی۔ اور وہ لوگ کم، از کم ایمان کو ضرور چھوڑ دینگے۔ دیکھو تم میرے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہو۔ اور تمہیں پتہ ہے اگر کسی کی زندگی بچاؤ گی تو ایسا ہوگا کہ تم نے ایک دنیا بچالی۔
ٹھیک ہے، میں اس پر سوچ سکتی ہوں۔ اور ابھی مجھے بہت دیر ہو رہی ہے، میں واپسی پر تم سے بات کرتی ہوں۔ وہ سینٹر جانے کے لیے قدم بڑھانے لگی۔
میں انتظار کروں گا۔ موسم اسے جاتا ہوا دیکھنے لگا۔

منال سینٹر کی طرف بڑھ گئی اور موسم نے پہلی بار شکر ادا کیا، مرحا جو آج اس کے ساتھ نہیں تھی۔
وہ ایمان سے ملنے چلا گیا۔ اسے آج کی باتیں بتانے۔ وہ بہت خوش تھا۔ اسے لگنے لگا کہ منال اس کا کام ضرور کردے گی۔ کیونکہ وہ دل کی بہت اچھی تھی۔ اور دل کے اچھے لوگوں کو کوئی بھی با آسانی بیوقوف بنا سکتا ہے۔

☆......☆......☆

ساتھ رہتا تھا مگر ساتھ نہیں تھا میرے
اس کی قربت نے بھی اکثر مجھے تنہا رکھا

آج منال کا سینٹر میں ذرا بھی دل نہ لگا۔ سارا دن وہ سوچوں کے بھنور میں الجھتی رہی۔ اور اس کا دل بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اسے موسم کی مدد کرلینی چاہیے، وہ بچپن سے ایسے ہم شکل لوگوں کو دیکھنا چاہتی تھی، اور یہ اس کی بچپن کی خواہش بھی تھی کہ وہ کسی کو تو اس دنیا میں ہمشکل دیکھے۔ اس لیے بھی اس کا دل ایمان اور موسم کے مدد کرنے پر تیار ہوا تھا۔ کہ ایمان اس کی ہمشکل ہے، اور ایک دن اسے دیکھ کر، جانے وہ کس قدر عجیب دن ہوگا کہ جب وہ اپنی ہمشکل سے باتیں کرے گی۔ اور اس سے مل سکے گی۔ اس کی بچپن کی خواہش تھی۔ کہ اس دنیا میں کبھی کسی نہ کسی کو ہم شکل دیکھ لے، تو اس کی دنیا کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی۔ اور اب تو مسئلہ اس کی اپنے ہم شکل کا تھا۔ وہ دل سے راضی ہو گئی، اور اس نے فیصلہ کرلیا، کہ وہ موسم کے لیے ایمان کچھ دیر کے لیے ضرور بن جائیگی۔ اور ایسا کرکے وہ ان لوگوں کو دھوکہ دے دے گی جنہوں نے ایمان کو اغوا کیا ہے۔ تاکہ ایمان واپس آجائے۔ اور موسم اسے ایمان سمجھنا چھوڑ دیں۔ اس نے دل سے کام کرنے کی کوشش کی، مگر سلائی کے دوران اس کی انگلی میں سوئی گھس گئی۔
آہ! اس نے انگلی کا سرا پکڑ کر دیکھنا شروع کردیا۔ اس سے باریک خون کی لکیر بہہ رہی تھی۔ وہ جیسے سوچوں کے بھنور سے نکل کر حال میں آچکی تھی۔
جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا، ابھی مجھے کتنا کام کرنا ہے، اس نے دوسرے ہاتھ سے انگلی پر دباؤ ڈال کر خون روک دیا۔ اور کچھ دیر بعد اس کی انگلی سے واقعی خون نکلنا بند ہوگیا۔ وہ دوبارہ کام میں مصروف ہوگئی۔ مگر کام کے دوران بھی اس کی سوچوں کا رخ موسم کی طرف چلا جاتا۔ وہ بار بار ان سوچوں کو جھٹک کر سر سے یہ سوچیں بوجھ کی طرح اتار کر پھینک دینے کی کوشش کرتی، مگر وہ اتنی آسانی سے اب ان سوچوں سے نکل نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ بات جو اس کے ذہن کے مطابق تھی۔ اس کے اپنے ہم شکل کی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک کوندہ سا لپکا، اور اس نے اثبات میں سر ہلا لیا۔ اس نے موسم کا مدد کرنے سوچا مگر صرف ایک شرط پر! اور وہ شرط اس نے اب موسم کو بتانی تھی۔ وہ اب اپنے کام میں مطمئن ہو کے مصروف ہوگئی۔ اور کام کرنے لگی۔

☆......☆......☆

دھوکہ دے کے پچھتایا وہ
پھر بھی میرے پاس آیا وہ
لمحہ لمحہ کتنا تھا تڑپا بہت
اپنے کیے پر شرمایا وہ

موسم اور ایمان خالہ زاد کزن تھے، موسم کو اسکے خالہ نے پالا تھا، موسم کا باپ 1965ء کی جنگ میں شہید ہوگیا تھا، اس کی ماں کو اس کے باپ کی جدائی میں کینسر لگ گیا، اور کینسر اس کی ماں کو کھا گیا۔
آدھی سے زیادہ بیماریاں تو غم کی وجہ سے لگتی ہیں۔ سو زندگی میں کبھی بھی غمگین نہیں ہونا چاہیے، زندگی کا ایک ایک دن انجوائے کرنا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو پھر اپنے لئے کوئی نئی مصروفیت ڈھونڈ لینی چاہیے تاکہ غم آپ کے پاس چھو کر بھی نہ گزرے۔
خالہ نے دل بڑا کیا اور موسم کو پالنے پوسنے لگی، ایمان اور موسم کی منگنی بچپن میں ہوگئی، دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرنے لگے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو بچپن سے ہی چاہنے لگے تھے۔
خالہ نے موسم کو اچھی تعلیم دلائی، مگر موسم کے کسی کام نہ آسکی۔ کیونکہ موسم کو کوئی بھی سرکاری نوکری نہ مل سکی۔ اور پرائیویٹ کے لیے اس نے کوئی کوشش ہی نہیں

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

کی۔ موسم کو فوج میں نوکری مل رہی تھی، مگر خالہ اور ایمان نے رو، رو کر اسے منع کر دیا۔ اس کا باپ جنگ میں شہید ہو چکا تھا، اور خالہ ایک اور فوجی گھر میں نہیں چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایمان کو بھی موسم کی جدائی میں دیمک لگ جائے۔

خالو بھی بچپن میں ہی گزر چکے تھے۔ اس لیے خالہ نے ان دونوں کو سخت مشکلوں سے پالا تھا۔ اور اب خالہ بھی فانی دنیا سے کوچ کر گئیں۔

ان کا ایک چھوٹا سا گھر تھا تین کمروں کا، اور گلی اچھی سی تھی، اس گھر کی، جس میں بمشکل موٹر گزر سکتی تھی۔ موسم نے بچپن سے بہت بڑے بڑے خواب دیکھ رکھے تھے، وہ بھی کھلی آنکھوں سے، مگر سارے چکنا چور ہو گئے۔ اور اب تو وہ خواب بھی جیسے سوکھے پتوں کی مانند بکھر رہے تھے۔ معمولی سی بھی ہوا چلتی تو اسے لگتا کہ اس کے سارے خواب اڑا کر لے گئے ہیں۔

تب اس نے شارٹ کٹ اپنانا چاہا، اس نے اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے پہلے چوری اور ڈاکے ڈالنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا، مگر جلد ہی یہ خیال اسے ترک کرنا پڑا۔ اس میں رسک تھا۔ اور وہ ایمان کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اس میں جیل بھی جا سکتا تھا۔ تب اس نے کسی بھوت، روح کو قابو کرنے کا سوچا۔ یہ طریقہ اسے بہتر لگا، چوری اور ڈاکے ڈالنے سے۔

اگر وہ ایک روح قید کر لے، تو وہ اس سے ہر طرح کا کام لے سکے گا۔ اور اپنے سارے خواب پورے کر لے گا۔ وہ یہ منصوبہ بنا کر بے حد خوش تھا۔

اس نے جب یہ بات ایمان سے ڈسکس کی، تو اس نے بھی نے مزاق سمجھ کر ہامی بھر لی۔

موسم در، در گھومنے لگا، اسے کسی نے ایک عامل عورت کا پتہ ملا۔ اسے پتہ چلا کہ یہی عورت اس کی زندگی بدل سکتی ہے۔ اور وہ خوشی، خوشی اس کے آستانے پر پہنچ گیا۔

وہ عورت تو کوئی ڈائن لگتی تھی۔ اس کے اتنے چیلے اور وہ اتنی موٹی بھدی بدصورت عورت تھی، اس کا گھر پورا کالے رنگ میں ہیبت طاری کر رہا تھا، اور سارے دروازے سرخ رنگ کے تھے، ایسا لگتا تھا کہ کسی نے دروازوں کو خون سے غسل دیا ہو۔ بہت شیطانی سب کچھ لگ رہا تھا۔

وہ پہلے تو کافی ڈر گیا، مگر اس پیرنی نے اس سے آنے کا سبب معلوم کیا۔ تو اس نے اپنی غریبی کا خوب رونا رویا۔ اور اس سے پوچھا کیا میں کسی کی روح کو قید کر سکتا ہوں جس سے اسے قیدی بنا کر میں دنیا جہاں کی ہر نعمت خرید سکوں۔ اور میں اپنی ناآسودہ زندگی سے مطمئن اور خوش ہو سکوں۔

عورت نے اسے دیکھا پھر کہا، ”کیوں نہیں یہ تو بہت آسان ہے۔“

مگر اس کے لیے تمہیں ایک کھٹن عمل کرنا ہو گا۔ اور جب تم اس روح کو قید کر لو گے۔ قید میں کرنے سے پہلے وہ تم سے اپنی ایک شرط پوری کرنے کو کہے گا اگر تم اس کی شرط پوری کر دو گے تو تم جیت جاؤ گے دنیا جہاں کی ہر نعمت، تمہارے قدموں میں ہو گی لیکن اگر تم اس کی شرط پوری نہ کر پائے تو تمہیں روح کے ساتھ ساتھ، اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونے ہونگے، اور روح کو قید کرنے کے بجائے خود ایک روح بن جاؤ گے۔

وہ ایک شیطانی عمل تھا۔ اور وہ عورت کالے جادو کی ماہر تھی۔ بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا کہ وہ کالے جادو کی ساحرہ تھی۔

موسم نے عورت کی بات مان لی اور اس سے عمل لے لیا، عورت نے اسے سمجھایا، اور عمل کا طریقہ بتا دیا، وہ عمل رات کے وقت بند اور تاریک جگہ میں کرنا تھا۔

اور اس نے اسی رات سے عمل شروع کر دیا، وہ امیر لوگوں کی طرح جینا چاہتا تھا، آج یہاں تو کل کہاں؟ کبھی لندن، پیرس اور کبھی نیویارک۔ وہ دنیا گھومنا چاہتا تھا۔ ایمان کو اچھی زندگی دینا چاہتا تھا۔ اس لیے تو اس نے اپنے سارے سپنے سچ کرنے کے لیے جادو سے سہارا لینا چاہا۔

اس نے عمل شروع کر دیا اور کامیابی سے کرتا چلا گیا، مقررہ دن اسے ایک آواز سنائی دی۔

”مجھے قابو میں کرنے سے پہلے تمہیں میری ایک

خوفناک اور پراسرار مکمل کہانیاں

خوفناک شکتی

خونی موت.....میزبان روح.....دولت کی ہوس.....قاتل.....تقدیم کے ستم.....
سردھڑ.....جادوگر ڈاکٹر.....خونی انتقام.....لقمہ.....پڑوسی.....روحوں کا بسیرا.....
خوفناک روح.....آسیبی ٹب.....خمیازہ.....قیدی روحیں.....

خوفناک روح

جادوگرنی.....کفن پوش.....رقابت کی آگ.....خونی پیاس.....آتش انتقام
آخری خواہش.....بھوک.....بھوت کا وجود.....خمیازہ.....پراسرار تپسیا
پراسرار حالات.....خوفناک شکتی.....زندگی کی قید.....طلسماتی دروازہ

خوفناک شیطان کی بیٹی

سمادھی.....راکھ کے پتلے.....سائیکل والا.....پی کو.....موت کا انتقام
موت کا جنگل.....خونی آتما.....گل سانگہ.....خوفناک شیطان کی بیٹی
پچھتاوا.....کھوپڑی کے گلدان.....روح کا عشق

خوفناک ڈاک بنگلہ

بھوت.....سیکورٹی گارڈ.....وہ کون تھے؟.....دہشت زدہ
انوکھی محبت.....چینی.....خوفناک ڈاک بنگلہ.....تیس سال بعد
غیبی محافظ.....شاتومی.....خبیث بدروح

خالد کتاب گھر
Ph: 021-32744391

URDU TUBE
A WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

شرط پوری کرنی ہوگی، پھر میں تمہاری غلامی میں خود کو پیش کردوں گا۔" وہ آواز بہت ہیبت ناک تھی۔ اور جو کوئی بھی اپنا یہ مطالبہ کررہا تھا، وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی صرف آواز سنائی دے رہی تھی۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" موسم نے جذبات میں آکر کہا۔

"اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری زندگی میری ہو جائے گی۔" آواز بہت ہی وحشت ناک تھی۔

"ایسا نہیں ہوگا، جو تمہاری شرط ہے وہ بتاؤ۔" موسم نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنی منگیتر کی بلی چڑھا دو، اسے میرے قدموں میں قربان کردو، تب میں تمہارا غلام بنوں گا، تم مجھے اس کے خون سے غسل دو گے، تو تمہاری زندگی میں میں تمہاری ہر خواہش پوری کردوں گا، اس کے خون سے میں اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔ تم اسے میرے بتائے ہوئے جگہ لے کر آجانا، اور اسے اس جگہ بھینٹ چڑھانا۔ کسی دوسری لڑکی کو اس کی جگہ تم قطعاً قربان نہیں کرسکتے میں تمہاری محبوبہ کو دیکھ اور پہچان چکا ہوں۔ اس کی شکل مجھے اچھی طرح یاد ہوگئی ہے۔ اب تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔"

روح نے اس سے جو چیز مانگی تھی، وہ تو کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتا تھا۔

"مم۔۔۔مم۔ ایسا میں کیسے کرسکتا ہوں۔" موسم نے تتلاہٹ میں کہا۔ اب اس کو تارے نظر آگئے تھے۔ اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے۔

"اور اب اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں ناکام نہیں جاؤں گا، اس کی زندگی کے بدلے میں تمہاری زندگی لے لوں گا۔" روح نے اسے اس جگہ کھڑا کیا، جہاں آگے کھائی تو پیچھے کنواں والی پچویشن تھی۔

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔" موسم نے خوفزدہ ہوکر کہا۔

"کتنا وقت ایک دن، ایک مہینہ یا پھر ایک سال۔ اس سے زیادہ وقت میں تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے میں ایک مہینے کا وقت لیتا ہوں۔" موسم نے بنا سوچے سمجھے کہا۔

"میں ایک مہینے میں تمہیں کئی بار یہ یاد دلانے کی کوشش کروں گا۔ اور تم نے ایسا نہیں کیا تو میں تمہاری جان بھی لوں گا۔ اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں تمہیں اور تمہاری محبوبہ کو جان سے ماردوں گا۔"

موسم ڈر گیا تھا۔ وہ ایمان کو اپنی زندگی سمجھتا تھا، اس کو کیسے اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھا سکتا تھا۔

اس لیے آتے ہی وہ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ کئی دن تو وہ اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آئی، کہ وہ کیسے اس مسئلے کو حل کرے، اور وہ ایمان کو یہ سب کیسے بتا سکتا تھا۔ وہ اس سے کیسے یہ مطالبہ کرسکتا تھا۔ وہ سوچ، سوچ کر پاگل ہونے لگا۔

ایمان نے اس سے بہت پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے؟ مگر وہ اسے وہ کچھ بھی نہیں بتا سکا۔

ایمان نے اسے اپنی محبت کی قسم دے کر سب کچھ اگلوالیا۔

تم پاگل ہو، میں نے مذاق میں ایسا کہا تھا، اور تم خود پہنچ گئے، جادوئی چلہ کرنے، وہ سن کر ششدر رہ گئی۔

موسم تم پاگل تو نہیں تھے، اللہ کے سوا کسی بھی غیر سے مانگو گے تو یہی حشر ہوتا ہے۔ ایمان اس پر چیختی چلی گئی۔

ایمان میں اب کیا کروں، وہ روح مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ تمہیں پہچانتا ہے، میں اسے کیسے کسی اور لڑکی کی بھینٹ دے سکتا ہوں۔ وہ شیطانی روح ہے۔ جو بہت چالاک ہے۔

موسم تم مجھے کچھ نہ بتاتے، میں لاکھ تم سے پوچھتی، مگر یہ تو نہ بتاتے، مجھے خاموشی سے لے جا کر اس کے قدموں میں قربان کردیتے۔ تمہیں کچھ نہ کچھ تو میری محبت کے صدقے مل ہی جاتا۔ ایمان نے روتے ہوئے کہا۔

ایمان اگر میں ایسا کرسکتا تو یوں بخار میں تپ نہ رہا ہوتا۔ موسم نے گھمبیر آواز میں کہا۔

تو اب تم مجھے قربان کر ہی دو، میں کچھ بھی نہیں

Digitized by Google

کہوں گی، اور اگر میری قربانی سے تمہیں دولت ملتی ہے تو مجھے خوشی ہوگی کہ اس دنیا میں، میں تو کسی کے کام آہی گئی۔ ایمان روہانسی تھی رونے والی ہوگئی۔

دیکھو میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا، خود قربان ہو جاؤں گا مگر تم پر آنچ بھی آنے نہیں دوں گا۔ میں اس عورت کے پاس دوبارہ جاؤں گا اس سے اس کا حل پوچھوں گا۔

تم جو کر سکتے تھے تم نے کیا، مگر اب اگر تم اس بات پر قائم ہو تو میں بھی رہوں گی، میں اپنی جان کسی شیطان کی بھینٹ ہرگز نہیں چڑھاؤں گی۔ یہ تو سراسر موت کو گلے لگانے والی بات ہوئی۔ ایمان نے بات بدل دی۔ وہ سوچ چکی تھی۔ اور یہاں وہ صحیح بھی تھی، کیونکہ زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی۔

تم فکر مت کروں میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا۔ موسم نے جیسے اسے دلاسہ دیا۔

چند دن وہ بخار میں پریشان ہو کر سوچتا رہا، مگر پھر اسی جادوگری کے پاس چلا گیا۔ جادوگرنی نے بھی اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا، کیونکہ وہ خود شیطان کی پیروکار تھی۔ اور شیطانی روح کا مطالبہ ہر صورت میں پورا کرنے پر زور دینے لگی۔ اسے الٹا ڈرانے دھمکانے لگی۔ اور وہ اسے بتانے لگی۔ "کہ شیطانی طاقتیں بہت تیز ہوتی ہیں، جتنی جلدی اس کی خواہش پورا کرسکو گے، تم اتنے ہی جلدی امیر ہو جاؤ گے۔"

موسم نے کچھ نہ کہا وہ افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں غصہ تھا۔

تم اپنی محبوبہ کو اس کے قدموں میں قربان کردو تو اس جیسی سو محبوبائیں تمہیں مل جائیں گی۔ عورت کے الفاظ نے اس کی امید کو ناامیدی میں تبدیل کردیا۔ وہ غصہ جو اس کی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ غائب ہو گیا۔

اس سے ناامید ہو کر وہ کسی دوسرے عامل کی تلاش میں مارا مارا پھرا، مگر کسی نے بھی اس کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ شیطانی بھوت جو شیطان کی اوتار تھا اور اس سے اس کی محبوبہ کی بھی مانگ چکا تھا، کسی میں ہمت نہ ہوئی، کہ وہ اپنے عمل سے اس کو روک سکے، یہاں تو وہ سارے عامل شیطانی کالا عمل کرتے تھے۔ یا پھر شیطان سے ڈر گئے تھے، سب نے اسے اس روح کی بات مان لینے کو کہا۔

ایک دن موسم آوارہ پھر رہا تھا کہ اس نے منال کو دیکھا۔ وہ ایمان کی ہم شکل تھی، وہ اسے دیکھ کر چونک گیا، پہلے وہ سمجھا کہ ایمان ہے مگر ایمان کو سلائی کڑھائی کہاں آتی تھی۔ یہ لڑکی بالکل اس کی ایمان کی طرح تھی، اور اس لڑکی کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی، آج کل موسم اتنا پریشان تھا، کہ گندے اور فضول حلیے میں پھرتا تھا۔ جب بہت زیادہ موسم منال کے لیے بازاروں میں کھڑا ہونے لگا، تو اس نے اسے فقیر سمجھ کر پیسے بھی دینے چاہے، مگر موسم نے وہ پھینک دیئے۔ اور اسے فوراً جتا بھی دیا۔ "کہ وہ فقیر نہیں ہے۔"

اب موسم چاہتا تھا، کہ وہ کسی طرح منال کو، ایمان کی جگہ قربان کردے، اس نے اپنے پلان میں ایمان کو پہلے سے ہی شریک کرلیا۔ ایمان پہلے ہی کافی ڈری ہوئی تھی، اس لیے اس نے موسم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ روح کی آواز ایمان کو سنائی دیتی، اور وہ بھوت کی آواز سے اتنا ڈر گئی تھی، کہ اس پر دہشت طاری ہو جاتی۔ وہ جب بھی آتا، اور اپنا مطالبہ موسم کو بتاتا، جب بھی ایمان اس کے قریب ہوتی تو اتنا ڈر جاتی کہ اس کو غشی کے دورے پڑ جاتے۔ اسے لگنے لگتا کہ یہ روح یا جو بھی کوئی شیطانی ہوائی چیز ہے اسے لینے کے لیے آیا ہے۔

موسم ایمان کو بے پناہ چاہتا تھا اس لیے وہ ایمان کے لیے اپنی زندگی بھی قربان کرسکتا تھا، مگر جس دن سے اس نے منال کو دیکھا، اس دن اس نے منال کے ساتھ ساتھ شیطانی روح کو بھی دھوکہ دینا چاہا۔ وہ ایمان کی جگہ منال کی بھی دینا چاہتا تھا، اور اس سلسلے میں اس نے ایمان سے بھی بات کرلی تھی، ایمان کو اگرچہ یہ آئیڈیا کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا، مگر وہ کیا کرسکتی تھی، زندگی کسے پیاری نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ بھی رضامند ہوگئی۔

منال ہمیشہ اپنی سہیلی مرحا کے ساتھ کلاتھ سینٹر آتی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

تھی۔ اس لیے بھی موسم کو موقع نہیں ملا، کہ وہ منال سے بات کر سکے۔ مگر اس نے بات کرنے کی کئی بار کوشش کی، تو اسے منال کی سہیلی مرحا نے ناکام بنا دیا۔ اور پھر ایک دن غصے میں مرحا خود اس کے پاس آئی تو اس نے منال کو جھوٹی کہانی سنا دی۔ اس نے اس کہانی کو سچ کرنے کے لیے سب ثبوت پہلے سے ہی تیار کر لیے تھے۔ وہ منال کو اب آسانی سے بے وقوف بنا سکتا تھا۔ اور وہ بے وقوف بن بھی سکتی تھی، کیونکہ وہ بہت زیادہ معصوم تھی۔ اور وہ شیطانی مانگ کرنے والا بھوت آسانی سے موسم سے دھوکہ کھا سکتا تھا، کیونکہ دونوں لڑکیوں کی صورتیں ایک جیسی ہی تھی۔ موسم صرف ایک موقع کی تلاش میں تھا کہ اسے ایک بار منال اکیلی مل جائے، وہ اسے آسانی سے شیشے میں اتار لے گا۔ اور جب وہ اسے مل گئی تو اس نے ایمان کی اغوا کی جھوٹی کہانی سنا کر اس کی ہمدردی حاصل کر ہی لی۔ اور جب موسم نے منال کی زبانی یہ سنا، کہ منال کو ہم شکل لوگوں کو دیکھنے کا بچپن سے شوق ہے تو اس نے اسے ایموشنلی بلیک میل کیا۔

☆......☆......☆

زندگی زخم سے بھری ہے وقت کو مرہم بنانا سیکھوں
موت سے تو ایک دن ہارنا ہی ہے زندگی سے تو جیتنا سیکھوں

آج مرحا کے گھر مہمان آنے والے تھے، اور اس کی ماں کی طبیعت سخت ناساز تھی، اس لیے آج اس کا سینٹر جانا ممکن نہ رہا تھا۔ اور جب منال اسے لینے آئی تو مرحا نے اپنی مجبوری بیان کر دی۔

اگر آج تم نہیں جا رہی ہو تو میں بھی سینٹر سے چھٹی کر لوں گی۔ منال نے مرحا کا ہاتھ تھام لیا۔

دیکھو، میری مجبوری ہے۔ اماں بہت بیمار ہے۔ اور گھر میں کچھ مہمان بھی آنے والے ہیں۔ مرحا نے اس کا ہاتھ داب لیا۔ جیسے اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کر رہی ہوں۔

مگر مرحا میں تمہارے بنا اکیلی کیسے جاؤں گی؟ منال نے پریشانی سے پوچھا۔

پاؤں سے۔ اور جیسے کل گئی تھی، آج بھی چلی جانا۔ اور ویسے بھی بلا وجہ تمہیں چھٹی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کرنی ہے تو پھر میرے ساتھ یہیں رہوں گی۔ کیونکہ تم گھر سے کہہ کر آئی ہو کہ سینٹر، جا رہی ہوں۔ مرحا نے اسے نئی الجھن میں ڈالنا چاہا۔

میں چلی جاتی ہوں، مگر وہ لڑکا آج بھی کھڑا ہو گا۔ جب تم ساتھ ہوتی ہوں تو دل کو ڈھارس لگی رہتی ہے۔

ارے وہ! وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بس اس سے ذرا بچ کے چلنا۔ اس کی کوئی بھی بات مت سننا، اگر بات کرنے کی کوشش کرے تو اگنور کر دینا۔ مرحا نے دونوں ہاتھ آپس میں بجائے۔

ٹھیک ہے میں جاتی ہوں۔ منال پریشان تھی، وہ مرحا کو کل کا حال بھی نہیں بتا سکی۔

اللہ تمہیں خیر سے پہنچائے۔ اور ہاں بالکل بھی مت گھبرانا۔ منال اٹھی اور مرحا کے گھر سے باہر نکل گئی۔

اب وہ گلی سے نکل چکی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ مین بازار میں تھی۔ اور اب چوک پر کھڑی تھی۔ کل بھی جب وہ ملا تھا۔ تو اس نے وہ بات مرحا سے چھپائی۔ وہ مرحا کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، اس نے موسم کی مدد کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ اس نے یہ فیصلہ دل سے پوچھ کر کیا تھا۔

آج بھی حسب معمول موسم اسی جگہ کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

کیا سوچا تم نے؟ دیکھو انکار مت کرنا۔ میری ساری امیدیں اب تم سے جڑی ہوئی ہیں۔ موسم اس کے قریب آ گیا، اور آگے چلنے لگا۔

میں واپسی میں تمہارے ساتھ جاؤں گی، مگر تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گے، میری ایک شرط ہے۔

میں قسم سے تمہاری ہر شرط پورا کر دوں گا۔ بس تم انکار مت کر دینا۔

میں نے بتایا ناں کہ میری ایک شرط ہے۔ جو سینٹر سے واپسی پر میں تمہیں بتاؤں گی۔

میں نے بھی کہہ دیا کہ تمہاری ہر شرط کو پورا کروں گا۔

تم میری واپسی تک انتظار کرو، چھٹی کے وقت میں تمہیں بتاؤں گی۔

منال کلاتھ سینٹر کے اندر چلی گئی، اور موسم کے پیروں میں تیزی آ گئی، آج اس کے گھر منال جانے والی تھی۔ اسے آج ہی بندوبست کرنا تھا۔ یا کل کچھ کرنا تھا، بھی دو دن تھے اس کے پاس۔

وہ جلدی سے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا، تا کہ ایمان کو کہیں بھیجوا سکے۔

گھر پہنچ کر ایمان اس کی منتظر تھی۔

موسم اچھا ہوا کے تم آ گئے، تمہاری غیر موجودگی میں وہ آیا تھا، اور اپنا مطالبے کی مانگ کر رہا تھا۔ ایمان رونے لگیں۔

بس ایمان ہمارا کڑا وقت ختم ہونے جا رہا ہے۔ منال مان گئی ہے۔ چھٹی کے وقت وہ یہاں آنے والی ہے۔ اب تم یہیں سے کہیں چلی جاؤ کچھ دنوں کے لیے۔

میں کہاں جاؤں اس شہر میں ہمارا کوئی اپنے بھی نہیں ہے؟ ایمان مزید پریشان ہو گئی۔

تم کسی دوسرے شہر چلی جاؤ، اور تب تک واپس نہیں آنا، جب تک میں تمہیں نہ بلاؤں۔

مگر میں اکیلے کیسے رہوں گی۔ ایمان نے موسم کا ہاتھ پکڑا۔

دیکھوں ایمان، زندگی کی بازی ہم دونوں لڑ رہے ہیں، اور اس کے لیے تمہیں اتنا تو کرنا ہی ہوگا۔ ہم ہار نہیں مانیں گے۔ کسی صورت، میرا اپنا دل نہیں مان رہا مگر یہ رسک تو تمہیں لینا ہی ہوگا۔ موسم نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اور اسے ہمت دلانے کی کوشش کی۔

موسم، میرا دل کہہ رہا ہے، کہ تم منال کو دھوکہ مت دو، اس شیطان کو میری بھینٹ چڑھا دو، اور میرے بھینٹ چڑھتے ہی تمہیں سب کچھ تو مل ہی جائے گا۔

کیا بکواس کر رہی ہو، شیطان صرف گمراہ کرتا ہے۔ اور اب مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، میں صرف اور صرف اس سے خود کو بچا رہا ہوں۔ اگر اسی طرح کسی شیطانی عمل سے لوگ مالا مال ہوتے، تو سب لوگ اسی کالے جادو کے ماہر ہوتے۔ موسم نے اب اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔

مگر یہ بھی تو غلط ہے ناں، کہ ہم منال کو دھوکہ دیں، اس کی بھی اپنی زندگی ہے، اور تمہاری طرح اس کے بھی کچھ خواب ہونگے۔ کچھ خواہشات ہونگے۔

اگر میں تمہاری بلی دے بھی دوں، تو وہ شیطانی بھوت تب بھی مجھے بھی نہیں چھوڑے گا، وہ مجھ پر اور اپنی مہربانی کرنے کے لیے، مزید شرائط رکھے گا۔ ایمان اگر میں تمہیں کھوں بھی دوں، تو دل کے ایمان سے بھی خالی ہو جاؤں گا۔ موسم اس بار احساس ندامت سے بول پڑا۔

ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔ مگر عین موقع پر تم، اگر ہو سکے تو منال کو سب کچھ سچ بتا دوں۔ میں نہیں چاہتی، کہ ایک معصوم اور بے گناہ ہمارے برے عمل کی بھینٹ چڑھ جائے۔

جتنی جلدی ہو سکے، تم چلی جاؤ، وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میں کوشش کروں گا۔ یہ سب کچھ ایسے ہو جائے جیسے تم چاہتی ہو۔

او کے میری ایک سہیلی ہے میں دو دنوں کے لیے اس کے پاس چلی جاتی ہوں۔ ایمان نے اسی لمحے اپنا تھوڑا سا سامان پیک کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت موسم کے جیب میں جتنے بھی پیسے تھے وہ سارے اس نے ایمان کے ہاتھ پہ رکھ دئے۔

ایمان چھوٹے سے سوٹ کیس کے ساتھ گھر سے نکل گئی۔ موسم نے اسے رکشے میں بیٹھا دیا۔ اور رکشہ اب گلی سے نکل کر سڑک پر جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملوں کہ آج کوئی بات روبرو کر لے
یہ کیوں ہیں دوریاں کچھ اس پہ گفتگو کر لے

چھٹی کے وقت منال نے اسی طرح موسم کو اپنے انتظار میں کھڑے دیکھا تو بے ساختہ قدم اس کے جانب اٹھ گئے۔

منال چلو، موسم آگے جانے لگا۔ جب منال اس

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

کے قریب پہنچی تو اس نے چلنا شروع کر دیا اور کہا۔
ہاں، مگر تمہارا گھر زیادہ دور تو نہیں ہے۔ کیونکہ میں کافی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔
نہیں میں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ اور ہم کسی رکشے میں چلتے ہیں۔ اور دونوں اس رکشہ میں بیٹھ گئے، منال کے دل میں عجیب، عجیب سے وسوسے اٹھ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا، کہ اسے ہاں ہی نہیں کرنی چاہیے تھی، کم از، کم وہ اس نئی مصیبت سے تو بچ جاتی۔
کچھ دیر بعد وہ شہر میں ہی ایک گلی کے اندر ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے اتر گئے۔
آؤں اندر آؤ۔ موسم نے گھر کا دروازہ کھول کر کہا۔ اور پہلے وہ اندر چلا گیا۔ منال بھی اندر آ گئی، وہ ایک چھوٹا سا مگر اچھی حالت میں بنا گھر تھا۔
موسم اسے اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گیا۔ اندر موسم اور اس کی بے شمار تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ مگر یہ اس کی تصویریں نہیں تھیں، یہ ایمان کی تھیں۔ جب منال نے ان تصویروں کو غور سے دیکھا، تو اسے ایمان کے ہونٹ باریک اور پتلے دکھائی دیئے، اس کے اپنے ہونٹ کافی بھرے، بھرے تھے۔
یہ ایمان کی پکس ہیں، یہ اس کے سارے کپڑے ہیں، اور یہ اس کی تمام چیزیں ہیں، یہ اس کے سکول اور کالج کی ڈگریاں ہیں۔ موسم ایک، ایک چیز منال کو دکھاتا رہا۔ اور وہ غیر یقینی سے دیکھتی رہیں۔
اب مجھے کیا کرنا ہے؟ منال نے حیرانگی اور پریشانی سے کہا۔
تم پہلے، میرے ساتھ چند، تصویریں بنواؤ۔ اس کے بعد ایک ویڈیو بنائیں گے، جسے میں آگے واٹس اپ کر دوں گا۔ تمہیں ان چیزوں پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں۔
نن، نہیں۔ مگر تم نے تو کہا تھا کہ آج وہ لوگ کال کرینگے۔
ہاں تو انتظار کر لیتے ہیں۔ ابھی وہ لوگ فون کر لینگے۔ موسم بے چین دکھائی دے رہا تھا۔
تم کچھ لوں گی، چائے، کافی وغیرہ؟ موسم نے منال کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔
نہیں، نہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، میں اپنی ماں کو بتا کر نہیں آئی ہوں۔ تم میرے ساتھ جلد سے جلد کچھ ویڈیوز اور سلفیز بناؤ، مجھے واپس بھی جانا ہے۔
ٹھیک ہے، مگر آج ان لوگوں کا فون نہیں آیا۔ تو کل تمہیں ضرور آنا ہوگا۔ موسم نے جیب سے موبائل نکال کر کہا۔
میں کوشش کروں گی۔ دونوں ایک نئی ویڈیو بنانے لگے، اور پھر اچھی خاصی نئی سلفیز بھی بنا ڈالی۔ وہ ساری سلفیز موسم نے ایمان کے واٹس اپ نمبر پر سینڈ کر دیئے۔ مگر کافی دیر انتظار کرنے کے بعد بھی کسی نے موسم کو کال نہیں کی۔ منال بہت پریشان لگ رہی تھی، وہ بار بار انگلیاں توڑ مروڑ رہی تھی۔
موسم میں کل پھر آ جاؤں گی۔ کسی نے آج تمہیں کونٹیکٹ نہیں کیا، میری ماں پریشان ہو رہی ہوگی۔ میں اگر آنے سے پہلے اس سے اجازت بھی لے لوں گی۔
ٹھیک ہے تم جاؤ، میں تمہیں خود چھوڑ آتا ہوں۔ موسم نے بھی الجھن آمیز لہجے میں کہا۔
نن، نہیں اس کی ضرورت نہیں، میں چلی جاؤں گی۔ منال اٹھ کر اس کے گھر سے باہر نکلنے لگی۔
سنیئے! موسم نے اسے آواز دی۔
جی! منال نے رک کر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔
اس بارے میں اپنی ہٹلر دوست سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ پلیز یہ آپ کا مجھ پر ایک اور احسان ہو گا۔ موسم نے دھیمے لہجے میں جیسے التجا کی۔
اس بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ منال جلدی سے اس کے چھوٹے سے گھر سے نکل گئی۔
گلی میں اسے ایک بوڑھی عورت نے مخاطب کیا۔
ایمان بیٹی کہاں جا رہی ہو۔ منال نے اسے دیکھا، اور نظر انداز کر کے چلی گئی۔ اس کا دل رکنے لگا۔ اور اس نے یقین کر لیا، کہ اس کی ہم شکل ایمان ضرور ہے۔ اور ہو سکتا ہے اس کے اغوا کار بھی دھوکہ کھا جائیں۔

اور ایمان کو غلط لڑکی جان کر چھوڑ دیں۔ اس نے ایک رکشہ روکا، اور وہ اس میں بیٹھ گئی۔ اب وہ گھر جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

تم یوں تو بہت دور ہو دور ہو مجھ سے
احساس یہ ہوتا ہے کہ میرے پاس ہی تم ہو
ہر زخم کی آغوش میں ہے درد تمہارا
ہر درد میں تسکین کا احساس تم ہو

موسم نے ایمان کو فون کر دیا۔ اور اسے سب بتا دیا۔ ایمان نے جب سب کچھ سنا تو وہ واپس آ گئی۔ وہ کافی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔
موسم ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ اور تم نے اسے جانے دیا۔
میں کیا کرتا ایمان، کیسے اس کے سامنے کسی اغوا کار سے جھوٹ موٹ کا فون کرواتا۔ جبکہ کوئی اغوا کار ہے ہی نہیں۔ موسم کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔
تم خود فون کر دیتی، مردانہ آواز میں اسے کسی انجان جگہ بلا لیتی، موسم نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
میں کیسے اسے کسی ان دیکھے، جگہ پر بلا سکتی ہوں۔ یہ کام تو اس شیطانی بھوت کا ہے۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ اب تم اس بھوت سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو، اور اس سے جگہ پوچھو، کہ وہ مجھے کس جگہ قربان کرنا چاہتا ہے۔
ٹھیک ہے جیسے ہی وہ آواز دیتا ہے میں اس سے پوچھ لوں گا۔ موسم نے جیسے اس کو تسلی دی۔
ہاں، اور جونہی وہ تمہیں جگہ بتائے تم اسے گھر بلا لینا، پھر مجھے اس کے سامنے تصویریں میرے نمبر پر دوبارہ بھیج دینا، میں کال کر کے مردانہ آواز میں تمہیں اسی جگہ اس کے ساتھ آنے کو کہوں گی۔ تم اسے مطلوبہ جگہ لے آنا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس خبیث بھوت کو بھی دھوکہ دے کر فارغ کر دینا۔ ایمان نے آخری الفاظ اچھے خاصے چبا لیے۔ جیسے وہ سخت غصے میں ہو۔
تم ٹینشن نہ لو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، مگر منال کسی شرط کا کہہ رہی تھی۔ اور میں وہ آج جلدی میں پوچھنا بھول گیا۔
تم جب اس سے کل مل لینا تو شرط پوچھ لینا۔
ایمان نے دونوں کندھے اچکا دیئے۔
او کے تمہاری دوست نے تم سے کچھ کہا تو نہیں۔
نہیں وہ تو پریشان ہو رہی تھی۔ مجھے آنے ہی نہیں دے رہی تھی، مگر میں آ گئی۔
اچھا بیٹھ جاؤ، میں کل کے لیے کچھ سوچتا ہوں، وہ دونوں بیٹھ کر باتیں ہی کر رہے تھے۔ کہ ان کو اسی بھوت کی بھیانک آواز آج پھر اسی لمحے سنائی دی۔
تم نے کیا سوچا؟ غیبی آواز نے ایمان کو اچھا خاصا ڈرا دیا۔ موسم یہ پھر سے آ گیا ہے، وہ چیخی۔
ہاں میں تمہیں اس کی بلی دینے کو تیار ہوں، تم مجھے وقت اور جگہ بتاؤ۔ موسم چیخا۔
ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ تم یہ کاغذ دیکھ لو اس پر وقت اور جگہ کا پتہ موجود ہے۔ جو وقت کاغذ پر درج ہے۔ تم نے اسی وقت ہی اس لڑکی کو اسی جگہ لے کر آنا ہے۔ اگر اس سے ذرا بھی دیر کی۔ تو میں خود اس کو اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اور اس کے بعد میں تمہیں بہت بھیانک سزا دوں گا۔
ٹھیک ہے، میں وقت مقررہ سے پہلے ہی آ جاؤں گا۔ موسم نے بھوت کا اعتماد بحال رکھا۔
اور سنو! اگر مجھے دھوکہ دیا۔ یا اس کی جگہ کسی دوسری لڑکی کو لے کر آ گئے۔ تو انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اس شیطانی بھوت نے اس کو وارن کیا۔
میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے مرنا تھوڑی ہے۔ موسم نے سخت لہجے میں بات کی۔
ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ اور قہقہے کے بعد اس کی آواز آنی بند ہو گئی۔
ایمان پر بے ہوشی کا دورہ پڑ گیا تھا، موسم بھاگ کر اس کے پاس گیا، اور اس کے منہ پر پانی ڈالے تو وہ ہوش میں آ گئی۔
موسم وہ بھوت! ایمان کا زرد چہرہ اس کے ڈرنے کی چغلی کر رہا تھا۔
وہ چلا گیا۔ تم اس کی آواز سن کر اتنی خوفزدہ کیوں

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

ہو جاتی ہو؟ میں تمہارے ساتھ ہوں، اور میں تمہیں کچھ ہونے نہیں دوں گا۔ موسم نے اپنے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اس کے چہرے کو پکڑ لیا۔

مجھے لگتا ہے، وہ ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ ہم دھوکہ کر رہے ہیں، تو وہ مجھے اٹھا کر لے جائے گا۔ اور تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ ایمان رونے لگی۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہونے والا، ہمارا پلان فائنل ہے۔ اور تم اب ذرا سی ہمت دکھاؤ گی۔ تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

ہوں! مگر مجھے اس کی آواز سے بہت ڈر لگتا ہے، اور اگر تمہیں کچھ ہو گیا۔ تو میں کیسے جیوں گی؟

مجھے کچھ بھی نہیں ہو گا۔ بس تم پریشان ہونا چھوڑ دو۔ موسم نے اس کے ہونٹوں سے پانی کا گلاس لگایا۔

میرا ڈر ایسا نہیں ہے۔ موسم کیا پتہ میرا خوف سچ ہو جائے۔ ایمان نے پانی کا گلاس ایک سانس میں پی لیا۔

موسم نے اسے اٹھایا، اور اندر کمرے میں لے گیا۔ تم آرام کرو، مجھے یہ کاغذ ملا ہے، میں ذرا اسے دیکھ لوں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ کاغذ پر خون سے تحریر درج تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا۔

تم نے جو وقت مانگا تھا۔ وہ تمام ہوا چاہتا ہے۔ اب تم میرا مطالبہ پورا کر دو، اور میں تمہاری خواہش مکمل کر دوں گا، میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے۔ کل اپنی محبت کو دیئے گئے پتے پر لے کر آجانا۔ اور وہاں ایک چبوترے پر ایک مورتی رکھی ہو گی۔ تم اسے اسی مورتی کے آگے، قربان کر دینا۔ اس کا سارا خون مورتی پر ڈال دینا، مگر ایک پیالہ خون میرے لیے بھی رکھنا۔ خون پیتے ہی میں تمہارا غلام ہو جاؤں گا، تم مجھ سے جو چاہو گے، وہ میں تمہیں لا کر دے دوں گا۔ اس دنیا کی ہر نعمت کو، میں تمہارے پیروں تلے بچھا دوں گا۔

آخر میں پتہ لکھا تھا۔ جہاں موسم کو ایمان کے ساتھ بلایا گیا تھا۔ موسم نے پتہ نوٹ کر لیا۔ اور ایمان کو دیکھنے لگا۔ ایمان ہماری جان اس بھوت سے بس چھوٹنے والی ہی ہیں۔

کیوں کیا بھوت نے اپنا مطالبہ پورا ہونے سے انکار کر دیا۔ ایمان جیسے خوش ہو گئی۔

نہیں اس نے دو دن کے اندر مجھے تمہیں ایک جگہ لانے کو کہا ہے۔ میں تمہاری جگہ منال کو لے جاؤں گا۔ اور بھوت یا تو ہمارا غلام ہو جائے گا، اور ہمیں وہ سب کچھ مل جائے گا۔ جو ہم چاہتے ہیں۔

پتہ نہیں ایسا ہو گا بھی یا نہیں؟ مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ جیسے کچھ غلط ہونے والا ہے۔ ایمان نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہارا دل ایسے ہی گھبراہٹ کا شکار ہے۔ بس دو دن کے بعد ہم مزے کریں گے۔ ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔ موسم نے ایمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اور اگر وہ بھوت ہمارے ساتھ دھوکہ کر گیا اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا تو پھر؟ ایمان نے اسے ایک پہلوں دکھایا۔

تو ہم اسی زندگی میں اسی گھر میں ہنسی خوشی رہ لیں گے۔ ویسے بھی وہ بھوت شیطانی ہے، اور ہمیں شیطان سے کچھ بھی لینا نہیں چاہیے۔ موسم نے اپنا مطالبہ بھی ماننے سے جیسے انکار کر دیا۔

ہوں یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ اب آگے ہمیں کیا کرنا ہے؟

کل تم اپنی دوست کے گھر، یا کسی قریبی پارک چلی جانا۔ اور ہاں جب میں تمہیں اپنے اور منال کے فوٹوز بھیج دوں گا۔ تم کال کر کے بھاری مردانہ آواز میں مجھے اور منال کو اسی جگہ بلانے کی بات کرنا۔ میں منال کو بھوت کی بتائی گئی جگہ لے جاؤں گا۔ میں اپنے پینٹ میں ایک خنجر چھپا لوں گا۔ اور موقع دیکھتے ہی اس کی بلی چڑھا دوں گا۔ بھوت اور منال کو دھوکہ دینے کے بعد ہم ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرنے لگے گے۔

مگر منال کی شرط؟ ایمان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ جو وہ بھول گیا تھا۔

اس کی میں ہر شرط پوری کروں گا۔ چاہے وہ جیسا بھی شرط ہو۔ چاہے مجھے اس شرط کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔

کل دیکھتے ہیں۔ کہ کیا ہوتا ہے؟ ایمان نے کہا۔

اب تم پریشان ہونا چھوڑ دو۔ سب کچھ ٹھیک ہونے والا ہے، موسم ایمان سے زیادہ جیسے خود کو تسلی کر رہا تھا۔ اور ایمان بھی اب قدرے بھوت کے ڈر سے نکل چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس کی عادت وہی بات ادھوری کرنا اور پھر بات کا مفہوم بدلتے رہنا آگ سے سیکھ لیا ہے یہ طریقہ ہم نے بجھ بھی جائے تو بڑی دیر سلگتے رہنا

یار تمہارا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے، آج مسلسل تیسرا دن ہے تمہارا، اور آج پھر کام پر نہیں جا رہی ہو۔ یہ چکر کیا ہے؟ منال نے مرحا سے پوچھا۔

یار کوئی چکر نہیں ہے۔ دراصل امی جان کی طبیعت واقعی سخت خراب ہے، اب یہ گلی محلے کے ڈاکٹرز کے بس کی بات سے آگے کی بیماری ہے، میں نے بھائی سے صاف کہہ دیا ہے۔ آج میں ان کو بڑے اسپتال لے کر جا رہی ہوں۔ میری مانو تو تم بھی ہمارے ساتھ چلی چلو۔ مرحا نے منال کو بھی ہسپتال چلنے کو کہا۔ اور یہ واحد جگہ تھی، جہاں سے منال کی جان جاتی تھی۔

نہیں میں ضرور جاتی تمہارے ساتھ، مگر آج سینئر میں بہت زیادہ کام ہے۔ اور تمہیں تو پتہ ہے۔ تمہارا بھائی ساتھ ہے ناں! منال نے آج مرحا کو صاف، صاف سب کچھ بتا دینا تھا، مگر آج اس نے پھر سے چھٹی کر لی۔ تو اس کے ہونٹوں پر آئی بات دل میں ہی دبی رہ گئی۔

میرا بھائی تمہیں کھا تو نہیں جائے گا۔ مرحا نے اسے ٹہوکا دیا۔

اچھا میں پھر شام کو اماں کے ساتھ آنٹی کی طبیعت پوچھنے آجاؤں گی۔ ابھی میں چلتی ہوں، منال وہاں سے اٹھ کر جانے لگی، اس نے اپنی ڈائری اپنے ساتھ اٹھائی تھی، وہ رات دیر تک ڈائری میں بہت کچھ لکھتی رہی تھی۔ اس نے اماں کو آج گھر دیر سے بھی آنے کا کہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی گلی سے نکلی، اور رکشے میں بیٹھ گئی، اس نے رکشے میں ہی دیکھا، کہ موسم اسی جگہ کھڑا، اسی کا منتظر کھڑا ہے، وہ آج اسی لیے تو رکشے میں آئی تھی، کہ وہ صبح، موسم کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر رہی تھی۔ کہ وہ اپنے ساتھ کچھ غلط تو نہیں کر رہی ہے۔ مگر وہ نا امید نہیں تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ وہ اگر کسی کے ساتھ اچھا کرے گی تو بدلے میں ضرور اس کے ساتھ اچھا ہی ہو گا۔ مگر یہ وہ دنیا تو نہیں تھی کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی میں دے دیتی۔ وہ تو قصے کہانیوں کی الگ دنیا ہوتی ہے۔

ابھی وہ سینٹر میں تھی، آج سارا دن کام کرتے ہوئے وہ گم صم رہیں۔ کسی بھی کام میں اس کا دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ چھٹی پر جب وہ سینٹر سے نکلی، جب وہ مین چوک کے قریب پہنچی، تو وہاں موسم کھڑا تھا۔

وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے قریب چلی گئی۔

میں کتنا پریشان ہو گیا تھا، سوچ رہا تھا۔ کہ تم نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ جب وہ اس کے قریب ہوئی تو موسم نے پریشان سے لہجے میں اسے کہا۔

فکر مت کرو، میں نے وعدہ کیا تھا۔ اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔

چلوں گھر چلیں! موسم نے پوچھا۔

ہاں، چلیں۔ منال نے سست قدم اٹھائے۔ موسم نے موبائل نکالا، اور ایمان کو میسج کر کے گھر سے نکل جانے کا پیغام بھیج دیا۔

وہ دونوں آٹو میں بیٹھ گئے۔ اب وہ دونوں گھر جا رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ موسم کے گھر میں ہی موجود تھے۔ اندر آنے کے بعد منال کے بے قرار دل کو کچھ چین ملا۔ موسم نے شکر ادا کیا۔ ایمان گھر پر نہیں تھی۔ ورنہ وہ بھی کافی ڈرا ہوا تھا۔

منال نے چادر اتاری اور دوپٹہ اوڑھ لیا۔ موسم نے اس کے لیے کولر سے پانی کا گلاس بھرا، اور اس کو دے دیا۔ اس نے وہ تین سانسوں میں پی لیا۔

تم سے ان لوگوں نے رابطہ کیا۔ منال نے

Digitized by Google

پوچھا۔

ہاں، تمہارے جانے کے بعد ان لوگوں نے کل مجھے فون کیا تھا۔ ان لوگوں نے میرے سینڈ کئے ہوئے فوٹوز اور وہ ویڈیو دیکھ لی ہیں۔ مگر وہ مان نہیں رہے ہیں۔

ہاں عجیب ہی تو ہیں، میرا دل خود بھی نہیں مان رہا ہے، تو وہ لوگ کیسے آسانی سے مانیں گے؟ منال کے لہجے میں الجھن تھی۔

ان لوگوں نے تمہیں میرے ساتھ ایک پتے پر بلایا ہے۔ موسم نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

موسم میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔ مگر اہم ہے بھی اور نہیں بھی! منال نے بات شروع کردی۔

میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا۔ تم بتاؤ کیا شرط ہے؟ موسم کے لبوں سے بے چینی بھرے الفاظ نکلے۔

موسم تم جانتے ہی ہو، مجھے خود پتہ تھا۔ کہ کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں کرے گا، کہ ایمان میری ہم شکل ہے۔ مجھے اپنی ہم شکل دیکھنے کا بھی بہت اشتیاق ہے۔ مگر میں جانتی ہوں وہ کسی کے قبضے میں ہے۔

اور اب ہم ان لوگوں کے بتائے گئے پتے پر جارہے ہیں۔ تو میری یہ شرط ہے کہ اگر ان سب کے دوران مجھے کچھ ہوجاتا ہے۔ اور میری جگہ ایمان بچ جاتی ہے۔ تو پھر اسے میری جگہ منال بننا ہوگا۔ جیسے اس کی جان بچانے کے لیے میں منال سے ایمان بن رہی ہوں۔ اگر تم یہ بات مان سکتے ہو، تو میں جانے کو راضی ہوں۔ موسم نے جب منال کی بات سنی، تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ تو بازی گر بننے کی کوشش کررہی تھی، وہ تو وہ بازی کھیلنے کی کوشش کررہی تھی، جس میں انسان ہارنے کے بعد بھی جیت جاتا ہے۔ اور اس ہارے ہوئے انسان کو بازی گر کہا جاتا ہے۔

کیوں نہیں منال، مگر تمہیں کچھ کیوں ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا بھی تو میں خود ایمان کو منال بناؤں گا۔ مگر تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ موسم نے صرف اس کا دل رکھنے کو کہا۔

موسم میں کوئی اکیلی لڑکی نہیں ہوں ایمان کی طرح۔ میری ایک ماں ہے۔ اور اگر میں رات تک گھر نہیں گئی، تو ماں صدمے سے مرجائے گی۔ محلے والے کیا سوچیں گے؟ کہ میں کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری ماں یوں میری وجہ سے مرجائے، اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ کچھ تو غلط ہورہا ہے۔ منال نے جیسے اسے آئینہ دکھا دیا۔ وہ اسے بدھو اور بیوقوف سی لڑکی سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ بہت سمجھدار نکلی۔

منال میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ اگر ایسا کچھ بھی ہوجاتا ہے، تو میں ایمان کو منال بناؤں گا۔ موسم نے جلد بازی دکھائی۔ جیسے وہ اپنی باتوں سے اسے اس بات کا یقین دلادے گا۔

مجھے الفاظ پر اعتماد نہیں۔ تم اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ۔ کہ تم ایمان کو منال بناؤ گے۔ یہ وہ کتاب ہے، جس کا کوئی بھی جھوٹا قسم نہیں کھاتا، اور کھالے تو وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ اور تم قسم کھاؤں گے کہ تم ایمان سے بھی اسی پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھاؤ گے کہ وہ دل سے منال بنے گی۔ جیسے اس کے لیے میں دل سے منال سے ایمان بن گئی ہوں، ویسے ہی وہ منال بن کے سب کو دھوکہ دے گی۔ میری ماں کو، میری سہیلی کو، سارے محلے کو، منال نے ایک طاقچے سے قرآن مجید اٹھا کر کہا۔ جسے کافی عرصے سے موسم اور ایمان اسی طاقچے میں رکھ کر بھول چکے تھے۔

میں وضو کرتا ہوں، میرا وضو نہیں ہے، اور بے وضو میں اس پاک کتاب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ موسم غسل خانے میں گھس گیا۔ اسے پتہ نہیں تھا، کہ منال کی شرط کیا ہوگی۔ وہ تو اسے ایک بدھو، اور بے وقوف سی لڑکی سمجھ کر ایمان بنا کر اس کی بلی دینا چاہتا تھا۔ وضو کے بعد جب وہ غسل خانے سے نکلا، تو اچھا خاصہ نکھرا اور صاف دکھائی لگ رہا تھا۔ اس نے پہلے کلمہ پڑھا۔ اور پھر کہا۔

میں اس کتاب پر ہاتھ رکھ قسم کھاتا ہوں، کہ اگر تمہیں کچھ ہوجاتا ہے۔ اور ایمان بچ جاتی ہے۔ تو میں ایمان کو منال بناؤں گا۔ اور اس سے بھی قسم اٹھاؤں گا اسی

پاک کتاب پر کہ وہ منال بن کر رہے گی۔ موسم نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس نے منال کی طرف دیکھا۔

اگر ایمان ایسا کرنے سے انکار کرے تو تم اب پھر سے قسم کھاؤ، کہ تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ تم اس سے ہر تعلق توڑ دوں گے، اور میری ماں کو سب کچھ سچ، بتادوں گے۔

موسم نے قرآن کو اٹھا کر چوما، پھر دوبارہ اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی، اگر ایمان نے میرے مطالبے سے انکار کیا، تو میرا اس سے ہر تعلق ختم ہوگا۔ اور میں تمہاری ماں کو سب کچھ سچ بتادوں گا۔

سرخ آنکھوں سے منال نے قرآن اس کے ہاتھ سے اٹھا کر چوما۔ پھر آنکھوں سے لگالیا، اور پھر سینے سے لگا کر کہا۔

اس دنیا میں اگر کوئی سچا ہے، تو وہ یہ آسمانی کتاب ہے۔ اس بات کا وعدہ اللہ نے بذات خود کیا ہے۔ اور یاد رکھنا موسم تم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ایک سچا وعدہ ہے، اگر تم اس وعدے سے پھر ہوگئے، تو تم کو روز حشر تک معاف نہیں کروں گی۔ اور جو کوئی اس پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر جھوٹا وعدہ کرتا ہے، وہ اسی دنیا میں ہی تباہ ہوجاتا ہے۔ منال نے اسے اپنا وعدہ یاد دلانا چاہا۔

میں نے کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا منال، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ اور مرتے دم تک قائم رہوں گا۔ موسم نے جذباتی لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے، اب تم میری یہ ڈائری لو، اس میں میری زندگی کے سارے وہ واقعات میں نے لکھ دیے ہیں۔ جو مجھے ضروری لگے۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر ایمان منال بنے، تو اسے کوئی مشکل نہ ہو۔ اس میں، میں نے اپنے گھر کے حالات، خاندان کے بزرگوں کے نام، اور محلے داروں کی کچھ تفصیل لکھی ہیں۔

اب تم مجھے جہاں لے جانا چاہو ہم جا سکتے ہیں۔ موسم نے اس کے ہاتھ سے ڈائری لے لی، اور سامنے طاق میں رکھ دی۔

ہاں چلو، موسم کوئی بات جیسے آگے کر ہی نہ سکا، موسم نے اس کے معصوم سے چہرے کو دیکھا، اس وقت اس کے قدموں نے جیسے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ مگر اس دنیا میں محبت اور جنگ میں لوگوں نے بہت زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ وہ بھی اپنی محبت کے لیے ایک مجبور اور کمزور لڑکی کو قربان کررہا تھا۔

وہ دونوں اسی پتے پر جانے لگے، جیسے اس شیطانی بھوت نے موسم کو بتایا تھا۔ اس نے اپنا موبائل بند کردیا۔ تاکہ اس وقت ایمان کسی بھی قسم کا رابطہ نہ کرپائے۔

☆.....☆.....☆

پیار کے کھیل میں جان سے جانا بھی پڑتا ہے
ہر حد سے کبھی کبھار گزر جانا بھی پڑتا ہے

وہ ویران اجاڑ سی قدیم کھنڈرات کی طرز تعمیر کی جگہ تھی۔ اور شہر سے دور ایک ویرانے میں قائم تھی۔ اسے دیکھ کر لوگوں کو وحشت سی ہوتی تھی۔ وہ دونوں اسی جگہ اترے، موسم خود اس کھنڈر کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے ادھر اُدھر نگاہیں، دوڑائیں مگر اسے کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ دونوں اکیلے تھے۔ جب اس نے غور کیا تو وہ کوئی قدیم شمشان گھاٹ تھا۔ منال نے بدبو کی وجہ سے ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگے۔

موسم یہ تو ہندوؤں کا شمشان گھاٹ ہے، تمہیں اسی جگہ بلایا گیا ہے؟ منال نے ناگواری سے موسم کو دیکھا۔

ہاں منال، مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ ہمیں آگے، جانا چاہیے، ہوسکتا ہے۔ کہ اندر وہ لوگ موجود ہوں۔ موسم نے آگے قدم بڑھادئے۔ ناچاہتے ہوئے بھی منال کو بھی آگے جانا پڑا۔

اندر جیسے ہی وہ لوگ داخل ہوئے۔ ایک سرخ لنگوٹ لپیٹے ہوئے کوئی دو سو سال کا بوڑھا، ان کو دیکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں۔ اس کے کان لمبے اور لٹکے ہوئے تھے، اور اس نے اپنے کانوں میں خطرناک بندے پہن رکھے تھے۔ جس پر بھیانک شکل کی کھوپڑیاں بنی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں موتیوں کی بے شمار مالائیں لٹکی ہوئی تھیں۔ منال اسے دیکھ کر ڈر گئی۔ اور اس

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

نے موسم کی طرف دیکھا۔ وہ بوڑھا مسلسل منال کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا ہو۔ منال ڈر کے موسم کے پیچھے چلی گئی۔ جیسے چھپ رہی ہوں۔

تم دونوں نیچے تہہ خانے میں چلے جاؤ۔ اچھی طرح سے منال کو دیکھنے کے بعد بوڑھے نے خرخراتی آواز نکالی۔

تہہ خانے کا راستہ کس طرف سے جاتا ہے؟ موسم نے جلدی سے پوچھا۔ کیونکہ بوڑھا منال کے چہرے کو زیروزبر سے دیکھ رہا تھا۔

تہہ خانے کا دروازہ اسی طرف سے جاتا ہے، بوڑھے نے موسم کے کچھ اور پوچھنے سے پہلے ہی اسے ایک سمت کی طرف اشارہ کرکے راستہ بتایا۔ موسم نے منال کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے بوڑھے کے بتائے گئے راستے پر لے جانے لگا۔ ان دونوں کے آگے بڑھنے کے بعد وہ بوڑھا ایک دم اپنی جگہ سے غائب ہوگیا، کافی آگے جانے کے بعد ان دونوں کو سیڑھیاں نظر آئیں۔ جو تہہ خانے میں اترتی تھیں۔ موسم نے منال کا ہاتھ پکڑا، اور سیڑھیوں پر قدم رکھ دیئے۔

میں اس ویران جگہ میں بہت ڈر رہی ہوں۔ منال آہستہ سے بولی۔

میں تمہارے ساتھ ہوں ناں۔ تم بس چلوں۔ موسم اس کا ہاتھ پکڑ کر تہہ خانے میں اُترتا چلا گیا۔ نیچے تہہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اور ہلکی نیم روشنائی سی کسی روشندان سے اندر آرہی تھی۔ تہہ خانے میں قطار میں بہت ساری مورتیاں لائن میں کھڑی کر رکھی تھیں، وہ ساری ایک عام انسان جتنی قد کاٹ کی مورتیاں ہی تھیں۔ مگر ان سب مورتیوں کے آگے ایک بہت بڑی اور ہیبت ناک مورتی کھڑی کردی گئی تھی۔ وہ اتنی بھیانک تھی، کہ اس کو دیکھ کر دل کانپ سا جاتا تھا۔ انتہائی کالی رنگت کی تھی۔

موسم نے اسی مورتی کی طرف دیکھا، اور اس نے منال کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سامنے کردیا۔ اس مورتی کو کالا رنگ دیا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کے دہشت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ مورتی کو دیکھ کر منال کانپنے لگی۔ یہ تو کوئی بہت بری شے اسے لگی تھی۔

موسم یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ جگہ کسی قدیم شمشان کے نیچے ہندوؤں کا بت کدہ لگ رہا ہے۔ منال نے پوچھا یا اندازے سے بتایا۔

ہاں مگر ہمیں اسی جگہ بلایا گیا ہے۔ تم اس بڑے بت کے ساتھ بالکل سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں، کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ موسم نے اس کو بڑے بت کے ساتھ بٹھا دیا۔ وہ موقع دیکھ کر اسی بت کے قدموں میں منال کی بلی دینا چاہتا تھا۔ بس وہ موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے ہاتھ اپنے کمر پر پھیر کے پینٹ کے بلٹ سے خنجر نکالا۔ اور خنجر کا دستہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

میں آگیا ہوں، اور ساتھ میں اسے بھی لے آیا ہوں۔ میں نے تمہاری شرط پوری کردی ہے، موسم چیخا۔

ہاہا۔ ہاہا۔۔۔ ہاہا، موسم کو بھیانک قہقہہ سنائی دیا۔ جو، اب پورے تہہ خانے میں گونج رہا تھا۔ اب میری شرط پوری کردوں۔ جلدی کروں۔ اس بھیانک آواز نے منال کے ہوش اڑا دیئے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

موسم یہ کس کی آواز ہے۔ بہت بھیانک ہے۔ اس کی آواز جیسے بیٹھنے لگی تھی۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

موسم نے منال کو پکڑا، اور اس کے گلے کے شاہ رگ پر، خنجر اسی لمحے پھیر دیا۔

آہ۔۔۔۔۔ منال کی بھیانک چیخ کی بازگشت تہہ میں گونجنے لگی۔ وہ موسم کو بے یقین نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس سے پوچھ رہی ہو، موسم میں نے تو تمہارا اعتبار کیا تھا۔ یہ تم نے میرے ساتھ کیا کردیا۔

اگلے لمحے خون کا فوارہ ابل پڑا، موسم نے منال کا دھڑ بت کے سامنے کردیا۔ بھل بھل خون بت کو رنگنے لگا، کالا بدصورت بت اب لال رنگ میں نہا رہا تھا۔ اور خون اس مورتی کو سرخ کر رہا تھا۔

ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا، تہہ خانے میں شیطانی قہقہے سنائی دے رہے تھے۔

جب کافی خون بت پر پڑا، تو موسم نے آرام سے منال کے جسم کو زمین پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور اس کی سانسیں اب بھی چل رہی تھیں۔

موسم اٹھا، اس نے بت کے قدموں میں پڑا ہوا پیالہ اُٹھایا۔ اور منال کی گردن کے قریب رکھ دیا۔ اب منال کی گردن سے خون نکل کر پیالے کو بھرنے لگا۔ اب خون کی دھار آہستہ ہوچکی تھی۔

منال نے ایک دم موسم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے مردہ وجود میں حرکت سی ہوئی، موسم نے اس کو دیکھا۔

موسم مجھے یہاں مت چھوڑ دینا۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانا اور اسلامی طریقے سے دفنا دینا۔ مجھے اپنے گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ اب اس کی زندگی ختم ہوچکی تھی۔ موسم کو اپنے کیے پر افسوس ہونے لگا۔

اچانک ایک دم سے وہی بوڑھا اس کے سامنے نمودار ہوا جس نے منال اور موسم کو تہہ خانے میں جانے کو کہا تھا۔ موسم اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ تت۔۔۔ تت تم۔۔۔ موسم کی زبان لکنت کا شکار ہوگئی۔

ڈرو مت تم نے آج میرا دل جیت لیا ہے، میں ہی وہ روح تھا، جس نے تم سے ایسا مطالبہ کیا تھا۔ اور تم نے میرے آقا کے قدموں میں اپنی محبت کی قربانی دے کر مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ وہ قدم، قدم چلتا ہوا، موسم کے قریب آنے لگا۔ اس وقت موسم کانپ رہا تھا۔ وہ اس بدروح کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جس پیالے میں منال کا خون جمع ہوگیا تھا، وہی پیالہ اسی بدروح نے اٹھا کر اپنے بدصورت لبوں سے لگا لیا۔ اور ایک ہی گھونٹ میں اس نے وہ خون بھرا پیالہ پی لیا۔

اچانک سارا تہہ خانہ ہلنے لگا، اور رکھی شیطانی مورتیاں، ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ اور پتھروں کی ٹکرانے کی آوازیں پورے تہہ خانے میں گونجنے لگیں۔ اس بھیانک بدروح نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ حیران نظروں سے تہہ خانے میں رکھی مورتیوں کو گھورنے لگا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ایسا تو صرف ایک صورت میں ہوسکتا ہے، اگر میں دھوکہ کھا گیا۔ وہ چیخا، اس نے موسم کو دیکھنا شروع کردیا۔ "کیا تم نے مجھے دھوکہ دیا" وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

اچانک جس شیطانی مورتی کے قدموں میں منال کی بلی دی گئی تھی۔ وہ ٹوٹ کر چکنا چور ہوگئی۔ اور فرش پر بکھر گئی۔ اس کے بے شمار چھوٹے، چھوٹے ٹکڑے ہوگئے۔

موسم کے کانوں میں منال کی آواز گونج رہی تھی۔ موسم مجھے یہاں مت چھوڑ دینا۔ مجھے اپنے ساتھ لے جانا اور اسلامی طریقے سے دفنا دینا۔ موسم نے منال کا مردہ وجود اٹھا دیا، اور تہہ خانے سے باہر جانے والی سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اب سارا تہہ خانہ ہل رہا تھا۔ ساری مورتیاں زمین بوس ہوگئیں۔

اچانک موسم کے کانوں میں بھیانک آواز سنائی دی۔

تم نے ایک انسان سے دھوکہ کھا کر اپنے سالوں کی محنت غیست و نابود کردی۔ اور اس دھوکے کے جرم میں اب تمہیں سخت سزا ملے گی۔ تم اب وقت سے پہلے جہنم میں جلو گے۔ یہ شیطان کی آواز تھی۔ جو کہ بہت بھیانک تھی۔

نہیں شیطان آقا، میں نے خود دیکھا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی۔ جس کی بلی آپ نے مانگی تھی، اور جو 29 فروری کو پیدا ہوئی تھی۔ اس کی شکل بھی وہی تھی۔ جو آپ نے مجھے دیکھائی تھی۔ وہ بدروح گڑگڑائی۔

یہ وہی نہیں تھی۔ اس کی ہم شکل تھی۔ اور نہ یہ 29 فروری کو پیدا ہوئی تھی، تمہیں ایک انسان نے دھوکہ دیا۔ اب تم سزا کے لیے تیار ہو۔ تم ایک لڑکی کی ظاہری صورت سے دھوکہ کھایا۔ شیطان کی آواز میں افسوس تھا۔

موسم نے اب نکلنے کے قریب تھا۔ تہہ خانے میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اور اسی بدروح کی بھیانک چیخ و پکار اس کے کانوں کے پردے جیسے پھاڑنے لگیں۔ اس کو آگ لگ چکی تھی۔ اور موسم منال کا وجود بانہوں میں لیے، تہہ خانے سے باہر نکلا۔ وہ جیسے ہی، تہہ خانے کی سیڑھیوں سے پختہ زمین پر قدم رکھ چکا۔ تو تہہ خانے کی پوری چھت دھماکے کی آواز سے گر کر تباہ ہوگئی۔ موسم

URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

منال کے وجود کو بانہوں میں لے کر دوڑ رہا تھا۔ وہ منال کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتا تھا، اسے اسلامی طریقے سے دفنانا چاہتا تھا۔ اس گندے شمشان سے نکل کر، اس نے احترام سے منال کے نعش کو رکھا، اور جیب سے موبائیل نکال کر ایمان کا نمبر ڈائل کیا۔ ایمان نے موبائیل چند بیلز کے بعد اٹھایا۔

ہیلو! موسم۔۔۔ ایمان کی آواز اس کے کانوں میں سنائی دی۔

ایمان تم کہاں ہو؟

میں ایک قریبی پارک میں ہوں۔ اور تم؟ ایمان کی آواز سے صاف پریشانی سنائی دی۔

میں نے اس اس شیطانی بدروح کو واصل جہنم کر دیا ہے۔ مگر ایک مسئلہ ہے۔ میں تم سے ملنے آرہا ہوں۔ تم گھر مت آؤ۔ تم کس پارک میں ہو؟

میں اٹن لینڈ میں ہوں، تم آؤ مگر ہوا کیا ہے؟ ایمان نے پریشانی سے پوچھا۔

ایمان تم گھر مت آؤ۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں، اسی پارک میں میرا انتظار کرو، میں فوراً پہنچ رہا ہوں۔ موسم کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس نے منال کی لاش اٹھائی، وہاں گھنے اور بے شمار درخت کھڑے تھے، وہ منال کی لاش لے کر اسی درختوں کے جھنڈ میں چلا گیا، اور گھنے درختوں کے، بیچ میں رکھ دی۔ اس نے منال کا چادر لیا، اس نے کافی پتے جمع کیے، اور منال کی لاش پر ڈال دیے۔ اب وہ جھنڈ سے نکلا۔ اب سہ پہر ہو چکی تھی۔ وہ کچھ دیر چلنے کے بعد مین سڑک پر آگیا، اس سڑک پر گاڑیاں کافی دیر کے بعد چل رہی تھیں۔

اس نے ایک رکشہ روکا اور اس میں بیٹھ گیا، اب وہ گھر جا رہا تھا۔ اسے منال کی ڈائری اور وہ قرآن اٹھانا تھا، اس کو ایمان سے وعدہ لینا تھا۔ اسے ایمان سے منال بنانا تھا۔ منال نے تو وہ بازی کھیلی تھی، جو ہار کر بھی جیت گئی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک بازی گر تھی۔

اب وہ گھر میں تھا، اس نے ایک بار پھر وضو کیا، اور پھر قرآن اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ پھر منال کی ڈائری اٹھائی۔ اور گھر سے نکل گیا۔ اس نے ٹیکسی کی اور اس میں بیٹھ گیا۔ اس کے پاس منال کا آئی ڈی کارڈ بھی تھا۔ وہ بہت گھبرا رہا تھا، پتہ نہیں ایمان اس کی بات مانے گی یا نہیں، اگر وہ ایسا نہیں کرے گی، تو پھر اسے قرآن پر ہاتھ رکھ کر اس سے اپنا تعلق ختم کر دینا تھا۔

اب وہ ایمان کے سامنے فن لینڈ میں بیٹھا ہوا تھا، اور ایمان اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

ایمان، منال نے ایک شرط رکھی تھی۔ اور وہ شرط تم نے پوری کرنی ہے۔ کچھ دیر توقف کے بعد موسم نے ایمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

کیسی شرط؟ اور منال تو مر گئی ناں! اب اس کی شرط کی اہمیت کہاں رہی۔ ایمان نے ناسمجھی سے موسم کو دیکھا۔

ایمان تم نہیں سمجھو گی۔ اس نے شرط ہی ایسی رکھی ہے کہ اس کی اہمیت اب ساری زندگی رہنی ہے۔ موسم نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

اچھا تم بتاؤ، کیا کہا تھا اس نے؟ ایمان نے مڑے سے پوچھا۔

پہلے تم جاؤ، وضو کر آؤ۔

ایمان اٹھی، اور سامنے بنے لیڈیز باتھ روم میں چلی گئی۔ اب وہ باوضو تھی۔ وہ چلتی ہوئی موسم کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اور اسے پیار سے دیکھنے لگی۔

موسم نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اور وہ پریشانی سے موسم کو دیکھتی چلی گئی۔ سب کچھ بتانے کے بعد موسم نے قرآن اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

ایمان اس پاک کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ آج سے تم ایمان ہو، اور میں تمہاری جگہ، منال کو ایمان بنا کر اس کی نماز جنازہ اور آخری رسومات ادا کر دوں گا۔ سارے محلے کو بتا دوں گا، کہ ایمان مر گئی ہے۔ تم اب منال کے گھر چلی جانا یہ اس کی ڈائری ہے۔ اور یہ اس کی چادر، اس کی ماں انتظار کر رہی ہوگی۔ تم یہ ڈائری پڑھ لو، تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ سب کچھ اس ڈائری میں منال نے ڈیٹیل سے لکھا ہے۔

موسم، سب کو پتہ چل جائیگا۔ کہ میں منال نہیں کوئی اور ہوں۔ اور مجھ سے یہ ناٹک نہیں ہوگا۔ میں ان لوگوں کا دھوکہ نہیں دے سکوں گی۔ یہ تو وہ بات ہوئی کہ میں ہی جیسے مر گئی۔

ایمان تم ایسے فضول کے وسوسے دل میں نہ پالو، تو زیادہ اچھا ہے۔ منال نے تم بن کر ایک بدروح کو دھوکہ دے دیا۔ اور تم کہہ رہی ہو کہ تم انسانوں کو منال بن کے دھوکہ نہیں دے سکتی۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گی۔ تو مجھے اس الہامی کتاب پر ہاتھ رکھ کر وہ قسم کھانی ہوگی۔ جو منال کی آخری خواہش تھی۔ میں تم سے اپنا ہر تعلق ختم کر دوں گا۔ اور منال کی لاش لے کر اس کے گھر چلا جاؤں گا۔

میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں، میں تمہاری خاطر کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ میں منال بننے کے لیے تیار ہوں۔ ساری زندگی۔ ایمان کے دل نے اسے خود ملامت کیا تو وہ بول پڑی۔

آج سے میں منال ہوں، میں آج سے اس کی زندگی جیوں گی۔ کسی کو بھی شک تک پڑنے نہیں دوں گی، کہ منال اس دنیا سے جا چکی ہے۔ ایمان نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ ساتھ رو بھی رہی تھی۔ پھر اس نے قرآن اٹھا کر سینے سے لگا لیا، اور اسے بے تحاشہ چومنے لگی۔ وہ دونوں لوگوں سے سائیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہاں لوگ بالکل بھی نہیں تھے۔

یہ ڈائری لو، اور منال کا چادر اوڑھ کر تم اپنے گھر چلی جاؤ، اور یہ ڈائری پڑھ کر، اس کے بتائے گئے ہدایات پر اپنی زندگی گزارنے لگو۔

موسم اس کے ہونٹ کافی بھرے، بھرے تھے۔ اور میرے بہت باریک ہیں۔ ایمان نے منال کی ڈائری میں لگی تصویر کی طرف دیکھ کر بتایا۔

یہ اب تم پہ منحصر ہے کہ تم اس کا کیا جواز پیش کرتی ہوں۔ موسم نے کھوئے ہوئے لہجے میں بتایا۔

ایمان نے اپنے بیگ سے لپ اسٹک نکالی۔ اور آئینہ سامنے ہاتھ میں پکڑ کر اس پر لپ اسٹک پھیرنے لگی۔ پھر سیم رنگ کی لپ پنسل سے ہونٹوں کے کنارے بنا دیے۔ اب اس کے ہونٹ بھرے، بھرے نظر آرہے تھے۔ اب اس میں اور منال میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ مگر منال کبھی لپ اسٹک نہیں لگاتی تھی۔ موسم نے اسے دیکھ بتایا۔

لپ اسٹک لگانے کا جواز میں بتا دوں گی۔ اب تم گھر جاؤ موسم، اور میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔ شام ہونے والی ہے۔ ماں پریشان ہو رہی ہو گی۔ منال (ایمان) اٹھی اور جانے لگی۔ موسم بھی اٹھ کر مخالف سمت میں چلنے لگا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ ان کی زندگیاں جیسے آپس میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

جہاں تیرا چہرہ نظر آیا ہم وہاں چلے گئے
تو ملا نہیں ہمیں اور یوں جان سے چلے گئے

موسم منال کی لاش کو گھر لے کر آگیا۔ اور رات میں مساجد سے اعلانات کروائے گئے۔ کہ ایمان خالق حقیقی سے جا ملی ہے۔ لوگوں کا تانتا بندھنے لگا، گلی محلے والے جوق در جوق آنے لگے۔ لوگ عجیب باتیں بھی بنا رہے تھے۔ کیونکہ وہ دونوں اکیلے رہتے تھے، اور ابھی تک شادی کے بندھن میں بندھے نہیں تھے، کزن ہی تھے، اور منگیتر بھی تھے۔

جبکہ موسم نے سب کو یہی بتا کر خاموش کر دیا۔ کہ ایمان (منال) پر چاقو سے کسی موٹر سائیکل سوار نے وار کر کے مار دیا ہے۔ لوگوں نے بھی یقین کر ہی لیا۔ آج کل ویسے بھی چاقو مار گروپ بہت سرگرم عمل تھا، جو نوجوان لڑکیوں پر چاقو سے وار کر کے زخمی کر دیتا تھا۔ پھر ایمان (منال) کو کو نہلایا دھلایا گیا۔ اس کو سفید کفن پہنایا گیا۔ اب محلے کی عورتیں بین کر رہی تھی۔ پھر اس کا جنازہ اٹھایا گیا۔ موسم نے اس کو کندھا دے رکھا تھا۔ اب جنازہ گاہ میں اس کا نماز جنازہ پڑھوایا جا رہا تھا۔ اب اسے قبر میں ڈال دیا گیا۔ اور اس کے لحد پر مٹی ڈالی جانے لگی۔ اور اس کی آخری آرام گاہ شہر خاموشاں میں اکیلا موسم اس کے قبر کے سرہانے بیٹھا ہوا۔ اسی پاک کلام کی تلاوت کر رہا تھا۔ جس پر ہاتھ رکھ کر اس نے قسم کھائی تھی۔

Digitized by Google

دور منال کی روح جو سفید اجلے لباس میں یہ سب دیکھ کر مسرور ہو رہی تھی۔ وہ ہنستی مسکراتی ہوئی، آخری الوداعی نظر موسم پر ڈال کر ہمیشہ کے لیے آسمانوں کی طرف چلی گئی۔ مگر موسم اس دکھ اور غم کا مداوا چاہتا تھا۔ اور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اپنی محبت ایمان کو منال بنا کر ہی اس دھوکے کی تلافی ہو سکتی تھی۔ وہ رو، رو کر منال سے اپنی کی گئی زیادتی کی معافی مانگنے لگا۔ اور بار بار ہاتھ جوڑ کر منال کی قبر سے کہنے لگتا۔ مجھ سے جانے انجانے میں جو زیادتی ہو چکی ہے، اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

☆......☆......☆

یہ کھیل نہیں تھا عشق کی بازی تھی
پیار تھا اگر تمہیں تو مات اپنی تازی تھی

ایمان نے راستے میں تھوڑی بہت ڈائری پڑھ لی۔ اور وہ اس وقت کافی گھبرائی ہوئی تھی، اس نے اپنے محلے میں جیسے قدم رکھا، اس کے احساس اس پر حاوی تھے۔ مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اپنے گھر کے سامنے رک گئی۔ اور اسی دروازے سے اندر داخل ہو گئی، سامنے دیوڑھی میں ایک تخت رکھا ہوا تھا، اس پر ایک بوڑھی عورت پریشان حال بیٹھی ہوئی نظر آئی۔

السلام علیکم! اماں، وہ چلتی ہوئی اس کے گلے جا لگی۔ منال ہمیشہ ماں کو سلام کرتی تھی۔ یہ بات اس نے ڈائری سے نوٹ کی تھی۔ اور جس انداز میں منال بات کرتی تھی، وہ بھی اس نے پڑھ کر نوٹ کر لیا۔

وعلیکم السلام۔ بیٹا آج تو بہت دیر کر دی۔ میں بہت پریشان ہو گئی تھی، بس مرحا کے گھر جانے ہی والی تھی۔ تمہارا پوچھنے؟ ماں نے پریشانی سے کہا۔

اماں بتایا تو تھا، آپ کو کہ آج دیر سے آؤں گی۔ (منال) ایمان نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔

ٹھیک ہے مگر میں تو ماں ہوں، ایک سیکنڈ بھی جب تم دیری کر دیتی ہو تو میرا دل ہولنے لگتا ہے۔ ماں نے اس کو چھوم لیا۔

ماں اگر ایسی بات ہے، تو آج سے میں گھر سے باہر ہی نہیں جاؤں گی۔ ایمان نے دونوں ہاتھوں کا ہار بنا کر ماں کے گلے سے گھما ڈالا۔

اچھا، مت جاؤ میں بھی تمہاری شادی کے لیے فکر مند ہوں کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر تمہیں وداع کر دوں گی۔ اور خود چین سے مر سکوں گی۔

ماں، تم نے پھر سے شادی کی بات چھیڑ دی ہے، مجھے بہت بھوک لگی ہے، کھانا کھاتے ہیں۔

آج میں نے تمہارا من پسند مٹر قیمہ بنایا ہے۔

میں منہ ہاتھ دھو کر آتی ہوں، ماں تم دستر خوان بچھا دو، ایمان غسل خانے میں چلی گئی، اف اللہ کسی انسان کو دھوکہ دینا کتنا مشکل کام ہے۔ وہ جیسے رونے لگی۔ اس نے منہ ہاتھ دھو دیے۔ اور شیشے میں دیکھ کر اپنی ہلکی لپ اسٹک دوبارہ سے درست کر دی۔

اب وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی۔ کل اسے مرحا کو بھی فیس کرنا تھا۔ اور اگر اس نے ماں کو کامیابی سے دھوکہ دے دیا تو وہ مرحا کو بھی دھوکہ دے دے گی۔

ماں اسے نماز پڑھنے کو کہہ رہی تھی، جو اس نے کبھی کبھار ہی پڑھی تھی۔ مگر اسے نماز پڑھنی آتی تھی۔ وہ باوضو تھی۔ اس نے جائے نماز بچھائی، اور اب وہ دل سے نماز پڑھ رہی تھی۔ اب کافی رات ہونے کے بعد وہ سونے والی تھی۔ مگر نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ منال کا چہرہ اس کی آنکھوں کے آگے گھوم جاتا۔ تو وہ پریشان ہو جاتی۔ مگر اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا۔ کہ یہ منال کی ہی آخری خواہش تھی۔ اس لیے اسے اب منال بننا ہی ہوگا۔

☆......☆......☆

تم نے ختم کر دیا ہر اک رابطہ
اور اتنی سے کہانی سمیٹ دی

اگلے دن وہ مرحا کے گھر نہیں گئی، اور اسے سلائی کڑھائی تو آتی ہی نہیں تھی، جو وہ سینٹر جاتی، اس لیے اس نے اپنی طبیعت خراب کر لی۔

ماں نے بھی اسے اتنا نہیں چھیڑا، اسے سونے دیا۔

آج اس نے منال کے سنگار میز سے اپنے ہونٹوں کی ہم رنگ لپ اسٹک ڈھونڈ لی، اور اسے ہونٹوں پر پھیر دیا، مگر اسے ہم رنگ پنسل نہ مل سکی، تو اس نے دوسرا لپ پنسل کو اٹھا

کر لپ اسٹک میں ڈبو کر ہونٹوں کے کنارے بھر دیے۔

سارا دن گزرا مگر مرحا اس کے گھر نہیں آئی۔ تو اس کے جان میں بھی جان آئی۔

اس نے موسم کو فون کر دیا۔ وہ اس نے اٹھایا نہیں۔ کیونکہ وہ لوگوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہا تھا۔ وہ ایمان کے میت کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ محلے والے دعا کے لیے آ جا رہے تھے۔

ایمان نے سینٹر چھوڑنے کا فیصلہ کر دیا، اسے سوئی میں دھاگہ ڈالنا نہیں آتا تھا، تو وہ کیسے مشین پر بیٹھ کر سلائی کڑھائی کر سکتی تھی۔ وہ اس فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو گئی۔

اگلے دن بھی مرحا نہیں آئی۔ اور نہ وہ اس کے گھر گئی، اس کی ماں کو بھی محسوس ہونے لگا، مرحا تو دن میں کئی چکر لگاتی ہے۔ تو ماں اس کو گھر چھوڑ کر مرحا کے گھر چلی گئی۔

وہاں اسے پتہ چلا، کہ مرحا کی ماں کی حالت بہت سیریس ہے۔ اور وہ ابھی تک اسپتال میں ہے۔ اسے دعاؤں کے لیے کہا گیا۔ وہ گھر آ گئی، تو منال سے کہا، چل بیٹا ہسپتال چلتے ہیں۔

منال بھی راضی ہو گئی، اسے کبھی نہ کبھی تو مرحا کا سامنا کرنا ہی تھا تو آج ہی سہی۔

وہ دونوں مرحا کی ماں کی مزاج پرسی کے لیے ہسپتال چلی گئیں۔

مرحا ان دو دنوں میں بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے گلے لگتے ہی وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

مرحا بس اب رونا نہیں، رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ پاک ذات سے دعا کرو، کہ وہ آنٹی کو ٹھیک ٹھاک کر دے۔

میں تو ہر وقت امی کے لیے دعا کرتی ہوں۔ مگر پتہ نہیں کیوں ان کی طبیعت دن بدن خراب ہو رہی ہے۔ اگر امی کو کچھ ہو گیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی۔ مرحا اس کے گلے لگ کر ایک بار پھر رونے لگی۔

ایسے نہیں کہتے آنٹی کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ سب بہتر کرے گا، شاباش تم اٹھ کر نماز پڑھو۔ اور وضو کرو۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ منال نے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔ مرحا اٹھی اور واش روم کی طرف جانے لگی۔ منال وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔

اس کی ماں قریب جائے نماز بچھائے، اللہ سے مرحا کی ماں کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ ایمان نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ سب کی دعائیں سنتا ہے۔

☆......☆......☆

سوئم کے بعد موسم نے وہ گھر بیچ دیا کیونکہ وہ اب مزید اس محلے میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ منال جو اصل میں ایمان تھی اس کو اپنانا چاہتا تھا، اس محلے میں رہتے ہوئے ایسا ناممکن سا تھا تو اس نے اس محلے سے دور جانے کا ٹھیک فیصلہ کر لیا۔ گھر بیچ کر اس نے اس محلہ سے دور ایک کرائے کے مکان میں رہنا شروع کر دیا۔ اس نے ایمان سے رابطہ بھی کر لیا۔ تو اسے دلی اطمینان ملا۔ کیونکہ کسی کو بھی محسوس تک نہیں ہوا کہ یہ منال نہیں کوئی اور ہے۔

اگلے چند دنوں تک مسلسل منال مرحا کے پاس اس کی ماں کی خیریت دریافت کرنے ہسپتال جاتی رہی، اور پھر اس کی ماں نے ٹھیک ہونا شروع کر دیا، مرحا کا بھائی، امی کو گھر شفٹ کر گیا۔

اگلے دن، مرحا اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔ منال جلدی کرو، سینٹر سے اتنی چھٹیاں کر لی ہیں۔ باجی سخت غصے میں ہوں گی۔ مرحا کو اپنی پڑی تھی۔

مرحا تم جاؤ میں نے سینٹر جانا چھوڑ دیا ہے۔ منال نے اس کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

کیوں؟ مرحا چیخی۔

زیادہ حیران مت ہونا، مگر میں سینٹر کبھی نہیں جاؤں گی۔ دراصل اماں گھر میں اکیلی ہوتی ہیں، اور میں نے اماں سے بھی کہہ دیا ہے۔ وہ بھی مان گئی ہیں۔ منال نے چٹکی میں جیسے مسئلہ حل کیا۔

منال، تم اس گھر کی واحد کفیل ہو، اور تم سینٹر جانا چھوڑ رہی ہو۔ مرحا نے حیرانگی سے کہا۔

یار میں تمہیں بعد میں سمجھا دوں گی، پوری بات

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

تمہیں بتادوں گی۔ابھی تم جاؤ۔وہ نیچے دیکھنے لگی۔

میں تمہارے بغیرا کیلے کیسے جاؤں گی؟مرحا نے حیرانی سے اسے دیکھنا شروع کردیا۔

پاؤں سے۔اور اگر میری کل کوشادی ہوگئی تو تم کیا پھر بھی ایسا کہو گی۔

کیوں کیا تمہاری شادی ہورہی ہے؟اچانک اس کی نظر منال کے لپ اسٹک سے بھرے ہونٹوں پر پڑی۔

ہاں ایسا ہی سمجھ لو،منال مسکرانے لگی۔

اورتم تو لپ اسٹک کبھی بھی نہیں لگاتی تھی، یہ تبدیلی کب سے آگئی ہے؟مرحا کو حیرت ہوئی۔

جب کسی سے پیار ہوجاتا ہے،تو پھر تبدیلی آہی جاتی ہے۔منال نے شرماتے ہوئے کہا۔

کیا؟مرحا کی حیرت کئی گنا تھی۔

ہاں !مرحا مجھے کسی سے محبت ہوگئی ہے۔منال نے اس سے نگاہیں چرالیں۔

ارے پاگل لڑکی میں تمہیں اپنی بھابھی بنانا چاہتی تھی،اور چند دنوں میں تمہارا رشتہ لارہی تھی۔

میری اچھی اور بہت پیاری سہیلی،تم دیر کرچکی ہو۔میں تمہیں اس سے بہت جلد ملاؤں گی۔اور اماں بھی ہمارے ساتھ رہیں گی۔میں اس کے ساتھ سب کچھ طے کرچکی ہوں۔اس کے آگے پیچھے کوئی بھی نہیں ہے۔اور اگر میں تمہاری بھابھی بن گئی۔تو میں نہیں چاہتی کہ کل ہم میں، جھگڑے ہوں۔نند اور بھاوج کی تو کبھی بھی نہیں بنتی۔میں اپنا دوستی بھرا رشتہ کھونا نہیں چاہتی۔جو تم سے بہنوں سے بڑھ کر ہے۔

اورتمہارا وہ عاشق؟مرحا نے الجھ کر پوچھا۔

ارے وہی تو ہے۔تم تو اسے جانتی ہی ہو۔منال اس کے گلے سے جالگی۔

مگر وہ تو کسی ایمان سے محبت کرتا تھا۔جو تمہاری ہم شکل تھی۔

یار مرحا،اصل میں کوئی ایمان تھی ہی نہیں،اس نے جو تصویریں ہمیں دکھائی تھیں۔وہ سب فوٹو شاپ کا کمال تھا،اصل میں وہ میری ہی تصویریں تھیں،تم بھی نہ کمال کرتی ہوں کیا اس دنیا میں کسی کا ہم شکل بھی ہوتا ہے۔اس نے میری تصویریں، کھینچ کر،فوٹو شاپ کی مدد سے اپنے ساتھ لگائی تھی۔وہ دراصل میرا توجہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔اور پھر جب تم آنٹی کے ساتھ ہسپتال میں تھی،تو میں نے اسے قسم دی کے مجھے سب کچھ سچ بتادو،تو اس نے بتادیا۔میں نے بھی اس کو اپنے بارے میں بتانا چاہا، مگر اسے سب کچھ پہلے سے ہی پتہ تھا۔پھر میں نے اس کا پیار قبول کرلیا۔اب بس اماں سے اُسے ملانا چاہ رہی ہوں۔اگر اماں راضی ہوں گی،تو میں بھی اس سے شادی کرلوں گی۔اس کی ماں دروازے سے باہر سب کچھ سن رہی تھی۔اب اسے منال کی بات ماننی ہی تھی۔کیونکہ منال کے سوا اس کا کون تھا۔

ارے پاگل اتنا سب کچھ ہوگیا،اور تم مجھے اب بتارہی ہو۔میں تو ہمیشہ تمہارے لیے دعاگوں رہوں گی کہ اللہ ہمیشہ تمہیں خوش رکھے۔مرحا کا بھائی عبداللہ کی بھی دلی خواہش تھی، کہ وہ منال کو اپنائے،مگر وہ جس منال کو چاہتا تھا۔اب وہ اس دنیا میں کہاں رہی تھی۔یہ تو موسم کی ایمان تھی، جو منال بن گئی تھی، کچھ خواہشات کہاں پوری ہوتے ہیں۔

اگلے دن،منال نے موسم کو گھر بلایا تو وہ آگیا۔اس نے پہلے سے اماں کو سب کچھ بتادیا تھا۔وہ راضی تھیں۔

تو یہ رشتہ طے ہوا۔ان دونوں کی منگنی دھوم دھام سے ہوئی۔موسم نے گھر کے پیسوں سے کاروبار کرلیا۔ اور پھر ان کی شادی ہوگئی۔دونوں ہنسی خوشی اماں کے ساتھ رہنے لگے۔ایمان نے منال بن کر سب کو دھوکہ دے دیا۔اور یوں موسم،منال کے ساتھ ان کے گھر میں رہنے لگا۔مرحا نے اس کی شادی کے شاپنگ میں خوب ساتھ دیا۔اور اس کے مہندی اور ولیمے پر خوب دل سے محنت کی۔اور ناچ گانا ہر چیز میں بھرپور ساتھ دیا۔

Digitized by Google